زندگی دھوپ تم گھنا سایہ

عفت سحر طاہر

عادل خدا کے لیے۔ آج یہ بات زبان پہ لائے ہو' آئندہ کبھی ایسا سوچنا بھی مت۔ اپنے باپ کو نہیں جانتے تم""

آسیہ بیگم خوف سے زرد پڑ گئی تھیں۔

اکلوتا' لاڈلا بیٹا فرمائش بھی کر رہا تھا تو کیسی......؟؟

چاند کو چھونے کی۔ انہونی کرنے کی۔

سب جانتا ہوں میں۔ مگر آپ بھی تو جانتی ہیں چچا جان کے ہاں کا ماحول' زہر لگتی ہے مجھے ان کی "نوین"۔ "

وہ آخر میں دانت پیس کر بولا تھا۔

جب جانتے ہو تو پھر کیوں مجھے تنگ کر رہے ہو" وہ تھک سی گئیں۔ "

عادل نے لجاجت سے ماں کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"امی پلیز۔ آپ ایک بار تمکین سے مل کے تو دیکھیں۔ گرویدہ ہو جائیں گی اس طبیعت کی۔ "

میں جانتی ہوں میرے چاند۔" انہوں نے دونوں ہاتھوں میں کا چہرہ تھام کر کشادہ پیشانی چوم لی۔ پھر نم لہجے میں" بولیں۔

میرا بیٹا کسی ایسی ویسی لڑکی کو پسند نہیں کر سکتا۔ مگر میری جان یہاں مسئلہ اور ہے۔ تمہارے ابو زبان دے چکے ہیں"

"تمہارے چچا کو اور اب سے نہیں گزشتہ کئی سالوں سے یہ بات طے ہے۔

زبان ہی دی ہے نا۔ منگنی یا نکاح تو نہیں ہوا نا۔" وہ ہٹ دھرمی سے کہنے لگا۔"

اور پھر زندگی میری ہے امی جان اور مجھ سے انہوں نے کبھی پوچھنا بھی گوارہ نہیں کیا کہ میں اپنی زندگی میں کیسی لڑکی" "چاہتا ہوں

"تو یہ سب باتیں آپ ابو سے کیوں نہیں کہتے۔ امی بیچاری کس کھاتے میں بھلا۔ "

روشین کے روکنے کے باوجود فرحین بولتی ہوئی امی کے کمرے میں داخل ہوئی تو عادل نے گھور کے اسے دیکھا۔ مگر وہ متاثر ہونے والوں میں سے نہیں تھی۔

ٹھیک کہہ رہی ہوں میں۔ انہیں کیوں مشکل میں ڈال رہے ہیں۔ یہ کبھی بھی ابو سے یہ بات نہیں کر سکتیں۔ آپ خود"
ان سے بات کریں کہ آپ مسمات نوین رضوان حیات سے بقائمی ہوش و حواس شادی سے

"انکاری ہیں۔ انکار کی وجہ تسمیہ ضرور بتایئے گا۔ پھر دیکھیے گا اپ کی بارات کتنی "دھوم دھام" سے نکلتی ہے۔
اس کے لب و لہجے سے جھلکتی تلخی اور طنز عادل کا منہ سرخ کر گیا جبکہ آسیہ بیگم نے اسے فوراً ہی ڈانٹ دیا۔
"بکومت۔ بڑا بھائی ہے تمہارا۔ یوں بات کرتے ہیں"
اوفوہ۔ امی جی۔ آپ بھی کمال کرتی ہیں۔ حقیقت تو یہ بھی جانتے ہیں' پھر خوامخواہ میں گھر کو اکھاڑہ بنانے پہ کیوں"
تلے ہوئے ہیں"۔ وہ قدرے جھنجلائی۔
تم.......بی جمالو......" عادل نے دانت پیسے۔"
"جو مرضی چاہے کہہ لیں۔ مگر ابو سے آپ خود ہی بات کریں۔ امی کی جان پہ ترس کھائیں۔"
فرحین نے رکھائی کا مظاہرہ کیا تھا۔ روشین ماحول کا تناؤ دیکھ کر کھنکھارتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔
اپنی بہتر زندگی کے لیے میں ان کے آگے بھی کھڑا ہو سکتا ہوں۔" عادل نے تنتنا کر کہا۔ تو آسیہ بیگم کا دل دہل گیا۔"
"نہ میری جان۔ ایسے نہیں کہتے۔ باپ کی نافرمانی کرو گے۔"
ان سے ریکویسٹ کروں گا امی جان کہ میں تمکین سے شادی کرنا چاہتا ہوں مائی لارڈ۔ مجھے آزادی دیں فیصلہ کرنے"
کی۔" وہ ٹھنڈا پڑنے لگا۔
روشین خاموشی سے امی کے ساتھ لگ کے بیٹھ گئی۔
اپنی بزدلانہ فطرت کے مطابق آنے والے وقت کی "دھمک" سن کر وہ ابھی سے کانپنا شروع ہو گئی تھی۔
ویری گڈ......" فرحین نے سراہا۔ اور مسکرا کر بولی۔ "اور وہ کہیں گے۔ نو۔"۔ "یہ میری زندگی ہے۔ اور اس کا"
"فیصلہ میں خود کروں گا۔
عادل تلملا اٹھا۔ "کب سے سن رہی ہوں میں کہ یہ آپ کی زندگی ہے۔ ہاں۔ یہ آپ ہی کی زندگی ہے۔ مگر کبھی یہ بھی

سوچ لیں کہ اس سے منسلک بھی کچھ زندگیاں ہیں۔ جن میں آپکی ماں اور بہنیں شامل ہیں۔ اور "آپکی" زندگی کے فیصلے جن پر اثرانداز ہوتے ہیں۔"

"تم چپ رہو۔" عادل کو اس کی بحث نے خفیف کر دیا تو وہ اسے ڈانٹتے ہوئے بڑے پن کا رعب دکھانے لگا۔

"جو چپ رہے گی زبان خنجر

"لہو پکارے گا آستین کا

پھر وہی تمسخر۔ وہی استہزاء

عادل کو غصہ آنے لگا

"دیکھ ہی رہی ہیں بیچاری اتنے سالوں سے۔ نیرنگئ حالات۔" فرحین کا اطمینان قابل دید تھا۔

آسیہ بیگم کو خفقان ہونے لگا۔

جہاں عادل کی ہٹ دھرمی انہیں خوفزدہ کرتی تھی وہیں فرحین کی زبان دل دہلاتی رہتی تھی۔ کسی کے سامنے کب کیا کہہ دے۔ کچھ پتہ نہیں چلتا تھا۔

"بس کرو۔ خدا کے لیے تم دونوں ہی چپ ہو جاؤ۔"

انہوں نے سر ہاتھوں میں تھاما تھا تو وہ دونوں ہی بوکھلا گئے۔

"آپ ایسا فیصلہ کیوں کرنا چاہتے ہیں کہ جس سے اتنی زندگیاں متاثر ہوں۔"

روشین بے بسی سے بولی تھی۔

درحقیقت وہ آسیہ بیگم ہی کا پرتو تھی۔ ڈرپوک اور زود رنج۔

اور ادھر عادل اور فرحین پر باپ کا سایہ پڑا تھا۔ دونوں ہی سکندر حیات کی طرح ہٹ دھرم اور ضدی طبیعت کے مالک تھے۔

"زندگی ایک ہی بار ملتی ہے روشین۔ اور تم لوگ کیا چاہتے ہو کہ میں اس نوین کے ساتھ شادی کر کے روگ پال لوں۔"

"میٹرک میں دو سپلیاں لے کے جو گھر بیٹھ رہی تھی اور نت نئے فیشن کرالو اس سے یا پھر لگائی بجھائی۔
وہ جل بھن کر کہنے لگا۔
"آپ کے نصیب۔"
فرحین نے اطمینان سے کہتے ہوئے اس کا اور جی جلایا تھا۔
"تم دیکھ لینا۔ میرے نصیب میں تمکین ہی ہوگی"

وہ اٹل ارادے کے ساتھ بولا تو آسیہ بیگم اندر ہی اندر دہل کر بھی "آمین" کہنے سے خود کو روک نہ سکیں۔

☆☆☆

آج اسکول میں جاب کا پہلا دن تھا۔ تھری کلاس کے بچے اس قدر شوخ و شرارتی تھے کہ وہ انہیں قابو کر کر کے ہلکان ہو گئی۔ وہ بھی شاید نئی کلاس ٹیچر کی شریفانہ طبیعت بھانپ گئے تھے۔ اس قدر شور مچایا کہ الامان' الحافیظ۔ دو مرتبہ پرنسپل کا پیون وارننگ لے کر آیا تو رانیہ نے زبردست جھاڑ پلاتے ہوئے پوری کلاس کو سزا میں کھڑا کر دیا۔ تب کہیں جا کے سکون نصیب ہوا۔

ایک پرائیویٹ اسکول میں یہ نوکری اسے چچا جان کے توسط سے ملی تھی' سرکاری اسکول میں تعلیم حاصل کرنے والی رانیہ عارف نے اپنی استانیوں کو کلاس میں بیٹھ کر محض سویٹر بنتے ہی دیکھا تھا۔ عموماً وہ آکر مانیٹر کو لڑکیوں سے سبق سننے پہ لگا کر ارد گرد کی کلاس ٹیچرز کے ساتھ گپیں لڑانے میں مصروف ہو جاتیں۔ مگر پرائیویٹ اسکول میں تو اس کے 'تمام خواب و خیالات بھک سے اڑ گئے۔ مار نہیں پیار

یہ نعرہ لگانے والے اگر ان شرارتی بچوں کو دیکھ یا بھگت لیتے تو خوب سے خوب تر موٹا ڈنڈا لے کر ان کی ٹھکائی کرتے۔

فی الحال تو اس پہلے دن کا رانیہ پر کچھ خاص اچھا اثر نہیں پڑا تھا۔ وہ سخت بدمزہ ہوئی۔ چھٹی ہونے کا بچوں کو اتنا انتظار نہ تھا جتنا کہ رانیہ کو تھا۔

اور اب سر کا درد۔ اوپر سے واپسی پر لوکل وین کا سفر۔
وہ گھر میں داخل ہوئی تو نڈھال تھی۔ مگر ثوبیہ اسے دیکھ کے ایسے چہکی جیسے وہ کسی بہترین پکنک کے مزے لوٹ کر گھر پہنچی ہو۔
"او ہو...... آ گئی سواری جنابہ کی۔"
اس کی آواز سنکر ہی صائمہ لپکی تھی۔
"چھٹی ہو گئی تھی یا تمہاری چھٹی کر دی گئی؟"
صائمہ کو طنز کرنے میں ملکہ حاصل تھا۔ یہ رانیہ کا قطعی ذاتی اور پوشیدہ خیال تھا جسے دیگر باتوں کی طرح ظاہر کرنے سے نقص امن کا خطرہ تھا۔
وہ تھکی تھکی سی برآمدے میں بچھے تخت پر ٹک گئی۔
چچی جان کہاں ہیں؟" اس نے یونہی بات بدلنے کو سوال کیا۔ تو صائمہ ہی تیکھے لہجے میں بولی۔"

"تم کون سا محاذ سے لوٹ رہی ہو کہ سارا گھر تمہارے استقبال کو یہیں کھڑا ہوتا۔ وہ اپنے کمرے میں لیٹی ہیں"
"چلو اب وہ دیر نہ کرو۔ سخت بھوک لگ رہی ہے۔"
ثوبیہ نے بے زاری سے کہا تو اس کے دل خوش فہم میں امید جاگی۔ شاید آج کھانے پر اس کا انتظار کیا جا رہا تھا۔
ہاں بھئی۔ جو بھی ہے رانیہ ہی ہے اس گھر میں۔ میری پکائی روٹی بھی کسی کو پسند نہیں آتی۔ ورنہ ابھی تک سب "بھوکے نہ بیٹھے ہوتے۔
صائمہ ناک چڑھا کر کہتی اندر کی طرف بڑھی تو رانیہ پر منوں اوس پڑ گئی۔
"ابھی روٹیاں نہیں پکیں؟"
اس نے بڑی آس سے ثوبیہ کو دیکھا کہ شاید وہ کوئی حوصلہ افزا جواب دے۔
کون پکاتا؟" اس نے بڑے انداز سے پوچھا۔ "نوکری کر لی تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ گھر کے کاموں کی چھٹی"

ہو گئی۔ روٹیاں تو پہلے بھی تم ہی پکاتی تھیں۔ میں نے تو اتنی محنت سے سلاد اور رائتہ بنایا ہے"۔
رانیہ کا جی چاہا کہ وہ بھی جیوں بنا لیے کہ ان کے بغیر تمہارا نوالہ حلق سے نیچے نہیں اترتا۔
مگر وہی ازلی بزدلی۔
اس کا دل خون کے آنسو رونے لگا۔
رات چچی جان کے ڈر سے اس نے ہانڈی چڑھا دی تا کہ آج مسئلہ نہ بنے اور صبح صبح اٹھ کے جہاں تک ہو سکا صفائی کا کام نمٹایا اور سب کے لیے ناشتہ بنا کے پھر اسکول کے لیے نکلی۔
اور اب یہ باقی ڈیوٹی۔
وہ خاموشی سے بیگ اٹھائے کمرے میں آئی تو ثوبیہ ماں کے کان بھرنے کے لیے بھاگی۔
اس کا ارادہ یہی تھا کہ جوتی' چادر اتار کے' منہ ہاتھ دھو کے ذرا فریش ہو کے پھر روٹیاں ڈالے۔ مگر ثوبیہ نے جانے ماں کے کان میں کیا پھونکا تھا۔ چچی جان کی تیز آواز پر اس کے دو چار چھپاکے مار کے چہرے پر لگا صابن کا جھاگ آدھا ادھورا دھویا اور باتھ روم سے باہر نکلی۔
"نہ' تم نے ٹائم نہیں دیکھا کیا ہو رہا ہے؟"

چچی کی تیوریاں تو شاید پیدائشی ہی چڑھی ہوئی تھیں تیکھے لہجے اور کراری آواز میں بولیں تو رانیہ شرمسار ہونے لگی۔
"میں بس منہ ہاتھ دھو کے آ ہی رہی تھی۔"
"تو وہاں کون سا فیشن پریڈ میں حصہ لینے جانا ہے۔ دو چار روٹیاں ہی تو ڈالنی تھیں۔ وہ بھی تمہیں سیاپا لگ رہا ہے۔"
چچی کون سا اس کی وضاحتیں سننے کی عادی تھیں۔
انہیں صرف اپنی سنانی اور اپنی کرنا آتی تھی۔
رانیہ گلے میں دوپٹہ ڈالتی' چپل گھسیٹتی تیزی سے کچن کی طرف بڑھی' پیچھے چچی کی بڑبڑاہٹ با آواز بلند اسی لیے جاری تھی کہ رانیہ تک بخوبی پہنچ جائے۔
غضب خدا کا۔ اڑھائی' پونے تین بج گئے' آ لینے دو میاں کو۔ ابھی خبر لیتی ہوں۔ کہہ رہے تھے ڈیڑھ پونے دو تک"

چھٹی ہو جائے گی۔ تو یہ کہاں پڑھا کے آ رہی ہے اڑھائی بجے"۔

رانیہ کا دل دھک سے رہ گیا۔

چچی جان کی بدگمانیوں اور بزبانیوں کی کوئی حد نہ تھی۔

روٹیاں بن گئیں کھانا لگ گیا' مگر وہی موضوع گھسیٹا جاتا رہا۔

واصف بھی آوارہ گردی کر کر کے شاید تھک گیا تھا' عین کھانے کے ٹائم آپہنچا۔

"جہاں اتنا انتظار کرایا ہے تھوڑا اور سہی' جا کے اس کے لیے بھی دو روٹیاں ڈال دو۔"

انہوں نے اس کے کھانے سے فارغ ہونے کا بھی انتظار نہیں کیا تھا۔ جتانے والے انداز میں بولیں تو وہ وہیں نوالہ چھوڑ کر اٹھ گئی۔ تیز آنچ پہ جلدی جلدی روٹی دیکھتے ہوئے اس کا دل چاہ رہا تھا اپنی قسمت پہ کھل کے روئے۔

ماں باپ کا مر جانا اتنی بڑی بدنصیبی ہوتا ہے یہ اسے اس در پہ آ کے پتہ چلا تھا۔

آنسو روکنے کی کوشش میں اس کا گلا دکھنے لگا۔ آنکھوں میں سرخی اتر آئی۔

"کیا حال ہے سرکار......؟"

واصف کی آواز بہت قریب سے اچانک آئی تو وہ اچھل ہی پڑی۔ کاٹن کے قدرے نئے گلابی سوٹ میں دوپٹہ لاپروائی سے گلے میں ڈالے وہ اپنے متناسب سراپے اور تمتماتی رنگ کے ساتھ واصف کے دل میں

کھب رہی تھی۔

اسکی غلیظ نظروں کے کیچوے اپنے بدن پہ سینگتے محسوس کر کے واصف کا سامنا ہمیشہ ہی اس کے رگ و پے میں ایک وحشت آمیز سنسنی دوڑا دیتا تھا۔ اس کی غلیظ نظریں' گھٹیاں رومانوی ڈائیلاگ' مگر بہت سی باتوں کی طرح وہ یہ سب برداشت کرنے اور کرتے رہنے پر مجبور تھی۔ "ہو...... ہو......" وہ اپنے مخصوص بھدے انداز میں ہنسا۔

"...ڈر گئی ہو سوہنیے"

وہ ذرا اور نزدیک ہوا تو رانیہ نے جلدی سے روٹیوں والی چنگیر اٹھالی اور اس سے کترا کے تیزی سے باہر لپکی۔

"...... تیری تو"

وہ زیر لب کچھ بکتا اس کے پیچھے آیا تھا۔

وہ روٹیوں کی چنگیر دستر خوان پہ رکھ کے اپنے اور ان دونوں بہنوں کے مشترکہ کمرے میں آ گئی۔۔ چچی جان اب واصف کو اس کی "آزادی" اور اڑھائی بجے واپسی کا قصہ نمک مرچ لگا کے سنا رہی تھیں۔

وہ حسب عادت بھڑکنے لگا۔

تو گھر بٹھالو۔ اچھی شکل لے کے باہر جائے گی تو کوئی نیا ہی چاند چڑھائے گی"۔"

رانیہ خوف سے نچڑنے لگی۔

اب اتنی بھی اچھی شکل نہیں ہے۔" صائمہ کو اس نے پورے جملے میں سے بس یہی دو لفظ قابل اعتراض لگے تھے۔"

"ابا تو کہہ رہے تھے کہ جلدی چھٹی ہو جائے گی۔"

ثوبیہ کو بڑے بھولپن سے بات کر کے جلتی پہ تیل چھڑکنے میں کمال حاصل تھا۔

نہ، بھئی۔" چچی نے اپنے مخصوص انداز میں بات شروع کی۔ "ہم کون ہوتے ہیں اسے گھر بٹھانے والے۔ نہ تین"

"میں نہ تیرہ میں۔ تمہارے باپ کی لاڈلی ہے۔ اسی نے یہ پینگ ڈالی ہے جو اب وہ چڑھا رہی ہے۔

رانیہ نے ٹانگیں سمیٹ کر سینے سے لگا لیں۔

یہ پگھلتا سیسہ وہ اپنے کانوں میں انڈیلنے پر مجبور تھی۔ تین کمروں کے اس گھر میں شاید ہی کوئی بات کسی سے پوشیدہ رہ پاتی۔ اور پھر ویسے بھی انہیں کون سا کسی کا ڈر تھا کہ وہ آہستہ بولتیں۔

اس کے آنسو بہنے لگے۔

یہی چچی تھیں جنہوں نے ایک عرصے سے طعنے دے دے کر اس کا جگر چھلنی کر دیا تھا۔

"ارے خود کے تین سنپولیے دکھائی نہیں دیئے جو یہ ناگن بھی اٹھا لائے۔"

وہ بولتے ہوئے الفاظ پہ توجہ کم ہی دیتی تھیں۔

رانیہ ایف اے کر چکی تھی جب پہلے اماں اور پھر سال بھر بعد ہی ابا بھی دنیا سے رخصت ہو لی۔

نہ کوئی تسلی نہ وصیت۔
وہ بت بنی اپنی دنیا ہاتھوں سے نکلتی دیکھتی رہی۔
چچا کو مجبوراً اسے ساتھ گھر لانا پڑا۔ کہ آگے پیچھے اور تو کوئی تھا نہیں۔ چچی نے تو وہ واویلا مچایا کہ رانیہ کی سٹی گم ہو گئی۔
"اوہ بھلی لوگ۔ پڑھی لکھی ہے۔ کہیں نوکری ووکری لگا دوں گا۔ ہم پہ بوجھ نہیں بنے گی۔"
چچا کے ذہن میں جو پہلی بات آئی انہوں نے کہہ دی۔ مگر چچی تو گزشتہ دو سالوں سے ہی بات پلو سے باندھے ہوئے تھیں اسی غرض سے اپنے پرائیویٹ بی اے کرایا تھا۔ ثوبیہ اور صائمہ میٹرک سے آگے نہیں بڑھی تھیں۔ سو اندر ہی اندر جلتی کڑھتی رہتیں۔ وہ اپنے پہننے اوڑھنے اور بات چیت کے شائستہ انداز سے ان سے الگ نظر آتی تھی۔ اب یہی ہو سکتا تھا کہ وہ نفسیاتی طور پر اس کو دباتی رہتیں۔ چچی ہر وقت اٹھتے بیٹھتے ہاتھ تنگ ہونے کا ساتیں اور تو اور اس کی ماں کی حکائتیں۔
"شادی کے بعد دو سال ہی سسرال کے ساتھ رہی مگر مرحومہ نے میرے ساتھ اینٹ کتے کا بیر اتھا۔"
انہیں اس کی ماں سے پرخاش تھی' سو رانیہ سے انہیں ذرہ بھر بھی لگاؤ نہیں تھا۔ ان کا بس نہ چلتا تھا' اسے چوٹی سے پکڑ باہر کا رستہ دکھاتیں۔ چچا کے گھر والا مان نہیں ملا تو تشکر کے اظہار کے لیے رانیہ نے گھر کے تمام کام اپنے ذمہ لے لیے۔ ثوبیہ' صائمہ نے تو خدا کا شکر ادا کیا کہ ان کا بھی ملازمیہ رکھنے کا شوق پورا ہوا۔ اور تو اور ہانڈی روٹی میں بھی اس کا ہاتھ یوں ڈلوایا گیا جیسے اس گھر کی نئی بہو وہی ہو۔ ایک بار چھٹی کے روز چچا نے اسے پہلے صفائی ستھرائی اور اس کے بعد کچن میں اکیلے ہلکان ہوتے دیکھا تو ذرا ہمدردی جتا ہی دی۔
نیک بخت' اپنی دونوں کو بھی ساتھ لگا دو۔ اکیلی کہاں تک کرے گی"۔

اے لو......" چچی نے استعجاب سے ہونٹ پہ انگشت رکھی۔ "نہ۔ میں کہوں مجھے کیا فائدہ اس کی ان پھرتیوں کا۔"
اگر گھر کے کام کرتی ہے' ہانڈی چولہا سنبھالتی ہے تو کل کلاں سسرال میں نام بھی تو کرے گی۔ کوئی یہ نہ کہے کہ "چچی نے تربیت نہ کی یتیم بچی کی۔

ان کی چالاکی بدطنیتی کی حد تک تھی۔ رانیہ کڑھ کے رہ گئی۔ چچا نے ایک بار بھی نہ سوچا کہ ثوبیہ' صائمہ کی بھی تو شادیاں ہونگی تو کیا تمہیں سسرال میں نام نہیں کرنا اپنی ماں کی تربیت کا۔
مگر وہ اپنا من بھر کس سر ہلا کے رہ گئے۔ یوں بھی چچی کے بارعب اور چیختی چنگھاڑتی شخصیت کے آگے وہ دبو سے بن جاتے تھے۔
اور اب یہ نیا فیختہ۔
چچا جان نے اسے اسکول میں نوکری تو دلوادی تھی۔ مگر ذمہ داریوں کا پہاڑ شانوں پہ لے کے یہ نوکری کرنا کس قدر مشکل تھا۔ یہ رانیہ کو آج پہلے دن ہی پتہ چل گیا تھا۔
روتے ہوئے اس نے سفید چادر چہرے تک اوڑھ لی۔ کہ کہیں ان دونوں بہنوں میں سے کوئی ادھر نکل آتی تو پھر سے ایک محاذ کھل جاتا۔

☆☆☆☆

سکندر حیات ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوئے تو ٹی وی اسکرین میں "کبھی" بیٹھی فرحین نے بڑی پھرتی سے انڈین چینل بدلا مگر اس کا یوں "جم کے" ٹی وی کے آگے بیٹھنا ہی قابل گرفت تھا۔ انڈیا' پاکستان کی بات تو خیر بعد میں اٹھتی۔
"......السلام و علیکم"
اس نے ان پر سلامتی بھیجی جو سر پہ کھڑے کسی فوج کے سربراہ معلوم ہو رہے تھے۔
وعلیکم والسلام...... یہ وقت ہے ٹی وی کے آگے بیٹھنے کا؟ وہی مخصوص اکھڑ اور بے اعتنائی سے بھرپور لہجہ۔"
وہ پرانے زمانے ہوتے تھے ابو جی۔ جب ٹی وی دیکھنے کا ایک وقت ہوتا تھا۔ اب تو جب بھی اٹھ کے ٹی وی لگاؤ" "سینکڑوں چینلز آن ایئر ہوتے ہیں۔
فرحین کی ڈھٹائی قابل دید تھی۔ امی کے ساتھ کچن میں چائے بناتی روشین اش اش کر اٹھی۔
شاباش........." سکندر حیات کے انداز میں طنز بھر گیا۔"

"بہت اچھی معلومات ہیں بیٹا جی۔ مگر یہی دماغ اگر کسی اچھے کام میں لگالو تو زندگی سنور جائے تمہاری۔"

"پڑھ تو رہی ہوں ابو جی۔ زندگی بھی سنور جائے گی۔"

اسے اطمینان تھا۔

تو کون سا احسان کر رہی ہو۔ پڑھ تو رہی ہوں۔" انہوں نے چڑ کر کہا پھر گویا اس کی نقالی کی۔"

اٹھو ٹی وی کے آگے سے"۔"

لو جی۔ اب بندہ اپنی مرضی سے ٹی وی بھی نہیں دیکھ سکتا۔" اس نے منہ پھلاتے ہوئے ٹی وی آف کیا تھا۔"

خبردار جو اپنی مرضی چلانے کی بات کی ہو تو۔ جب تک میں زندہ ہوں میری مرضی کے بغیر سوئی تک نہیں ملے گی"

"اس میں۔

اپنی طبع کے مطابق وہ فوراً آتشیں موڈ میں آنے لگے۔

"فری۔ اٹھو چلو اپنے کمرے میں جاؤ۔ تمہاری وارڈروب سیٹ کرنے والی ہے۔"

آسیہ بیگم نے کچن سے نکلتے ہوئے مصروف انداز میں یوں کہا جیسے انہیں وہاں کی بات چیت کا اندازہ ہی نہیں، در حقیقت تو وہ فرحین کو وہاں سے ہٹانا چاہتی تھیں اور وہ بھی ماں کے اس مخفی اشارے کو خوب سمجھتی تھی، تبھی ریموٹ صوفے پر اچھالتی، پاؤں پٹختی وہاں سے ہٹی، سکندر حیات ماتھے پہ بل ڈالے اس کے انداز ملاحظہ کر رہے تھے۔

یہ لڑکی ہاتھوں سے نکل رہی ہے آسیہ بیگم" انہوں نے سنگدلی سے پیش گوئی کی تو ان کا دل دہل گیا۔"

کیسی باتیں کرتے ہیں آپ۔ بیٹیوں کے متعلق بھی بھلا کوئی" وہ جزبز ہو کر بولیں تو انہوں نے کاٹ کھانے والے" انداز میں کہا۔

"ہاں۔ اب تم مجھے سمجھاؤ گی بات چیت کے انداز۔ تم میرے منہ میں الفاظ ڈھونسو نگی۔"

آسیہ بیگم ان کی برہمی پر گھبرا گئیں۔

ان کا تو ہمیشہ سے یہی وطیرہ تھا۔ چھوٹی سی بات کو چیونگم کی طرح کھینچتے تھے۔ اور کچی لسی کی طرح بڑھاتے تھے۔

آپ کپڑے تبدیل کرلیں۔ پھر میں چائے لے کے آتی ہوں" وہ یوں بات بدل گئیں جیسے بات کچھ تھی ہی نہیں۔"

سکندر حیات دانت پیستے ہوئے پلٹے۔ آسیہ بیگم کا یہ پسپا انداز ان کے اندر ابلتے لاوے کو سرد کرنے کی بجائے مزید بڑھاوا دیتا تھا۔

یہ عورت کبھی بھی مجھے اپنے اندر کی جلن نکالنے نہیں دے گی"۔"

آسیہ بیگم چائے لے کر کمرے کی طرف بڑھیں اور روشین نے اپنے کمرے کا رخ کیا۔

کمرے میں جا کر وہ بوکھلا سی گئی۔ الماری میں سے کپڑے اڑا اڑ کر سارے کمرے میں بکھر رہے تھے۔

"ارے...... یہ کیا کر رہی ہو؟"

وہ افتاں و خیزاں فرحین کی طرف بڑھی جو منٹوں میں الماری خالی کر چکی تھی۔

بس...... ہو گئی سیٹنگ" وہ اطمینان سے ہاتھ جھاڑتی ہوئی پلٹی۔ "

کیا یہ بدتمیزی ہے فرحین؟" روشین کو غصہ آیا۔ "

"جس وقت میرا جو جی چاہے گا میں وہی کروں گی"

وہ آرام سے کہتی اپنے بیڈ پہ جا بیٹھی۔ روشین پل بھر میں معاملے کی تہہ تک پہنچ گئی۔

تو دیکھتی رہتیں بیٹھ کے وہ "ایمان افروز" پروگرام۔ یہاں آ کے اپنی "بہادری" دکھانے کا کیا مقصد ہے۔" "

روشین نے جل کے کہا۔ تو وہ فوراً بولی۔

میں تو یہی کرتی۔ اگر امی بیچ میں نہ آتیں اور مجھے پتہ تھا کچھ دیر بعد کچن سے تمہاری رونی صورت بھی برآمد ہو جائے " گی"۔

"شٹ اپ"

تھینکیو....... " اس کی خفگی پر وہ بے نیازی سے بولی۔ "

جی تو چاہتا ہے کہ سب کچھ یہیں پڑا رہنے دوں اور جا کے ابو کو بلا لاؤں۔ صحیح داد تو وہی دے سکتے ہیں۔ تمہارے ان " "کارناموں کی

وہ کڑھتے ہوئے جھک کے زمین پہ بکھرے کپڑے سمیٹنے لگی۔
"کبھی "جی" کی بھی مان لیا کرو۔ رہنے دو پڑا سب کچھ۔"

اسکی ڈھٹائی کی تو خود روشین بھی معترف تھی۔ سوائے ایک نظر گھور کے پھر سے اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔ جبکہ اس نے اب اطمینان سے فیشن میگ کھول لیا تھا اور گنگناتے ہوئے اس کے صفحات کو الٹنے پلٹنے لگی۔

☆☆☆☆

سوٹ کیس کھلے پڑے تھے۔ جگمگاتے کپڑے، قیمتی جیولری اور پرفیومز کے ساتھ ساتھ دیگر بہت سارا سامان۔
وہ سب کھلے ہوئے چہروں کے ساتھ سارا سامان دیکھ رہے تھے اور آپس میں بانٹ رہے تھے۔
"لڑکیو! بس کرو اب۔ پہلے بھائی سے تو پوچھ لو کون سی چیز کس کے لیے ہے۔"
رشیدہ بیگم کے لب و لہجے میں دونوں بیٹیوں کے لیے پیار بھری سرزنش تھی۔
کوئی مسئلہ نہیں ہے امی۔ بھائی جان نے سب کی چیزوں پہ نام کی چٹ لگا رکھی ہے۔" شبینہ نے فوراً جواب دیا تو چائے" کا مگ ہونٹوں سے لگاتا وہ بے اختیار مسکرا دیا۔
یہ لڑکیاں تو چیزیں دیکھ کے دیوانی ہو رہی ہیں"۔"
انہوں نے شبینہ کو گھورا۔
یہ دیکھیں ذرا۔ آپ کے لیے بھائی جان الگ سے سوت کیس بھر کے۔ چیزیں لائے ہیں۔ اب اگر اس میں سے ہمیں" کچھ پسند آجائے تو؟" ان کی شادی شدہ بیٹی نگینہ نے للچاتی نظروں سے ان کے سوٹ کیس کو دیکھا تھا۔
"خبردار۔ امی کی چیزوں کو کوئی ہاتھ نہیں لگائے گا۔"
احراز نے فی الفور انہیں وارننگ دی تو اپنے ہاتھ کی پشت پہ پرفیوم چھڑک کر چیک کرتا ابرار ہنستے ہوئے بولا۔
"یہ قوم بڑی لالچی ہے بھائی۔ اتنا سامان کھلا پڑا ہے۔ مگر انہیں پسند آئے تو ہمیشہ دوسرے کی چیز۔"
ہاں بھئی۔ میرا بیٹا میرے لیے بڑی محبت سے چیزیں لایا ہے خبردار جو کسی نے کسی چیز کو ہاتھ لگایا تو"۔"
رشیدہ بیگم نے بھی صاف لفظوں میں کہا تو نگینہ آہ بھر کے ان کی ایرانی جرسیوں کو دیکھ کر رہ گئی۔ حالانکہ وہ ان دونوں

بہنوں کے لیے بھی کچھ کم شاپنگ کر کے نہیں لایا تھا۔
"فکر مت کرو۔ جب میں باہر جاؤں گا تو ٹرک میں بھر کے تم دونوں کے لیے سامان لایا کروں گا۔

ابرار نے انہیں تسلی دیتے ہوئے در پردہ بھائی کو اس کا وعدہ یاد دلایا کہ اب وہ اسے بھی اپنے پاس بلالے۔
احراز سنجیدہ ہو گیا۔
خدا نہ کرے کہ تمہیں کبھی پردیس کاٹنا پڑے۔ جو کچھ وہاں میں نے سہا ہے وہ میں ہی جانتا ہوں۔ بلکہ ابھی تک ایک"
"مسلمان ہونے کے جرم میں وہاں میری جگہ نہیں بن پائی۔ یہ تو بس خدا نے دانہ پانی وہاں لکھ رکھا ہے میرا
"مگر آپ نے تو کہا تھا کہ میرے کاغذات جمع کرادیں گے۔"
ابرار کو اس کی باتیں پسند نہیں آئیں تو احتجاجاً بولا۔
رشید بیگم بھی متفکر ہوئی تھیں۔
"اوفوہ۔ بنیازی چیز ہے روزی کمانا۔ تو میں تمہیں سپورٹ کروں گا تم یہاں جو جی چاہے کاروبار شروع کر لو۔"
وہ نرمی سے کہتے ہوئے مسکرایا مگر ابرار کا موڈ بحال نہیں ہوا۔ اس نے وہ بلیک چرمی جیٹ بھی اتار دی جو وہ بڑے شوق سے پہن کے چیک کر رہا تھا۔ اور پرفیومز کا ڈھیر بھی سائیڈ پہ کر دیا۔
"جو وہاں چلا جاتا ہے یہاں والوں کو یہی لیکچر دیتا ہے۔"
وہ بے حد آف موڈ میں بولا تو احراز سنجیدہ ہو گیا۔
کچھ غلط نہیں کہتے وہاں جنے والے۔ خدا جانتا ہے کہ اجنبی وطن میں یہاں سے جانے والوں کو کتنی صعوبتیں برداشت"
"کرنا پڑتی ہیں۔
آپ نے بھی تو برداشت کر لیں۔ میں بھی کر لوں گا۔ اور ویسے بھی مجھے تو وہاں آپ کی سپورٹ بھی ہو گی۔ اکیلا تو"
"نہیں ہوں گا۔
وہ سب کچھ سوچے ہوئے تھا۔
"یہاں رکھا ہی کیا ہے بھائی جان۔ اچھا ہے اسے بھی پاس بلوالیں' آپ کے کندھوں کا بوجھ بھی بٹ جائے گا۔"

نگینہ نے بھی اس کی حمائت کی تھی۔
بتایا تو ہے میں نے کہ میں ابھی تک وہاں ایڈ جسٹ نہیں کرپایا۔" وہ پھر سے بولا تو رشیدہ بیگم نے ابرار کو چپ رہنے کا"
اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"رازی تمہاری تو اتنی اچھی نوکری ہے بھاری تنخواہ ہے۔ باری کو بھی ساتھ ہی رکھوالینا۔"
امی جی! بھاری تنخواہ یہاں کے لیے ہے۔ اٹلی میں تو ایک یورو بس ایک یورو ہی ہوتا ہے جبکہ پاکستان میں ایک یورو"
کے اٹھتر روپے ملتے ہیں۔ وہاں تو چائے کا ایک کپ تین یورو میں ملتا ہے۔ یعنی تقریباً اڑھائی سو پاکستانی روپے
"میں۔
اس نے تلخ سچائی بیان کی تو ابرار نے طنز کیا۔
یہ سب سوچتے رہیں تو یہاں کے رہنے والے وہاں جاکے فاقے کرنے لگیں"۔"
شروع شروع میں وہ بھی کرنا پڑتا ہے۔ کم تنخواہ، پیچھے گھر والوں کو زیادہ سے زیادہ پیسے بھیجنے کے لیے فاقے بھی کاٹنا"
"پڑے ہیں۔
وہ اس کے طنز کو نظر انداز کرتے ہوئے تحمل سے بولا تو وہ "ہنہ" کہہ کر سر جھٹکتا وہاں سے اٹھ کر ہی چلا گیا۔ چند
لمحوں کے لیے کمرے میں بالکل خاموشی چھا گئی۔
احراز کے لیے اس کی یہ بدتمیزی بالکل نہیں بات تھی۔ وہ خفیف سا ہو کر اپنی صفائی دینے والے انداز میں بولا۔
"اسے شاید اندازہ نہیں ہے وہاں کی مشکلات کا۔ اس لیے اتنی ضد کر رہا ہے۔"
اوہو۔ آپ بھی نا بھائی جان۔ کیا فرق پڑتا ہے اس سے۔ بلکہ آپ بھی ذرا بے فکر ہو جائیں گے۔ دونوں کی کمائی تو"
"لاکھوں روپے بن جائے گی۔
شبینہ کو بھی اس کی بات پسند نہیں آئی تھی۔ وہ خاموش رہ گیا۔
"اچھا اب بس کرو۔"

رشیدہ بیگم ابھی تک انہیں بولتے سن رہی تھیں مگر جونہی انہوں نے احراز کی خاموشی کو محسوس کیا اسی وقت انہیں جھڑک دیا۔

پانی کی گہرائی وہی بتا سکتا ہے جو اس میں اترا ہو۔ وہاں کی مشکلات رازی ہی کو پتہ ہیں تم لوگ تو یہاں بیٹھ کے صرف" "اندازے ہی لگا سکتی ہو یا پھر مفت مشورے دے سکتی ہو۔

میں تو ایسے ہی کہہ رہی تھی۔" شبینہ نے منہ بنایا۔"

تمہاری ساری باتیں بس ایسے ہی ہوتی ہیں۔ اٹھو' چل کے کچھ کھانے پکانے کا انتظام کرو۔ بلکہ رازی سے پوچھو آج کا" مینیو"۔

لو جی۔ ابھی بھی کھانا گھر ہی میں پکے گا؟" شبینہ کو جیسے کرنٹ لگا تھا۔"

کیا مطلب......؟" رشیدہ بیگم نے اسے گھورا۔"

"مطلب یہ کہ ہمارے بھائی اٹلی سے لوٹے ہیں۔ اب تو ہم ہوٹلنگ کیا کریں گے۔"

"نہ بھئی۔ تم لوگ بے شک ہوٹلنگ کرو۔ مگر میں تو یہاں گھر کے کھانے ہی کھانے آیا ہوں۔"

احراز نے صاف لفظوں میں خوشگواری سے کہا تو نگینہ نے منہ بنایا۔

"......وہی ٹینڈے' کدو"

ہاں۔ وہی ٹینڈے' کدو۔ جن کی اہمیت وہاں جا کے معلوم ہوتی ہے۔ میں تو تنگ آگیا تھا وہاں پہ برگر' مکیرونی۔" "پاستا کھا کھا کے' نرامیدہ۔

بہت ناشکرے ہیں آپ رازی بھائی۔ لوگ تو ترستے ہیں باہر جانے کے لیے اور آپ ہیں کہ وہاں کوئی خوبی دکھائی ہی" "نہیں دیتی آپ کو۔

نگینہ نے تاسف سے کہا تو وہ اداسی سے مسکرا دیا۔

خوبی کیوں نہیں ہے سسٹر۔ بہت سی خوبیاں ہیں۔ وہاں کی صفائی' وہاں کے قوانین و ضوابط' وہاں کی"

خوبصورتی۔ مگر ہم جیسے محنت مزدوری کرنے والے لوگ جو ہر وقت اپنے وقت کی قیمت کمانے میں جتے رہتے ہیں انہیں تو بس یہی دکھائی دیتا ہے کہ ہم غریب وطن ہیں۔ لوگوں کی رویئے خصوصاً نائن الیون کے بعد ہم مسلمانوں سے بہت دل گئے ہیں۔ قوانین ہمارے لیے زیادہ سخت ہو گئے ہیں۔ جہاں چار مسلمان اکٹھے ہوں وہاں چھاپے سے بھی گریز نہیں کیا جاتا۔ خوامخواہ کی انویسٹی گیشن۔" وہ حقیقت بتا رہا تھا۔

بات پھر وہیں پہ آجاتی ہے کہ لوگ پھر بھی رہ تو رہے ہیں ناں وہاں۔ اور پھر وہاں کی کمائی تو وہاں کی کمائی ہی ہے۔" تھری تکلیف۔ سہہ کے اپنے گھر والوں کو خوشیاں دینا تو اولاد کا فرض ہوتا ہے بھائی"۔

نگینہ نے جیسے درپردہ اسے جتایا تو وہ خفیف سا ہو کر بولا۔ "بس یہی بات تو پردیس کاٹنے کا حوصلہ دیتی ہے۔ مگر میں یہ نہیں چاہتا کہ ابرار بھی یہ بیگار کاٹے۔ میں ہوں نا۔ پیسہ بھیجوں گا وہ یہاں اپنا کاروبار سیٹ کرلے پھر میں بھی آجاؤں گا۔ "دونوں بھائی مل کر کاروبار چلائیں گے۔

"بالکل ٹھیک... تازی بالکل صحیح کہہ رہا ہے۔"

رشیدہ بیگم نے سنجیدگی سے کہا تو وہ ہلکا پھلکا ہو کر مسکرادیا۔

نگینہ نے کچھ کہنے کی واہوتے لبوں کو باہم بھینچ لیا اور شبینہ کے گولڈ کے ٹاپس دیکھنے لگی۔

☆☆☆☆

آسیہ بیگم الماری کے پٹ بند کر کے پلٹیں تو ساکت رہ گئیں۔

عادل کے پہلو میں کھڑی گوری رنگت اور اچھے نین نقش والی وہ لڑکی کون ہو سکتی ہے یہ وہ ایک ہی ساعت میں سمجھ گئی تھیں۔

یہ میری پیاری سی امی جان ہیں"۔"

عادل بہت شوخ لہجے میں اسے بتا رہا تھا۔

"السلام و علیکم۔

وہ یقیناً بہت پر اعتماد لڑکی تھی مگر آسیہ بیگم کے تاثرات نے اسے قدرے نروس کر دیا۔ اسی لیے وہ بہت جھجکتے ہوئے

بولی تھی۔

انہوں نے غائب دماغی کی کیفیت میں ہلکا سا اثبات میں سر ہلایا اور خالی نظروں سے عادل کی طرف دیکھا۔ وہ مسکراتے ہوئے ان کی طرف بڑھا اور انہیں شانوں سے تھامتے ہوئے بڑے مان سے بولا۔

"اور امی۔ یہ تمکین ہے۔ میں نے بتایا تھا نا آپ کو۔"

اس کے انداز میں اشارہ مخفی تھا کہ اب وہ اس سے اچھے طریقے سے ملیں۔

ارے تم کیوں شرماتی رہی ہو۔ آؤ نا۔ پیار لو امی سے"۔"

الاابالی سا عادل اس وقت اور بھی چلبلا ہو رہا تھا۔ شوخی بھرے انداز میں تمکین سے بولا تو وہ جھینپ کر آگے بڑھی اور سر آسیہ بیگم کے سامنے جھکا دیا۔

جیتی ہو۔" انہوں نے اس کے سر پہ ہاتھ پھیر کے دعا دی اور شاکی نظروں سے عادل کو دیکھا۔"

"تمکین تو بہت گھبرا رہی تھی یہاں آنے سے مگر میں نے اس سے آپ کی اتنی تعریفیں کی کہ اسے آنا ہی پڑا۔"

وہ گویا ان کی آنکھوں کی شکایت پڑھ کے بھی انجان بن رہا تھا۔

آسیہ بیگم کا جی چاہا اس سے کہیں کہ کچھ اپنے باپ کے متعلق بھی اسے بتا دیتے تو شاید یہ یہاں تک آنے کی زحمت نہ کرتی۔

تمکین ان کی خاموشی اور سنجیدہ تاثرات کو پڑھ کر گھبرا رہی تھی۔

☆☆☆☆

"آنٹی سے تو مل لیا۔ اب میں چلتی ہوں دیر ہو رہی ہے۔"

خبردار......" عادل نے اسے آنکھیں دکھائیں۔ ابھی روشین اور فرحین آنے والی ہیں۔ ان سے ملے بغیر تم کہیں "

"نہیں جا سکتیں۔ کیوں امی؟

اس کے لب و لہجے کی شکایت آسیہ بیگم کو توڑنے لگی۔

"ہاں بیٹا۔ آؤ نا۔ بیٹھو۔ وہ دونوں بس آتی ہی ہوں گی۔"

اپنے فطری نرم اور دھیمے لہجے میں کہتے ہوئے آسیہ بیگم نے آگے بڑھ کے ڈرائینگ روم کی طرف جانے کا قصد کیا تو ان کی پشت کا فائدہ اٹھا کر عادل نے جلدی سے آگے بڑھ کر ان کی تقلید میں باہر نکلتی تمکین کا ہاتھ تھام لیا۔

بدتمیز...... خبردار"۔"

تمکین نے اسے گھورتے ہوئے پرے دھکیلا تھا۔ وہ ہنستا ہوا اس کے ساتھ چلنے لگا۔

تھوڑی دیر کے بعد روشین اور فرحین آگے پیچھے گھر میں داخل ہوئی تھیں۔ آسیہ بیگم معذرت کر کے باہر آئیں۔

"کوئی مہمان آیا ہے؟"

فرحین کو اشتیاق ہوا۔

"تم دونوں بھی آجاؤ ڈرائینگ روم ہی میں۔"

آسیہ بیگم نے سنجیدگی سے کہا روشین تو ماں کی رگ رگ میں اتری ہوئی تھی چونک گئی۔

"کون ہے امی؟"

"......عادل لایا ہے اسے"

وہ کھلے ہوئے انداز میں بولیں تو ان دونوں کے منہ سے بیک وقت نکلا۔

"تمکین......؟"

وہ اثبات میں سر ہلا کے پلٹ گئیں۔

کمال ہے۔ ابو کو جانتی بھی ہیں پھر بھی اسے اندر بٹھار کھا ہے۔ "روشین نے خفگی سے کہا۔"

بھئی میں تو ضرور ملوں گی "فاتح عادل" سے"۔"

فرحین اسی وقت چل پڑی تھی اور پھر ذرا دیر میں اس کی باتوں اور ہنسی کی آواز باہر آنے لگی۔ آسیہ بیگم کے اصرار پر روشین کو بھی بادل ناخواستہ اندر جانا پڑا۔

تمکین اسے بھی پسند آئی۔ مگر سکندر حیات کے گھر میں کسی اور کی نہیں صرف ان کی پسند چلتی تھی۔

تمکین سے چھوٹی چھوٹی باتوں کے دوران بھی وہ ابو ہی کے متعلق سوچتی رہی۔ وہ ابھی تک عادل کی اس جرأت سے لا

علم ہی تھے کہ وہ اپنی لائف پارٹنر منتخب کئے بیٹھا ہے۔

"خدا جانے آگے کیا ہونے والا ہے"

وہ عادل کا خوشی سے جگمگاتا چہرہ دیکھ کر مایوسی سے سوچنے لگی۔

☆☆☆☆

وہ پرنسپل کے آفس سے نکلی تو سخت کبیدہ خاطر ہو رہی تھی۔ ابھی اسے جاب کرتے محض دو ہفتے ہوئے تھے اور اس کی آفس میں تین بار حاضری ہو گئی۔

"وجہ"

جس بھی کلاس میں رانیہ کا پیریڈ ہوتا وہاں اس کے پیریڈ میں بچوں کا شور و غل مچا رہتا تھا۔ وہ بچوں کو سمجھانے سے زیادہ سنبھالنے میں ہلکان ہوتی رہتی۔ انہیں مارنے کی بجائے انہیں خاموش کرانے کی کوشش کرتی، نتیجتاً شاتھ والی کلاس کی ٹیچرز نے بھی شکایت کی کہ اتنا بچوں کا شور نہیں ہوتا جتنا مس رانیہ خود چیختی ہیں۔ وہ مایوس سی آکر اپنی کرسی پر بیٹھ گئی۔

ابھی بھی تھری کلاس کے بچوں نے غدر مچا رکھا تھا۔

خاموش ہو جاؤ"۔"

اس نے دانت پیستے ہوئے سخت لہجے مگر مدھم آواز میں کہا تو اسے غصے میں دیکھ کر کلاس روم میں ایک دم سے خاموشی چھا گئی۔

"چپ رہو جاؤ۔ میڈم کو ڈانٹ پڑی ہو گی۔"

اونچی آواز میں کی جانے والی سرگوشی نما "موشگافی" رانیہ کو ہونق بنا گئی۔

اس سے اگلے لمحے میں اس کے پورے جسم کا خون جیسے چہرے پہ چھلک آیا۔ شدید غصے کی لہر نے اس نے دماغ کو دھکا دیا۔

"کون...... کون بولا تھا یہ؟"

کلاس کو ایکدم سے سانپ سونگھ گیا۔

جلدی بتاؤ۔ ورنہ پوری کلاس کو الٹا لٹکادوں گی۔"وہ کرخت استانیوں کی طرح بولی۔"

اتنے دنوں میں بچوں نے پہلی بار اسے شدید غصے میں دیکھا تھا سو ان پر اثر بھی ہوا۔

میڈم! یہ علی بولا تھا" کلاس کے مانیٹر نے کھڑے ہو کر سچائی بیان کی تو رانیہ نے اپنی موٹی آنکھوں سے اسے" گھورا۔

"علی! کھڑے ہو جاؤ۔"

غصے سے کہا تو وہ آٹھ نو سالہ بچہ اپنی مسکراہٹ دباتا اٹھ کھڑا ہوا۔

جب سے اسکولوں کے باہر "مار نہیں پیار" کے بورڈز آویزاں ہوئے تھے تب سے بچوں کو مار کا خوف تو رہا نہیں تھا۔

زیادہ سے زیادہ استاد ڈانٹ سکتی تھی اور ڈانٹ کا کیا ہی وہ تو گھر میں بھی پڑتی رہتی ہے۔

"یہ کیا بدتمیزی تھی؟"

اس کے پاس جا کر رانیہ نے رعب سے کہا۔ تو وہ آرام سے بولا۔

"آپ کو بڑی میڈم نے بلایا تھا نا۔ ڈانٹنے کے لیے۔"

وہ اس کی توقع سے زیادہ چالاک بچہ تھا۔

رانیہ نے دانت کچکچاتے ہوئے اس کان پکڑ لیا۔

"شرم نہیں آتی ٹیچرز سے یوں بات کرتے ہوئے۔"

"میڈم! بڑی میڈم نے سب ٹیچرز کو منع کیا ہے بچوں کو مارنے سے۔"

کلاس مانیٹر نے اٹھ کر گویا اسے یاددہانی کرائی۔

"شٹ اپ۔ بیٹھ جاؤ تم۔"

رانیہ نے اسے بری طرح ڈانٹ دیا اور علی نامی بچے کا کان ہلاتے ہوئے سختی سے بولی۔

آئندہ اگر اس طرح کی بدتمیزی کی تو کمرے سے باہر نکال دوں گی۔ اور پھر میرے پیریڈ میں تم کمرے سے باہر ہی"

"رہا کرو گے۔
بچہ منہ بسورنے لگا۔ تو رانیہ اسے گھورتے ہوئے اس کا کان چھوڑ کر واپس ہولی۔
ایک بچے پر سختی کا نتیجہ یہ ہوا کہ باقی کلاس پر اس کا تھوڑا بہت رعب پڑ گیا۔ بچے بالکل خاموش تو ہیں ہوئے مگر ان کی اونچی آوازیں اب سرگوشیوں میں ڈھل چکی تھی۔
بیٹھ جاؤ اب آرام سے"۔"
اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس کی نظر علی پر پڑی تو وہ ابھی بھی کھڑا تھا۔ مجبوراً اسے کہنا پڑا تو وہ دھم سے اپنی سیٹ پر گر پڑا۔
نہ کوئی شکرہ نہ تھینکیو۔
رانیہ بچوں کی بدتہذیبی سے سخت نالاں تھی۔ مگر اس نے یہ شکر کیا کہ اب وہ سب شور نہیں کر رہے تھے۔ اس نے تہیہ کر لیا کہ ہر کلاس کے بچوں پہ وہ ایسا ہی رعب رکھے گی۔ کیونکہ پرنسپل کے پاس مسلسل شکایتوں کے جانے کا مطلب تھا اس نوکری سے ہاتھ دھونا۔
اور یہ جھٹکا وہ افورڈ نہیں کر سکتی تھی۔
وین کے جھٹکے کھا کھا کے وہ گھر پہنچی تو بھوک کے ساتھ ساتھ تھکن سے بھی نڈھال تھی۔
گھر میں داخل ہوتے ہی انے عادتاً سلام کیا تو چچی جان کے ساتھ کھڑی دو خوس شکل خواتین اور ان کے ساتھ رشتے کرانے والی سلیمہ خالہ کو دیکھ کر وہ ان سے کترا کر اندر کی طرف بڑھی۔

اب چچی کی باری تھی۔ سامع تھے چچا۔ اور توپوں کا رخ رانیہ کی طرف تھا۔
"میں کہوں کیا ہے تمہارے دل میں۔ کیوں میری بچیوں کی قسمت کو بٹہ لگا رہی ہے کمبخت۔
"چچی...... میں نے تو کچھ نہیں کیا۔"
وہ ڈر سی گئی۔
ہاں۔ تو نے کچھ نہیں کیا۔ تو یہ "بوتھا" ان کو دکھانے کے لیے کس نے کہا تھا۔ ذرا سا رنگ کیا صاف ہے تم تو آپے"

سے ہی بار ہو رہی ہو۔" وہ دھاڑیں۔
'میں تو اسکول سے واپس آئی تھی۔ مجھے کیا پتہ تھا کہ گھر میں مہمان آئی ہوئی ہیں۔۔"
وہ لرزنے لگی۔
اے...... بیوقوف بنانا اس کو جو تجھے اور تیسری ماں کو جانتا نہ ہو"۔ وہ چمکیں۔ ساتھ ہی اس کی مرحومہ ماں کو بھی"
ہمیشہ کی طرح رگید ڈالا۔
تجھے پتہ تھا اچھی طرح۔ میری معصوم بچیوں کے منہ سے تمہارے سامنے ذکر ہو گیا ہو گا۔ یونہی تو نہیں تو عین ٹائم پہ"
آدھمکی، کمینی"۔
اسکی آنکھیں بھر آئیں۔
اس قدر تذلیل۔
اس نے بے بسی سے چچا کی طرف دیکھا۔ تو وہ پہلو بدل گئے۔
"چل بس کر نیک بخت۔ اگر تمہاری بیٹیوں کی قسمت کا رشتہ ہوتا تو کوئی اسے واپس نہیں کر سکتا تھا۔"
چچا کبھی کبھار ہی اس کی حمایت کرتے تھے۔ مگر چچی ہمیشہ کی طرح شیرنی کی طرح ان پر حملہ آور ہوئی۔
خبردار...... خبردار جو اس حرامخور کی حمایت کی تو۔ ارے میں تو پچھتائی اس سنپولیے کو گھر میں لا کے۔ میری"
بچیوں کی قسمت پر گرہن بن کر بیٹھ گئی ہے۔ صبح سے اس نے میرا بی پی بڑھا رکھا ہے اور اب تم...... اپنی بیٹیوں
کے مستقبل کی ذرا بھی فکر نہیں ہے تمہیں۔ ہائے میں مر جاؤں۔ میرا دل۔ ہائے" جب چچی کا واویلا اب کامیاب اداکاری
میں ڈھلنے لگا تھا۔ دل پہ ہاتھ رکھ کے وہ بستر پہ لوٹنے لگیں۔
اری نیک بخت"۔"

چچا کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے۔ صائمہ، ثوبیہ بھی ان کی پرف لپکیں رانیہ تیزی سے جا کر ان کے لیے پانی کا گلاس بھر
لائی۔
"...... دفع دور"

چچی نے ہاتھ مار کر گلا گرادیا۔ "ایسی حالت" میں رانیہ کو ان سے یہ توقع نہیں تھی۔ چیخ روکنے کی کوشش میں وہ منہ پہ ہاتھ رکھے کھڑی رہ گئی۔

چچی اس سے نمٹنے کی بعد اب پھر سے اپنی بقیہ اداکاری میں مصروف ہو گئیں۔

سنا نہیں تم نے۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے"۔ صائمہ کو تو یوں بھی اس پر بہت غصہ تھا۔ اسے دھکا دیتے ہوئے بولی تو وہ" مرلے مرلے قدموں سے اپنا بے جان پڑتا وجود گھسیٹتی کمرے میں چلی آئی۔ اب باہر چچا اور دونوں بیٹیاں' چچی کی ناز برداریوں میں صروف تھیں۔

"بس ابا۔ بہت ہو گیا۔ اسے گھر سے باہر کریں اب۔"

صائمہ بھی سفاکی میں ماں کا پر تو تھی۔

"اوہو۔ ایسے کیسے باہر کردوں پتر جی۔"

چچا جزبز ہوئے تھے۔

کہتی ہوں میں سلیمہ سے۔ لے کے آئے کوئی بھی لنگڑا کانا۔ پہلی ہی فرصت میں اسے رخصت کرتی ہوں میں۔ مم"

چچی کی کراری آواز گونجی تو دل کے درد کو دباتی وہ چادر میں سمٹ کر لیٹ گئی۔

☆☆☆☆

وہ مانیٹر اسکرین پہ نظریں جمائے بہت مگن سا بیٹھا تھا جب اچانک دو نرم سے ہاتھ پیچھے سے اس کی آنکھوں پہ آٹھہرے۔

روشین اور فرحین نے کبھی ایسی فضول حرکت نہیں کی تھی اور امی سے ایسی حرکت کی وہ توقع نہیں کر سکتا تھا۔

...... پھر؟

وہ الجھا اور ہاتھوں کو اپنی آنکھوں سے ہٹانے کی سعی کی۔

"آہاں ... ... ایسی نہیں۔ پہلے بوجھو تو کون ہے۔"

نوین کی اٹھلائی ہوئی آواز اسے شدید ی ترین کوفت میں مبتلا کر گئی۔ اس نے ایک جھٹکے سے اس کے ہاتھ ہٹا کی کرسی اس کی طرف گھمائی تھی۔

"مجھے پتہ تھا۔ کوئی بیوقوف ہی ہو سکتا ہے۔"

عادل نے طنز کیا تو وہ آنکھیں پٹپٹا کر ادا سے بولی۔

"یعنی اب تم مجھے میری خوشبو سے ہی پہچاننے لگے ہو۔"

"کتنی بار کہا ہے یہ گھٹیا فرفیوم اب بدل لو۔"

عادل بیزاری سی کہتا کمپیوٹر شٹ ڈاؤن کرنے لگا۔

"واہ جی۔ ہر بار تم یہی کہتی ہو۔ پورے یاک ہزار کا فرفیوم ہے یہ۔"

وہ خفا ہونے لگی۔

"...ایک تو یہ بیوقوف لڑکی"

عادل دانت پیس کے رہ گیا۔

ساری طنزیہ باتیں بھی اسے "دلبر کی ادا" لگری تھیں۔ کیا مجال تھی جو وہ کسی بات کو دل پہ لیتی یا سنجیدگی اسی بات کے رخ پہ غور کرتی۔

"کس کے ساتھ آئی ہو... ؟"

وہ اسے ٹالنے کی خاطر بات بدل گیا۔

"امی آئی ہیں۔ وہ تائی امی کے پاس بیٹھی ہیں تو میں نے سوچا کہ موقع اچھا ہے تم سے ملنے کا۔"

وہ مسکرا رہی تھی۔

ایک پل کو تو عادل کا جی چاہا اس کے خوابوں کے محل کو حقیقت بتا کر مسمار کردے۔ کہ وہ تمکین سے شادی کرنا چاہتا ہے مگر پھر ہونٹ بھینچ کر رہ گیا۔

"اور ایک تم ہو جسکے دل میں کبھی چا کے گھر آنے کا خیال بھولے سے بھی نہیں آتا۔ مجھ سے ملنا تو دور کی بات ہے۔'
وہ اب قدرے ناراضگی سے کہہ رہی تھی۔
میری پاس ان فضولیات کے لیے وقت نہیں ہے۔ اور تم سی ملنے کی لیے مجھی اتنا تردد کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ تم"
"تو خود ہر دوسرے دن یہاں ٹپکی ہوتی ہو۔ بے موسم برسات بن کے۔
وہ لگی لپٹی رکھے بغیر بولا۔
وہ ایسا ہی تھا۔ فرحین جیسا۔
جو دل میں ہو وہی زبان پر۔ حالات چاہے کیسے ہی کیوں نہ ہوں۔
"بڑے سنگدل ہو۔"
(وہ شکوہ کناں نظروں سے اسی دیکھتے ہوئے بولی۔
"... ... لوگ تو اپنی منگیتروں کو محض ایک نظر دیکھنے کے لیے")
"اے... ...اے۔"
وہ تیز لہجے میں اسکی بات کاٹ گیا۔
نوین حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔
"یہ منگیتر کون... ...؟"
عادل نے سابقہ لہجے میں پوچھا اور اس کی مقابل کھڑا ہو گیا۔
نوین کے ہونٹوں پر شرمیلی سی مسکراہٹ آ گئی۔
"اتنے بھی معصوم نہیں ہو تم... ...؟"
"باتوں سے تو تم بھی "اتنی" معصوم نہیں لگ رہیں۔"

عادل نے طنز کیا تو وہ آرام سے بولی۔
"باقاعدہ منگنی نہیں ہوئی تو کیا۔ بات تو طے ہے نا۔ ہماری۔

اتنے ہی آرام سی عادل نے کہا۔
"کسی کی باتوں میں نہیں آنا چاہیے اور نہ باتوں کا کھانا چاہیئے۔"
"کیا مطلب ہے تمہارا؟"
نوین نے ترچھی نگاہوں سے اسے دیکھا۔
"مطلب یہ کہ جو چار سال سے میٹرک کے بعد تعلیم کا سلسلہ منقطع کئے بیٹھی ہو اس کے متعلق کچھ سوچو۔
عادل نے اسکی دکھتی رگ پہ ہاتھ رکھا۔
چچا کے گھر میں کسی کو پڑھائی سی دلچسپی نہیں تھی۔ نوین سی بڑا بھائی عمر بھی میٹرک تک ہی پڑھا تھا۔ آٹھ دس سال یو نہی ادھر ادھر آوارہ گردیون میں گذارنے کے بعد چچا نے اسی امریکہ بھجوادیا۔ تعلیم تو نہ آئی۔ مگر روپیہ اچھا خاصا آنے لگا۔ اور اب چچا جان کے گھر کے حالات بہترین تھے۔ نا صرف وہ لوگ نئی کوٹھی میں شفٹ ہو چکے تھے بلکہ گھر میں ایکعدد گاڑی ود شوفر بھی موجود تھی۔
"مجھے کون سا پرنسپل لگنا ہے کسی اسکول میں۔ اللہ کا شکر ہے خط پڑھ بھی لیتی ہوں اور لکھ بھی لیتی ہوں۔"
وہ تنک کر بولی۔ عادل تاسف سے کہنے لگا۔
"تعلیم محض خط لکھ لینے اور خط پڑھ لینے کا نام نہیں ہوتا۔"
"اس بات کو چھوڑو۔ اور کوئی کمی ہے مجھ میں تو بتاؤ"
وہ قدرے بے باکی سے بولی عادل ٹھٹکا۔
پوش علاقے میں شفٹ ہونے اور ماحول بدلنے کا اثر وہ کافی عرصے سے نوین پر دیکھ رہا تھا۔
شکل وصورت و قد کاٹھ میں تو واقعی اس میں کوئی کمی نہ تھی مگر سب سے بری کمی، تعلیم، ذہنی وسعت۔

چچا جان کے گھر مین روپی سے آگے کسی کی بات جاتی ہی نہ تھی۔ یونین سے چھوٹا بھائی عمیر تو میٹرک سے پہلے ہی اسکول سے فارغ ہو گیا تھا اور اب چچا جان کے ساتھ بنکوں کی فیکٹری جاتا تھا۔ جو کہ چچا جان کی ملکیت تھی اور اچھی خاصی چلتی تھی۔

پیسہ انسان کی ذہنیت کے علاوہ سب کچھ ڈھانپ سکتا ہے محترمہ"۔"

عادل نے طنز کیا اور مڑ کر باہر نکلنے کا قصد کیا تو نوین نے غصے میں آ کر اس کا بازو جکڑ لیا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

وہ متحیر سا پلٹا۔ ایک نظر اپنے بازو کو جکڑے اس کے ہاتھ پہ ڈالی اور پھر اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے تمسخرانہ انداز میں بولا۔

پہلے اپنے لب و لہجے پہ غور کرو۔ کتنے سال بڑا ہوں میں تم سے اور تمہیں اتنی تمیز نہیں کہ مجھے مخاطب کیسے کرنا" ہے۔"

"وہ ایک الگ بات ہے۔ میں کسی "وجہ" سے تمہیں ایسے بلاتی ہوں۔ مگر تم نے ذہنیت کی بات ہے۔"

وہ برا مان گئی تھی۔ مگر عادل نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے بدستور چبھتے لہجے میں کہا۔

"ذرا وضاحت فرمائیں محترمہ۔ اس "خوانخواہ" کی بے تکلفی کے پیچھے کون سی "وجہ خاص" کار فرما ہے؟"

"تم تو جیسے جانتے نہیں۔"

اس کی رنگت سرخ پڑنے لگی۔

عادل کوفت کا شکار ہوا۔

"تم نا اپنے دماغ سے یہ فتور نکال دو اور اپنی عمر کے مطابق باتیں سوچا کرو۔"

"اگلے ماہ پورے اکیس سال کی ہو جاؤں گی میں۔"

وہ تفاخر سے بولی تھی۔

"اور عقل کس ماہ آئے گی جنابہ کو؟"

عادل چڑ گیا۔

"تمہارے پاس تو بس ایسی ہی باتیں ہیں میرے لیے۔"

وہ ناراض ہو کے جانے لگی تو عادل نے بے اختیار اس کا ہاتھ تھام لیا۔

وہ بیساختہ پلٹی۔

تمہارے لیے میرے پاس بہت خاص باتیں بھی ہیں"۔"

وہ کہہ رہا تھا۔ یونین کا دل بے ترتیبی سے دھڑک اٹھا۔

☆☆☆☆

احراز کے آنے کی خوشی میں نگینہ ہفتہ بھر میکے ٹھہرنے کو آئی ہوئی تھی'اس کے دونوں بچے علی اور ماریہ بھی یہیں سے اسکول جارہے تھے۔ مگر ابھی یہ علی کا بچہ۔

گدھے' الو کے پٹھے"۔"

وہ اسے بے نقط سنا رہی تھی۔

اول تو وہ آج اسکول جانے کو تیار ہی نہیں ہو رہا تھا۔ ڈانٹ ڈپٹ کر نگینہ نے اسے تیار کیا تو شوز پہننے کی دفعہ وہ بیڈ کے نیچے گھس گیا تھا۔

"کیا ہو رہا ہے ؟"

رازی اس کے کمرے میں چلا آیا۔

"دیکھیں ذرا اس کو۔ اسکول جانے کا نام ہی نہیں لے رہا"

نگینہ اچھی خاصی روہانسی ہو گئی تھی۔

رازی نے اشارے سے اس کا "جائے مقام" دریافت کیا تو نگینہ نے بیڈ کے نیچے اشارہ کر دیا۔"

وہ مسکراہٹ دباتا جھک کر اسے دیکھنے لگا۔

"کیوں بھئی پارٹنر۔ کیا مسئلہ ہو گیا ہے ؟'

ماہوں!......ماما سے بولیں نا۔ میں اسکول نہیں جاؤں گا""

ان تین چار دنوں میں وہ رازی سے اچھی خاصی دوستی گانٹھ چکا تھا۔ اسے دیکھتے ہی لپک کر باہر آیا۔

"بہت اچھے۔ مگر پتہ بھی تو چلے وجہ کیا ہے۔"

رازی نے اسے پکڑ کر بستر کے کنارے بٹھایا۔

"میری ٹیچر بہت گندی ہے۔مارتی ہے۔
وہ خفگی سے بولا تو نگینہ نے کہا۔
"اب تو منع ہو گیا ہے۔ بچوں کو مارنا۔یہ کون سی ٹیچر ہے ؟"
ہماری نئی ٹیچر ہے۔اس نے میرا کان کھینچا۔اتنی زور سے۔ مجھے ڈانٹا۔"
وہ اپنی اداکاری کو پر اثر کرنے کے لیے آنکھوں میں انسو بھی لایا تو نتیجہ تڑپ اٹھی۔
"ہاہ...... مرجائے وہ استانی۔ہاتھ ٹوٹیں اس کے۔ شرم نہیں آئی اتنے معصوم بچے پر تشدد کرتے ہوئے۔"
چلو تم تیار ہو جاؤ۔ ہم ابھی چل کے ٹیچر کو پوچھتے ہیں"۔رازی نے اسے خوش کیا تھا۔"
"آپ میرے ساتھ جائیں گے؟"
وہ مشکوک نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔
احراز نے اثبات میں سر ہلایا۔ تو وہ خوشی خوشی باقی تیاری مکمل کرنے لگا۔
سچ مچ شکایت کر کے آئیں اس ٹیچر کی' حد ہو گئی۔جب اسکولوں میں اب مارنا منع ہو چکا ہے تو اس کی ہمت کیسے ہوئی"
"میرے بچوے کو ہراساں کرنے کی۔
نگینہ نے کہا تو وہ ہنس دیا۔

ارے میں تو اسے خوش کرنے کو کہہ رہا تھا۔اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کی شکایت کیا کرنی"۔"
"کیوں ہیں کرنی۔ آج اس نے کان کھینچا ہے کل کلاں تھپڑ مارے گی اور پھر فٹ سے۔"
نگینہ کو اپنے بچوں کے آگے تو کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا تھا۔وہ ٹھنڈی سانس بھر کے علی اور ماریہ کو ساتھ لیے چل دیا۔
☆☆☆☆
آج صبح ہی سے سب کچھ غلط ہو رہا تھا۔
آنکھ دیر سے کھلی تو وہ افتاں وخیزاں کلی کر کے منہ پہ محض پانی کا چھپا کا مارتی باورچی خانے کی طرف دوڑی۔جہاں چچی

مارے بندھے چچا کے لیے چائے بنا رہی تھی۔
آنکھ کھل گئی مہارانی کی...... " اسے دیکھتے ہی طنز کیا تو وہ شرم سے ڈوب ڈوب گئی۔ "
"آپ ہٹیں۔ میں ناشتہ بناتی ہوں جلدی سے۔ "
رہنے دو۔ اب وہ کیا گیا ہے بنانے کو۔ چائے کا پانی تو رکھ ہی دیا ہے میں نے۔ پراٹھے اور انڈے ہی ہیں وہ بھی"
"بنا لوں گی۔
وہ تیوریاں چڑھائے یوں بولیں جیسے پتہ نہیں کتنا کام ختم کر لیا ہو۔ پانی بھی انہوں نے محض چچا کی اور اپنی چائے کے لیے رکھا تھا۔
"سوری چچی۔ "
وہ ندامت سے کہتی آگے بڑھی اور آٹے کی پرات پر سے گیلا دست خوان اٹھانے لگی۔
"ہنہ...... بڑی آئی انگریزی دان۔ "
وہ بڑبڑاتی ہوئی کچن سے نکل گئیں۔
خود کو کستے ہوئے رانیہ نے سب کے لیے ناشتہ بنایا اور خود اپنا پراٹھا جلدی جلدی لقمے بنا کے چائے کے ساتھ یونہی نگل لیا۔
"اے ہئے۔ ذرا بھی صبر نہیں اس لڑکی میں۔ سب سے پہلے پراٹھا نگل کے بیٹھ گئی ہے۔ "
چچی نے دیکھ لیا تھا۔

"...... چچی بعد میں دیر ہو جاتی"
وہ منمنائی تو انہوں نے اس کی پیٹھ پر دھمو کا جڑا۔
"چل رہی دفع ہو۔ بد بخت۔ "
وہ کڑھتی ہوئی تیار ہونے چل دی۔
بمشکل وین والا آیا تو وہ دعائیں کرنے کے باوجود پندرہ منٹلیٹ پہنچی۔ دیر سے آنے والی لڑکیاں تو وہیں گراؤنڈ میں

کھڑی تھیں جبکہ اس کی حاضری پھر سے پرنسپل کے آفس میں ہو گئی۔
پھر وہی کرکڑت لہجہ' وہی لیکچر۔
رانیہ کی ہمت ٹوٹنے لگی۔
"...... آئی ایم سوری میڈم"
معذرت کرتے کرتے اس کی ہمت ٹوٹنے لگی۔ لہجہ رندھ سا گیا۔
اور یہ......" پرنسپل نے کونے کی طرف اشارہ کیا۔"
"جب میں نے سختی سے منع کیا تھا کہ بچوں پر ہاتھ نہیں اٹھانا تو پھر آپ کی ہمت کیسے ہوئی اسے ہاتھ لگانے کی۔"
رانیہ نے بے اختیار چہرہ موڑ کے دیکھا۔
ایک خوش شکل سا بندہ' جو پتہ نہیں کیوں شرمندہ سا لگ رہا تھا اور ساتھ وہی شرارتی بچہ جسے پرسوں اس نے ڈانٹا تھا۔
اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھانے لگا۔
مجھے بہت افسوس ہے مس سانیہ۔ آپ اس جاب کے قابل نہیں ہیں۔ نہ تو آپ وقت کی پابندی کر رہی ہیں اور نہ ہی"
"ہمارے رولز کو فالو کرنے پر کاربند ہیں۔ آئم ساری۔
وہ جیسے ہوا میں معلق رہ گئی۔
احراز بعجلت اٹھ کھڑا ہوا۔

ائم سوری میڈم۔ میرا یہ قطعی مطلب نہیں تھا۔ کہ آپ انہیں جاب سے ہی فارغ کر دیں۔ یہ تو آجکل کے بچے ذرا زیادہ"
"محسود کرنے لگے ہیں۔ آپ نے انہیں وارن کر دیا بس اتنا ہی کافی ہے۔
بے حد شائستگی سے کہتے ہوئے اس نے ایک متاسفانہ نگاہ سر جھکائے میڈم کی ٹیبل کو دیکھتی رانیہ پر ڈالی۔ تو دل کی عجیب سی کیفیت ہونے لگی۔

اٹس او کے مسٹر۔ آپ کی شکایت بر طرف۔ ہمیں ان سے ڈسپلن پرابلم بھی تھا۔ آپ کی وجہ سے انہیں برخاست نہیں" "کیا گیا۔ ایہ ابھی ٹرائل پر تھیں۔

میڈم نے صاف گوئی سے کہا اور بات ختم

وہ قدم گھسیٹتے ہوئے وہاں سے نکلی۔

اری کمبخت" بڈ حرام......" چچی کی آواز ابھی سے اس کی سماعتوں میں کانٹے چبھونے لگی تھی۔ "

"ہماری کون سا پوری پڑ رہی ہے۔ اسے پڑھایا ہی اسی لیے ہے اپنا بھی بھلا کرے اور ہمارا بھی۔ "

اور اب......؟

وہ ایک ٹرانس کی کیفیت میں بیرونی گیٹ کی جانب بڑھی تو آنکھوں کے آگے چھائی دھند نے پانی کی شکل اختیار کر لی۔ بعض لوگ خدا کی اس دنیا میں کس قدر با اختیار ہوتے ہیں کہ جن کی ایک "نفی" انسان کی ذات پہ کراس کا نشانہ بنا دیتی ہے۔ اسے صفر کر دیتی ہے۔

وہ اپنے آپ کو اس لمحے صفر ہوتا محسوس کر رہی تھی۔

اس گھر میں واپس اسے موت کے مترادف لگ رہی تھی۔ اپنے منہ سے ساری روداد سنانا' سوچ کر ہی اس کے رونگٹے کھڑے ہو رہے تھے۔

مسلسل ہارن اور کسی کے پکارنے کی آواز نے ہوش کی دنیا میں لا پٹخا۔

وہ بے خودی سے ہوش کی دنیا میں لوٹی تو تقریباً سنسان ہوتی سڑک نے بیچوں بیچ خود کو چلتے پایا۔ اور آنکھوں سے ہوتی برسات تو نہ اس کے علم میں تھی اور نہ قابو میں۔

پیچھے انے والی گاری کا ڈرائیور مسلسل ہارون بجا رہا تھا۔ رانیہ کو ساری زندگی کا غصہ جیسے انہی لمحوں میں آیا۔ چہرے کو دوپٹے سے رگڑ کر صاف کرتی پلٹی اور بنا سوچے سمجھے گاڑی کے کھلے شیشے کی طرف بڑھی۔

کیا بات ہے۔ ہارن کیوں بجا رہے ہیں۔ راستہ نہیں مل رہا تھا تو گاڑی اوپر چڑھا دیتے۔ کام آسان ہوتا اپ بھی اور" "میرا بھی۔

وہ بولی نہیں غرائی تھی۔ مگر پھر ڈرائیور پر نظر پڑتے ہی ساکت رہ گئی۔

رانیہ کو ایک جھٹکا سا لگا۔

وہ وہی تھا۔ جس کی شکایت پر آج وہ نوکری سے فارغ کردی گئی تھی۔ اسے طرارہ آیا۔

"جی نہیں بھرا ابھی آپ کا۔ پہلے اسکول سے نکلوایا اب کیا دنیا سے نکلوائیں گے؟"

وہ اتنی بدتمیز نہیں تھی مگر آج جو کچھ ہوا اس کی برداشت سے بہت زیادہ تھا۔

اس نوکری سے چھٹی کا مطلب تھا چچا کے گھر سے چھٹی۔ ابھی تو پہلی تنخواہ بھی ہاتھ نہیں آئی تھی۔ چچی تو اسے ثابت ہی فرائی کردیتی۔

وہ گاڑی روک کر نیچے اترا تو رانیہ کو احساس ہوا کہ وہ کیا غلطی کر بیٹھی ہے۔ یوں سنسان جگہ پر کسی اجنبی کے منہ لگنا اور وہ بھی اس انداز میں، بہت پر خطربات ہو سکتی تھی۔ وہ اپنی چادر درست کرتی، بیگ سنبھالتی تیزی سے آگے کی طرف بڑھنے لگی۔

"... مس... میم"

پیچھے آنے والی بے ساختہ پکار نے اسے اور عجلت پر مجبور کردیا۔

"... محترمہ بات تو سنیں"

وہ تقریباً بھاگتا ہوا اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

"اب کیا بات سنوں میں آپ کی۔ ابھی پرنسپل کے آفس میں سب کچھ سن کے تو آرہی ہوں۔"

وہ نہ رکنے کا عہدہ کرچکی تھی مگر اس بددماغ شخص کا علاج بھی ضروری تھا۔

اس کے یوں چیخنے پر احراز گھبرا ہی تو گیا۔

آہستہ بولیے پلیز۔ دیکھیے میں اسی سلسلے میں آپ سے معذرت کرنا چاہتا ہوں۔ میری وجہ سے آپ کی جاب چلی گئی۔"

"آئی ایم رئیلی ویری سوری مس رانیہ۔

رانیہ کو گھر کا ماحول یاد آنے لگا پھر اس کی آنکھیں حیرت اور کچھ خوف سے پھیلیں۔
"آپ کو... میرا نام کیسے...؟"

علی نے بتایا تھا..." وہ جلدی سے صفائی پیش کرنے والے انداز میں بولا۔"
"...اور ابھی پرنسپل بھی"
"اچھا۔ اب میری جان چھوڑیے۔ بڑا فتنہ ہے آپ کا بیٹا۔ اسے سمجھاتے نہیں ہیں، لے کے میری چھٹی کرادی۔"
وہ تنتنا کر بولی اور چل دی۔
"دیکھیں میں ایک بہت کمزور دل کا بندہ ہوں۔ میری وجہ سے کسی پریوں مصیبت آئے میں برداشت نہیں کر سکتا۔"
وہ اس کے قدموں کا ساتھ دیتا صلح جویانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔
"تو جا کے کسی ہارٹ اسپیشلسٹ کو دکھائیں۔ میں کیا کروں۔"
وہ اچھی خاصی چڑ گئی۔
آج اس نے سارے راستے روتے ہوئے جانے کا پروگرام بنایا تھا۔ مگر یہ ڈھیٹ بندہ تو کمبل ہی ہو رہا تھا۔
"آپ بس مجھے معاف کر دیں۔"
وہ مسکین لہجے میں بولا۔ رانیہ کا جی چاہا اپنا شولڈر بیگ اس کے سر پر دے مارے۔
میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔" وہ غصے سے، اسے دیکھ کر بولی۔"
مر کے بھی نہیں۔ آپ نہیں جانتے آپ نے میری زندگی کو کتنا مشکل بنا دیا ہے۔ پتہ نہیں... اب میں کیا کروں"
"...گی۔ گھر جا کے کیا کہوں گی
اسے ضبط کرتے کرتے بھی ٹوٹ کے رونا گیا پھر وہ دھواں دھار رو پڑی۔
...احراز ہکا بکا سا اس شعلہ و شبنم لڑکی کو دیکھتا رہ گیا۔ ابھی وہ اس پر برس رہی تھی اور ابھی
حواس میں آتے ہوئے اس نے ادھر اُدھر نگاہ دوڑائی۔ یہ بھی شکر تھا کہ راستہ سنسان ہی تھا۔ ورنہ وہ یقیناً لڑکی کو

ہراساں کرنے کے جرم میں دھر لیا جاتا۔

"دیکھیں۔ میری بات سنیں۔ پلیز آپ روئیں مت۔"

وہ بے بس سا ہونے لگا۔

"ارے جائیں۔ جا کے اپنے ننھے بچے کے آنسو پونچھیں۔ آپ کو کیا کسی کے دکھ تکلیف سے۔ ایک تو اتنی نالائق اولاد پیدا کر کے اسکولوں میں بھیج دیتے ہیں۔ اوپر سے فرمائش کہ پھولوں کی چھڑی سے بھی نہ چھوا جائے۔ چار دن خود سنبھال کر دیکھیں تو ہوش ٹھکانے آجائیں آپ جیسے لوگوں کے۔"

وہ تلخی بھرے انداز میں کہتی ہوئی چادر سے آنکھیں پونچھنے لگی۔

احراز بہت شرمندہ تھا۔

یقیناً اسے اس جاب کی سخت ضرورت تھی ورنہ وہ یوں سڑک پر رونے نہ کھڑی ہوتی۔

"یقین کریں مس رانیہ میں واقعی اپنے فعل پر نادم ہوں۔ محض بچے کو خوش کرنے کی خاطر میں شکایت لے کر وہاں پہنچ گیا مگر بخدا مجھے نہیں معلوم تھا کہ حالات اس نہج پر چلے جائیں گے..."

"اچھا۔ آپ کے بچے کی خوشی پوری ہو گئی نا...؟ اب آپ بھی چین سے جا کے سو جائیں۔"

وہ بس اسٹاپ کی جانب بڑھنے لگی۔

احراز کو تاسف نے گھیر لیا۔

"سوری اگین مس رانیہ مگر میں اپنی اس غلطی کا مداوہ کرنا چاہتا ہوں۔"

لمحہ بھر کے توقف کے بعد وہ اس کے پیچھے بڑھتے ہوئے سنجیدگی سے بولا تو رانیہ نے استہزائیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"آپ کی باتوں سے اندازہ ہو رہا ہے کہ یہ جاب آپ کے لیے بہت ضروری تھی۔ اب یہاں تو میں آپ کے لیے کچھ نہیں کر سکتا مگر آپ چاہیں تو میں آپ کے لیے دوسری ملازمت کا انتظام ضرور کر سکتا ہوں۔" وہ جلدی سے بولا۔

"دوسری ملازمت۔" رانیہ بے اختیار خود میں سمٹ سی گئی۔ اندر کا خوف عود کر آنے لگا۔

کون تھا یہ شخص اور کن ارادوں کے ساتھ اس کے پیچھے پڑا تھا۔
"....یہ.... یہ ایڈریس لیجیے"

"اس نے جلدی سے اپنے پرس میں سے ایک وزیٹنگ کارڈ نکال کر رانیہ کی طرف بڑھایا۔
اس کے چہرے پر پھیلے خوف کے سائے دیکھ کر وہ ٹھٹکا۔
آپ یقین کریں۔ میں ایک انتہائی شریف آدمی ہوں۔ میری وجہ سے آپ پر جو مصیبت آئی ہے بس اس کا مداوا"
کرنا چاہتا ہوں۔ یہ میرے کسی جاننے والے کا اسکول ہے۔ آپ وہاں چلی جائیں انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو پہلے والی سے
"اچھی جاب مل جائے گی۔
بڑے تحمل اور شائستگی سے کہتے ہوئے احراز نے وزیٹنگ کارڈ اس کی طرف بڑھایا۔
رانیہ کو لگا کہیں سے خوشگوار ہوا کا جھونکا اس کی طرف آیا ہو۔ اس کی تمام مصیبتوں کا حل، ایک بار پھر سے جی اٹھنے کا
احساس۔ اس نے تمام تر خوف اور احتیاط کو بالائے طاق رکھتے ہوئے بے تابی سے وزیٹنگ کارڈ جھپٹ لیا۔
کوئی اور موقع ہوتا تو وہ کبھی اس کی آفر کو قبول نہ کرتی۔ نجانے کون شخص تھا اس کے کیا ارادے تھے۔
مگر آگے کنواں، پیچھے کھائی جیسی صورتحال نے اسے اس عجلت اور بے احتیاطی پر مجبور کر دیا۔
اس مجبوری کو وہی جان سکتا ہے، جس نے مرتے مرتے دوبارہ زندگی پائی ہو۔
آپ بے شک کسی کو اپنی جاب ختم ہونے کا نہ بتائیں۔ کل سے اس اسکول میں جانا شروع کر دیں۔ آپ کی جاب کا ذمہ"
"میں لیتا ہوں... کل آپ اسکول جا کر اپنی تسلی کر لیں تاکہ آپ کے تمام شکوک و شبہات دور ہو جائیں۔
وہ محتاط انداز میں بولا۔ ابھی وہ تذبذب کے عالم ہی میں کھڑی تھی کہ وہ "خدا حافظ" کہہ کر واپس بھی پلٹ گیا۔

☆☆☆☆

عادل کے ہاتھ میں دبے اپنے ہاتھ کو دیکھ کر نوین کا دل بلیوں اچھلا۔
یہ بندہ تو چھلاوہ لگا کرتا تھا، مجال تھی جو کبھی آنکھ میں ڈالنے جتنا بھی دستیاب ہوتا۔
اور اب... اس کی خوشی کی کوئی حد نہ تھی۔

اس کا چہرہ یوں چمک اٹھا کہ فوراً ہی عادل کو اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہو گیا اس نے فی الفور نوین کا ہاتھ چھوڑ دیا۔
"دیکھو۔ ہمارے درمیان جو رشتہ موجود ہے تم صرف اسی کو رہنے دو۔ میں تمہارا کزن ہوں۔ تایازاد بھائی اور بس۔"
وہ فوراً ہی رکھائی سے بولا تو نوین تڑپ اٹھی۔
"خبر دار۔ کزن، کزن ہوتا ہے اور بس۔"
"جو دماغ رکھتی ہوں ان کے لیے صرف کزن نہیں بھائی بھی ہوتا ہے۔"
عادل نے طنز کیا۔
"تم میرے منگیتر بھی ہو۔"
وہ تلملائی۔
اس کی یہ تو تڑاخ، عادل کو کبھی بھی پسند نہیں تھی مگر نہ کبھی چچی نے اسے ٹوکا اور نہ کسی اور نے مگر یہ الزام، عادل کو ہنسی آئی۔
"یہ تم نے تاریخ کی کتاب میں پڑھا ہو گا۔"
اسے ہنستے دیکھ کر نوین کی جان میں جان آئی۔ وہ مذاق کر رہا تھا۔
ہاں۔ ہمارے گھروں کی تاریخ تو یہی کہتی ہے۔" وہ اداسے بولی۔"
"کیا کہتی ہے ہمارے گھر کی تاریخ؟"
وہ تمسخرانہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔
نوین نے ترچھی نگاہوں سے اسے دیکھا۔
"اتنے بھولے بننے کی کوشش مت کریں جناب۔"
"میں تو صاف کہتا ہوں۔ میں جس لڑکی سے شادی کروں گا کم سے کم وہ گریجویٹ ہو گی۔"

عادل نے قطعیت سے کہا۔

"یہ بات کبھی تایا ابو کے سامنے بھی تو کہو۔ مان جاؤں گی۔"

وہ اس طعنے پر بے بس ہو کر بھی بے بس نہ ہوئی تھی۔ الٹا عادل ہی اپنی جگہ تلملا اٹھا۔

"... کہہ دینے والا ہوں ان سے بھی اور تم"

وہ اس کی طرف انگشتِ شہادت اٹھاتے ہوئے قطعیت سے بولا۔

"تم بھی اپنے دماغ سے یہ "منگیتر" والا خناس نکال دو۔"

نوین نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

اتنا سنجیدہ مذاق؟

مجھے یہ فضول کی لن ترانیاں بالکل بھی پسند نہیں ہیں۔ میں نہایت صاف گوئی سے تمہیں بتا رہا ہوں کہ میں نے اپنے"

"مائینڈ میں جس طرح کی شریک حیات سوچ رکھی ہے، وہ تم سے ہر لحاظ سے الگ ہے۔ ٹوٹلی ڈفرنٹ۔

وہ منہ پھٹ ہونے کی حد تک صاف گو تو تھا ہی مگر شاید یہ سب وہ بہت جلدی کر رہا تھا۔

اس کا احساس اسے تب ہوا جب نوین اپنی سسکیاں روکتے ہوئے وہاں سے بھاگی۔

لمحہ بھر کو اسے اپنی جلد بازی کا احساس ہوا بھی تو حسبِ عادت سر جھٹک کر وہ آئینے کے سامنے کھڑا ہو کر بال سنوارنے لگا۔

☆☆☆☆

وہ بہت بزدل اور چھوٹے دل کی مالک تھی، یوں احراز کی آفر پر ہر گز اعتبار نہ کرتی مگر حالات اسے اعتبار کرنے پر مجبور کر رہے تھے۔

اس نے گھر آ کر کسی کو اپنی نوکری جانے کا تو نہیں بتایا مگر یہ سوچ سوچ کر اس کا دماغ پھٹنے لگا کہ اگر احراز نے واقعی کوئی چال چلی ہے، اسے کل نوکری نہ ملی تو وہ کیا کرے گی؟

اسی سوچ میں اس سے کئی الٹے کام ہوئے۔ رات کو پکاتے ہوئے روٹی بھی جل گئی۔ تو ثوبیہ نے چچی کو متوجہ کر ہی دیا۔

یہ محترمہ تو پتہ نہیں کن خیالوں میں کھوئی ہیں۔ دوپہر کو ہنڈیا لگتے لگتے بچی پھر استری سے آپ کی نئی قمیض کا حشر" "ہوتے ہوتے رہ گیا اور اب یہ جلی سڑی روٹیاں۔
"اے میں کہتی ہوں، تم ہو "کس کے" خیالوں میں؟..."
چچی تو ایک ہی بار چھپر پھاڑ کے اسٹارٹ ہوتی تھیں۔ رانیہ کا دل کانپ اٹھا۔ وہ جلدی جلدی دوسرا پیڑہ بنانے لگی۔
"یونہی چچی۔ سر میں بہت درد ہے۔"
یہ بتا کر ہمدردی حاصل کرنے کا کوئی خیال بھی نہیں تھا مگر یونہی بتاتے ہوئے اس کی آواز میں بھیگا پن سا اتر آیا۔
مگر چچی تو الامان الحفیظ۔
آئے ہائے... سر میں درد۔ میں کہوں کوئی اور درد نہ شروع ہوا تجھے۔ تین بچے پیدا کیے میں نے یونہی چولہا چوکی" "کرتے ہوئے، کبھی کسی نے اُف تک نہیں سنی اور یہاں سر میں درد ہے تو ہانڈی روٹی محال ہو رہی ہے مہارانی سے۔
وہ یوں چمکیں کہ رانیہ کا چہرہ خفت سے لال پڑ گیا۔
اوپر سے صائمہ اور ثوبیہ کی ہنسی۔
وہ خاموشی سے کام ختم کرنے ہی کو غنیمت سمجھنے لگی۔
"ڈھیٹ ہڈی۔"
صائمہ بڑبڑائی۔
بستر پر لیٹنے اور دن بھر کی تھکاوٹ کے باوجود نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔
اب کیا ہوگا؟
اس کے خیالوں میں احراز کا سنجیدہ سا چہرہ در آیا۔
"خدا کرے تم نے سچ کہا ہو، اجنبی اور اگر یہ سچ ہوا تو میری زندگی تم پر قربان۔"

وہ زندگی کے ہاتھوں بہت بے بس ہو چکی تھی۔ چپکے چپکے روتی رہی اور الٹی سیدھی سوچیں سوچتی گئی۔
صبح تیار ہو کر وہ جلد ہی ناشتا بنانے میں جت گئی۔ ہاتھ پاؤں پر کبھی کبھار لرزہ طاری ہو جاتا مگر وہ پوری احتیاط سے کام کر رہی تھی۔ کہیں کوئی غلطی نہ ہو، پراٹھا نہ جلے۔ چائے ابل کر گر نہ جائے۔ ایک تو پہلے ہی ذہن پر اتنا بوجھ تھا۔ اوپر سے وہ طعنے تشنے سن کے، بددعائیں لے کے گھر سے نکلنا نہیں چاہتی تھی۔
تقریباً خیریت ہی رہی۔ وہ خود چائے میں دو بسکٹ ڈبو کر اپنا ناشتہ نمٹا کے گھر سے نکل آئی۔
صد شکر کہ وہ پبلک ٹرانسپورٹ استعمال کرتی تھی ورنہ کوئی وین یا رکشے والا لگوایا ہوتا تو آج ہی پول کھل جاتی۔
"واہ میرے مولا، تیری مصلحتیں۔"
اس نے چلتے ہوئے شکوہ کناں سی نگاہ آسمان پر ڈالی۔
رکشے والے کی مہربانی سے اسے اسکول جلد ہی مل گیا۔ اس کا دل خوشی سے جھومنے لگا۔
یہاں تک تو اس اجنبی نے سچ ہی بولا تھا۔
وزیٹنگ کارڈ کو مٹھی میں، متاع حیات کی طرح دبائے وہ بے ترتیبی سے دھڑکتے دل کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔
چوکیدار سے پرنسپل کے آفس کا پوچھا تو اس نے ایک طرف اشارہ کر دیا۔
آفس کے دروازے کے سامنے پہنچ کر دفعتاً وہ ٹھٹک گئی۔
وہ یہاں تک آ تو گئی تھی مگر اپنا تعارف کیا کرائے گی؟
اجنبی شخص کا حوالہ دے گی بھی تو... کس نام سے اس کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔
خشک ہوتے لبوں پر زبان پھیر کے اس نے کن انکھیوں سے ادھر اُدھر دیکھا، چپراسی اپنی کرسی پر بیٹھا اسے عجیب سی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔
وہ... مجھے۔ پرنسپل صاحبہ سے ملنا ہے۔" وہ ہکلائی۔"
"پرنسپل... صاحبہ...؟"

وہ یوں بولا جیسے یہ لفظ پہلے کبھی سنا نہ ہو۔
"ہاں۔ وہ۔۔۔ میں نوکری کے سلسلے میں آئی ہوں۔ ان کے کسی جاننے والے نے بھیجا ہے۔"
دل مضبوط کرتے ہوئے اس نے کہہ ہی دیا۔
"یہاں پر نسپل صاحبہ نہیں پر نسپل صاحب ہوتے ہیں میڈم۔"
عجیب سڑیل مزاج چپراسی تھا اپنی جگہ سے انچ بھر بھی ہلے بغیر اسے شرمسار کرنے پر تلا ہوا تھا۔
اور وہ جو "جاننے والے" کا رعب ڈال رہی تھی خفیف سی ہو گئی۔
"آپ جا کے ان کو بتائیں تو سہی میرا نام رانیہ ہے۔ رانیہ عارف۔"
اس کے لب و لہجے میں اترتی لجاجت نے ہی شاید اس پچاس پچپن سالہ شخص کو اس نیکی پر راضی کیا۔ احسان جتانے والے انداز میں اسے دیکھتا وہ اندر گیا تو رانیہ نے خدا کا شکر ادا کیا۔
اب پرنسپل سے جا کے کیا کہنا تھا یہ بعد کا مسئلہ تھا مگر اگلے ہی لمحے وہ اچھل پڑی۔ چپراسی کے ساتھ باہر آنے والا شخص اس کے لیے گویا نجات دہندہ بن کے آیا تھا۔ وہ بے تابی سے اس کی طرف لپکی۔
"سنیں۔۔۔ آپ کا نام کیا ہے؟"
وہ متحیر سا اسے دیکھتے ہوئے بولا۔
"احراز۔۔۔ احراز محمود۔"
"شکر ہے خدا کا۔"
اس نے طویل سانس خارج کی اور قدرے مسکرا کر بولی۔
"اب میں پرنسپل صاحب کو جا کے بتا تو سکوں گی کہ مجھے کس نے بھیجا ہے۔"
وہ بے ساختہ ہنس دیا۔
اس کی سادگی، یا شاید بیوقوفی پر۔

"میں یہاں آپ ہی کے لیے آیا تھا۔"

وہ اس کی گلابی رنگت کو نگاہ بھر کے دیکھتے ہوئے بے اختیار بولا پھر اس کے حیران ہو کر دیکھنے پر جلدی سے تصحیح کی۔

مجھے پتہ تھا کہ آپ کو یہاں آ کے مشکل کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ ظاہر ہے آپ مجھے جانتی تو نہیں۔ آئیے۔ اندر آپ ہی "کا انتظار ہو رہا ہے۔"

میں... "وہ قدرے ہچکچائی۔"

بس کچھ فارمیلٹیز ہیں اور ویسے بھی پرنسپل صاحب سے ایک ملاقات تو لازمی ہے نا۔ گھبرائیں مت۔ دوست ہیں "میرے۔ اچھے آدمی ہیں۔"

احراز نے آخر میں مسکرا کر اسے حوصلہ دیا تو وہ ہمت کر کے اس کی معیت میں اندر چل دی۔

تقریباً احراز ہی کی عمر کے بندہ کو پرنسپل کی سیٹ پر دیکھ کر وہ نروس سی ہونے لگی۔

پرنسپل کے لفظ کے ساتھ اس کے ذہن میں ایک ادھیڑ عمر شخص کا خاکہ بنا تھا۔

مگر وہ اتنی خوش اخلاقی اور نفاست سے گفتگو کر رہا تھا کہ رانیہ کا اعتماد بحال ہوتے دیر نہیں لگی۔

وہ وہاں دس منٹ اور ستائیس سیکنڈز تک بیٹھی اور اتنے وقت تک میز کی داہنی جانب کرسی پر بیٹھا احراز شعوری اور لاشعوری طور پر اسے دیکھتا رہا۔

پرنسپل نے چپراسی کو بلا کر رانیہ کو کلاس میں لے جانے کو کہا، تب وہ چونکا۔

"ہاں بھئی۔ اب سیدھے سے بتا دو یہ کیا چکر ہے؟"

رانیہ کے وہاں سے نکلتے ہی پرنسپل نے اپنے چہرے سے بردباری کا نقاب اتارتے ہوئے احراز کو آڑے ہاتھوں لیا تو وہ چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے بولا۔

"کس کے متعلق کہہ رہے ہو؟"

بلے بھئی بلے... "وہ استہزائیہ انداز میں چمکتے ہوئے بولا۔ "جھوٹ بولو اس سے جو آنکھوں کا اندھا اور دماغ کا کھسکا "ہوا ہو۔ بچو جی۔ پچھلے پندرہ منٹ سے اسے گھور گھور کے تم کوئی وظیفہ تو یقیناً نہیں کر رہے تھے۔"

احراز نے ایک نظر اپنی کلائی پر بندھی گھڑی پر ڈالی۔

"دس منٹ، ستائیس سیکنڈز۔"

"ہیں...؟" وہ ناسمجھی کے عالم میں اسے دیکھنے لگا۔

"وہ یہاں اتنی ہی دیر بیٹھی ہے۔"

احراز نے مسکراتے ہوئے گردن کے پیچھے ہاتھ باندھے اور کرسی کی پشت سے کمر ٹکادی۔

"تُو، تو گیا احراز محمود۔" فاروق اس کی بے خودی پر پھڑک اٹھا تھا۔

"شٹ اپ۔" احراز ہنس دیا۔

"اور نہیں تو کیا۔ کچھ نہ ہونے کا ایک "نہ" ہی کافی ہوتی ہے۔ جہاں شدتوں کا انکار اور حیلے بہانے ہوں وہاں ضرور کچھ ہوتا ہے۔"

فاروق نے وثوق سے کہا تو وہ کچھ سوچ کر قدرے توقف سے بولا۔

"بس یار۔ وہ اچھی لگی ہے دل کو۔ اس سے پہلے میں رات کو بے سدھ ہو کے سوتا تھا۔ کل ساری رات اس کے آنسوؤں نے ڈسٹرب رکھا۔"

"بہت سادہ اور معصوم لڑکی ہے۔"

فاروق کے لب و لہجے میں ہلکی سی تنبیہہ پا کر احراز نے نیم وا آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"مجھے بھی اچھی طرح جانتے ہو تم۔"

احراز نے بنا توقف کہا تو فاروق نے سر ہلادیا پھر سوالیہ انداز میں بولا۔

"شادی کرو گے؟"

احراز ایک دم سیدھے ہو کر بیٹھ گیا۔

"ابھی اتنا لمبا چوڑا تو کچھ نہیں سوچا۔ وہ اچھی لگی ہے اور بس۔"

"اور بس؟" فاروق کے انداز میں بے یقینی تھی۔

"... کہانا ابھی تو بس"

وہ پھر سے اپنے الفاظ دہرانا چاہتا تھا کہ فاروق نے سرزنش کرنے والے انداز میں کہا۔

کسی سے شادی کرنے کے لیے یہ وجہ کافی ہوتی ہے کہ وہ آپ کو اچھا لگتا ہے۔ آنٹی سے بات کر کے رشتہ بھیج دو۔ کہیں"

"نہ کہیں تو شادی کرنی ہی ہے نا۔ تو جو دل کو لگے اسی کو کیوں نہ دل میں بسا لو۔

فاروق کے انداز میں مشورہ بھی تھا اور خلوص بھی۔

احراز بے ساختہ مسکرا دیا۔

رانیہ اسے پیاری اور معصوم ضرور لگی تھی مگر ایک ہی ملاقات میں جس نہج پر وہ نہیں سوچنا چاہ رہا تھا، فاروق نے سوچنے پر مجبور کر دیا۔

یوں بھی نگینہ اپنے سسرال میں اس کے لیے دھڑا دھڑ رشتے دیکھے جا رہی تھی جو کم از کم احراز جیسے نازک احساسات رکھنے والے شخص کی طبع سے مطابقت نہیں رکھتے تھے۔

سو اس رات اس نے رانیہ عارف کے بارے میں شعوری اور "باضابطہ" طور پر سوچا۔ تو دل نے فی الفور لبیک کہا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آسیہ بیگم افتاں و خیزاں اس کے کمرے میں داخل ہوئیں تو وہ بوٹ کستا کہیں نکلنے کی تیاری میں تھا۔

"یہ نوین سے کیا کہا تم نے؟"

عادل نے تسلی سے بوٹ کے میجک بند کر کے سر اٹھایا تب تک وہ جھنجلا چکی تھیں۔

"میں کیا پوچھ رہی ہوں تم سے؟"

پریشان کیوں ہوتی ہیں پیاری ماں۔" وہ لاابالی پن سے بولا اور ہاتھ دھونے کے لیے واش روم میں گھس گیا۔"

"پیاری ماں کے بچے، وہ رو رہی تھی۔"

انہیں خفقان ہونے لگا۔

بھلا یہ کوئی عام بات تھی۔ نوین کا اس کے کمرے سے روتے ہوئے نکلنا اور کچھ بتائے بغیر ماں کو بھی اٹھا لے جانا۔ آسیہ بیگم کا تو بلڈ پریشر بڑھنے لگا۔

"ازل کی ڈرامہ باز ہے وہ۔"

وہ اندر ہی سے تبصرہ کرتے ہوئے بولا۔

"باہر نکلو تم۔"

آسیہ بیگم نے سختی سے کہا تو وہ تولیے سے ہاتھ خشک کرتا، مسکراتا ہوا باہر آیا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟ کیا کہا تھا تم نے اسے؟"

وہ اسے کوئی گنجائش دینے کے موڈ میں نہیں تھی۔

بھلا سکندر حیات کی لاڈلی بھتیجی سے کوئی اونچی نیچی بات کر سکتا تھا؟؟

کر بھی لیتا تو جائے فرار کہاں پاتا۔

"...اوہو"

عادل نے لمحہ بھر کے لیے کچھ سوچا پھر انہیں شانوں سے تھام کے اپنے بستر پر بٹھایا۔

"وہ بالکل بے وقوف لڑکی ہے۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتی تو شکر کرتی کہ شادی سے پہلے ہی حقیقت پتہ چل گئی۔"

وہ متحیر ہوئیں۔

"کون سی حقیقت؟"

"یہی کہ میں تمکین کو پسند کرتا ہوں بلکہ شادی بھی اسی سے کروں گا۔"

وہ رسان سے بولتا آسیہ بیگم کے بدن سے جیسے جان ہی نکال کر لے گیا۔

کئی لمحوں تک تو وہ کچھ بولنے کے قابل ہی نہیں رہیں۔ ان کی سکتے کی سی کیفیت سے گھبرا کر عادل نے ان کے شانوں

کے گرد بازو پھیلایا۔

"یہ... یہ تم نے نوین سے کہا ہے؟"

وہ خوف سے سر سراتی ہوئی آواز میں بولیں تو عادل نے آرام سے کہا۔

"کہیں نہ کہیں سے تو بات چلنی ہی تھی پھر نوین سے کیوں نہیں۔ جو اصل مسئلے کی جڑ ہے۔"

"... دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا۔ تمہارا باپ"

وہ لرز سی گئیں۔ زبان تھی کہ الفاظ کا ساتھ ہی نہ دیتی تھی۔

کچھ ہی دیر کی بات تھی پھر یہ بات لازماً سکندر حیات تک پہنچ جاتی اور پھر ایک قیامت صغریٰ۔

"... ہمارا باپ"

عادل نے تمسخر سے ہنکارا بھرا۔

"وہ صرف ان لوگوں کے پیارے تایا ابو ہیں۔ ہمیں تو صرف ولدیت میں ملے ہیں۔"

"بکو مت۔ تمہیں کیا ضرورت تھی نوین سے ایسی فضول بات کرنے کی۔"

"تو کون کرتا... آپ؟"

وہ بھی تلخ ہونے لگا۔

"پھر بھی۔ بات اس طرح تو نہ پھیلتی جیسے اب پھیلے گی۔"

وہ خلجان میں مبتلا ہونے لگیں۔ آنے والے وقت کی دھمک نے ان کے چہرے پر زردیاں کھنڈ دی تھیں۔

سکندر حیات تو تباہی مچا دیں گے۔ بھائی کی فیملی کی خاطر تو وہ جو بھی کریں کم ہے۔

"امی۔ آپ بے فکر رہیں۔ یہ میرا مسئلہ ہے۔ میں خود سنبھال لوں گا۔"

عادل انہیں تسلی دیتا ہوا اٹھ گیا۔

میں کاشف کی طرف جا رہا ہوں۔ اس کے انکل کی کمپنی میں مجھے ایک بہت اچھی جاب مل رہی ہے۔ اسی سلسلے میں کچھ"

"بات کرنی ہے۔

وہ تو چلا گیا پیچھے ادھ موا ہونے کو انہیں چھوڑ گیا۔
روشین تو ماں کی حالت دیکھ کر ہی ان سے لپٹ گئی۔
"کیا ہے تمہیں... پیچھے ہٹو۔"
فرحین نے اسے پیچھے کھینچا تو اس کی نم آنکھیں دیکھ کے تپ ہی اٹھی۔
بس۔ ایک یہی کام ڈھنگ کا کرنا آتا ہے تمہیں۔ تمہارے سامنے تمہاری پوری دنیا بھی لٹ جائے نا تو تم نے یہی کرنا"
"ہے۔ چار آنسو بہا لینا اور بس۔
"فری۔ بکواس مت کرو۔"
آسیہ بیگم نے اس کے الفاظ پر ہولے ہوئے اسے ڈانٹا۔
آپ اتنی ٹینشن کس سلسلے میں لے رہی ہیں شادی سے انکار آپ نے نہیں عادل بھائی نے کیا ہے۔ وہ جانیں اور ابو۔ یہ"
"آپ کا مسئلہ نہیں ہے۔
وہ انہیں سمجھا رہی تھی۔
بالکل عادل والا انداز۔ آسیہ بیگم اسے دیکھتے ہوئے بولیں۔
"اپنے باپ کو جانتی نہیں ہو تم۔"
افوہ۔ ایک تو آپ۔" وہ جھنجلائی۔"
باپ نہ ہوا جلاد ہو گیا۔ ایسے ہی ڈراوے دیتی ہیں آپ۔ زیادہ سے زیادہ کیا کریں گے؟ چیخیں گے، چلائیں گے۔ برا"
"بھلا کہیں گے۔ قتل تو نہیں کر دیں گے نا؟
اس کی بہادری بے مثل تھی۔
سکندر حیات کا چیخنا چلانا یاد کر کے روشین نے سختی سے آنکھیں میچ لیں۔

"تمہارا کیا خیال ہے۔ عادل کو وہ یونہی معاف کر دیں گے؟"
آسیہ بیگم ابھی سے تھکنے لگی تھیں۔

تو نہ کریں معاف۔" وہ عادل کے سے لاابالی انداز میں بولی۔"
"اپنی پسند کا فیصلہ کرنے والے میں، تھوڑی بہت سزا برداشت کرنے کا حوصلہ بھی ہونا چاہیے۔"
"تم تو چپ ہی رہو۔ ایک تو کوئی نہ کوئی مصیبت تم دونوں کی وجہ سے آتی رہتی ہے اوپر سے تم لوگوں کی باتیں۔"
روشین چڑ کر بولی تو اس نے لاپروائی سے شانے اچکائے۔
"تو ٹھیک ہے نا۔ خدا نے ایک ہی تو زندگی دی ہے۔ اسے خود کیوں نہ گزاریں۔"
"عادل بھائی کو تو بڑے مشورے دے رہی تھیں کہ خود سے منسلک زندگیوں کا بھی سوچنا چاہیے؟"
وہ تو میں اب بھی کہتی ہوں۔" فرحین نے فی الفور جواب دیا۔"
مگر یہ دوسرے بندے پر منحصر ہے کہ وہ ایسا کر سکتا ہے یا نہیں۔ کچھ معاملات میں تو آپ دل مار کر دوسروں کا دل رکھ سکتے ہیں مگر دل مدِ مقابل آجائے تو پھر دل مارنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ تب بندے کو صرف اپنی ہی ذات نظر آتی ہے۔"
اس کی اپنی ہی منطق تھی۔
"تم تو اپنا فلسفہ حیات سنبھال کے ہی رکھو۔ تمہاری ہر منطق ہی نرالی ہے۔"
روشین کو "صرف اپنا" سوچنے والی عادت پسند نہیں تھی۔
نرالی نہیں اچھی ہے۔" اس نے لقمہ دیا۔"
خوامخواہ کی ٹینشن لے کر بی پی بڑھانے کا کیا فائدہ۔ نوین بی بی نے جو کرنا تھا کر چکی ہوگی۔ اب ابو جو کریں گے وہ بھی ایک حقیقت ہے۔ کان بند کر کے سن لیں گے۔ رہے عادل بھائی تو وہ اس جرأت کے نتیجے میں دی جانے والی ہر سزا ہنسی خوشی برداشت کر لیں گے۔"

اس کے اطمینان اور حد درجہ لاپروائی کو روشین نے رشک سے دیکھا۔
"ابو کبھی نہیں مانیں گے۔"

جنہیں منوانا آتا ہو ان کے پاس ہزار راستے ہوتے ہیں۔"
وہ استہزائیہ انداز میں بولی تو روشین متفکر سی ماں کا چہرہ دیکھنے لگی۔ آنے والے وقت کا خوف ابھی سے جھلک رہا تھا۔
☆☆☆☆☆☆☆☆☆
"کیا بات ہے بھائی جان۔ آج کل گھر میں آپ کا دل بہت کم لگ رہا ہے۔ کوئی نیا دوست بنا لیا ہے۔"
نگینہ نے احراز کو تیار ہو کر کمرے سے نکلتے دیکھ کر چھیڑا تو وہ گڑبڑا سا گیا۔
نہیں تو... دوست تو سب ہی وہی پرانے ہیں۔" وہ قدرے سنبھل کر بولا۔"
تو پھر روزانہ کہاں نکل جاتے ہیں۔ کہاں آپ کہہ رہے تھے کہ گھر میں وقت گزارنے آیا ہوں اور اب آپ کو"
"فرصت ہی نہیں ملتی کسی کے پاس بیٹھنے کی۔
شبینہ بھی بہن ہی کا پر تو تھی۔ جرح کرنے والے انداز میں بولی تو وہ کرسی گھسیٹتا ان کے پاس برآمدے ہی میں بیٹھ گیا۔
جھوٹی۔ دوپہر کے کھانے سے لے کر رات گئے تک تو ہم سب مل کے بیٹھتے ہیں۔ بس یہ تین چار گھنٹے ہوتے ہیں جو"
"میں ادھر اُدھر ہوا کھا کے گزارتا ہوں۔
"کیا فائدہ۔ پیٹرول پھونکنے کا۔ وہ بھی بے کار میں۔"
نگینہ نے ناک بھوں چڑھائی۔
"افوہ۔ اب تم دونوں کیا چاہتی ہو۔ ہر وقت تمہارے گھٹنوں سے لگا بیٹھا رہے۔"
رشیدہ بیگم یقیناً ان کی بحث بلکہ بے جا اور فضول بحث سن کے ہی کمرے سے آئی تھیں۔ سرزنش کرنے لگیں۔
لو جی۔ بھلائی کا تو زمانہ ہی نہیں۔ میں نے تو یونہی پیار کے مارے کہہ دیا۔" نگینہ فوراً خفا ہو گئی اور موٹے موٹے"
آنسو آنکھوں میں بھر گئے۔

لو جی۔ جن کی محبت میں، میں شوہر کی نافرمان بن رہی ہوں، انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ دو وقت کا کھانا ہی ہے نا۔ "

"... وہاں کیا اور یہاں کیا۔ میں تو آپ کی محبت میں یہاں رو رہی تھی

احراز بوکھلا کر رہ گیا۔

ارے۔ یہ مطلب نہیں تھا میرا۔ تم جب تک جی چاہے یہاں رہو۔ میں تو تمہارا گھر ڈسٹرب ہونے کے خیال سے کہہ "

"رہا تھا۔

"گھر نہیں۔ بڑھیا ڈسٹرب ہو رہی ہو گی۔ میں سب سمجھتی ہوں۔ "

وہ دفعتاً چمک کر بولی۔

اس کی ساس مرنجان مرنج قسم کی عورت تھی مگر شوہر کی سر چڑھی ہونے کی وجہ سے نگینہ نے ساس سے خوامخواہ کا بیر ڈال رکھا تھا۔

"نگینہ... بری بات ہے۔ بڑوں کو ایسے نہیں کہتے۔ "

وہ پھر سے خود کو سمجھانے سے نہیں روک سکا۔

اس کا تو دماغ خراب ہو گیا ہے..." رشیدہ بیگم نے ناگواری سے نگینہ کو دیکھتے ہوئے کہا تو وہ منہ پھلا کر بیٹھ گئی۔ وہ "احراز کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"تم جاؤ جہاں جا رہے تھے۔ ایسے ہی فضول بحث میں پڑ کے وقت ضائع کر رہے ہو۔ "

احراز شکر کرتا وہاں سے نکل گیا۔

"امی آپ بھی نا۔ حد کرتی ہیں بس۔ "

نگینہ نے احراز کے جاتے ہی غصے سے کہا تو وہ بھی اسی کے انداز میں بولیں۔

"اور تم دونوں جو، جونک کی طرح اس سے چمٹ گئی تھیں وہ؟

"جوان اولاد کو یوں شتر بے مہارا نہیں چھوڑنا چاہیے۔ "

"یہ بات اس باری کے بچے کو سمجھاؤ۔ جو پہلے سے سر جھکائے بیٹھا ہے اس پر ڈنڈا لے کے چڑھ دوڑنے کا کیا مطلب ہے؟"

"... آپ بات نہیں سمجھ رہیں"

نگینہ نے کچھ کہنا چاہا مگر وہ سختی سے بولیں۔

بات کو تم لوگ سمجھو اور اچھی طرح سے سمجھو... "انہوں نے کہنا شروع کیا اور دونوں بہنیں ہمہ تن گوش ہو گئیں۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس نے تیسری مرتبہ کلائی پر بندھی گھڑی پر ٹائم دیکھا۔

چھٹی ہوئے پندرہ منٹ ہو گئے تھے اور کوئی رکشہ نہ کوئی تانگا مل رہا تھا۔

اس وقت سبھی وین اور رکشے اسکول یا کالجز کے بچوں اور لڑکیوں کو لے جا رہے ہوتے تھے اس لیے اس علاقے میں کوئی سواری ڈھونڈنا رانیہ کو روزانہ ہی پہاڑ لگتا تھا۔ کوئی بھی سواری خالی نہیں ہوتی تھی۔

مجھے کوئی وین لگوا ہی لینی چاہیے۔ "اس نے ہر روز کی طرح سوچا۔"

پہلے اسکول میں اسے دو ہزار تنخواہ پر رکھا گیا تھا جب کہ یہاں فی الحال تین ہزار سے اسٹارٹ ہوا تھا۔ باقی اس کی کارکردگی دیکھ کر بڑھانے کا وعدہ کیا گیا تھا۔

رانیہ بھی پوری توجہ اور محنت کے ساتھ بچوں کو پڑھا رہی تھی۔ یہ جاب وہ کسی بھی طور پر گنوانا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ دو ہزار چچی کے ہاتھ پر رکھ کے باقی کا ایک ہزار وہ اپنے پاس جمع کیا کرے گی۔ تاکہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے علاوہ بھی مشکل وقت میں کام آ سکیں۔ انہی سوچوں میں الجھی وہ کسی کی آواز پر چونکی۔

اس کے سامنے گاڑی رکی اور کب احراز اس کے پاس آ کھڑا ہوا اسے قطعاً علم نہیں ہوا تھا۔

"آپ یہاں کیوں کھڑی ہیں؟"

وہ مہربان سی مسکراہٹ لیے اسے سردیوں کی دھوپ سا لگا۔ نرم و گرم اور مہربان۔

"کوئی رکشہ دیکھ رہی تھی۔"

وہ جھینپی۔
کیا سوچے گا وہ بھی۔ ہر وقت کسی نہ کسی مسئلے کا شکار رہتی ہے۔ یہ لڑکی۔
"یہاں سے تو بہت مشکل لگ رہا ہے۔ سارا اسکول خالی ہو گیا ہے اور آپ تنہا کھڑی ہیں۔"
احراز نے اسے احساس دلایا تو وہ بوکھلا کر ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔ سوچوں میں گم اسے واقعی پتہ نہیں چلا۔ سارا ایریا اب تقریباً سنسان ہو چکا تھا۔

"میں لے چلوں آپ کو... اگر آپ مناسب سمجھیں تو؟"
احراز نے بے ساختہ آفر کی۔ پھر خیال آنے پر جلدی سے بولا تو وہ نروس سی انگشت شہادت کا ناخن چبانے لگی۔
گھر تک نہیں تو بس اسٹاپ یا رکشہ اسٹینڈ تک ہی سہی۔" احراز نے ہمت نہیں ہاری تھی۔"
رانیہ نے چور نظروں سے گھڑی پر وقت کو بھاگتے دیکھ کر مجبوراً اثبات میں سر ہلا دیا۔
چچی کو یوں بھی اس کا دیر سے لوٹنا زہر لگتا تھا۔
"شکریہ... اعتبار کرنے کا۔"
ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے کھل کے مسکرایا۔ رانیہ جھینپی۔
"شکریہ تو مجھے آپ کا ادا کرنا چاہیے۔ ہر مشکل وقت پر میری مدد کر دیتے ہیں۔"
وہ احراز کی "گمشدگی" پر افسردہ اور ملول تھی۔ اس قدر اچھے اجنبی کا شکریہ بھی ادا نہ کر سکی۔
اب قدرت نے ایک اور ٹکراؤ کرا دیا تو اس نے بھی اپنا فرض ادا کرنے میں دیر نہیں کی۔
احراز کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اور گہری ہو گئی تھی۔ وہ کس قدر مشکور و ممنون لگ رہی تھی۔
اب یہ تو کوئی احراز سے پوچھتا۔ اتنے دنوں چپ چاپ فقط اس کا دیدار کرنے کے بعد یہ موقع نصیب ہوا تھا۔
آپ کا مسئلہ بھی تو میری وجہ ہی سے شروع ہوا تھا۔ میرا فرض بنتا تھا کہ آپ کی جہاں تک ہو سکے مدد"
کروں۔" احراز نے سنجیدگی سے کہا پھر اس سے پوچھنے لگا۔
"جاب کیسی چل رہی ہے؟"

"بہت اچھی۔ ماحول بھی اچھا ہے اور بچے بھی۔"
اس کا چہرہ کھل اٹھا۔
وہ واقعی اپنی جاب سے بے حد مطمئن تھی۔ احراز نے نظر بھر کے اسے دیکھا۔

جاذبیت لیے گلابی رنگت جس میں سے سنہری پن جھلکتا تھا۔ سیاہ موٹی آنکھیں عجیب سی خوبصورتی لیے ہوئے تھیں۔
"خیال رکھنا۔ یہاں پر بچوں کی پٹائی کرنا سختی سے منع ہے۔"
وہ اپنے دل کو سنبھالتا روانی میں بے تکلفی سے بولا تو رانیہ خفیف سی ہو گئی۔
"میں نے تو آپ کے بیٹے کو بھی نہیں مارا تھا۔ اس نے بدتمیزی کی تو صرف کان پکڑ کر ڈانٹا تھا۔"
معصومیت سے بولی تو احراز ہنسنے لگا۔
"میرا بیٹا...؟"
"جی۔ اس دن اسکول میں آپ کے ساتھ... علی نام تھا اس کا۔"
وہ پریشان ہونے لگی۔ یہ کیسا باپ تھا جو بیٹے کو بھول گیا تھا۔
"مگر وہ میرا بیٹا تو نہیں۔"
وہ شانے اچکا کر بے نیازی سے بولا۔ رانیہ بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی۔
"تو...؟"
وہ میرا بھانجا ہے۔" وہ اطمینان سے بولا تو رانیہ نے گہری سانس بھری۔"
"ایک ہی بات ہے۔"
"ایک ہی بات کیسے ہوئی۔ شادی شدہ ہونے اور کنوارا ہونے میں بہت فرق ہوتا ہے۔"
"بس۔ یہاں روک دیں۔ یہاں سے میں رکشہ لے لوں گی۔"
وہ بعجلت بولی تو احراز نے پاؤں بریک پر رکھ دیے۔
اس نے اپنی چادر پیشانی پر سے درست کی، اپنا بیگ ٹھیک طرح سے شانے پر ٹکایا۔

وہ جانے والی تھی۔
پھر جانے یہ موقع ملتا یا نہیں۔ روز روز تو وہ اس کی گاڑی میں بیٹھنے والی نہیں تھی۔
جادو بھری سیاہ آنکھیں احراز کی طرف اٹھیں تو ان میں ممنونیت کا تاثر تھا۔
"میری بہت خواہش تھی کہ آپ سے ایک بار ضرور ملاقات ہو تا کہ میں آپ کا شکریہ ادا کر سکوں۔ دوبارہ شاید آپ سے مل نہ پاؤں۔ آپ کا بہت شکریہ احراز۔ آپ اس دنیا کے بہت مخلص اور اچھے انسانوں میں سے ہیں۔"
ان آنکھوں میں اترتی نمی اور آواز میں آنسوؤں کی گھلاوٹ۔ احراز کے دل کے تمام کواڑوں کو کھولتی چلی گئی۔
"اگر یہ اچھا آدمی آئندہ بھی آپ سے ملنا چاہے تو؟"
وہ بے اختیار پوچھنے لگا۔
رانیہ نے شرمندہ ہو کر پلکیں جھکائیں۔
"یہ میرے اختیار میں نہیں ہے اور نہ ہی چچا کے گھر میں یہ سب پسند کیا جاتا ہے۔"
"آپ کے والدین...؟"
احراز نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تو اس کے چہرے پر کرب چھا گیا۔
"وہ ہوتے تو شاید میں اتنی لاچار و بے بس نہ ہوتی۔ آپ مجھے اس پرنسپل کے آفس میں ڈانٹ کھاتے اور آج یہاں رکشہ کا انتظار کرتا نہ دیکھتے... میں اپنے چچا کے پاس رہتی ہوں۔"
"... آئی ایم سوری"
وہ اس کے دکھی ہونے پر نادم ہو گیا۔
مگر وہیں کافی حقیقت کھل کے سامنے آگئی۔
"یہ جاب آپ کی ضرورت ہے؟"

"... مجبوری"

وہ بے ساختہ بولی پھر پلٹ کر گاڑی کا دروازہ کھولنے لگی۔

"... رانیہ"

وہ بلا ارادہ اسے پکار بیٹھا۔

یوں لگا جیسے وہ گاڑی سے نہیں اس کی زندگی سے نکل جانے والی ہو۔

رانیہ نے چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔

"اگر میں یہ ملاقات زندگی بھر کے لیے چاہوں تو؟"

وہ بے حد سنجیدہ تھا۔

رانیہ کا دل تھمنے لگا۔

ایک قطعی اجنبی شخص جسے وہ دو ملاقاتوں سے بڑھ کے جانتی نہیں تھی اور یہ جرأت۔

"مطلب کہ اگر میں اپنی امی کو تمہارے ہاں بھیجوں شادی کا پروپوزل دے کر تو...؟"

وہ بہت امید سے پوچھ رہا تھا۔

رانیہ کے وجود میں سنسناہٹ سی دوڑ اٹھی۔

یہ دلربا سا شخص۔

وہ تو روزانہ یونہی سڑکوں، پارکوں میں ملاقات کا سمجھ رہی تھی مگر یہاں تو وہ ہر کھاتہ صاف رکھنا چاہتا تھا۔ چاہت پر حرف آنے نہیں دینا چاہتا تھا۔

وہ ہونق سی اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"آپ کو میرا گھر معلوم ہے؟"

اس کی جانب سے کسی کڑے جواب کے منتظر احراز کی ہنسی نکل گئی۔

"تمہیں کیا معلوم سنگ دل لڑکی۔ پورے ڈیڑھ ہفتے سے تمہارے اسکول اور گھر کے چکر لگا رہا ہوں۔"

مگر وہ یہ بات دل ہی میں سوچ سکا۔ ابھی وہ اسے خوامخواہ ہراساں نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"وہ میں معلوم کر لوں گا۔ بس تمہاری اجازت چاہیے۔"

وہ دلچسپی سے اس کی سرخ پڑتی رنگت دیکھتے ہوئے بولا تو محجوب سے اثبات میں سر ہلا کر تیزی سے نیچے اتر گئی۔ احراز اس کے پیچھے اترا۔ رکشہ روک کر اسے رانیہ کی منزلِ مقصود بتائی اور کرایہ ادا کر دیا۔

"یہ مت کریں پلیز۔"

"میرا انتظار کرنا۔"

احراز نے نگاہوں میں اس کی صورت جذب کرتے ہوئے مدھم لہجے میں کہا تو وہ اسے دیکھتے ہوئے رکشہ میں بیٹھ گئی۔

الوداع... میری ہم نفس الوداع۔

وہ تاحدِ نظر رکشے کو دیکھتا رہا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آج سکندر حیات نہیں، آج قیامت گھر لوٹی تھی۔

گھر میں داخل ہوتے ہی جس طرح دھاڑتے ہوئے انہوں نے عادل کو پکارنا شروع کیا اس سے آسیہ بیگم کا دل دہل کر رہ گیا۔ خوفزدہ نظروں سے انہوں نے اپنی دونوں بیٹیوں کی طرف دیکھا۔

فرحین نے ان کا ہاتھ تھپتھپایا۔

کچھ نہیں ہوگا امی۔ یہ عادل بھائی کا مسئلہ ہے انہیں ہینڈل کرنے دیں۔ آپ صاف کہہ دینا کہ آپ کو اس معاملے کا کچھ "علم نہیں۔

وہ اتنے آرام سے کہہ رہی تھی جیسے یہ کوئی بات ہی نہ ہو۔

واقعی۔ وہ اسی قدر بے خوف اور بہادر تھی۔

روشین دل ہی دل میں قرآنی آیات کا ورد کرنے لگی۔
"آسیہ... آسیہ۔ کہاں مر گئی ہے جاہل عورت۔"
وہ زخمی شیر بنے ہوئے تھے۔
آسیہ بیگم خود کو سنبھالتی کمرے سے باہر نکلیں تو وہ غیض و غضب کے عالم میں انہی پر الٹ پڑے۔
"کدھر مرے ہوئے ہیں سب۔ جنازے نکل گئے ہیں، کیا سب کے۔"
"خدانہ کرے۔ کیسی باتیں کرتے ہیں آپ۔"
وہ ماں تھیں۔ تڑپ اٹھیں۔
سب سمجھتا ہوں۔ سب سمجھتا ہوں میں۔" انہوں نے دانت کچکچائے۔"
"یہ صرف بیٹے کی بدمعاشی نہیں ہے۔ ماں بھی مکمل شامل ہے اس میں۔"
وہ کہیں سے بھی مہذب اور پڑھے لکھے شخص نہیں لگ رہے تھے۔
"کیا بات ہو گئی ہے؟"
آسیہ بیگم کو ان سے نگاہ ملانا دشوار ہو گیا۔
جھوٹ... جھوٹ مت بول ذلیل عورت۔" وہ اس قدر زور سے چلائے کہ حلق میں خراش کے باعث انہیں کھانسی"
آگئی۔
اندر روشین نے شکوہ کناں نگاہوں سے فرحین کو دیکھا۔ جیسے کہہ رہی ہو۔ یہ سب چپ چاپ سننے کے قابل ہے؟؟
فرحین کے سختی سے بھینچے لب اس کے ضبط کی گواہی دے رہے تھے۔
"... کدھر گیا ہے یہ لارڈ صاحب کا بچہ۔ میرے ٹکڑوں پر پلنے والا آج مجھ ہی کو آنکھیں دکھا رہا ہے۔ نمک حرام"
کف اڑاتے، لال آنکھیں لیے وہ عادل کو بے نطق سنا رہے تھے۔ اسی وقت شاید اس ہنگامے کے شور ہی سے عادل بھی دو دو سیڑھیاں پھلانگتا نیچے آگیا۔

"کیا ہو گیا ہے۔ کیوں ہنگامہ کر رہے ہیں؟"

وہ یقیناً "وجہِ تسمیہ" تو جانتا ہی تھا۔ تبھی اکھڑے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"جن کی اولاد تم جیسی نافرمان اور ناکارہ نکلے ان کے گھروں میں تو ہر وقت صفِ ماتم بچھی رہنی چاہیے۔"

چھوٹے بھائی اور اس کی اولاد کے لیے تو وہ یوں بھی "نفسیاتی کیس" بن جاتے تھے۔ ان کے الفاظ پر آسیہ بیگم کی رنگت زرد پڑی تو عادل کا چہرہ لال ہو گیا۔

"میں نے کون سا جائیداد کے کاغذات پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ کیا نافرمانی ہے میری؟"

"میں نے تمہارا رشتہ رضوان کو دے رکھا ہے تو تمہاری ہمت کیسے ہوئی آنکھ اٹھا کر کسی اور طرف دیکھنے کی۔"

وہ گرجے تو فرحین بھی آنکھوں سے سارا تماشا دیکھنے لگی۔ روشین نے خوفزدہ ہو کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

تم تو بس ڈر ڈر کے یہیں فوت ہو جانا۔" فرحین جل کر بولی۔"

بلکہ تم بھی آؤ۔ کل کو اگر اپنے لیے فائٹ کرنی پڑے تو عادل بھائی سے کچھ سیکھ لو۔"

اسے مشورہ دیتے ہوئے وہ لاؤنج میں جا پہنچی۔

"خدا نہ کرے میں کبھی اس دل کے ہاتھوں مجبور ہوں۔ اللہ نہ کرے کہ مجھے کسی سے محبت ہو۔"

وہ دہل کر اپنے لیے دعا کرنے لگی۔

"واہ... میرا رشتہ دے رکھا ہے اور مجھ ہی کو پتہ نہیں۔"

عادل نے استہزائیہ انداز میں سر کو جھٹکا تو وہ اور غضبناک ہو گئے۔

"یہ میرا گھر ہے برخوردار اور یہاں پر وہی ہو گا جو میں چاہوں گا دوسرے کسی کو چاہے علم ہو، نہ ہو۔"

"زندگی گزارنے کے لیے میری اپنی پسند، اپنی سوچ ہے، ابو جی۔"

اب کی بار وہ قدرے نرمی سے بولا۔

ماں کو لڑکھڑا کے صوفے پر بیٹھتے وہ دیکھ چکا تھا۔ اس وقت حالات گرمی کے نہیں نرمی کے متقاضی تھے۔

بھاڑ میں گئی تمہاری پسند اور تمہاری سوچ۔" اسے ٹھنڈا پڑتا دیکھ کر وہ حقارت سے بولے۔"

"تمہاری شادی نوین سے طے ہے تو اسی سے ہوگی۔ ابھی جاؤ اور اس سے معافی مانگو جو بکواس تم نے اس سے کی ہے۔"

ان کے تحکمانہ انداز و الفاظ نے عادل سے جیسے سر پھرے کو بھک سے اڑا دیا۔

بس ابو جی بس۔ بہت ہو گیا۔ میں کسی کے ہاتھوں بلیک میل ہونے والا نہیں ہوں۔ میں نوین سے شادی نہیں" کروں گا تو اس کا ایک ہی مطلب ہے، ناممکن۔ اور معافی مانگنا تو دور کی بات میں زندگی میں دوبارہ کبھی اس کی شکل دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا۔

"... تم ... تمہاری تو"

سکندر حیات کے منہ سے مغلظات کا طوفان پھوٹ پڑا۔ فرحین چپکے سے ماں کے پاس بیٹھ کر ان کی تسلی کا سامان بنی ہوئی تھی۔

عادل کا جوان خون تھا، دوسرے وہ غصے میں انہی پر گیا تھا۔ ہاں ان کی طرح غصے میں بھی وہ شائستگی کا لحاظ بھول نہیں جاتا تھا۔

عاق کر دوں گا تمہیں ایک پائی نہیں دوں گا اپنی جائیداد میں سے۔ کل کو کتے کی طرح لوٹو گے اس گھر کی دہلیز پر مگر" میں تمہیں یہاں قدم رکھنے کی اجازت نہیں دوں گا۔ تمہاری وجہ سے... میرا بھائی ہر رشتہ میرے منہ پر مار کے گیا "... ہے۔ میں تم سے کوئی رشتہ نہیں رکھنا چاہتا۔ نکلو اور دفع ہو جاؤ یہاں سے

وہ کمرے میں آیا۔ آندھی و طوفان کی سی تیزی سے اپنے کچھ کپڑے بیگ میں ٹھونسے، اپنے ضروری ڈاکومنٹس رکھے اور اسی تیزی سے سیڑھیاں اترتا واپس آیا۔

"... سکندر صاحب خدا کے لیے"

آسیہ بیگم ہاتھ جوڑے سراپا آنسو بنی ان کے سامنے کھڑی ہو گئیں۔

خبردار... "انہوں نے لال آنکھیں دکھاتے ہوئے غرا کر کہا۔"

"خبردار جو کوئی ڈرامہ کیا ہو تو۔"

"... عادل"

وہ اپنے دل کے ٹکڑے اکلوتے نورِ نظر کی طرف لپکیں۔
"جا... چلی جا اس کے ساتھ نافرمان عورت۔ طلاق کے کاغذ بھجوا دوں گا میں۔"
وہ دھاڑے۔
آسیہ بیگم سائیں سائیں کرتی سماعتوں اور تھمتی دھڑکنوں سمیت وہیں مٹی کے ڈھیر کی طرح ڈھے گئیں۔ جانے والا جا چکا تھا۔
پیچھے کوئی بھی آس، امید چھوڑے بغیر۔
فرحین بے تابی سے ماں کی طرف لپکی تو اس کی آواز نے اندر روتی ہوئی روشین کو بھی اپنا خوف بھول کر باہر آنے پر مجبور کر دیا۔
آسیہ بیگم حواس سے عاری، بے ہوش پڑی تھیں۔
"ہنہہ... ڈرامہ باز عورت۔"
سکندر حیات ٹھوکریں مارتے، حقارت سے کہتے اپنے کمرے میں چلے گئے۔
"تم جاؤ۔ پانی لے کے آؤ ان کے لیے۔"
فرحین نے حواس قابو رکھتے ہوئے آسیہ بیگم کا تنفس چیک کرنے کے بعد روشین سے کہا تو وہ کچن کی طرف دوڑی۔
☆☆☆☆☆☆☆☆☆
یا خدا... یہ میں ہوں؟"
رکشہ میں تمام راستہ وہ اپنی جرأت پر حیران ہوتی آئی تھی۔
کہاں دو دن کی جان پہچان اور کہاں اس بندے نے شادی کا پیغام بھی دے دیا اور میں... میں نے ہاں بھی کہہ "دی۔
رانیہ اپنی قسمت کے ان ناگہانی موڑوں پر پریشان بھی تھی تو اس سے زیادہ حیران تھی۔
اسے نہیں پتہ تھا کہ وہ شخص سچا تھا یا جھوٹا مگر بہر حال زندگی نے جو کروٹ بدلی تھی اس نے اس میں سے اپنا حصہ وصول کرنے کی ایک بے ضرر سی کوشش کر ڈالی تھی۔

رانیہ کو اس کی آنکھیں یاد تھیں۔
بے ریا اور مخلص۔
شاید اس شخص کی مخلصی نے مجھے اس قدر مہلت دے دی۔" وہ عجیب سے ہیجان کا شکار ہو رہی تھی۔"
تو کیا دکھوں کے دن کٹنے والے ہیں؟
اس کا جی چاہ رہا تھا خوب ہنسے، کھلکھلائے۔ ہر کسی کو بتائے کہ وہ ایک جہنم سے آزاد ہونے والی ہے۔
رکشے سے اتر کر وہ انہی خیالوں میں کھوئی، ہونٹوں پر خوبصورت سی مسکراہٹ لیے دروازے تک پہنچی اور دستک کے لیے ہاتھ اٹھایا۔
"شکریہ اے اجنبی، مجھے قابلِ اعتماد جاننے اور اچھی لڑکی سمجھنے کا۔"
وہ دل ہی دل میں سرشار تھی۔
ابھی تو صرف آزادی کا اِذن ملا تھا تو یہ حال تھا۔ آزادی پا کر جانے دل سہار بھی پاتا کہ نہیں۔
دروازہ کھل گیا تھا۔
اس نے کھلے دروازے سے اندر پاؤں رکھا۔ اس کے ساتھ ہی جیسے اس پر کوئی افتاد آن پڑی۔
کسی نے بے دردی سے اس کا بازو پکڑ کر اندر کھینچا اور زوردار تھپڑ اس کے منہ پر دے مارا۔
اس قدر غیر متوقع اور زوردار تھپڑ نے اسے چکرا کے رکھ دیا پھر اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتی یا کچھ سمجھ پاتی' چچی نے اسے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹا اور بے دردی سے پیٹنا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی ساتھ گالیوں اور کوسنوں کا سلسلہ جاری تھا۔
وہ حواس باختہ سی اپنا قصور بھی پوچھ نہیں پا رہی تھی۔ بس ہاتھ آگے کئے اپنا ناکام بچاؤ کرنے کی کوشش کرتی رہی۔
اب بس بھی کر نیک بخت' کچھ زبان سے بھی پوچھ لے۔" اندر سے چچا نے نکل کر دبے لہجے میں کہا تو اسے مار مار" کے ہانپتی چچی غرا اٹھی۔
خبردار جو آپ کچھ بولے تو... ارے دو جوان بیٹیوں کا بوجھ دھرا ہے میرے سینے پر... پھر بھی اس سنپولن کو سر" آنکھوں پہ بٹھایا اور یہ حرام خور... (دانت کچکچا کر اسے تھپڑ رسید کرتے ہوئے) یہ اپنی نئی دنیا

"بسانے نکل کھڑی ہوئی۔
"چی... مم... میں نے کیا کیا ہے؟"
وہ بلک رہی تھی۔
تجھے میں بتاتی ہوں..." چچی نے اپنی جوتی سنبھالتے ہوئے شعلہ فشاں لہجے میں کہا۔"
ہم تجھے یہاں لائے تھے تیری یتیمی اور بے گھری پہ ترس کھا کے اور تو چلی ہے ہمی کے سروں پہ خاک ڈالنے۔"
چچی کی جوتی اب دھڑا دھڑ اس کے سر پر برس رہی تھی۔ صائمہ اور ثوبیہ منہ پر ہاتھ دھرے اپنی ہنسی روکنے میں مصروف تھیں۔ اب کی بار چچا سے برداشت نہیں ہوا یا شاید محلے والوں کے سن لینے کا خدشہ لاحق تھا۔ آگے بڑھ کے چچی کو روک دیا۔
پوچھو پھر اپنی لگتی سے۔ دو ہفتے ہو گئے ہیں اسے اس اسکول سے نوکری چھوڑے' تو یہ روزانہ کہاں رنگ رلیاں منا"
"کے آتی ہے۔ کہاں جاتی ہے درس دینے روزانہ۔
چچی چیخ کر بولی تو حواس کھوتی رانیہ پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھنے لگی۔
غصے سے بے حال چچی پھر سے اس کی جانب چیل کی مانند جھپٹی تو وہ چچا کے پیچھے چھپ کر گھگھیانے لگی۔
خدا کی قسم چچا' میں دوسرے اسکول میں نوکری کر رہی ہوں' لوں نے مجھے نکال دیا تھا۔ میں نے ڈر"
کے مارے گھر میں نہیں بتایا مگر اگلے ہی دن میری سہیلی نے مجھے دوسرے اسکول میں زیادہ تنخواہ والی نوکری
"دلوادی تھی۔ خدا کی قسم آپ چاہیں تو ابھی میرے ساتھ چل کے پتہ کر لیں۔
وہ بلکنے لگی۔ سب کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔
چچا نے تاسف سے چچی کی طرف دیکھا جو خود بھی ہکا بکا کھڑی تھیں مگر شرمندہ ہونا یا پچھتانا تو اس کی سرشت میں شامل ہی نہ تھا۔
"ہاں' تو کیوں بتاتی گھر میں' زیادہ تنخواہ والی نوکری جو ملی تھی۔"

چچی نے چمک کر کہا۔ مگر اب کی بار لہجے میں وہ لپک اور پھنکار نہیں تھی۔
رانیہ یونہی چچا کے پیچھے دبکی سسکتی رہی۔

چلو اب تماشا ختم کرو' ذرا سی بات کا بتنگڑ بنا کے رکھ دیتی ہو۔" چچا سر پہ ہاتھ پھیرتے اندر چلے گئے۔"
"چل اٹھ جا اب اور سمجھنا یہ غلط بیانی کی سزا تھی۔"
اتنی گھنی میسنی ہے اگر پہلے سب بتا دیتی تو میرا کیا دماغ خراب تھا جو مار مار کے میرا کندھا ہل گیا ہے۔" انہوں نے"
اپنا شانہ دباتے ہوئے حقارت سے ادھ موئی پڑی رانیہ کو دیکھا اور ثوبیہ کو اپنے شانے دبانے کا اشارہ کیا۔
چل اٹھ اب' اندر دفع ہو۔ منہ میں گھنگھنیاں ڈالے بیٹھی تھی۔ ایسی چالاکیاں تو ہمیں ساری زندگی نہ آئیں۔ سیدھی"
سادی زندگی گزار دی۔
چچی مسلسل بڑبڑائے جا رہی تھی۔ چچا ہی اسے سہارا دے کے جیسے تیسے کمرے میں چھوڑ گئے۔
سر اور جسم کی نہیں' دل کی دکھن اسے رلا رہی تھی۔
اور تقدیر...؟
تقدیر کہیں سنہری قلم سے اس کی خوبصورت قسمت رقم کر رہی تھی۔
☆☆☆☆
وہ سیدھا کاشف کے پاس پہنچا تھا۔
یہ تو ایک دن ہونا ہی تھا۔ بس ذرا جلدی ہو گیا۔" وہ ہنسا۔"
پتہ نہیں یہ والد صاحبان بچوں کو عاق کرنے کی دھمکیاں کیوں دیتے ہیں۔ شاید وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کے بغیر ان"
"کی جائیداد کے بغیر کچھ نہیں ہیں۔
عادل سخت کبیدہ خاطر تھا۔
ماں کی شکل آنکھوں کے سامنے سے ہٹ نہیں رہی تھی گھر سے نکل کر تو شاید منزل آسان ہو گئی تھی۔ مگر یہ پہلو دکھ

دے رہا تھا کہ ماں، بہنوں سے دور ہو گیا تھا۔
فکر مت کرو جاب تو سمجھو تمہاری پکی ہے۔ ایک آدھ ماہ تک رہائش اور کنوینس بھی فری مل جائے گا پھر تو بس"
موجاں ای موجاں۔" کاشف نے اسے تسلی دی تو وہ ہنس دیا۔
"یہی تو بے فکری ہے۔ اسی لئے تو کب سے جاب کی تلاش میں تھا۔ مجھے پتہ تھا ایک دن یہی ہونا ہے۔"

اور یہ تو تمہیں کہنے کی ضرورت نہیں کہ جب تک تمہاری رہائش کا مسئلہ حل نہیں ہو جاتا تم میرے پاس ہی"
"رہو گے۔
اس کی بات سن کر عادل اس کے بستر پر مزید پھیلا۔
"بالکل... بلکہ تم نہ بھی کہتے تو میں خود کہنے والا تھا۔"
"میں کھانے کا کہہ کے آتا ہوں۔"
کاشف ہنستا ہوا چلا گیا۔
تمکین" گہری سانس لے کر عادل نے آنکھیں موندیں تو ایک فرحت آگیں اور پرسکون سا احساس پلکوں تلے اتر"
آیا۔
☆☆☆☆
میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اچھے لڑکے دیکھ کے لوگوں کی رال کیوں ٹپکنے لگتی ہے۔ ہر کوئی پلیٹ میں رکھ کے بہن بیٹی پیش کر رہا ہے۔" نگینہ کو سسرال واپس گئے دو ہی دن ہوئے تھے۔ تیسرے روز اس کی پھر آمد ہو گئی۔ اب دوپہر کے کھانے کے بعد یہ موضوع کھل گیا۔ وہ بڑے غرور سے کہہ رہی تھی۔
احراز کو اس کے الفاظ اور انداز معیوب لگے۔
"ہر کسی کا دل چاہتا ہے کہ اس کی بہن ہو یا بیٹی اچھے اور بہترین لڑکے سے بیاہی جائے۔"
رسان سے بولا تو نگینہ نے ہاتھ نچاتے ہوئے کہا۔
"اپنے منہ سے اپنی بیٹی کے رشتے کی بات کرنا کہاں کی اچھی بات ہے؟"

"اسلامی نقطہ نظر سے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ حضرت خدیجہؓ نے تو خود رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو شادی کا پیغام بھیجا تھا۔"

احراز نے سکون سے جواب دیا۔ نگینہ جزبز ہونے لگی۔

"وہ اور زمانہ تھا۔"

"سنت تو رہتی دنیا تک وہی رہے گی۔"

اس کے جان چھڑانے والے انداز پر وہ مسکرایا تھا۔

"ابھی تو باتیں کر رہے ہیں بڑی مذہبی' ان میں سے کسی سے شادی کرنی پڑے تو پتہ چلے۔"

وہ برامان گئی تھی۔

"مسئلہ کیا ہو گیا ہے؟"

رشیدہ بیگم نے بیٹی کا دل رکھنے کو اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

"وہی میری بڑی نند صاحبہ کی نند اور جٹھانی کی چھوٹی بہن کا' رازی بھائی کے لئے رشتہ دے رہی ہیں خود سے۔"

نگینہ نے حقارت سے کہا تو احراز چونک گیا۔

"لو... انہیں کیا مصیبت پڑ گئی ہے' ہم جب جی چاہے گا اپنے بھائی کی شادی کریں گے۔"

شبینہ نے تنک کر کہا تھا۔

"او ہو... بھئی اگر اچھی لڑکیاں ہیں تو دیکھنے میں کیا حرج ہے۔" رشیدہ بیگم نے رسان سے کہا تو نگینہ بلبلا اٹھی۔

"ہاں... نند جٹھانی کو سسرال میں بھی برداشت کرو اور ان کی ایک کاربن کاپی یہاں بھی لے آؤ۔ مستقل درد سر۔"

احراز کی آنکھوں میں رانیہ کی بھولی سی صورت گھوم گئی۔

"میں اس لئے کہہ رہی ہوں کہ دیکھی بھالی لڑکی کے ساتھ تم لوگوں کا گزارہ بھی اچھے سے ہو جائے گا۔"

انہوں نے وضاحت کی۔
اتنے سالوں تو اچھے سے گزارا کیا نہیں ان کی ماؤں نے اب میرے خوبرو بھائی پر رال ٹپکی تو نیک، میٹھی بیبیاں بن "
گئی ہیں۔
وہ اسی انداز میں کہہ رہی تھی۔
انہیں دفع کرو آپا... میری سہیلیوں میں بڑی خوبصورت لڑکیاں ہیں۔ بھائی جان کے ساتھ بہت سوٹ کریں "
"گی۔

شبینہ نے جوش سے کہا تو نگینہ نے منہ بنایا۔
"بس رہنے بھی دو۔ دیکھ رکھی ہیں تمہاری سہیلیاں۔ ہماری بھابی بننے لائق نہیں ہیں کم از کم۔"
"کیوں...؟" شبینہ نے احتجاج کیا۔ "وہ لبنیٰ دیکھی ہے جس کی بڑی بڑی آنکھیں ہیں۔"
ہاں... جو اس کی پکوڑا سی ناک کے پیچھے چھپ کر دکھائی ہی نہیں دیتیں۔ دیکھنے والے کی پہلی نگاہ اس کی ناک پر ہی "
"پڑتی ہے۔
"اور وہ گوری چٹی ظل ہما۔"
"گوری چٹی بلکہ گول مٹول۔ اتنی بھاری اسامی۔"
"ہاں جیسے آپ خود تو بہت خوبصورت ہیں۔ بھائی جان بھی تو لے گئے چپ چاپ آپ کو بیاہ کے۔"
اپنی سہیلیوں کی مدح سرائی سن کے شبینہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تو وہ تڑخ کر بولی۔
"دیکھ رہی ہیں اس کی بدتمیزی۔"
نگینہ نے تلملاتے ہوئے ماں کو متوجہ کیا۔
تم دونوں ہی اپنی فضول باتیں بند کرو۔" رشیدہ بیگم نے ان دونوں کو ہی ڈانٹ دیا تھا۔"
شبینہ تو منہ پھلا کے اسی وقت واک آؤٹ کر گئی جبکہ نگینہ ابھی تک بدمزہ تھی۔
ماں کا یہ مصلحت آمیز سا انداز اسے قطعی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہوں' آجکل یونہی گھروں میں لڑکی اٹھا کر نہیں لے آتے۔ لاکھوں کے جہیز میں تول کر"
دیتے ہیں لوگ۔ لڑکے کی ماں بہنوں کو بھی لاکھوں کے زیور چڑھاتے ہیں۔ ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے ایسے لوگوں
"کو منہ لگانے کی۔
نگینہ کے ارادے ضرورت سے زیادہ ہی خطرناک تھے وہ جو مناسب الفاظ میں رانیہ کا ذکر کرنے کا سوچ رہا تھا گہری
سانس بھر کے رہ گیا۔
رشیدہ بیگم نے گھور کے بیٹی کو دیکھا تو اس نے سابقہ پر جوش انداز میں کہا۔

"ہاں تو ہمارے بھائی میں کون سی کمی ہے۔"
"میں کون سی اپنی بولی لگوا رہا ہوں۔"
احراز خود کو کہنے سے باز نہیں رکھ سکا تھا۔
بمشکل تو وہ شادی پہ راضی ہوا ہے اور اب تم بیچ میں یہ شوشے چھوڑ رہی ہو۔ اتنا امیر گھرانہ کہاں ڈھونڈیں گے ہم۔"
رشیدہ بیگم کو پریشانی لگی۔ اسی وقت ابرار اندر داخل ہوا۔
"کون راضی ہو گیا ہے شادی کے لئے؟"
اس کے کان کھڑے ہوئے تھے۔
"تم تو فی الحال ہو نہیں سکتے' البتہ رازی بھائی اس بار شادی کر کے ہی جائیں گے۔"
نگینہ نے اسے چڑاتے ہوئے کہا تو وہ صوفے پر ریلیکس سا ہو کر نیم دراز ہو گیا۔
"اور اس کے لئے میں نے اپنی اتنی سہیلیاں بتائی ہیں مگر یہاں کسی کو وہ پسند ہی نہیں۔"
شبینہ پھر چلی آئی تھی۔
ان بد ذوق لوگوں کو کیا پتہ 'تم مجھے دکھانا اپنی وہ... مافوق الفطرت دوستیں... کیا پتہ کوئی "پار" لگ ہی جائے۔""
ابرار نے شرارت سے کہا تو وہ پاؤں پٹخ کے رہ گئی۔
"بس اب کل سے ہم لڑکی ڈھونڈنا شروع کرنے والے ہیں۔ فیملی سے باہر کہیں۔"

نگینہ نے جوش بھرے لہجے میں کہا تو ابرار نا سمجھی کے عالم میں احراز کو دیکھا۔

"ان سے تو پوچھ لو۔"

"لو... ان سے کیا پوچھنا۔ یہ تو راضی ہی ہیں۔ امی نے کہہ دیا ہے کہ اس بار ان کی شادی کر کے ہی بھیجنا ہے۔"

وہ آرام سے بولی تو ابرار نے اب کی بار معنی خیز لہجے میں کہا۔

"ان سے بھی پوچھ لو ہو سکتا ہے ان کی بھی کوئی پسند ہو۔"

ہیں...؟" نگینہ بے یقینی سے احراز کو دیکھنے لگی تو وہ خوامخواہ ہی جھینپ سا گیا۔"

"ارے نہیں... ایسا تو کچھ نہیں۔"

"میرے سیدھے سادے بیٹے پر الزام تراشیاں مت کرو۔"

رشیدہ بیگم نے لاڈ سے کہا تو ابرار آہ بھر کے چھت کو دیکھنے لگا۔

"اور ویسے بھی بھائی جان نے یہ شعبہ ہمیں سونپ رکھا ہے۔"

نگینہ تفاخر سے بولی تو احراز بدقت مسکرا پایا۔

"آپ دیکھنا ہم چن کے بھابی لائیں گے۔"

شبینہ ناراضگی بھول کے بڑے دعوے سے بولی تو ابرار اس کا مذاق اڑانے لگا۔

"چن کے' جیسے کوئی فروٹ یا سبزی ہے نا۔"

اس کی چھٹیاں گزرتی جا رہی ہیں ابھی تک تم لوگوں نے کوئی حیلہ تو کیا نہیں۔ پتہ نہیں کہاں سے چھانٹ کے لاؤ گی"

"کوئی لڑکی۔

رشیدہ بیگم ان کی محض "ہوائیوں" سے بہلنے کو تیار نہیں تھیں۔

"یہ آپ کو پھنسا دیں گی کہیں۔"

ابرار نے بھائی کو متنبہ کیا تھا جو پتہ نہیں کس سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

ارے واہ' ایسے ہی۔" نگینہ برا مان کر بولی۔"

"پھنسانا ہوتا تو اپنی سسرال میں ہی کہیں نہ کروا دیتی۔"

"وہ تو پھر تم خود پھنس جاتی نا۔"

ابرار اس کے تنکنے کا مزہ لے رہا تھا۔

پھر اٹھتے اٹھتے گویا احراز کو مشورہ دے گیا۔

"اس سے اچھا ہے اسی کا نام لے دیں جو پرسوں آپ کی گاڑی میں بیٹھی تھی۔"

احراز جہاں کا تہاں بیٹھا رہ گیا۔

اسے امید نہیں تھی کہ بات اس رخ پر بھی جا سکتی ہے۔ دونوں بہنیں اور ماں بے یقینی میں گھری اسے دیکھنے لگیں۔

جبکہ ابرار "چھیڑ" ڈال کے جا چکا تھا۔

کیا بکواس کر رہا ہے یہ باری کا بچہ...؟" نگینہ نے اسے غائبانہ جھاڑا تھا۔"

"باری بھائی کو تو عادت ہے یونہی چھوڑنے کی۔"

شبینہ کو بھی ابرار کی گل فشانی پہ ذرہ برابر بھی یقین نہیں آیا تھا۔

"اور کیا... اس کو اپنی پسند کی شادی کرنی ہوتی تو آتے ہی سارا معاملہ میرے سپرد نہ کرتا۔"

رشیدہ بیگم نے پیار سے بیٹے کو دیکھا جو خجل سا بیٹھا تھا۔

"اوفوہ ذرا ان کو بھی تو بولنے کا موقع دیں۔ بات تو میں نے شروع کی ہے۔ اب آگے یہ بتائیں گے آپ کو۔"

باری نے اپنے کمرے سے برآمد ہوتے ہوئے کہا۔ وہ خاصا جھنجلایا ہوا الگ رہا تھا۔

ہاں..." رشیدہ بیگم نے حیرت سے انگشت ہونٹ پہ رکھی۔"

"دماغ تو خراب نہیں ہو گیا تمہارا؟"

دماغ بھی صحیح ہے اور نظر بھی۔ باقی تفتیش ان سے کر لیجئے۔" وہ باہر نکل گیا تھا۔"

اس کے استہزائیہ انداز کو احراز محسوس کرتا مگر اسی وقت ان تینوں کو اپنی طرف متوجہ پا کر جھینپ گیا۔

"کون لڑکی تھی وہ احراز؟"

رشیدہ بیگم نے پریشانی سے پوچھا تو وہ نپے تلے انداز میں بولا۔

"وہ... ایک ضرورت مند تھی امی۔ میں نے اسے اپنے دوست فاروق کے اسکول میں جاب دلائی ہے۔"

"...اچھا"

انہوں نے اطمینان کی سانس لی۔

"کوئی ضرورت مند تھی۔"

تسلی آمیز نظروں سے دونوں بیٹیوں کی طرف دیکھا۔ احراز کو گویا رانیہ کے متعلق بات کرنے کا ایک سنہری موقع ہاتھ لگا تھا۔

"...وہ اچھی لڑکی ہے امی"

وہ شبینہ کی موجودگی کے باعث قدرے جھجک رہا تھا۔ کنواری بہن کے سامنے ایسی بات کرنا اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

ان تینوں کے تاثرات سے احراز کو صاف محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اس سے ایسی "جرأت" کی امید نہیں رکھتی تھیں۔

تو کیا تم...؟" رشیدہ بیگم مارے حیرت کے بات مکمل نہیں کر پائیں۔"

ویسے بھی تو آپ لڑکی ڈھونڈ ہی رہی ہیں تو ایک بار رانیہ کو بھی دیکھ لیں۔ ہو سکتا ہے آپ کی تلاش ختم ہو جائے۔" "

وہ قدرے مسکرا کر اعتماد سے بولا تو نگینہ کا منہ بن گیا۔

"تو آپ اپنی پسند کی شادی کریں گے؟"

"اس میں حرج ہے کوئی؟"

وہ اب پر اعتماد تھا۔

یوں راستوں میں ملنے والی لڑکیاں قابل اعتبار نہیں ہوتیں رازی اور یوں بھی تمہیں یہاں آئے ابھی دن ہی کتنے"

"ہوئے ہیں۔ تمہیں کیا پتہ کسی کے آگے پیچھے کا۔
رشیدہ بیگم نے تفکر سے کہا۔
شادی تو جوا ہوتی ہے امی جان، جہاں کہیں بھی انجان لوگوں میں میری شادی کریں گی کوئی انجانی لڑکی ہی ہوگی جس"
کی گارنٹی آپ دے سکتی ہیں نہ میں۔ تو پھر رانیہ کیوں نہیں، اسے تھوڑا بہت تو جانتا ہی ہوں۔ بہت

"معصوم اور سادہ طبیعت لڑکی ہے۔ ہمارے گھر میں بہت آسانی سے ایڈجسٹ کر جائے گی۔
وہ ان کے پاس بیٹھتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولا تو وہ سوچ میں پڑ گئیں۔
انہیں تو قطعاً یہ خیال بھی نہیں تھا کہ احراز جیسا سیدھا سادا بندہ بھی ان "چکروں" میں پڑ سکتا ہے۔
اگر اپنی پسند ہی کی شادی کرنا تھی تو ہمیں خوار کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ سیدھے سے کہہ دیتے فلاں جگہ جا کے بات"
"طے کر دیں۔
نگینہ ناراض ہونے لگی۔
وہ ہنسا۔
"میرا کون سا سالوں پرانا عشق چل رہا ہے ابھی بات کھلی تو بتا دیا۔"
نہ کھلتی تو نہ بتاتے۔ یونہی اس سے ملتے رہتے۔" نگینہ منہ پھٹ تو تھی ہی، صاف گوئی سے بولی۔"
ایسی کوئی بات نہیں۔ بس ایک مرتبہ اتفاق سے اسے کوئی سواری نہیں ملی تو میں نے اسے رکشہ اسٹینڈ تک ڈراپ"
"کیا تھا اور بس۔ یہ ملنے ملانے والے چکر میں نے نہیں پالے، سیدھا سبھاؤ شادی کروں گا اور بس۔
وہ سنجیدہ ہو گیا تھا۔
اچھا اب بس کرو۔" رشیدہ بیگم نے بیٹی کو گھر کا۔"
اچھا نہیں ہوا خوامخواہ جوتیاں توڑنے سے بچ گئی ہو۔ شادی کے لئے لڑکی ہی چاہئے تھی نا۔ اب مل گئی تو دیکھ لیتے"
"ہیں۔
"دیکھنا کیا محض تکلف ہی نبھانا ہے۔ پسند تو کر ہی لیا ہے رازی بھائی نے۔"

وہ تیکھے انداز میں بولی تو احراز نے قطعیت سے کہا۔
"بالکل نہیں کوئی تکلف نہیں، اگر امی نے اسے ناپسند کیا تو تم لوگ جہاں چاہے لڑکی دیکھ لینا۔"
نگینہ نے اس کی بات سن کر معنی خیزی سے ماں کو دیکھا ان کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ کھیل گئی تھی۔
طمانیت بھری مسکراہٹ۔

فرحین کی رنگت سرخ پڑنے لگی اور روشین کے دل کی دھڑکن مدہم... کہ خدا جانے اب ان خوب صورت لبوں میں سے کون سی بات نکلے... مگر یہ فرحین کا دل جانتا تھا کہ اس نے خود پہ کیسے ضبط کے بند باندھے۔ ماں نے جس ملتجیانہ انداز میں اس کا ہاتھ اپنے پسیجتے ہاتھوں میں دبوچا ہوا تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھ رہی تھی۔
دنیا جہاں کی ناکارہ اور ناخلف اولاد دی ہے خدا نے مجھے۔ کوئی ایک خوشی کوئی ایک سکون... ترس کے رہ گیا ہوں" میں۔ ارے میں کہتا ہوں مجھ سے زیادہ تو بے اولاد لوگ خوش پھرتے ہیں جنہیں نہ کوئی ذہنی اذیت دینے والا ہے اور نہ ہی نافرمانی کرنے والا اور میں... نہ بیٹا حق میں اچھا نکلا اور اب اسے بھی زبان لگتی جا رہی ہے۔ تف ہے میری زندگی پر۔" وہ غصے کی حدوں کو عبور کرتے کمرے کا دروازہ آندھی کی طرح بند کرتے چلے گئے۔
روشین کے سینے سے گھٹی گھٹی سانس بر آمد ہوئی۔ فرحین نے ناراضگی بھرے جھٹکے سے ماں کی گرفت سے اپنا ہاتھ چھڑایا۔
اور ابھی بھی آپ مجھے کہتی ہیں کہ مجھے خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے۔" وہ تلخی سے بولی تو آسیہ بیگم نے اس کے لبوں پہ اپنا" ہاتھ رکھ دیا۔
ظالم اور شداد فرعون پھر رہے ہیں اس زمین پر فری۔ یہ تو صرف لفظوں کی مار مارتے ہیں۔ اخبارات اٹھا کے" دیکھو۔ انسانیت خود اپنی نگاہوں سے گر چکی ہے۔ میں پھر بھی یہی کہوں گی کہ تم لوگ خوش قسمت ہو۔ اتنے مان اور عزت کے ساتھ اپنے باپ کی چار دیواری میں محفوظ ہو۔" انہوں نے نرمی سے سمجھایا تو وہ تنک کر بولی۔
کون سی عزت، کون سا مان امی... ؟ ایسا سلوک کرتے ہیں لوگ اپنی بیٹیوں سے۔ صاف لفظوں میں ہمیں مہذبانہ" گالیوں سے نوازتے ہیں یہ۔ آپ ہی سمجھنا نہیں چاہتیں۔" وہ سخت خفا ہونے لگی تو آسیہ بیگم نے اس کی پیشانی چوم

لی۔

میں جانتی ہوں فری۔ سب جانتی ہوں مگر مشیت ایزدی کو کھلے دل سے مان لو تو سارا جھگڑا ہی ختم ہو جاتا ہے میری"
"جان۔

اچھا..." وہ طنزیہ ہنسی۔ "یہاں تو جھگڑوں کے نئے سے نئے باب کھلتے رہتے ہیں۔ آپ پتہ نہیں کون سے جھگڑے"
"کی بات کر رہی ہیں۔

اچھا اب بس کرو۔ کیا فضول میں امی کا دماغ کھا رہی ہو۔" روشین نے فوراً ہی دو سالہ بڑائی کا رعب جھاڑا تھا۔"

اچھا جی! آپ کی سانسیں واپس آ گئیں، نبض چلنا شروع ہو گئی؟" فرحین نے تحیر سے پوچھا تو وہ جھینپ گئی۔"
"بکو مت۔"

اچھا کرتی ہے نہیں بولتی۔ اسی لیے عتاب سے بچی رہتی ہے۔" آسیہ بیگم نے توصیفی انداز میں کہتے ہوئے روشین کو"
شانے سے لگایا۔ اپنی یہ نرم و نازک ڈال سی بیٹی انہیں بالکل اپنا پر تو لگا کرتی تھی۔ ٹھنڈی، میٹھی اور

بلا کی ڈرپوک۔

ایسے لوگ بہت سخت عتاب میں آیا کرتے ہیں جو ناحق عتاب کے جواب میں کچھ نہیں کہتے۔" فرحین نے بے"
ساختہ کہا تو آسیہ بیگم نے فوراً ہی اسے ڈانٹ دیا۔

"اچھا بس۔ منہ سے بد فال مت نکالو۔"

ایک اور ایک گیارہ ہوتے ہیں امی۔ اگر یہ بھی میرے ساتھ مل کے بولے تو ہم ابو جی کے چھکے چھڑا کے رکھ سکتی"
ہیں۔" وہ بے خوفی سے بولی تو آسیہ بیگم نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔

خدا کے لیے فری۔ ابھی تمہارا جی نہیں بھرا۔" وہ سخت ناراضگی سے اٹھ کر جوتی پہننے لگی۔"

ایک تو آپ کی اسی بزدلی کی وجہ سے آج ہم پر یہ دن آیا ہوا ہے۔" وہ رکی اور جیسے پیش گوئی کرتے ہوئے بولی۔"
"مگر آپ کی یہ ڈرپوک خرگوشی... جسے آپ اتنا بچا بچا کے اپنا سایہ بنائے ہوئے ہیں۔ ایک دن وہ اسی کا شکار کریں

"... گے اور نہ آپ کچھ کر سکیں گی اور نہ یہ
فرحین..." وہ سختی سے اسے ڈانٹنے لگی تھیں جب کہ روشین نے انہیں روک دیا۔ فرحین پاؤں پٹختی وہاں سے نکلی"
تھی۔
پتہ تو ہے اس کی عادت کا پھر کیوں دل پہ لیتی ہیں۔" روشین نے ماں کو دلاسا دیا۔"
میرا تو دل ہول کے رہ جاتا ہے۔ کیسے منہ پھاڑ کے بدفال نکالتی جاتی ہے۔" وہ بے بسی سے بولیں۔"
اوفوہ۔ وہ کہاں کی ولی اللہ رہ گئی ہے۔ ڈھنگ سے نماز تو پڑھتی نہیں۔" روشین لاپرواٸی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہنسی"
مگر دل تو اس کا بھی کانپ کے رہ جاتا تھا جب وہ فرحین کے منہ سے ایسی بات سنتی تھی۔

☆☆☆☆

وہ اس کا رومال نکال کے الماری کے پٹ بند کرتی پلٹی تو وہ راہ میں ایستادہ تھا۔
اور یہ ٹاٸی کون باندھے گا؟" چہرے پہ زمانے بھر کا تفکر... جیسے خود تو زندگی میں کبھی ٹاٸی باندھی ہی نہ ہو۔"
مجھے کچن میں کام ہے عادی۔" تمکین نے رومال اس کی جیب میں رکھتے ہوئے ایک نگاہ وال کلاک پہ ڈالی اور بعجلت"
کہا۔
اور یہاں جو کام ہے وہ...؟" وہ معصومیت سے گویا ہوا۔ بالوں کو جوڑے میں سمیٹے' فیروزی کپڑوں میں ملبوس"
وہ سادگی میں بھی اس کے دل میں اترتی گئی۔
اوفوہ۔ یہ ٹاٸی بھی نا۔" تمکین نے دانت کچکچاتے ہوئے ٹاٸی جھپٹی مگر ناشتہ تیار کرنے کی عجلت اور نکلتے ٹاٸم کا"
احساس' اس سے ٹھیک ٹاٸی کی ناٹ ہی نہیں بن پا رہی تھی۔

اللہ..." وہ تھک گئی۔ "یہ نہیں لگتی میرے سے..." وہ روہانسی ہونے لگی۔ اس کی کمر پہ دونوں ہاتھ جمائے کھڑا"
وہ مسکرایا۔
کوشش کرو میری جان۔ کوشش سے کیا نہیں ہو جاتا۔" تب تمکین کو احساس ہوا کہ وہ فقط اس کی قربت کے"
بہانے تلاش رہا تھا۔ بھلا روزانہ آنکھیں بند کر کے ٹاٸی باندھنے والا... اس نے پھندے کے انداز میں ٹاٸی کو اس کی

گردن میں جھٹکا دیا تو وہ بے اختیار کھانستے ہوئے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرنے لگا۔
تمکین ہنستی ہوئی دروازے کی طرف لپکی۔
کوئی بات نہیں۔ خدا تو دیکھ رہا ہے۔" اس نے دھمکایا۔"
اور جیسے آپ نے بیڈروم کی کھڑکی کے دونوں پٹ صبح صبح کھولے ہوتے ہیں۔ خدا ہی نہیں ہمسائے بھی سب دیکھ" رہے ہوتے ہیں۔" وہ اسے چڑاتی ہوئی باہر نکلی۔ چائے دم پہ پڑی تھی۔ اس نے جلدی سے ٹوسٹر میں توس ڈالے اور فرائی پین کے نیچے آنچ جلا کے فریج میں سے آملیٹ کا آمیزہ نکالنے لگی جو وہ عادل کی جلدی' جلدی کی گردان سے بچنے کے لیے فجر کی نماز پڑھنے کے بعد سے بنا کے رکھ دیتی تھی۔
تمکین... بھئی ناشتہ کہاں ہے؟" وہ اب لاؤنج میں کھڑا ٹی وی کے چینلز سرچ کر رہا تھا۔ وہیں سے بآواز بلند پوچھنے" لگا۔
"لا رہی ہوں۔ ذرا صبر کریں۔"
بڑی گندی ہو۔ ناشتے میں صبر' " وہ فوراً اس کے سر ہوا۔"
خدا کے لیے عادی۔" "
اور تم... صرف میرے لیے۔" وہ اس کے کان میں گنگنایا۔"
صبح صبح آپ کا یہ رومینس مجھے زہر لگتا ہے۔" اس کی گرفت ہٹاتے ہوئے وہ جھنجلائی۔ ابھی ذرا سا ناشتے میں کوئی سقم" رہ جاتا تو جناب کی تیوری کے بل چڑھ جاتے۔
تمہیں تو رات کو بھی..." وہ مزے سے کہنے لگا تھا کہ تمکین نے اس کی گرفت سے نکلتے ہوئے گھوم کر اسے چمچہ" دکھایا۔
"جا کے آرام سے ٹی وی دیکھیں۔ میں دو منٹ میں ناشتہ لا رہی ہوں۔"
اور بیوی نہ دیکھوں؟" وہ شرارت سے پوچھنے لگا۔"
وہ تو آپ تھوڑی دیر کے بعد دیکھ ہی لیں گے۔" تمکین نے ایک نظر کچن کی دیوار گیر گھڑی پہ ڈالتے ہوئے طنز سے" کہا اور مگوں میں چائے نکالنے لگی۔

اوکے۔ تو پھر جلدی سے آجاؤ میں بہت بے صبری سے انتظار کر رہا ہوں۔" وہ ایک میٹھی سی شرارت کے ساتھ بولا' تو وہ بمشکل اپنی مسکراہٹ روک سکی۔

یوں لگ رہا ہے جناب سیدھے بیڈروم میں جا رہے ہیں۔" وہ سر ہلاتی جلدی جلدی ناشتہ ٹرے میں رکھنے لگی۔ لاؤنج" میں وہ نیوز چینل میں مگن تھا۔

فیل ہو تم بیوی۔ گھر داری میں ایک دم نالائق۔" وہ ٹائم دیکھتے ہوئے بولا۔"

تمکین نے گہری سانس بھرتے ہوئے ناشتہ اس کے سامنے ٹیبل پر رکھا۔ تپائی کھینچ کے رکھی اور اس کے بالمقابل بیٹھتے ہوئے بولی۔

ناشتہ کیجیے اور بیوی کو دیکھئے بلکہ خبریں کیا دیکھ رہے ہیں۔ بیوی کی خبر لیں۔ ناشتے کا لطف دوبالا ہو جائے گا۔" اس" کے طنز کو پائے بغیر وہ سر ہلاتا متاسفانہ انداز میں بولا۔

"... اگر یہی ناشتہ جلدی مل جائے تو"

یہی اگر آپ بیڈ سے جلدی اٹھ جائیں... یہی اگر آپ بہانے بہانے سے مجھے کمرے میں نہ لائیں... یہی اگر آپ" شرافت سے تیار ہو جائیں تو ناشتہ بہت جلدی مل سکتا ہے۔" تمکین کے ٹھنڈے طنز پر عادل نے قہقہہ لگایا تھا۔

"میری صحبت نے تمہاری حسِ لطیف پہ اچھا اثر ڈالا ہے۔"

تمام حیات پہ کہیے جناب۔" وہ مسکرائی۔"

صبح صبح اتنی اچھی لگتی ہو کہ..." وہ ہاتھ روک کے اسے دیکھتے ہوئے یوں بولا کہ بولڈ سی تمکین بھی جھینپ گئی۔"

"اچھا اچھا۔ ناشتہ کریں۔"

خیر اتنا بھی اچھا نہیں بنا کہ اسے اچھا کی بجائے دو دفعہ اچھا کہا جائے۔" وہ دوبارہ ناشتہ کرنے لگا۔"

یہ سب آپ کی وجہ سے ہے۔" تمکین چڑی۔ اس کی ساری محنت کو وہ یوں ہی سائیڈ پہ رکھ دیا کرتا تھا۔"

اب میں کچھ کہوں گا تو تمہیں غصہ آئے گا اس لیے خاموشی سے ناشتہ کر لو۔" عادل نے اسے پچکارا تو اس کی عادت" و شرارت جانتے ہوئے بھی تمکین کو اس کے انداز پہ غصہ آیا۔

"کیوں میرا کیا قصور ہے اس میں؟"

"اوہو..." اس نے پچکارا۔ "کوئی بات نہیں ہو جاتا ہے۔ دیر سویر تو لگی ہی رہتی ہے۔ کیا ہوا جو تمہاری آنکھ نہیں کھلتی۔"

"اللہ..." تمکین نے غصے سے اسے دیکھا۔ وہ ٹی وی کی طرف متوجہ تھا۔ ساتھ ساتھ جلدی جلدی ناشتے سے بھی نمٹا جا رہا تھا۔

"سارا قصور آپ کا ہے۔" وہ زور دے کے بولی۔

"اونہوں۔ قصور تو بابا بلھے شاہ کا ہے جانم۔" وہ تصحیح کرتے ہوئے بولا۔

"ہیں...؟" تمکین متحیر ہوئی۔

"قصور شہر... بے وقوف۔" وہ کھل کے مسکرایا اور اپنی چائے ختم کرنے لگا جب کہ وہ ایک دم سے چائے کا مگ اور ہاتھ میں تھاما توس پلیٹ میں رکھتی اٹھ کے بھاگی۔

"ارے..." عادل حیران ہوا۔

"اسے کیا ہوا؟" وہ حیرت زدہ سا اس کے پیچھے لپکا۔

وہ واش بیسن پہ جھکی ہوئی تھی۔ ابکائیوں سے بے حال۔

"ذرا سا بے وقوف کیا کہہ دیا تم نے غصے میں آ کر الٹیاں کرنی شروع کر دیں۔" وہ ٹاول سے چہرہ صاف کرتی پلٹی تو عادل کا شکوہ سن کر ہنسی تو پھر اس کی پریشان شکل دیکھ کے ہنستی ہی چلی گئی۔

"اس میں ہنسنے والی کون سے بات ہے؟" وہ جھنجلایا اور اس کا ہاتھ تھام کر اسے اپنے ساتھ لے آیا۔ "بخار تو نہیں ہے۔ کتنی بار کہا ہے اتنی بھاگ دوڑ مت کیا کرو۔ ناشتہ تو میں خود بھی بنا سکتا ہوں۔ طبیعت خراب کر لی نا اپنی۔" وہ بے حد توجہ و اپنائیت سے اسے ڈانٹ رہا تھا۔ تمکین کی ذرا سی بیماری اسے ہراساں کر دیتی تھی چہ جائیکہ اس کا یوں الٹی کر کے بے حال سا دکھائی دینا۔

"شش... " تمکین نے مسکراتے ہوئے اس کے ہونٹوں پہ انگلی رکھی پھر اس کے شانے سے لگ کے وہ اس کے کان میں مدھر سا کچھ گنگنائی تھی۔ عادل کا چہرہ خوشی سے چمکا۔

"پریگنینٹ ہو... تو اس میں اتنے غصے والی کون سی بات ہے کہ تم بات بے بات الٹیاں کرنا شروع کر دو۔" وہ اسے سامنے کرتے ہوئے شرارت سے بولا۔

"عادی... " وہ احتجاجاً چلائی تو عادل نے ہنستے ہوئے اسے خود سے قریب کر لیا۔

"مبارک ہو۔"

"آپ کو بھی۔" اس کے شانے پر سر ٹکائے آنکھیں موندتی وہ بے حد پرسکون اور شانت تھی۔

☆☆☆☆

اب جب کہ رانیہ کی شادی کے لیے زبان دی جا چکی تو گویا باقی لڑکیوں کی قسمت بھی کھل گئی۔ یہ رشتہ بغیر رشتے والی کے توسط سے آیا تھا۔ لڑکے کی ماں اور دو بہنیں۔ چچی تو گلی کے نکڑ پہ کھڑی ان کی چمچماتی گاڑی اور ان کے قیمتی لباس کو دیکھ کر ہی جھوم اٹھی۔

"یہ منحوس راستے سے ہٹی تو میری صائمہ کے بھاگ بھی کھلے۔" چچی نے بڑے احترام سے انہیں بیٹھک میں بٹھایا جو ان کے شایانِ شان تو نہیں لگ رہی تھی مگر مجبوری...

"دراصل ہم یہاں اپنے بیٹے کے رشتے کے سلسلے میں آئے ہیں۔" ادھیڑ عمر عورت نے مسکرا کر کہا تو چچی کی باچھیں کھل گئیں۔

"بس جی جہاں بیری ہو وہاں پتھر تو آتے ہی ہیں۔" چچی نے بڑی انکساری کا مظاہرہ کیا پھر پوچھنے لگی۔ "یہ بیٹیاں ہیں آپ کی؟"

"جی۔ یہ میری بڑی بیٹی ہے نگینہ۔ شادی شدہ ہے خیر سے دو بچوں کی ماں ہے اور یہ چھوٹی شبینہ ہے۔ ابھی کالج میں پڑھ رہی ہے۔" رشیدہ بیگم نے تفصیلی تعارف کرایا۔ حالاں کہ نگینہ ' شبینہ منہ پھلائے قدرے تنفر بھرے پر تکلف سے انداز میں بیٹھی تھیں۔ انہیں اندازہ نہیں تھا کہ احراز نے اس قدر عُسرت زدہ گھر کی لڑکی پسند کی ہو گی۔ حتیٰ کہ شبینہ

جو "بھابی" کو دیکھنے کی خاطر بہن سے چونچ لڑا رہی تھی۔ اب وہ بھی بدمزہ سی بیٹھی تھی۔

ماشاء اللہ بڑی پیاری بچیاں ہیں آپ کی۔" چچی کا انداز چاپلوسانہ تھا۔ حالاں کہ اس نے جب بھی ان ماں بیٹیوں کی" طرف نگاہ کی اس کی حریصانہ نظریں ان کی نازک اور خوب صورت قیمتی جیولری اور کپڑوں میں اٹکی تھیں۔ ان کی شکلوں پہ اس نے خاک غور کیا تھا۔

میں ذرا بچیوں کو اطلاع کر دوں۔" چچی معذرت کرتی اٹھی تو نگینہ تمسخر سے بولی۔"

"دیکھ لی اپنے بیٹے کی پسند... اس گھر سے ہو لے جائیں گے اب ہم۔"

ہمیں کون سا اس گھر کو جہیز میں لکھوانا ہے۔ فیصلہ تو لڑکی دیکھ کے ہی ہو گا نا۔" رشیدہ بیگم بیٹیوں کے برعکس مطمئن" تھیں۔ فرماں بردار بیٹے نے فیصلے کا حق جو انہیں سونپ رکھا تھا۔

اس سے اچھی تو واقعی شبینہ کی دوستیں ہوں گی۔" نگینہ کو تاسف تھا۔"

اور ماں دیکھی لڑکی کی، کتنی عیار لگتی ہے طوطے کی ناک والی جادوگرنی۔" شبینہ نے لقمہ دیا اور واقعی چچی کی مکارانہ" ذہنیت اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہوتی تھی مگر رشیدہ بیگم نے انہیں جھڑک دیا۔

کون سا کنال پہ پھیلا گھر ہے۔ اندر آواز جا رہی ہوگی۔" نگینہ کو بھائی کی شادی کے موقع پر اس کے سسرالیوں کی" جانب سے ملنے والے قیمتی تحائف اور پہناؤں کا خیال ستا رہا تھا۔ اس گھر کے عسرت زدہ مکینوں سے تو وہ نقلی زیور کی توقع بھی نہیں کر سکتی تھی۔

بہر حال میں تو بہت مایوس ہوئی ہوں۔" اس نے صاف لفظوں میں انکار پیش کر دیا تھا۔ چچی شیشے کے سب سے" نئے گلاسوں میں ان تینوں کے لیے بوتلیں ڈال کے لے آئی تھیں۔

دراصل آپ لوگ اتنی اچانک آئے ہیں کہ بچیوں کو تو پتہ نہیں تھا۔ ایسے ہی سر جھاڑ منہ پھاڑ بیٹھی تھیں۔ بس ابھی آ" رہی ہے۔" بنا کسی کے پوچھے ہی چچی نے خود ٹھنڈا پیش کرنے کی وجہ تسمیہ بیان کر دی تھی۔ ان کے گلاس خالی ہونے تک صائمہ کی تیاری بمشکل ختم ہوئی تھی۔

اللہ..." نگینہ نے بے اختیار بہن کی طرف دیکھا۔ اس کا بھی منہ بن گیا تھا۔"
چچی ہی جیسی سانولی رنگت اور ناک کا ڈیزائن بھی وہی۔ ہاں اس کی آنکھیں اچھی تھیں مگر بقول نگینہ۔
جب نگاہ پہلے ہی ناک پہ اٹک جائے تو پھر آنکھوں کو کون دیکھتا ہے؟" دوسرے اسے دیکھنے سے صاف پتہ چل رہا تھا"
کہ وہ خوب اچھی طرح تیار ہو کے آئی ہے۔ البتہ اس بات کا دھیان ضرور رکھا گیا تھا کہ میک اپ لائٹ سا ہی ہو۔ تیار ہوئی وہ اچھی لگ رہی تھی مگر احراز کے لیے وہ ایسی ماٹھی لڑکی کا کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھیں جو "تیار" ہو کے اچھی لگے۔
انہوں نے نظروں ہی نظروں میں ماں تک اپنا انکار پہنچا دیا تھا۔
خود رشیدہ بیگم کو بھی وہ کسی طور احراز کے جوڑ کی نہ لگی تھی۔ "جانے احراز نے کیا دیکھا..." ان کا دل خود بھی پھیکا پڑنے لگا۔ ان کا سو فیصدی ارادہ تھا کہ اگر لڑکی اچھی اور خوب صورت ہوئی تو وہ احراز کی پسند کا مان رکھنے کی اپنی سی کوشش ضرور کریں گی مگر یہاں تو بازی ہی الٹ گئی تھی۔
یہ میری بڑی بیٹی ہے صائمہ... بڑی سگھڑ اور سلیقے والی ہے۔ میرا تو گھر سنبھالا ہوا ہے اس نے۔" چچی اپنی بیٹی کی"
تعریف میں رطب اللسان تھیں جب کہ سننے والی تینوں کے کان کھڑے ہو گئے۔
صائمہ... بڑی بیٹی...؟
بھائی جان نے تو رانیہ بتایا تھا۔ شبینہ نے بڑی بہن کے کان میں سرگوشی کی۔ رشیدہ بیگم ہلکے سے کھنکاریں۔"
بہن! شاید مجھے بتانا یاد نہیں رہا۔ ہم لوگ آپ کی بھتیجی کے لیے آئے ہیں۔ شاید رانیہ نام ہے اس کا۔" انہوں نے گویا"
دھماکا ہی کر دیا تھا۔
جہاں صائمہ کی رنگت بدلی وہیں چچی کا قہر بھی کروٹ لے کر بیدار ہو گیا تھا۔
ان کی بات سن کر چچی کو طرارہ تو بہت آیا مگر کچھ سوچ کر ضبط کرتے ہوئے انہوں نے سرخ چہرہ لیے بیٹھی صائمہ کو باہر جانے کا اشارہ کیا اور رشیدہ بیگم کی طرف متوجہ ہوئیں۔
رانیہ کے لیے بھی آتیں تو سو بسم اللہ۔ مگر آپ نے دیر کر دی۔ اس کی تو ہم نے بہت دھوم دھام سے پچھلے ہی ہفتے"
منگنی کی ہے"۔

"...اوہ"

رشیدہ بیگم کو تاسف ہوا۔

جبکہ نگینہ تو دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کر رہی تھی کہ موری کی اینٹ محل میں لگنے سے بچ رہی۔

مگر شبینہ کو جانے کیا تجسس ہوا تھا۔

"وہ تو ٹھیک ہے آنٹی۔ مگر ہم ان سے مل تو سکتے ہیں ناں"۔

"ہیں..." چچی نے بیزاری سے اسے دیکھا۔ تب رشیدہ بیگم نے بھی قدرے اصرار کیا۔

"ملنے میں کیا حرج ہے' بہن۔ باقی سب تو قسمت کے فیصلے ہیں۔ وہ میرے بیٹے کے نصیب میں نہ تھی"۔

چچی نے طوہاًو کرہاًرانیہ کو آواز دی۔

صائمہ کی قسمت ٹھنڈی کہ ہمیشہ ملگجے اور عسرت زدہ حلیے میں رہنے والی رانیہ اس وقت اپنے تین عدد "اچھے والے" سوٹوں میں سے ایک میں ملبوس تھی۔

اسکول سے واپسی کے بعد آتے ہی باورچی خانے میں گھس جانے کے باعث وہ اپنے روزمرہ کے حلیے میں نہیں آئی تھی۔

چچی کی بلند آواز پر وہ کام چھوڑ چھاڑ اندر لپکی کہ ذرا سی بھی دیر ہونے پر مہمانوں کے سامنے ہی اس کی شامت آنا لازمی بات تھی۔

مہمانوں کو توجہ دیئے بغیر محض سلام کر کے وہ چچی کی طرف متوجہ ہو گئی۔

پرنٹڈ لون کے گہرے نیلے اور کاسنی امتزاج کے سوٹ میں تمتماتی رنگت لیے اپنی کمر تک آتے بالوں کی چوٹی کے سنہری پن کے ساتھ وہ اس ماحول سے قطعاً الگ نظر آئی۔

رشیدہ بیگم کی آنکھوں میں تو ستائش اُتری ہی تھی۔ اس کے سادہ اور معصوم سے حسن نے نگینہ جیسی مادیت پرست اور شبینہ جیسی حسن پرست کو بھی متاثر کیا تھا۔

انہیں چچی اور صائمہ کی شکل وصورت اور اس گھر کے ماحول کو دیکھ کر بھی اس "لعل" کا اندازہ ہی نہیں ہو سکتا تھا۔
"کیا کر رہی تھیں تم...؟"
چچی نے دل ہی دل میں خود کو کوسا اور رانیہ کو گالیاں دیں۔ جو اس چمک دمک کے ساتھ اندر آگھسی تھی۔ سو بہانے بنا سکتی تھی میں۔

چچی کو تاسف ہوا۔ صائمہ کے سامنے تو رانیہ چمکتا چاند لگ رہی تھی۔
وہ... باورچی خانے میں... روٹیاں ڈال رہی تھی"۔"
وہ مہمانوں کے سامنے اس پوچھ گچھ پر نروس سی ہو گئی۔ آ کے کپڑے تو بدل لیتی ناس پیٹی۔ اور اپنے چچا کے لیے
"... ٹفن تیار کیا یا ابھی صرف نخرے ہی ہو رہے ہیں
وہ چچی تھی۔ بنا لحاظ اور بلاوجہ سب کے سامنے عزت اتار کے رکھ دینے والی۔
رانیہ تو شرم سے پانی پانی ہو گئی۔
ویسے تو چچی کی گالیاں سننے اور جوتیاں تک کھا لینے کی عادت ہو گئی تھی مگر یوں بالکل اجنبی' بلکہ صائمہ کے رشتے کے لیے آئے مہمانوں کے سامنے اس "عزت افزائی" نے رانیہ کو شدید ذلت سے دوچار کیا تھا۔
ہو گیا ہے چچی۔ ابھی روٹیاں بنا کے رکھی ہیں۔ گھر کے لیے سالن گرم کر رہی تھی اور ساتھ میں ثوبیہ نے سلاد اور لسی" کا کہا تھا"۔ وہ مدھم آواز میں منمنائی۔
اچھا اچھا... جیسے پتہ نہیں کون سے قورمے بریانی پکا کے بیٹھی ہے۔ جا کے بہنوں کو کھانے کا پوچھ لے۔ کہیں خود"
"...ہی
چچی نے نخوت سے اسے گویا دفع ہو جانے کا اشارہ کیا تو وہ پھیکی پڑتی رنگت لیے ادھر ادھر دیکھے بغیر باہر نکل گئی۔
چچی کے تحکمانہ انداز اور رانیہ کی بے چارگی کو ان تینوں نے اچھی طرح محسوس کیا تھا۔
اپنی اولاد اپنی ہی ہوتی ہے بہن جی۔ دوسرے کو لاکھ اپنا کہو پال پوس کے جوان کرو۔ اپنا خون تک چوسا دو۔ مگر وہ"
پلٹ کر لات مارنے سے گریز نہیں کرتا"۔ چچی نے آہ بھرتے ہوئے دردمندانہ "اسٹارٹ" لیا تھا۔ رشیدہ بیگم پوری

طرح اس کی طرف متوجہ تھیں۔

اس قدر بد دماغ اور بد زبان ہے کہ حد نہیں۔ جانے آپ کے سامنے کیسے چپ رہ گئی۔ اور یقین مانیں کہ اگر میں ذرا"
"... سی سختی نہ کروں تو آسمانوں پہ گڈی چڑھالے۔ ایسی نسل اصل ہے

وہ بڑی معصومیت آمیز چالاکی سے اپنی بد زبانی کی توجیہہ پیش کر رہی تھیں۔

مگر کچھ نہ دیکھتے ہوئے بھی رشیدہ بیگم کی تیسری آنکھ نے گویا سب کچھ دیکھ لیا تھا۔

چچی کے گھر کا ماحول' اس کی سختی' رانیہ سے اس کا گھٹیا برتاؤ۔

اور سب سے بڑھ کر رانیہ کی حسین صورت اور بے چارگی و لاچاری۔

وہ گہری سانس بھرتی قصداً مسکرادیں۔

اب اجازت دیں"۔ "

ارے بیٹھیں ناں بہن جی۔ اتنی جلدی کاہے کی ہے۔ کھانے کا وقت ہو چلا ہے۔ صائمہ ثوبیہ بہت سگھڑ ہیں۔ منٹوں"
میں دستر خوان لگادیں گی"۔

چچی کسی طور بھی یہ رشتہ ہاتھوں سے نکلنے دینا نہیں چاہتی تھی۔

بیٹیوں کی شان میں مدح سرائی کرتے ہوئے بولی تو ان دونوں بہنوں کو ہنسی آئی۔

ابھی ذرا دیر پہلے وہ رانیہ کو آرڈر دے رہی تھی کہ بہنوں کے لیے بھی کھانا لگائے اور اب ایکا یکی وہ دونوں سگھڑ بیبیاں بن گئی تھیں۔

نہیں... پھر بھی سہی۔ قسمت میں ہوا تو اب آنا جانا لگا ہی رہے گا"۔ اٹھتے ہوئے رشیدہ بیگم نے مبہم سے انداز میں"
کہا تو جہاں چچی کا دل بے پایاں مسرت سے بھر گیا وہیں ان دونوں بہنوں کے بھی منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

صائمہ ان کے ذوق پہ قطعاً پوری نہیں اتری تھی اور جس کے لیے وہ آئی تھیں اس کی منگنی ہو چکی تھی پھر یہ آس یہ امید...؟؟ وہ متحیر تھیں۔

☆☆☆☆

فرحین کی از حد خواہش تھی کہ روشین بھی ایک بار عادل کے ہاں چلے مگر سدا کی ڈرپوک روشین نے صفاچٹ انکار کر دیا۔

مجھے بھری جوانی میں وفات پانے کا کوئی شوق نہیں"۔ وہ سکندر حیات سے بہت ڈرتی تھی مگر دوسری طرف بھی" فرحین سکندر تھی۔ دلائل دے دے کر مقابل کو قائل کر لینے والی۔

عادل کو گھر سے گئے چھ ماہ ہونے کو تھے مگر ابھی تک گھر کے درودیوار قہقہوں سے محروم تھے۔ روشین دل ہی دل میں عادل سے سخت ناراض تھی جس نے محض اپنی من پسند زندگی گزارنے کی خاطر تمام رشتے ٹھوکر پہ رکھ لیے تھے۔

بے وقوف ہو تم۔ جب دل کو مار کے فیصلہ کرنا پڑے تب پتہ چلتا ہے۔ روز کا مرنا اور روز کا جینا کیا ہوتا ہے' سب" ... سمجھ میں آجاتا ہے"۔ فرحین اس کی باتوں کے جواب میں طنزیہ کہتی تھی۔ اور آج

آج شاید قطرہ قطرہ گرتے رہنے سے پتھر میں سوراخ ہو ہی گیا تھا۔

فرحین گھر سے تو اسے شاپنگ ہی کا کہہ کر لائی تھی مگر مین روڈ پر پہنچتے ہی ایک گاڑی ان کے بالکل قریب آ کے رکی تو فرحین کی باچھیں کھل گئیں جبکہ روشین نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے عادل کو دیکھ کر ناراضی کے اظہار کے طور پر چہرہ گھمالیا۔

اچھا اب بس۔ یہ جذباتی ڈرامے پھر کبھی کرنا"۔ فرحین اس کا ہاتھ تھام کر گھسیٹتی ہوئی گاڑی میں گھس گئی۔ اس نے" اتنے عرصے کے بعد عادل کو دیکھا تھا کہ ناراضی کے باوجود دل بھرا رہا تھا۔

کیا حال ہے میری گڑیا کا..." عادل کا انداز وہی تھا۔ پرانا' محبت بھرا۔"

روشین نے رونا ضبط کرنے کی کوشش میں ہونٹ کچل ڈالا۔

فکر مت کریں۔ اس گڑیا کی صرف بیٹری ویک ہو رہی ہے۔ اندر سے بالکل ٹھیک ٹھاک ہے"۔ فرحین نے اسے" تسلی دی تو روشین نے اس کی پسلی میں کہنی چبھوئی اور پرزور انداز میں بولی۔

جی نہیں۔ میں کسی سے بھی راضی نہیں۔ اور مہربانی فرما کر مجھے گاڑی سے اتار دیں"۔"

اس کا انداز خاصا ناراضی بھرا تھا۔

فرحین نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔ عین نوازش ہوگی۔ آپ کی تابع فرمان شاگردہ وغیرہ ‘وغیرہ۔ تمہاری درخواست نامنظور ہو گئی ہے“۔

تم تو چپ ہی رہو“۔ روشین نے سلگتے ہوئے اسے گھرکا۔”

ہاں بھئی فری۔ یہ میرا اور روشی کا معاملہ ہے۔ ہم دونوں بھائی بہن خود اسے سلجھالیں گے“۔ عادل نے مسکراتے” ہوئے کہا تھا۔

”...ہاں تو اور کیا“

وہ بیساختہ ہمیشہ کے سے انداز میں بولی۔ جواباً فرحین کی ہنسی نے اسے خفیف سا کر دیا۔

تم گھر چل لو ذرا۔ ابو سے خیریت معلوم کراؤں گی تمہاری“۔ دانت پیس کر اسے دھمکایا۔”

اور تمہیں تو جیسے وہ زندہ ہی چھوڑ دیں گے“۔ فرحین نے تمسخر اڑایا۔”

چلو بھئی۔ اب بس۔ لڑائی لڑائی معاف کرو۔ اللہ کا گھر صاف کرو“۔ عادل نے سفید جھنڈی لہرائی۔”

”... اللہ کا گھر صاف کرنا تو بہت آسان ہے عادل بھائی۔ بس بندوں کے دل ہی“

فرحین نے کن اکھیوں سے روشین کے سنجیدہ چہرے کو دیکھتے ہوئے جملہ اگرچہ ادھورا چھوڑ دیا مگر وہ اس کا مطلب سمجھ گئی۔ یہ حملہ ڈائریکٹ اسی پہ کیا گیا تھا۔

تم اپنی عقل دانی کا ڈھکن بند ہی رکھو تو بہتر ہے۔ خبر دار جو مجھ پہ کمنٹ پاس کیا ہو تو“۔ اسی اثناء میں عادل کسی” بلڈنگ کی کار پارکنگ میں گاڑی روک چکا تھا۔

یہاں کیا ہے؟“ وہ بری طرح چونکی۔”

اپنے تئیں تو وہ اس سفر کو مارکیٹ تک ”لفٹ“ سمجھے ہوئے تھی۔

یہاں میرا گھر ہے“۔ عادل نے مسکراتے ہوئے پلٹ کر اسے دیکھا تو روشین نے دکھ محسوس کرتے ہوئے ذرا سے” لب بھینچے اور پھر آزردگی سے بولی۔

وقت کتنا بدل گیا ہے۔ پہلے ”ہمارا“ گھر ہوا کرتا تھا۔ اب تمہارا اور میرا ہو گیا ہے“۔”

عادل گڑبڑاسا گیا۔ پھر خود کو سنبھالتے ہوئے گویا ہوا۔

میرے اور تمہارے گھر میں کوئی فرق نہیں روشی۔ یہ ہمارا گھر ہے۔ میرا' تمہارا' فری کا امی اور تمکین کا..." وہ"

قدرے رکا اور پھر اسی مضبوط انداز میں بولا۔

ہاں مگر اس گھر میں سکندر حیات صاحب کا کوئی حصہ نہیں۔ اس حد تک وقت نے کروٹ ضرور بدلی ہے"۔

چلو بھئی۔ اب باقی کے مذاکرات اندر بلکہ اوپر چل کے کرلینا"۔ فرحین دروازہ کھول کے نیچے اتر بھی گئی تھی۔"

روشین کو غصہ آیا۔

"یہ شاپنگ کر رہی ہو تم...؟"

یہ بوگس بہانے بازی تو عادل بھائی نے سوچی تھی۔ میں تو صاف لفظوں میں تمہیں بتاتی اور گھسیٹ کر یہاں لے"

آتی"۔ وہ آرام سے بولی۔

اور واقعی وہ ایسا کر سکتی تھی۔ روشین نے دل ہی دل میں اسے کوسا۔

چلو روشی۔ تمکین انتظار کر رہی ہوگی۔ عادل نے پیار سے کہا تو اسے مانتے ہی بنی۔"

اور کچھ اندر سے اس کا اپنا دل بھی بے ایمان ہونے لگا تھا۔ اتنے مہینوں بعد ماں جائے سے ملاقات ہو رہی تھی کہ اس کا ہر شکوہ و شکایت مرنے لگا تھا۔ وہ خاموشی سے نیچے اتر آئی۔

فرحین نے تشکر سے اوپر دیکھا۔ تین منزلہ خوبصورت عمارت میں دوسری منزل پر عادل کا فلیٹ تھا۔ روشین کو ہچکچاہٹ سی تھی کہ جانے تمکین کس انداز میں ملے۔ آخری ملاقات اور سکندر حیات کی "خاطر تواضع" اسے بھولی تو نہ ہوگی۔ مگر روشین کو دیکھ کر وہ جس قدر خوش ہوئی اس کے انداز سے لگ رہا تھا۔ روشین کا رواں رواں مسرت سے بھر گیا۔

"کیسی ہو۔ امی کیسی ہیں؟"

وہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے اس کے ساتھ صوفے پر بیٹھی تھی۔ اس قدر چاہت اور اپنائیت۔ روشین مسکرا دی۔

"سب ٹھیک ہے۔ آپ سنائیں۔ کیسی گزر رہی ہے؟"

بہت اچھی۔ مگر اپنوں کے بغیر بہت اداس"۔ وہ واقعتاً اداس ہو گئی۔ روشین نے ایک نظر اس کے بھرے بھرے" سراپے پر ڈالی۔

پیاری تو وہ پہلے بھی تھی مگر اب جو سکون اور نرمی اس کے انداز و اطوار سے جھلک رہی تھی وہ اس کی ماماتا کے اس روپ کی دین تھی۔

واقعی، اس حالت میں تو وہ واقعی خود کو تنہا محسوس کرتی ہو گی۔

فرحین تو تقریباً ہفتے میں دو چار مرتبہ چکر لگا ہی لیتی ہے۔ مگر تمہارا جی نہیں چاہتا"۔ وہ شکوہ کر رہی تھی۔"

ایسی بات نہیں ہے"۔ وہ جھینپی۔"

امی سے روزانہ رات کو فون پر بات ہوتی ہے۔ مگر فون کبھی ملاقات کا نعم البدل نہیں ہو سکتا۔ بہت دل کرتا ہے ان" سے ملنے کو"۔ وہ اداس ہونے لگی۔

اوئے بس کرو۔ کیا انڈین میلوڈرامہ شروع کر دیا ہے تم دونوں نے"۔"

عادل نے بیڈ روم سے نکلتے ہوئے ان دونوں کو ڈانٹا۔ "کچھ پکاؤ کھلاؤ میری گڑیا کو۔ کوئی خاطر تواضع کرو"۔

میں کون سا مہمان ہوں یہاں، اپنا گھر ہے میرا"۔ روشین کھل کے مسکرائی۔ تبھی نگاہ سامنے فریج میں گھسی تلاشی" لیتی فرحین پر پڑی۔ پھر وہ پلٹی تو اس کے ہاتھوں میں ایک شیشے کا باؤل تھا۔

آہا... پڈنگ"۔ اس نے نعرہ لگایا۔ "آئی لو پڈنگ"۔ وہ کچن میں گئی اور وہاں سے خود ہی سرونگ باؤل اور چمچ لے" آئی۔ اس قدر بدتمیزانہ بے تکلفی پر روشین ہکا بکا بلکہ شرمسار تھی مگر تمکین کے انداز سے اسے لگا کہ فرحین یہاں آ کے ایسی "غنڈہ گردیاں" اکثر کرتی رہتی ہو گی۔

یہ میں نے اسپیشل تمہارے لیے بنائی ہے"۔ تمکین نے مسکرا کر کہا۔ تو وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔"

او بھابھی۔ تم جئیو ہزاروں سال، ہر سال کے دن ہوں پچاس ہزار"۔"

یہ ایسی ہی ندیدی ہے۔ خصوصاً پڈنگ دیکھ کے اس کی رال یونہی ٹپکا کرتی ہے"۔"

روشین نے تمکین سے معذرت خواہانہ انداز اپناتے ہوئے کہا تو وہ ہنس دی۔
تم کیوں اتنی فارمل ہو رہی ہے۔ یہ اس کا اپنا گھر ہے۔ یہ یہاں پورے استحقاق سے رہ سکتی ہے"۔ روشین کو ابو کا"
انداز یاد کر کے اور شرمندگی ہوئی۔ اس روز انہوں نے عادل بھائی کو تمکین کے سامنے ہی کیسی کیسی سنائی تھیں۔ نئی
نویلی بہو کا بھی لحاظ نہیں کیا تھا اور اب جبکہ اس واقعہ کو کئی ماہ گزر چکے تھے تب بھی اس کی "تازگی" نہیں گئی تھی۔
یوں لگتا تھا جیسے کل کی بات ہو۔
تمہارے لیے بھی آج بہت اسپیشل قسم کا کھانا ہو گا۔ میں نے عادل سے پوچھا تھا تمہاری پسند و ناپسند کے متعلق"۔ "
تمکین کے الفت بھرے اس انداز نے روشین کو محجوب سا کر دیا۔
ارے نہیں بھابھی۔ آپ سے مل لیا۔ ہنس بول لیا یہی بہت ہے اور یوں بھی ابھی تو ہم شاپنگ کے لیے نکلی تھیں"۔ "
دیکھا۔ یہ ایسی ہی ہے۔ مست الست"۔ فرحین نے کھانے کے دوران بولنے کا وقت نکال ہی لیا تھا۔ "
روشین کو فوراً پتہ چل گیا کہ وہ اس کے متعلق تمکین کو بتاتی رہتی ہو گی۔
یہ تو ٹھیک بات نہیں۔ زندہ رہنا ہے تو یوں رہو کہ آس پاس کے لوگوں کو آپ کی موجودگی کا احساس ہو۔ کبھی پاس نہ "
ہوں تو کمی محسوس کریں"۔
تمکین بھی اس کی حامی نکلی تھی۔ فرحین نے چمچ ہاتھ سے رکھا اور اس کا مذاق اڑانے والے انداز میں بولی۔
اور یہاں تو وہ حساب ہے کہ یہ ڈوبے گی بھی تو اتنی احتیاط سے اور ہاتھ پاؤں مارے بغیر کہ کہیں آس پاس کسی کو پتہ نہ "
چل جائے کہ یہاں روشین صاحبہ ڈوب رہی ہیں"۔
شٹ اپ"۔ روشین نے آنکھیں دکھائیں۔ "
شکریہ..." وہ پھر سے اپنے لیے پڈنگ نکالنے لگی۔ "
یہ بہت بدتمیز ہے"۔ روشین نے اپنی طرف تمکین کو متوجہ پا کر جھینپتے ہوئے کہا تو وہ ہلکے سے مسکرائی۔ "
میں نے سوچا تم کہو گی، یہ بہت بہادر ہے"۔ روشین خاموش سی ہو گئی۔ "
اتنی دیر میں فرحین فارغ ہو کر باقی بچی پڈنگ فریج میں رکھ کر لوٹ آئی تھی۔

یہ اس کو بہادری نہیں بدتمیزی اور بے وقوفی ہی گردانتی ہے "۔"
جہاں ایک بھی شخص آپ کی بات سننے کو تیار نہیں وہاں بول کے خود کو بے مول کیوں کیا جائے "۔روشین نے"
معاندانہ انداز اپنایا تھا۔

یہ تمام سنہرے اقوال اس کے ذاتی ہیں۔ پرسنل ڈائری میں لکھ رکھے ہیں۔ محترمہ نے اور رات سونے سے پہلے ان کا"
وظیفہ لازمی کرتی ہے "۔
فرحین نے جل کر لقمہ دیا۔ پھر تنک کر بولی۔
بھئی جب ایک شخص آپ کی بات سننے کو تیار نہیں تو آپ کیوں خود کو اس کی باتیں سننے کا پابند بناتے ہیں "۔"
یہ ایسی ہی باغی روح ہے۔ ابو کے سامنے بھی یونہی بڑھ چڑھ کر بولتی ہے "۔روشین نے شکایتی انداز میں تمکین کو بتایا"
تو وہ بولی۔ "خیر حق بات کے لیے بولنا تو جائز ہے۔ بصورت دیگر والدین کے اتنے حقوق ہیں کہ ان کی بہت سی باتیں
ٹھنڈے دل سے سن لینے میں ثواب ہے "۔
یہ بات اس کو سمجھ نہیں آتی "۔"
اور اس کو یہ بات اتنی سمجھ میں آتی ہے کہ ہر بات سن کر ٹھنڈی پڑتی جاتی ہے۔ فقط دل کی ٹھنڈک کا کیا کہنا۔ فرحین"
نے مذاق اڑایا۔
اچھا چلو اب بس کرو... " تمکین نے مصنوعی انداز میں فرحین کو گھورا۔ پھر پیار سے بولی۔ "
جو بھی ہو۔ روشی کی طبیعت بہت ٹھنڈی میٹھی ہے۔ اور خدا ایسے لوگوں پر بہت مہربان ہوتا ہے "۔"
" بھول ہے آپ کی بھابھی صاحبہ۔ خدا بھی انہی کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔ "
فرحین کے منہ کے آگے تو کھائی تھی بلکہ خندق۔
بری بات فری "۔"
تمکین نے تادیبی انداز میں اسے دیکھا تو وہ شانے اچکا کے ٹی وی آن کرنے لگی۔

یہ مجھے یونہی بددعائیں دیتی رہتی ہے"۔"

بددعائیں نہیں دیتی' انفارم کرتی رہتی ہوں روشی بی بی۔ دھیان کرو اپنا"۔ اس کے شکایتی انداز پر فرحین نے لقمہ" دیا۔ تو تمکین مسکرا دی۔

وہ دونوں بہنیں ایک دوسرے کی ضد تھیں۔

فرحین بولڈ تھی۔ پراعتماد اور زندگی سے جھگڑ کر اپنا حق وصول کرنے والی۔ اور روشین حساس تھی۔ ڈرپوک' صابر اور قانع۔ فرحین کا اعتماد اسے پیارا بناتا تھا تو روشین کا دھیما انداز دل میں کھب سا جاتا تھا۔

اسے گھر دکھاتے ہوئے تمکین نے اس سے اچھی خاصی دوستی گانٹھ لی تھی۔ پھر وہ دونوں کچن میں گھس گئیں۔

اس دوران فرحین دوبار گھر فون کر کے سکندر حیات کی غیر موجودگی کنفرم کر چکی تھی۔

اگر ابو آبھی گئے تو کہیے گا ابھی شاپنگ کے لیے نکلی ہیں۔ ابھی عادل بھائی لنچ کے لیے آنے والے ہیں۔ وہ ہمیں ڈراپ" کر دیں گے"۔ اس کی آواز کچن میں آرہی تھی۔

روشین نے بے ساختہ تمکین کی طرف دیکھا اور ہنس دی۔

جہاں بغاوت کا موقع ملے وہاں یہ فائدہ اٹھاتی ہے۔ عادل بھائی کی طرح"۔ اس کی بات پر تمکین مسکرا دی۔"

ہاں... اس کی عادتیں عادی سے بہت ملتی جلتی ہیں"۔ پھر قدرے توقف کے بعد دوستانہ انداز میں پوچھنے لگی۔ "اچھا"

"یہ بتاؤ بلکہ سچے دل سے بتاؤ کہ اگر میری جگہ یہاں تمہاری کزن ہوتی تو کیا عادل اتنے ہی خوش اور مطمئن ہوتے؟

نہیں..." وہ فی الفور بولی۔"

تمکین کی سی خوش اخلاقی اور سگھڑ پن تو چچی جان میں نہ تھا کجا کہ ان کی بیٹی میں... جس کی گفتگو کبھی فیشن اور فلموں سے آگے گئی ہی نہ تھی۔

تو پھر میری جان کبھی کبھار زندگی سے اپنا حق پورے استحقاق کے ساتھ وصول کرنا ہی بہتر ہوتا ہے۔ چاہے اس کے" لیے آپ کو جنگ ہی کیوں نہ لڑنا پڑے۔ کیونکہ رزلٹ میں آپ کی پوری زندگی کا سکھ اور آرام ہوتا ہے"۔

اور خسارے... ان کا کیا؟" انڈہ پھینٹتے ہوئے روشین نے ہاتھ روک کر اسے دیکھا اور دلگرفتی سے پوچھنے لگی۔ "
عادل بھائی' بہت خوش ہیں اور میری دعا ہے کہ اس سے زیادہ سکھی اور پر سکون رہیں۔ مگر سب سے بڑا خسارہ"
اپنوں سے دوری' خوشی سے نہیں مجبوری سے "۔
یقین مانو روشین' اس بات کا مجھے بھی بے حد افسوس بلکہ پشیمانی ہے۔ میں بھی تم لوگوں کے ساتھ مل کے رہنا چاہتی"
ہوں' امی کا خیال میرے دل کو بھی کاٹتا ہے۔ میری ماں نہیں' باپ نہیں اور نہ ہی کوئی بہن ہے۔ میرا خواب تھا کہ
شادی کے بعد مجھے یہ سب رشتے مل جائیں گے۔ مجھے کبھی بھی یہ بات معرکہ نہیں لگی کہ میں فقط ایک شوہر کو لے کر
ہنسی خوشی زندگی گزار کر "کامیاب" بیوی کہلاؤں۔ مزہ تو سب کے درمیان رہ کے' اپنی جگہ بنا کے زندگی گزارنے
میں ہے۔ مگر میری قسمت میں شاید یہ خلش لکھی ہوئی تھی "۔
وہ بھی بے حد افسردہ تھی۔ اس کی جھلملاتی آنکھیں روشین کو متاثر کر گئیں۔

خدا بہتر کرے گا انشاء اللہ۔ ابو کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا تو وہ عادل بھائی کو خود منالیں گے "۔ روشین نے وہ بات کہی"
جس کا اسے خود بھی یقین نہیں تھا۔
ویسے بھابی۔ یہ بلی کو ہمیشہ چھیچھڑوں کے خواب ہی کیوں آتے ہیں؟" فرحین بولتے ہوئے اندر داخل ہوئی تو اس کا"
مطلب پا کر روشین نے پلٹ کر اسے گھورا۔
انسان کو ہمیشہ اچھے کی امید رکھنی چاہئے "۔ تمکین نے روشین کی حمایت کی۔ "
اس انسان کو جس نے "اچھے" کے لیے کوئی کوشش ہو۔ فقط امید باندھ کے بیٹھ جانا بے وقوفی ہے مائی ڈیئر"
بھابی"۔ فرحین نے جملہ اُچکتے ہوئے کہا۔
ایک تو یہ... چنگیز خان کی فیملی کی آخری نشانی ہمارے ہاں پتہ نہیں کہاں سے وارد ہو گئی ہے "۔ روشین نے بھنا کر"
اس پر فورک (کانٹا) تانا۔
اس وقت تو مجھے تم اس فیملی کی آخری نشانی لگ رہی ہو "۔ فرحین نے سہمنے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا تو ان"

دونوں کے ساتھ ساتھ روشین کو بھی ہنسی آگئی۔

اس روز وہ دونوں ایک بھرپور دن گزار کے گھر لوٹی تھیں۔

☆☆☆☆

سنو... رانیہ..." وہ اپنے دھیان کسی رکشہ یا وین کو دیکھتی سڑک کے کنارے آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ چھٹی کے" بعد اسکول کے بچوں کا ہجوم اب کافی کم ہو چکا تھا۔

رانیہ کا کئی دنوں سے یہی حال تھا۔ بے حسی کا کوئی خول تھا جو چٹخ کر ہی نہیں دے رہا تھا۔ اپنے حال سے بے پرواہ' مستقبل سے انجان وہ جیسے زمین و آسمان کے درمیان معلق تھی۔ مگر یہ نرم و شائستہ سی آواز۔ اس کی جیسے سماعتیں پگھلنے لگیں۔

اس نے رک کر اس ہرجائی وجفا جو کو دیکھنا چاہا۔ جس سنگ نہ تو اس نے زندگی بتانے کے وعدے کئے تھے اور نہ ہی کوئی افیئر چلایا تھا۔

مگر ایک ہی پل میں وہ اس کے پلو سے آس و امید کے کتنے ہی جگنو باندھ گیا تھا کہ اسے زندگی آسان لگنے لگی تھی۔

یہ آنکھیں... ہائے یہ آنکھیں بھی اپنے پیمان سے کبھی مُکر سکتی ہیں؟" وہ شاید حواس میں نہ تھی۔ اسے یک ٹک اپنی" طرف دیکھتا پا کر پہلے تو وہ خجل ہوا پھر خائف۔

جی چاہا بازو سے جکڑ کے اسے جھنجھوڑ ڈالے۔

رانیہ۔ میں ہوں' احراز"۔"

زندگی سے اس کا تعارف کرانے والا نروس سا آج اپنا تعارف کروا رہا تھا۔ رانیہ کی آنکھوں میں شناسائی آنسوؤں کی صورت اُتری تو احراز نے لب بھینچتے ہوئے اس کی کلائی تھامی اور اپنے ساتھ لیے

سڑک پار اس چھوٹے مگر صاف ستھرے سے ریسٹورنٹ میں لے آیا۔

باہر کی تپتی دھوپ سے ریسٹورنٹ کے ایئر کنڈیشنڈ' خنک سے ماحول میں آ کر اسے اپنے حواس میں لوٹتے کم ہی وقت لگا تھا۔

"کیوں لائے ہیں آپ مجھے یہاں؟"

وہ بے حد ناراضی سے بولی۔ ورنہ ابھی تک تو کسی بے جان گڑیا کی طرح اس کے ساتھ گھسٹتی چلی آئی تھی۔ لال بھبھوکا چہرہ اور بے حد خفا آنکھیں۔ احراز سنجیدہ تھا۔

"ناراض تو مجھے ہونا چاہیے تم سے"۔

"مجھ سے تو زندگی ہی ناراض ہے۔ ایک آپ بھی ہو گئے تو کیا"۔ وہ سفید دوپٹے کے پلو سے آنکھیں رگڑ کے گلابی کرنے لگی۔ تو اس کی آواز بھرا رہی تھی۔

"میں نے تم سے تمہارا ساتھ مانگا تھا رانیہ۔ اور تم... امی گئی تھیں تمہارے ہاں"۔ وہ احتجاجاً بولا۔

رانیہ کو خیال آیا۔ ان دنوں احراز کا پرپوزل صائمہ کے لیے زیر غور تھا اور اگر چچی کو پتہ چل جائے کہ میں یہاں اس کے ساتھ ہوں تو... وہ سوچ کر ہی تھرا گئی۔

اسے قطعی علم نہیں تھا کہ رشیدہ بیگم نے دیکھا تو صائمہ کو تھا مگر بات وہ رانیہ ہی کے لیے کر کے گئی تھیں۔

"آئی ہوں گی مگر شاید آپ کو معلوم نہیں میری منگنی ہو چکی ہے"۔ اپنے تئیں وہ مضبوط لہجے میں بولی مگر احراز کے ہاتھ میں طنز کا تیشہ تھا۔

"ہاں۔ پتہ چلا ہے مجھے جس "ہیرو" سے تمہاری منگنی کی گئی ہے"۔ رانیہ کو زوروں کا رونا آنے لگا۔

"آپ کو کیا... یہ آپ کا مسئلہ نہیں ہے"۔

وہ زور دے کر بولی تو احراز نے سخت لہجے میں کہا۔

"تم میرا مسئلہ ہو بے وقوف۔ اور تمہارا مسئلہ ہی میرا مسئلہ ہے"۔ اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

اسے اندازہ نہیں تھا اور نہ ہی وہ اندازہ کر سکتی تھی کہ احراز اس کی طلب کی کس سیڑھی پر کھڑا ہے۔

"میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور تمہی سے کروں گا کسی بھی قیمت پر"۔

گزرے دنوں میں وہ حتمی فیصلے پر پہنچ چکا تھا۔

رشیدہ بیگم نے رانیہ کی معصومیت اور مظلومیت بیان کرتے ہوئے اسے متاسفانہ بتایا کہ اس کی منگنی ہو چکی ہے۔ احراز نے بڑے تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے پتہ لگایا کہ رانیہ کی منگنی کہاں ہوئی ہے اگر تو اس کے گھر والوں کا فیصلہ صحیح تو پھر اسے درمیان میں آنے کا کوئی حق نہ ہوگا مگر رانیہ کے منگیتر کو دیکھ کر اور اس کے متعلق جان کر وہ پریشان ہو گیا۔

وہ شخص کسی بھی طور پر رانیہ کے لائق نہ تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ اس کے چچا چچی اسے کسی بوجھ کی مانند سر سے اتار رہے تھے۔

اگر انہیں داماد کے روپ میں "کوئی بھی" قبول ہے تو وہ میں کیوں نہیں ہو سکتا... "اس نے مصمم ارادہ کر لیا تھا۔"

مم... میری منگنی ہو چکی ہے"۔ وہ ہکلائی۔"

اچھا..." وہ تمسخر سے پوچھنے لگا۔ "کیا کرتا ہے تمہارا منگیتر... شادیاں؟" رانیہ کو رونا آنے لگا۔"

"آپ یہاں میرا مذاق اڑانے آئے ہیں؟"

مذاق تو قسمت نے کیا ہے میرے ساتھ۔ امی کی طبیعت خراب تھی اسی لیے کچھ دیر ہو گئی انہیں آنے میں۔ مجھے خبر" نہیں تھی کہ وہ لوگ اتنی جلدی کریں گے۔ تم نے بھی تو نہیں بتایا تھا"۔ وہ شاکی تھا۔

اب وہ اسے کیا بتاتی کہ اس کی قسمت کو واصف کی بد نظری نے داغا تھا۔ وگرنہ اس گھر میں شاید ہی کبھی اس کی شادی کا سوچا جاتا۔ بمشکل تو کمانے والی مشین ان کے ہاتھ لگی تھی۔ اسے بھلا ہاتھوں سے کیسے جانے دیتے۔

جو بھی احراز صاحب۔ میں اب کسی فضول چکر میں پڑنا نہیں چاہتی۔ جیسے حالات چل رہے ہیں چلنے دیں"۔ وہ لب کچلتے" ہوئے بڑی بہادری کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

وگرنہ روح تو پھول سے بھی ہلکی ہو گئی تھی۔ اس نجات دہندہ کو سامنے پا کر۔

مگر چچی...؟؟

اسے علم تھا وہ جو بھی قیامت اٹھاتیں وہ کم تھی۔

حالانکہ اس دن کے بعد رشیدہ بیگم ان کے ہاں دوبارہ نہ آئی تھیں مگر چچی اور صائمہ ان کی آس میں بیٹھی تھیں اور اسے جوتے کھانے کا کوئی شوق نہ تھا۔

"فضول باتیں مت کرو"۔ ویٹر کو آئسکریم کا آرڈر دینے کے بعد احراز نے اسے ڈانٹ دیا۔

"جو کچھ کروں گا وہ میں کروں گا اور جیسے جی چاہے گا ویسے کروں گا۔ خبردار جو تم نے منہ سے ایک لفظ بھی نکالا ہو تو"۔

وہ جیسے اسے روح کی گہرائیوں تک سمجھ گیا تھا۔ جان چکا تھا کہ وہ کتنے پانیوں میں

ہے۔

"دیکھیں آپ میرے گھر کے حالات نہیں جانتے۔ قیامت مچ جائے گی"۔ اس کی رنگت ابھی سے پھیکی پڑنے لگی۔

احراز نے میز پر دونوں بازو ٹکاتے ہوئے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

"مثلاً... کیسی قیامت؟"

"کیا کریں گے آپ... میری منگنی تڑوائیں گے؟" وہ برا مانتے ہوئے بولی۔

احراز کا انداز اسے سراسر مذاق اڑاتا محسوس ہوا تھا۔

"ہا... ہا"۔ اس نے بے اختیار قہقہہ لگایا۔

بلیو جینز پر لائٹ براؤن لائننگ والی وائٹ شرٹ پہنے وہ رانیہ کی ساری توجہ سمیٹ گیا۔

سلیقے سے بنے بال، سیاہ مگر سچی آنکھیں، ہر پل مسکراتے لب۔ ہاف سلیوز شرٹ سے جھانکتے مضبوط بازو۔

"غور سے دیکھ لو۔ تمہارے ساتھ میں ہی اچھا لگوں گا"۔ وہ بے حد اطمینان سے بولا تو رانیہ بوکھلا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"کوئی بات نہیں۔ کسی نے بھی نہیں دیکھا"۔ وہ اب بھی شرارت پر آمادہ تھا۔ ویٹر ان دونوں کے آگے آئسکریم کے خوبصورت بلوریں گلاس رکھ گیا۔

"مجھے جانے دیں پلیز... مجھے دیر ہو رہی ہے"۔ اسے یکلخت ہی احساس ہوا تھا۔

"ڈونٹ وری... میں دو منٹ میں تمہیں ڈراپ کر آؤں گا۔ تم جلدی سے یہ آئسکریم ختم کرو"۔ اس نے کسی بچے کی طرح بہلایا۔ مگر رانیہ کو علم تھا کہ ذرا سی دیر سویر گھر میں کہرام مچا دیتی تھی۔

بے بسی سے احراز کو دیکھنے لگی۔
"آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟"
تمہیں..." وہ برجستہ بولا۔"
رانیہ کا دل مٹھی میں آگیا۔

اب بہت دیر ہو چکی ہے۔ آپ صائمہ کے لیے ہاں کر دیں۔"
وہ کون ہے؟" وہ متعجب ہوا تھا۔"
میری کزن ہے جس سے آپ کی امی اور بہنیں مل کے آئی تھیں"۔ وہ آہستگی سے بولی تو احراز ہنس دیا۔"
بے وقوف لڑکی... وہ وہاں تمہیں دیکھنے گئی تھیں۔ کسی صائمہ یا ریما کو نہیں"۔"
دیکھیں، آپ بات کو الجھائیں مت۔ اب جبکہ ہر بات کلیئر ہو کر سامنے آچکی ہے تو آپ کیوں تماشہ کھڑا کرنے آگئے" ہیں"۔ وہ روہانسی ہونے لگی۔
اس کی آئسکریم یونہی پگھل رہی تھی۔ جبکہ احراز باتوں ہی باتوں میں گلاس خالی کر رہا تھا۔
اچھا مان لیا کہ تمہارے گھر والوں نے تمہاری منگنی کر دی ہے۔ مگر اب جبکہ ان کے سامنے ایک بہترین آپشن" موجود ہے تو وہ کیوں انکار کریں گے؟" وہ اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے سنجیدگی بھرے اعتماد سے بولا۔
چچی مجھے زندہ گاڑ دیں گی"۔ وہ پلکیں جھپک کر آنسو روک رہی تھی۔ نا چاہتے ہوئے بھی ایک جملے میں اپنی ساری زندگی" کی کہانی بیان کر گئی۔ احراز ہاتھ روک کے اسے دیکھے گیا۔
اگر میرے والدین ہوتے تو اور بات تھی۔ پھر تو شاید اس سارے کی نوبت ہی نہ آتی۔ مگر اب... آپ پلیز میرے" لیے مشکلات کھڑی مت کریں"۔
اور تم اس عمر رسیدہ شخص کی تیسری بیوی بننے کو تیار ہو..." وہ طنز سے بولا۔ مگر اب وہ خود کو کافی سنبھال چکی تھی۔"
گلاس میں چمچہ ہلاتے ہوئے پگھلی ہوئی آئسکریم کو مزید پگھلاتے ہوئے مدھم لہجے میں بولی۔
قسمت پہ کسی بشر کا اختیار نہیں ہوتا"۔"

کوشش کرنے پر تو ہے ناں"۔ وہ برجستہ بولا۔ "اپنی زندگی کو بہتر بنانے کی کوشش"۔ "
ہو سکتا ہے میری بہتری اسی میں ہو"۔ وہ اب پگھلی ہوئی آئسکریم کھانے لگی تھی۔ احراز کو اس کی لاپروائی پر غصہ "
آگیا۔
کیا بہتری ہو سکتی ہے تمہاری اس میں کہ ایک 'نشئی' جوئے باز سے تمہاری شادی کر دی جائے۔ دوسرے چوتھے ماہ "
شاید وہ تمہیں بھی جوئے میں ہار دے اپنی دوسری بیوی کی طرح"۔ وہ غرا کر بولا تو رانیہ کو اپنی رگوں میں خون جمتا ہوا
محسوس ہوا۔

دہشت زدہ سی ہو کر اسے بے یقینی سے دیکھنے لگی۔
میں تمہاری راہ کھوٹی کرنا نہیں چاہتا رانیہ۔ اگر کسی بہت اچھی جگہ تمہاری بات طے ہوئی ہوتی تو یقین کرو میں کبھی "
بھول کر بھی تمہارے راستے میں نہیں آتا۔ مگر یہ صورتحال میری برداشت سے باہر ہے۔ اس لیے نہیں کہ مجھے تم
سے محبت یا عشق ہے۔ اس لیے کہ تم ایک معصوم لڑکی ہو اور بے وقوف بھی اور میں تمہاری بہت پرواہ کرتا ہوں"۔
رانیہ کا دل پگھل کر آنسوؤں سنگ بہنے لگا۔
جو اپنے تھے وہ اسے کھائی میں دھکیلنے پر لگے تھے اور جو بالکل پرایا تھا وہ اس کا سب سے اپنا بن بیٹھا تھا۔
جانتی ہی اسے کتنا تھی وہ... فقط نام۔
اور اعتبار کا یہ عالم کہ اس سے سچا کوئی لگ ہی نہیں رہا تھا۔
بس تم میرا ساتھ دینا۔ فقط اتنا کہ اب سے مجھے سوچنا شروع کر دو"۔ وہ تحکمانہ انداز میں اپنائیت اور شرارت سموئے "
ہوئے تھا۔
بہتی آنکھوں سنگ وہ مسکرائی تو احراز کو پہلے سے بھی اچھی لگی۔
میں تمہیں ایک اور آئسکریم آفر کرتا۔ مگر تمہیں دیر ہو رہی ہے"۔ اس کی پگھلی ہوئی آئسکریم کی طرف اشارہ کرتے "
ہوئے احراز نے مسکرا کر کہا تو وہ بھی ہوشیار باش ہوئی۔
ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ۔ اس سے زیادہ لیٹ نہیں ہو سکتی میں"۔ وہ بیگ شانے پر ڈالنے کے بعد دوپٹے کو پیشانی "

تک کھینچ لائی۔
احراز بل پے کر کے اُٹھ گیا۔ رانیہ نے بھی اس کی تقلید کی تھی۔ وہ بہت احتیاط کے ساتھ گھر سے کچھ دور اسے ڈراپ کر کے گیا تھا۔
حالات چاہے کیسے بھی کیوں نہ ہوں رانیہ' ایک بات یاد رکھنا کہ میں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں"۔ وہ اس کے پلو سے " ایک اور جگنو باندھ گیا تھا۔ بہت دنوں کے بعد رانیہ کا دل ہلکا ہوا تھا۔
☆☆☆☆
"تم کہاں آوارہ گردی کر کے آ رہے ہو؟"
ابرار صبح کا نکلا ابھی شام ڈھلے گھر لوٹا تھا۔ رشیدہ بیگم کم ہی اس پر سختی کرتی تھی۔ مگر ان دنوں احراز کی وجہ سے وہ چاہتی تھی کہ ابرار کی منہ زوری سامنے نہ ہی آئے تو بہتر ہے۔ اس لیے اسے وقت بے وقت باہر نکلنے سے منع کرتی رہتی تھیں۔
وہی دنیا ہے باہر ماں۔ وہیں جاتا ہوں اور کیا"۔ وہ موبائل چارجنگ کے لیے لگاتا آرام سے بولا تھا۔ "

کتنی دفعہ کہا ہے یوں بے کار مت پھرو۔ کیا دینے والی ہے تمہیں یہ دنیا...؟" وہ بے زاری سے بولیں۔ "
ہنہ... تو گھر والے کیا دے رہے ہیں۔ بے روزگاری اور بے کاری کے طعنے... آوارگی کے لیبل کے ساتھ؟" وہ " بھی تلخ ہونے لگا۔
تو نہ پھرو بے کار اور بے روزگار۔ جب بھائی کہہ رہا ہے تو یہاں کوئی کاروبار شروع کیوں نہیں کرتے"۔ رشیدہ بیگم " نے تنگ آ کر کہا۔ اس نے دانت پیسے۔
"کاروبار کی تو..." پھر بھڑک کر بولا۔ "میں کون سا بزنس مین کی اولاد ہوں جو یہاں کاروبار کھولتا پھروں گا"
ہر کاروباری بزنس مین کی اولاد نہیں ہوتا"۔ اندر داخل ہوتے احراز نے اس کی سرکشی جانچتے ہوئے تحمل سے کہا تو " دونوں ماں بیٹا چونکے۔

وہ شاید گاڑی گیٹ سے باہر ہی کھڑی کر کے آرہا تھا۔ اسی لیے ان دونوں کو خبر نہ ہوئی تھی۔

"آپ کو تو پلیٹ میں رکھ کے سب کچھ مل گیا نا۔ اس لیے مذاق اڑا رہے ہیں"۔ وہ اب بھی نہیں چونکا تھا۔

وہی طنزیہ لب و لہجہ۔ جو اس بار اس نے اپنا رکھا تھا۔ احراز نے تحیر سے اسے دیکھا۔

"پلیٹ میں رکھا۔۔۔؟؟" اس نے بے یقینی سے دہرایا۔

"وہاں کون سا میرے باپ دادا یا ان کے سگے بیٹھے تھے جو پلیٹ میں رکھ کے مجھے سب کچھ پیش کرتے"۔ نا چاہتے ہوئے بھی وہ تلخ ہو گیا تھا۔

رشیدہ بیگم خائف سی ہو کر بیچ میں آئیں۔

"کیا فضول بحث لے کے بیٹھ گئے ہو تم دونوں۔ ابھی اتنی گرمی سے آئے ہو۔ چلو میں اپنے بچوں کے لیے ٹھنڈا لے کے آتی ہوں"۔

"یہ گرمی تو کچھ بھی نہیں ماں۔ وہاں تپتی دھوپ پہ' جلتی ریت پہ ایک ایک دو دو دیوروں کی چیزیں پہنچتا رہا ہوں میں۔ ڈیڑھ سال۔ مسلسل ڈیڑھ سال تک۔ میں جو یہاں اپنے کپڑوں پر ایک داغ لگنے نہیں دیتا تھا پارٹ ٹائم وہاں لانڈری میں کام کر کے دوسروں کے کپڑے دھوتا رہا ہوں۔ چار سالوں کی محنت کے بعد اس خدا نے تھوڑی اور "ترقی" دی تو اب ایک ہوٹل میں ملازمت کر رہا ہوں۔ صبح چھ سے شام چھ اور پھر پارٹ ٹائم کے تین چار گھنٹے اور یہ کہتا ہے کہ مجھے پلیٹ میں رکھا سب کچھ مل گیا ہے"۔ احراز اذیت میں تھا۔

اسے بات کرتے ہوئے اس تپتی ریت کی جلن آج بھی اپنے پیروں میں سلگتی محسوس ہونے لگتی تھی۔

رشیدہ بیگم اس کے صدقے واری جانے لگیں۔

"یہ خبیث' نالائق ہے۔ اس بے وقوف کو کیا پتہ۔ پردیس کے کیا عذاب ہیں۔ اگر وہ لوگ پیسے دیتے ہیں تو کیا' بندے کو اچھی طرح نچوڑتے بھی تو ہیں"۔ اسے پیار کیا۔

"یہاں سے ہر انسان پیسہ ہی دیکھ کے جاتا ہے امی۔ میں مانتا ہوں"۔ احراز نے ماں کے لمس سے پرسکون ہوتے ہوئے اعتراف کیا۔ پھر ابرار کو دیکھتے ہوئے متحمل انداز میں بولا۔

آپ وہاں بہت خوش ہوتے ہیں جب آپ کو دو تین سو یورو ملتے ہیں۔ کیونکہ آپ کو پتہ ہے پاکستان میں اس ایک" یورو کے بدلے آپ کو سو روپے ملیں گے۔ مگر وہاں کا کبھی سوچا۔ وہاں تمہارے ان دو تین سو یورو کی کیا قیمت ہے؟ وہاں گزارہ کیسے ہوتا ہے؟ ساری تنخواہ پیچھے بھیج دینے کے بعد وہاں رہنے والوں کے پاس کیا بچتا ہے... فقط تنہائی اور بارہ یا اٹھارہ گھنٹے کی ڈیوٹی۔ اپنوں سے دوری۔ اکیلا پن اور یہ بہت حوصلہ آزما وقت ہوتا ہے ابرار۔ جس دولت کے لیے آپ وہاں جاتے ہیں وہ وہاں آپ کی ساری عمر تو لے لیتی ہے مگر کوئی عیش نہیں کرنے دیتی۔ وہ صرف آپ کی عمر کے سال، آپ کی محنت اور آپ کی زندگی مانگتی ہے۔ ہاں، یہاں آکر سال دو سال میں ایک بار آپ چند ماہ کے لیے "امیری" کا مزہ چکھ سکتے ہیں۔ وہاں تو وہی چند سو یورو کمانے والے ویٹر ہی کہلائیں گے"۔

لاؤنج میں احراز کے چپ ہوتے ہی خاموشی چھا گئی تھی۔ پھر ابرار کچھ کہے بنا لب بھینچے اپنے کمرے میں چلا گیا۔

مگر احراز کو اس کے انداز میں کوئی معذرت یا شرمندگی جھلکتی دکھائی نہ دی تھی۔

وہ سرخ چہرہ لیے سر جھکائے صوفے پر بیٹھا تھا۔

رشیدہ بیگم متاسف سی اس کے پاس بیٹھتے ہوئے اس کے شانے پر پیار سے ہاتھ پھیرنے لگیں۔

یہاں کے لڑکوں کی تو بس محدود سی سوچ ہے بیٹا۔ ہر کسی کے دماغ میں باہر جانے کا خناس سمایا ہوا ہے۔ مگر یہ" بے چارے بھی کیا کریں۔ مہنگائی ہے کہ آسمانوں سے باتیں کر رہی ہے۔ غریب تو غریب اب امیروں کو بھی اپنا بھرم رکھنا مشکل ہو رہا ہے۔ بے کار پھرنے سے ایسے ہی فضول خیالات ذہن میں آتے ہیں"۔

اسی لیے تو کہتا ہوں کہ کوئی کام کرے۔ نہ بیٹھے بے کار"۔ وہ بے بسی سے گویا ہوا۔"

یہی ابرار چار سال پہلے تک اس کے سامنے آنکھ اٹھا کے بات نہیں کرتا تھا۔ مگر اس بار تو اس کی ساری خوش مزاجی، کڑواہٹ میں بدلی ہوئی تھی۔

یہ شکر نہیں کرتا کہ میں اسے سپورٹ کر رہا ہوں۔ بیٹھے بٹھائے آرام سے سب ہو جائے گا۔ ہاں محنت ضرور کرنا" پڑے گی اسے مگر پیسہ لگانے کی سر کھپائی تو نہیں ہے ناں"۔ اندر کمرے میں سنتے ابرار نے تپائی کو ٹھوکر لگائی اور شرٹ کے بٹن کھولتا باتھ روم میں گھس گیا۔

میں سمجھاؤں گی اسے اور ویسے بھی پیچھے ہم ماں بیٹی تنہا تو نہیں رہ سکتی ناں۔ سو کاموں میں بیٹوں کی ضرورت پڑتی" ہے۔ اکیلی میں کیا کر سکتی ہوں"۔ رشیدہ بیگم اسے مسلسل ٹھنڈا کرنے میں لگی تھیں۔

☆☆☆☆

ہائے ہائے۔ برے نصیب ہمارے۔ لُٹ گئے ہم' برباد ہو گئے"۔ چچی نے صحن میں یکایک ہی جیسے پیٹنا شروع کر دیا" تھا۔ وہ کپڑے تہہ کرنے چھوڑ کر باہر کی طرف بھاگی۔

صائمہ اور ثوبیہ وہاں پہلے ہی موجود تھیں جبکہ چچا حسب عادت سر جھکائے چار پائی پہ بیٹھے چچی کو "سن" رہے تھے۔

یہ کلموہی..." اسے دیکھتے ہی گویا چچی کا "ہدف سامنے آ گیا۔ زبانی کلامی اسی پہ چڑھ دوڑی۔ "

بدذات... نہ خود یہاں سے عزت سے رخصت ہو گی اور نہ ہی میری نیک بیٹیوں کی قسمت کھلنے دے گی"۔ "

کیا ہوا ہے چچی...؟" وہ لرز سی گئی۔ "

اری بدنسل... یہ پوچھ کیا نہیں ہوا..." وہ سینے پہ دو ہتڑ مارتے ہوئے گویا بین ہی کرنے لگیں۔ "

ہائے... اپنی دو جوان بچیاں چھوڑ میں نے اس کمینی کا رشتہ وہاں دیا۔ شکر کیا تھا سینے پر سے ایک سل ہٹی۔ مگر ابھی" چین کا ایک سانس بھی نہیں لیا تھا کہ وہاں سے انکار آ گیا"۔ ٹھنڈی ہوا کا کوئی جھونکا رانیہ کے وجود سے ٹکرایا تھا۔ وہ بے یقینی سے چچی کو دیکھنے لگی۔

اس میں اس کا تو کوئی قصور نہیں نا"۔ چچا نے دبے لفظوں میں کہا تو وہ انہی پر چڑھ دوڑی۔ "

اسی کی منحوسیت نے یہ دن دکھایا ہے ورنہ ان لوگوں کو ایسی صورت کہاں سے ملنی تھی"۔ "

غصے میں منہ سے اصلیت نکلنے لگی تو پلٹ کر چچی نے ایک دھموکا رانیہ کی کمر پر لگایا۔ وہ درد کی شدت سے دہری ہو گئی۔

مگر اس کی تو شکل بھی کام نہیں آئی۔ تھوک کے چلے گئے ہیں منہ پر وہ"۔ چچی نے دانت کچکچائے۔ "

اس کا بس چلتا تو ابھی کے ابھی کہیں اسے بیچ باچ کے دام کھرے کر لیتی اور مطمئن ہو جاتی کہ چلو کہیں ٹھکانے تو لگی۔

مگر وہ لوگ تگڑی پارٹی نکلے۔ لڑکے کی ماں نے تو جیسے چچی کے حلق میں انگلی ڈال کے سارا پیسہ نکلوایا تھا۔ رانیہ کی کم

عمری اور اچھی صورت کے عوض جو وہ چچی کے "بہانوں" پر دیتی رہی تھی۔

"ارے میں کہتی ہوں کچھ تو ہوا ہے۔ کچھ تو سنا ہو گا اس کے کارناموں کے متعلق۔ ورنہ وہ تو اس رشتے کے بدلے... ہزاروں، لاکھوں لگا رہی تھی"۔ چچی ہاتھ مل رہی تھی۔

اچھا خاصا "وصولی" کا ایک در بند ہو گیا تھا۔ رانیہ کا ذہن تیزی سے دوڑنے لگا۔

"یہ یقیناً احراز ہی کی مہربانی تھی۔ وگرنہ وہ لوگ تو کسی حالت میں رشتہ نہ چھوڑتے۔ پتہ نہیں اس نے کیا چکر چلایا تھا۔ میں تو پہلے ہی اس کی نوکری کے خلاف تھی۔ جانے باہر کیا گل کھلاتی رہی ہے۔ محلے بھر میں جو بدنامی ہو گی وہ الگ"۔ صائمہ نے نفرت بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

"میرا بھلا کیا قصور ہے چچی۔ میں نے تو کبھی کچھ بات نہیں کی"۔ وہ ڈرتے ڈرتے اپنی صفائی میں بولی تو چچی نے اسے دونوں ہاتھوں سے پرے دھکیلا۔

"چل نی۔ در فٹے منہ۔ منحوس سائے والی"۔ وہ آنسو پیتی وہاں سے ہٹ گئی۔

"پتہ نہیں کیا سن گن ملی ہے ان لوگوں کو"۔ صائمہ کی مکمل کوشش تھی ماں کے ذہن کو ٹریک پہ لانے کی۔

"بے غیرت کہیں کے۔ سن گن پہ وہ کیا رشتہ چھوڑیں گے۔ پہلے اپنے گریبان میں تو جھانکیں۔ آوارہ، جواری، نشئی اری غیرت نہ آئی انہیں انکار کرتے"۔ چچی مارے غصے کے الٹا سیدھا بولنا شروع ہو گئی تو صائمہ ماتھا پیٹ کے رہ گئی۔

"بس میں نے کہہ دیا واصف کے ابا۔ اب میں اپنے بچے کی جدائی برداشت نہ کروں گی۔ ابھی کے ابھی اسے گھر بلواؤ۔ ورنہ میں چلی"۔ چچی نے کھلی دھمکی دی تھی۔

"اری نیک بخت۔ جھلی ہوئی ہے۔ اسے تو کسی پار لگ جانے دے"۔ چچا نے ہچکچاتے ہوئے رانیہ کی طرف اشارہ کیا تو چچی مزید بھڑک اٹھی۔

"ارے میری طرف سے پار لگے یا ڈوبے۔ مرے کہیں جا کے۔ بلکہ میں تو کہتی ہوں اس صدمے سے خودکشی ہی

کرلے تو غیرت مند کہلائے۔ میں تو ایک پل بھی اپنے بچے کو گھر سے باہر نہیں دیکھ سکتی اب"۔
ہاں تو اور کیا ابا۔ وہ بھلا کاہے کی سزا بھگت رہا ہے۔ یہ تو اب رخصت ہونے سے رہی"۔"
صائمہ نے تنفر سے کہا تو واصف کی یقینی آمد کا اندازہ لگاتے ہوئے اندر کپڑے تہہ کرتی رانیہ کے ہاتھ کپکپا سے گئے۔
☆☆☆☆
وہ کتنی ہی دیر سے فون پر مصروف گفتگو تھی۔
عادل جی بھر کے بور ہو رہا تھا۔ کتنی ہی دیر سے چینل بدل بدل کر اس نے ٹی وی آف کر دیا۔ اور اب پہلو بدل بدل کر بھی بے زار ہو گیا تھا۔
وہ شگفتہ سا چہرہ بالکل سامنے تھا۔ مگر کسی اور سے محو گفتگو وہ کینہ توز نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

وہ کسی بات پر پہلے مسکرائی اور پھر کھل کے ہنسی تھی۔ موتیوں کی لڑیوں سے دانت اور سرخ مرطوب ہونٹ۔ عادل کی بے زاری دلچسپی میں بدلنے لگی۔ وہ اب مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ تھا اور یہ اس کی توجہ ہی تھی جس نے تمکین کو بے توجہ کر دیا۔ گفتگو سے اس کی توجہ ہٹنے لگی۔
اور وہی ٹیلیفون کال جو شاید ابھی مزید آدھا گھنٹہ چلتی اس نے مختصر کرتے ہوئے خدا حافظ کہہ دیا۔
کیا ہے۔ آرام سے فون بھی سننے نہیں دیتے"۔ وہ فون رکھتے ہوئے جز بز سی ہوئی تو عادل عش عش کر اٹھا۔"
واہ بیگم... قربان جاؤں آپ کی "مختصر نوائی" کے پچھلے ایک گھنٹے سے بات چیت جاری تھی۔ ایک دوسرے کے" تو کیا' ایک دوسرے کے ملکی حالات تک پہ بات چیت ہو چکی تھی اور ابھی میں نے ڈھنگ سے بات نہیں کرنے دی"۔ اس کے طنزیہ انداز پر وہ کھل کے ہنسی اور ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کرتے ہوئے اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔
"جیلس ہو رہے ہیں؟"
سالا۔ کہاں سے فون کر رہا تھا۔ اتنا لمبا"۔ عادل نے اس کے شانے پہ بازو پھیلاتے ہوئے اسے خود سے نزدیک کیا تو" اس نے آنکھیں دکھائیں۔
خبر دار جو میرے بھائی کو یوں الٹا سیدھا پکارا تو"۔"

"الٹا کہاں۔ تمہارا بھائی سیدھا سیدھا میر اسالا ہی ہوتا ہے"۔ وہ مزے سے بولا۔

"کہہ رہا تھا انشاء اللہ تین چار ماہ تک وہاں سے اپنا کام سمیٹ کر پاکستان آجائے گا"۔ تمکین نے اسے قدرے گھورتے ہوئے بتایا۔

"ہاہ... یعنی تمہارا قائم مقام میلہ آرہا ہے"۔ عادل نے آہ بھری۔

"اللہ کا شکر ہے۔ماں باپ نہ سہی۔ بھائی کا دم ہی غنیمت ہے میرے لیے"۔ وہ آزردہ ہونے لگی تو عادل فوراً ہی بات بدل گیا۔

"یعنی وہ ماموں بننے کے تقریباً ایک ماہ بعد آئے گا..." حساب لگاتے ہوئے اس نے کہا تو وہ شرما سی گئی۔

"...ہوں"

"چلو... شادی تو اٹینڈ نہیں کی اس نے اب "چلڈرن سریمنی" (بچوں کی تقریب) ہی اٹینڈ کرلے گا"۔عادل نے برجستگی سے کہا۔

"خدا کرے تب تک ابو بھی ہم سے راضی ہوجائیں"۔ تمکین نے دعائیہ انداز میں کہا تو عادل نے سر جھٹکا۔

"تم انہیں جانتی نہیں ہو۔بے کار کی دعائیں مانگ رہی ہو۔وہ اتنی "کم قیمت" پر راضی نہیں ہوں گے"۔

"لو... دادا بننا کم قیمت ہے کیا؟" وہ برامان کر بولی۔

"پہلے تم بتاؤ۔باپ بننا کیا قیمت یا کیا معنی رکھتا ہے؟" عادل نے تاسف آمیز سنجیدگی سے پوچھا۔ پھر بولا۔

"جس شخص کو اپنی اولاد سے دور ہونے میں کوئی افسوس نہیں ہوتا وہ دادا بن کے کیا خوشی محسوس کرے گا"۔

"میں نے خود سنا ہے۔اصل سے سود زیادہ پیارا ہوتا ہے"۔ وہ پر یقین لہجے میں بولی۔

"ہنہ... انہیں بھی سود سمیت سب حاصل کرنا ہی پسند ہے"۔ وہ استہزائیہ انداز میں کہتا تمکین کی سمجھ سے باہر تھا۔

"وہ اگر کبھی ہم سے راضی بھی ہوئے تو سود سمیت قیمت وصول کرکے ہی ہوں گے"۔

"ایک تو آپ نا... باتیں اتنی مشکل کرتے ہیں"۔ وہ ذرا سا جھنجلائی۔ تو عادل مسکرا دیا۔ شرارت سے بولا۔

"تو چلو۔باتیں نہیں کرتے۔خاموشی کی زبان میں گفتگو زیادہ دلچسپ اور پیاری ہوتی ہے"۔اس کا مطلب سمجھتے ہوئے

تمکین پرے کھسکی۔

"بہت بہت شکریہ جناب کا"۔

"ایسے ہی کیسے شکریہ۔ ابھی تو تمہیں حال دل سنانا ہے۔ پیار کی بارش میں بھگونا ہے"۔ مدھم لہجے میں کہتا وہ اسے پریشان کر گیا۔ اس کی سراسیمگی پر عادل کو بے اختیار پیار آیا تھا۔

☆☆☆☆

احراز نے رشیدہ بیگم کو بتایا کہ رانیہ کی منگنی ٹوٹ چکی ہے اور انہیں اس کا پروپوزل لے کر دوبارہ جانا ہے تو وہ بے حد متفکر ہوئیں بلکہ جب انہوں نے نگینہ سے بات کی تو وہ دور کی کوڑی لائی۔

"... کیا پتہ رازی بھائی ہی نے یہ منگنی"

"ارے اسے کیا پتہ کسی کا"۔

انہوں نے اس کا وہم دور کرنا چاہا تو ابرار نے طنزیہ کہا۔

"آپ بھی بڑی بھولی ہیں امی جی۔ موصوف اس لڑکی سے مکمل رابطے میں ہیں تبھی تو انہیں منگنی ٹوٹنے کی طلاع ملی ہے"۔ مگر کچھ بھی تھا۔ رشیدہ بیگم کو احراز کی بات ماننا ہی تھی۔ اس قدر فرمانبردار بیٹے کی

ایک جائز فرمائش کو وہ کس طرح رد کر سکتی تھیں۔

سو اب دوبارہ سے چچی کے ہاں موجود تھیں۔ اس بار فقط نگینہ ہی ان کے ساتھ آئی تھی۔ ہاں مگر احراز کو ہاں ہونے کا اس قدر پکا یقین تھا کہ اس نے انہیں خالی ہاتھ جانے کو منع کیا تھا۔ سو رشیدہ بیگم تحفے تحائف اور مٹھائی پھلوں سے لدی پھندی وہاں پہنچی تھیں۔

چچی کے تو مانو ہاتھ پاؤں ہی پھول گئے۔

اور صائمہ خوش تھی کہ اس کے حسن کا جادو چل گیا تھا۔ جو وہ لوگ دوبارہ اتنے اہتمام کے ساتھ آئے تھے۔

چچی نے بھی دل کھول کر ان دونوں ماں بیٹی کی تواضع کی۔

رانیہ اسکول سے لوٹ چکی تھی۔ آج احراز اسے اپنے گھر والوں کی آمد کا مژدہ سنا چکا تھا اور اب وہ لرزتے دل کے ساتھ

اندر کمرے میں بیٹھی صائمہ کی تیاریاں دیکھ رہی تھی۔
اپنا دکن کا نیا سوٹ پہن کر اب ہلکے پھلکے میک اپ میں مصروف صائمہ اور اسے چھیڑتی ثوبیہ۔
رانیہ کو اپنی شامت صاف دکھائی دے رہی تھی۔ ابھی ان لوگوں نے اپنا مدعا پیش نہیں کیا تھا تبھی ماحول اس قدر پرسکون تھا۔
اللہ کا شکر ہے اس منحوس کا سایہ نہیں پڑا مجھ پر۔ کیسے کھنچے چلے آئے ہیں یہ لوگ"۔ صائمہ نے خاموش بیٹھی رانیہ کو تنفر سے دیکھا تھا۔ وہ خود میں مزید سمٹ سی گئی۔
تبھی چچی افتاں و خیزاں اندر آئی۔
آئے ہائے اب بس بھی کردے صائمہ کی بچی۔ ادھر وہ انگوٹھی پہنانے کو بے چین ہوئی جارہی ہیں"۔ چچی کی خوشی بے پایاں تھی۔
رانیہ کے حلق میں کانٹے سے چبھنے لگے۔
ابھی کچھ دیر کے بعد یہ سارا منظر تبدیل ہو جانا تھا۔ اس نے اندازہ لگانا چاہا کہ حقیقت آشکار ہونے پر اس کا کیا حال کیا جائے گا۔
وہ کہہ رہی ہیں تینوں بچیوں کی بلائیں۔ اس کلموہی، قسمت ماری کو بھی جانا پڑے گا ساتھ"۔"
چچی نے کینہ توز نظروں سے رانیہ کو دیکھا تو اسے لگا وہ اس کی نگاہوں کے شعلوں سے ہی جل کے بھسم ہو جائے گی۔
آج اس نے قدرے صاف اور بہتر سوٹ پہن رکھا تھا۔ جس کا گلابی دوپٹہ اس کی رنگت سے مل رہا تھا۔ چچی دانت پیس کے رہ گئی۔

اس کی بیٹیاں دل کھول کے پھل فروٹ کھاتی تھیں مگر رانیہ جیسی گلابی رنگت انہیں نصیب نہ ہوئی تھی اور نہ ہی یہ نین نقش۔ جو اس نے اپنی ماں سے چرائے تھے۔ ان کی تو بات ہی کیا تھی۔
کم بخت ماری کو جوتیاں بھی وٹامن کی گولیوں کی طرح لگتی ہیں۔ چچی اکثر جل کے کہا کرتی تھی۔
یہ کیا ڈرامہ ہے۔ اس کا سایہ ڈالنا ضروری ہے کیا"۔ صائمہ بگڑی۔"

دفع کراسے۔ اس کا سایہ اب کیا ڈلے گا۔ وہ لوگ تو ساری تیاری کے ساتھ آئی ہیں۔ بات پکی کر کے ہی جائیں گی"۔"
چچی نے تفاخرانہ انداز میں کہتے ہوئے رانیہ کو حقارت سے دیکھا تھا۔
رانیہ کا جی چاہ رہا تھا وہ وہاں سے بھاگ جائے یا پھر اندر جانے سے انکار کر دے۔
مگر دونوں ہی صورتوں میں جان کی خلاصی تو ممکن نہ تھی۔ سو ان دونوں بہنوں کے پیچھے وہ مریل قدموں سے بیٹھک میں پہنچ گئی۔

"

وہ چچی کے ساتھ بیٹھی اور صائمہ ' ثوبیہ دونوں بہنیں رشیدہ بیگم کے عین سامنے والے صوفے پر براجمان ہو گئیں۔
نگینہ نے صائمہ کی تیاری ' سر پہ لیا دوپٹہ اور شرمایا سا انداز دیکھ کر ماں کو اشارہ کیا تو وہ بھی قدرے پریشان سی ہو گئیں۔
"... میرے خیال میں پھر بسم اللہ کی جائے"
رشیدہ بیگم نے پرس ٹٹول کر ایک خوبصورت سی مخملیں ڈبیہ نکالی۔ جس میں بیش قیمت خوبصورت انگوٹھی موجود تھی۔
رانیہ کی رنگت فق پڑنے لگی۔ ہاتھ پاؤں میں جیسے حرکت کرنے کی سکت ہی نہ رہی۔
رشیدہ بیگم انگوٹھی ہاتھ میں لیے اپنی جگہ سے اٹھیں اور چچی کی طرف بڑھیں۔
ارے بہن۔ تکلف کیا کرنا۔ آپ اپنے ہاتھوں ہی یہ مبارک کام کریں"۔"
چچی نے سمجھا کہ وہ انگوٹھی ان کے ہاتھ میں دینے لگی ہیں۔ بڑی خوش دلی سے بولی۔
ہاں ' ہاں۔ کیوں نہیں۔ خدا بچی کے نصیب نیک کرے"۔ رشیدہ بیگم نے قصداً مسکراتے ہوئے کہا اور پھر اس سے" پہلے کہ کوئی بھی کچھ سمجھ پاتا۔ انہوں نے رانیہ کا بایاں ہاتھ تھام کر اس کی انگلی میں انگوٹھی ڈالی اور اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ چچی کے آس پاس جیسے کوئی دھماکا ہوا تھا۔
مسلسل چہلیں کرتی ثوبیہ اور خوامخواہ شرمائے جا رہی صائمہ کو بھی سانپ سونگھ گیا۔

اور رانیہ کو اپنے دل کی دھک دھک اپنے کانوں میں سنائی دے رہی تھی... بلکہ آنے والے وقت کی چاپ بھی۔
رشیدہ بیگم نے کسی کے بولنے سے پہلے ہی کہنا شروع کر دیا۔
دیکھیں بہن ہم پہلے بھی بڑی آس امید لے کے آئے تھے مگر تب یہ بچی شاید ہمارے نصیب میں نہیں تھی۔ اس لیے "
چپ چاپ لوٹنا پڑا مگر اب خبر ملی کہ خدا نے پھر سے راستہ کھول دیا ہے تو میں نہ رہ سکی... خیر لیکھ نصیب کی بات
" ہے ساری۔ مبارک ہو آپ کو بھی کہ اس کی کم نصیبی بد نصیبی نہیں بن پائی۔
اور چچی وہ تو صدمے سے ساکت پڑی تھیں۔ کئی مغلظات حلق تک آ کر واپس لوٹ رہی تھیں۔ وہ گالیاں وہ کوسنے جو وہ
رانیہ کو دینا چاہتی تھی۔ رانیہ تو گویا بے جان' ساکت بت بنی بیٹھی تھی۔
دیکھیں جی۔" چچی نے اپنے اکھڑ انداز میں لوٹتے ہوئے سنبھل کر کہا۔ "ہم شریف اور عزت دار لوگ ہیں۔ آپ "
"...نے کیا مذاق سمجھ رکھا ہے منگنی شادی کو۔ لو جی امیر ہوں گے تو اپنے گھر میں۔ ہمیں اس سے کیا تعلق واسطہ
چچی نے قدرے غصے میں آ کر اب رانیہ کی انگلی سے انگوٹھی یوں اتار دی کہ اس کی انگلی ہی چھیل ڈالی۔ وہ سسک کر
رہ گئی۔
نہ جان نہ پہچان۔ نہ ہم نے لڑکا دیکھا بھالا۔ ایسے ہم شریفوں میں منگنیاں نہیں ہوتیں۔" تمسخر سے کہتے ہوئے چچی "
نے انگوٹھی وسطی میز پر پھینکنے کے سے انداز میں رکھی تو نگینہ کا جی چاہا رشیدہ بیگم فوراً اس عورت پر لعنت کے چار
حروف بھیج کر اٹھ جائیں مگر وہ تحمل سے مسکرا دیں۔
چلیں ٹھیک ہے۔ غلطی واقعی ہماری ہے۔ آپ کا اعتراض بجا ہے۔ آپ جب جی چاہے آئیں لڑکے سے مل لیں' "
" پرکھ لیں۔ ابھی فی الحال شگن کر دیتے ہیں۔
رشیدہ بیگم نے اپنے پرس میں سے ہزار ہزار کے کئی کرارے نوٹ نکالے تو چچی کی حریص آنکھیں چمک اٹھیں۔ جی تو
چاہا فوراً ہی جھپٹ لیں مگر اسے احساس تھا کہ یہ عیش و عشرت صائمہ کا نہیں بلکہ مستقبل میں رانیہ کا مقدر بننے والا ہے سو
دل پہ کڑا جبر کر کے سختی سے بولی۔
نہیں۔ ابھی آپ غصہ کریں یا ناراض ہوں مگر میں اس کے چچا سے بات کیے بغیر کچھ لین دین نہیں کر سکتی۔ آپ اپنا "
فون نمبر دے جائیں۔ میں آپ کو اطلاع کر دوں گی۔" چچی کی بد مزاجی اور بے رخی کے باوجود رشیدہ بیگم نے نگینہ سے

گھر کا فون نمبر لکھوا کر چچی کے حوالے کیا۔

"اس شاپر میں رانیہ کے دو سوٹ اور اس میں آپ سب گھر والوں کے... یہ تو آپ کو رکھنے ہی پڑیں گے کیونکہ یہ میں تحفہ لے کر آئی ہوں۔ واپس نہیں لے جاؤں گی۔" رشیدہ بیگم نے مسکراتے ہوئے سائیڈ پر پڑے بڑے بڑے دو شاپنگ بیگ کی طرف اشارہ کیا اور کہا پھر میز پر سے انگوٹھی اٹھالی۔

"یہ میں فی الحال رکھ لیتی ہوں حالانکہ یہ کوئی اچھا شگن نہیں ہے مگر بہر حال آپ کا بھی حق بنتا ہے کہ آپ ہمارے ہاں آئیں لڑکا دیکھیں اس کا گھر بار دیکھیں۔ ہمیں آپ کا انتظار رہے گا۔" انہوں نے نگینہ کو اٹھنے کا اشارہ کیا جو تنے تنے نقوش لیے بیٹھی تھی۔ اسے رشیدہ بیگم کے اتنے متحمل انداز پر حیرانگی کے ساتھ ساتھ ناگواری بھی محسوس ہو رہی تھی۔

چچی نے محض ہنکارا ابھرا۔ اب ہاتھ جو کچھ آرہا تھا اسے تو وہ گنوانا نہیں چاہتی تھیں۔ وہ دونوں ماں بیٹی رخصت ہوئیں تو چچی غرا کر رانیہ پر جھپٹی۔

"نامراد، کلموہی، کالے نصیبوں والی۔ کھا گئی میری بچیوں کی قسمت..." اسے بالوں سے پکڑتے ہوئے چچی نے تھپڑوں سے اس کا منہ لال کر دیا۔

"میں تو پہلے ہی کہتی تھی اماں۔ ایسے ہی کوئی آکر انجان لڑکی کا نام نہیں لے لیتا۔ یارانہ لگا رکھا ہو گا کہیں باہر۔" صائمہ کی تو دنیا ہی لٹ گئی تھی۔ سو ابھی تو وہ زہر ہی اگل سکتی تھی۔

"اری بول۔ بتا کون سا تیری ماں کا خصم..." چچی نے مغلظات بکنا شروع کر دیں۔ مارتے مارتے ہاتھ تھک گئے تو اس نے اپنی جوتی اتار لی۔ اس کے لیے کہیں جائے پناہ نہیں تھی۔ روتی، بلکتی، ہاتھ جوڑتی وہ چچی کی ٹھوکروں کی زد میں تھی۔

"چل اماں! دفع کر نحوست کی پوٹ کو۔" ثوبیہ کو اس پر ترس تو نہیں آیا مگر وہ بور ضرور ہو گئی تھی اور سب سے زیادہ تو شاپرز میں بند تحفے تحائف دیکھنے کی جلدی تھی۔ اب صائمہ کا رشتہ وہاں ہوتا یا نہ ہوتا جو چیز ہاتھ آئی اس کا نظارہ تو ضروری تھا۔

مرتی نہیں مردود۔ جان چھوٹے میری بچیوں کی۔" چچی ہانپتی کانپتی ثوبیہ کا سہارا لیے بیٹھک سے باہر نکلی۔ صائمہ نے "
بھی اپنے نام نہاد سوگ پہ لعنت بھیجتے ہوئے شاپرز اٹھائے اور ان کے پیچھے لپکی۔
رانیہ وہیں نیم جان وجود لیے سسک رہی تھی۔
☆☆☆☆
رازی بھائی کا تو لگتا ہے دماغ خراب ہو گیا ہے۔ ایسی کون سی قلو پطرہ رہ گئی ہے وہ کہ خواہ مخواہ جا جا کے اپنی بے "
عزتی کرائیں ہم۔" نگینہ گھر آ کے ماں سے الجھنے لگی۔
آہستہ بولیں ذرا۔ رازی بھائی سو رہے ہیں۔" شبینہ نے اسے اپنا والیم کم کرنے کو کہا تو رشیدہ بیگم اپنے کمرے میں آ"
گئیں۔
زندگی اس نے گزارنی ہے اب جب کہ وہ اپنے منہ سے کسی کے لیے کہہ رہا ہے تو میں کیا اعتراض کروں؟" وہ الٹا"
اس سے پوچھنے لگیں۔ نگینہ چمکی۔
"واہ واہ ابھی آپ کو اعتراض کی وجہ ملی ہی نہیں۔ اتنی ذلت سہہ کر بھی۔"
اوفوہ۔ بھئی غلطی تو ہماری بھی تھی۔ ابھی وہ لوگ واقعی احراز سے تو ملے ہی نہیں۔ ایسے کیسے لڑکی کا رشتہ دے دیتے۔ "
"باہر تھوڑا ہی بیٹھی ہیں۔

خدا کے لئے امی! یوں لگتا ہے جیسے آپ پر بھی رازی بھائی کا اثر ہو گیا ہے۔ میں کہتی ہوں اس سے لاکھ اچھی لڑکیاں '
بیٹھی ہیں رشتوں کے انتظار میں اور ان کے گھر والے تو پاؤں دھو دھو کے پیئں ہمارے۔" نگینہ چڑ کر بولی۔
دیکھو۔ ان لاکھوں میں واقعی ایسی سادہ اور معصوم لڑکی نہیں ہو گی۔ کچھ پانے کے لیے اگر تھوڑی بہت برداشت سے "
کام لینا پڑ بھی گیا تو کیا... مجھے گھر میں رہ کر گھر بسانے والی چاہیے۔ شوہر کر لے کر اڑتی پھرنے والی نہیں۔" رشیدہ
بیگم نے نرمی سے سمجھایا مگر وہ یوں ہی بگڑے ہوئے انداز میں بولی۔
اور وہ جو ہزاروں کے کپڑے تھما آئی ہیں انہیں وہ کس کھاتے میں گئے؟ چاہے وہ رشتے کے لیے انکار ہی کر دیں۔ "
دیکھا نہیں تھا کیسے اپنی "نوکیلی" کو کیل کانٹوں سے لیس کر کے ہمارے سامنے بٹھا دیا تھا۔ وہ یقیناً اسی کے رشتے کی

آس میں تھی۔" اس نے صائمہ کی لمبی ناک کو نشانہ بنایا تو شبینہ کی ہنسی نکل گئی۔

"واہ آپی! نام تو بہت پرفیکٹ رکھا ہے اس کا۔"

ایک سے بڑھ کر ایک لڑکی ہے یہاں۔ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ رازی بھائی کی طرح آپ کی سوئی بھی اسی پر کیوں اٹک گئی ہے۔" شبینہ کی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے وہ سخت بے زار نظر آرہی تھی۔

مجھے پتہ ہے میں جتنا بھی تمہیں سمجھالوں تمہیں سمجھ آنے والی نہیں۔" رشیدہ بیگم نے تحمل سے کہا تو وہ بگڑے ہوئے انداز میں بولی۔

"کل کو جب وہ میاں کی لاڈلی و من پسند اسے لے کے اڑ گئی نا پھر پوچھوں گی آپ سے۔"

بے وقوف لڑکی۔ پاؤں تو یہ دھو دھو کے پیئے گی ہمارے جسے اس کی چچی کے شکنجے سے نکال کے لائیں گے ہم۔"

انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا تو نگینہ کے ذہن کی گرہ کھلی ہو یا نہ کھلی ہو اس نے غائب دماغی کی کیفیت میں سر ضرور ہلا دیا تھا۔

امی! میرے کام کا کیا بنا؟" ابرار نے اندر آتے پوچھا تو انہوں نے اسے قدرے گھور کے دیکھا۔"

کچھ بھی نہیں۔" وہ جو بڑے خوشگوار موڈ میں اندر داخل ہوا تھا فوراً ہی تیوریاں چڑھا بیٹھا۔"

"... میں نے آپ کو کہا بھی تھا پھر بھی"

ہاں پھر بھی۔" وہ قطعیت سے بولیں تو کمر سیدھی کرنے کی غرض سے لیٹی نگینہ اٹھ بیٹھی۔"

"کیا ہو گیا ہے؟"

ویسے لٹانے کے لیے تو بہت ہیں ان کے پاس۔ میں نے دو اڑھائی لاکھ کیا مانگ لیے وہ دیوالیہ ہو گئے ہیں۔""

ابرار نے حد درجہ بدتمیزی کا مظاہرہ کیا تھا۔ نگینہ دنگ سی اسے دیکھنے لگی۔

دو اڑھائی لاکھ۔ بھلا تم کیا کرو گے؟" وہ متحیر سی پوچھنے لگی تو رشیدہ بیگم نے غصے سے کہا۔"

"ہاں ہاں پوچھو ذرا اس سے۔ کون سا بزنس شروع کرنے لگا ہے یہ جو میں آنکھیں بند کر کے دو چار لاکھ اسے تھما دوں؟"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ میں چاہے چوری کروں یا ڈاکہ ڈالوں۔ مجھے پھر کوئی نہ پوچھے۔" وہ بھڑک کر کہتا دندناتا ہوا چلا گیا۔

"اللہ... اسے کیا ہو گیا ہے؟" نگینہ پریشان سی ہو کر ماں سے پوچھنے لگی۔

"کہتا ہے دوست کے ساتھ کاروبار میں رقم لگانی ہے۔ اب کیا میں اس کے "بزنس مین" دوستوں کو نہیں جانتی کیا..." انہوں نے طنز کیا تھا۔

"اوفوہ آپ بھی ناں۔ کل ہزاروں بازار میں اڑا دیے بے مقصد۔ محض رازی بھائی کے کہنے میں آ کر اور آج وہ کسی مقصد کے لیے کچھ روپے مانگ ہی رہا ہے تو دے دیں۔ کر لینے دیں تجربہ۔" وہ آرام سے بولی۔

"ہزاروں اور لاکھوں میں بہت فرق ہوتا ہے بے وقوف اور جہاں تک بات ہے کل ہزاروں لگانے کی تو جس کی کمائی ہے اسی کی فرمائش پہ لگائی تھی۔"

"ہاں اور وہ جو اس طوطی نے باتیں سنائی تھیں وہ کیا ہوئیں۔ ہم شریفوں میں ایسے منگنیاں نہیں ہوتیں۔" نگینہ نے چچی کی کامیاب نقل اتاری تو اپنے کمرے میں سوئے ہوئے دونوں بچوں کو دیکھ کے آتی شبینہ کی ہنسی نکل گئی مگر وہ سخت غصے میں تھی۔

"اس منحوس صورت کو ہم شریف نہیں لگے کیا؟ مجھے تو سمجھ نہیں آتی کہ آپ یوں ناک رگڑ رگڑ کے اسی لڑکی کو کیوں مانگ رہی ہیں؟"

"جب مانگ لوں گی تب پوچھنا۔" وہ اطمینان سے لیٹے ہوئے بولیں تو شبینہ نے رائے دی۔

"ویسے لڑکی تو کافی پیاری ہے۔ حالانکہ اتنے اچھے حلیے میں بھی نہیں تھی۔ ان ماں بیٹیوں سے بالکل الگ۔"

"وہ وہاں اچھے حالات میں ہے بھی نہیں۔ دیکھا نہیں اس کی چچی کا سلوک۔ ابھی تو بعد میں جانے کیا درگت بنی ہوگی۔" رشیدہ بیگم نے تبصرہ کیا تو وہ بھی ناگوار تاثرات لیے ان کے پاس ہی آڑی ترچھی لیٹ گئی۔

☆☆☆☆

چچا بہت افراتفری میں اندر داخل ہوئے تھے۔ بیٹھک کا دروازہ کھول کر وہ باہر کے دروازے کی طرف بڑھے تو چچی

ہائیں ہائیں کرتی ان کے پیچھے لپکی۔

"میں کہتی ہوں میاں ایسی کیا قیامت آ گئی ہے؟ "

"صبر کرو نیک بخت۔ مہمان آیا ہے باہر۔" وہ اسی عجلت میں کہتے باہر کا دروازہ بند کر کے بیٹھک کی طرف بڑھے تو چچی بڑبڑاتی ہوئی دوبارہ تخت پر لیٹ گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے آ کر چائے کا کہا تو بے زاری سے بولی۔

"آ گیا ہو گا پھر کوئی مفت خور۔ گھر میں کچھ نہیں دھرا کھانے کو۔"

"تم چائے تو بناؤ۔ آتے ہوئے میں لڑکے کو کہہ آیا ہوں کچھ چیزیں لے آئے گا۔" وہ کہتے ہوئے چلے گئے جب کہ چچی نادیدہ مہمان کو کوستی اٹھ کے لڑکیوں کو چائے کا کہنے اندر آئی۔

"اماں! یہ باورچیوں والے کام مجھ سے نہ کہا کرو۔" صائمہ کسی فلمی رسالے میں مگن تھی ناگواری سے بولی تو چچی کا پارہ ہائی ہونے لگا۔

"ہاں اور تیری جگہ اسی باورچی کو بیاہ دوں گی۔"

"ابھی رانیہ آتی ہو گی۔ اس کو کہنا وہ کیا مفت کی توڑنے بیٹھی ہے۔" ثوبیہ نے حفظِ ما تقدم کے طور پر پہلے ہی رانیہ کا نام آگے رکھ دیا۔

"لعنت ہے تم دونوں پہ۔ مفت کو توڑنے وہ بیٹھی ہے یا تم۔ اب بھلا اس کے آنے تک مہمان کو سوکھے منہ بٹھائے رکھے گا تمہارا باپ۔" چچی نے دونوں کو آنکھیں دکھائیں مگر ادھر اثر کسے تھا۔ مجبوراً انہیں صلواتیں سناتے ہوئے چچی کو خود ہی تردد کرنا پڑا مگر عادت چھوٹ جانے اور باورچی خانے میں رانیہ کی مکمل ڈیوٹی لگ جانے کے باعث چینی، پتی کے ڈبے ہی ملنے میں وقت لگ گیا۔ اسی اثنا میں رانیہ آ گئی تو چچی کی طبیعت بحال ہوئی۔

"چل ری دو کپ چائے بنا بلکہ ایک کپ میرے لیے بھی بنا لینا۔"

گرمی سے چلچلاتا وجود لیے وہ پنکھے کی ہوا کو ترستی شولڈر بیگ کو کرسی کی پشت سے لٹکا کر باورچی خانے میں گھس گئی۔ تھوڑی دیر میں ہمسائیوں کا لڑکا چائے کے ساتھ پیش کیے جانے والے لوازمات دے گیا تو چچی نے فروٹ کیک، نمکو

پیسٹریاں اور بسکٹ کا ڈبہ دیکھ کر دل پہ ہاتھ رکھ لیا۔

"ایسا کون سا سیٹھ آ گیا ہے ہمارے گھر۔" پھر احتیاطاً رانیہ کو اچھے کپ نکالنے کی تنبیہہ کی۔

"ہو سکتا ہے کوئی منافع بخش اسامی ہو۔" چچی کے حریص ذہن میں سوچ لہرائی تھی۔ چائے لینے چچا آئے تو ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

"نہ میں کہوں کوئی اتہ پتہ تو دو کون آیا ہے... کہاں سے آیا ہے؟" چچی کے پیٹ میں گولے سے اٹھ رہے تھے۔

"بس نیک بخت۔ سمجھ لو ہماری بچی کو تقدیر خود چل کے ہمارے دروازے تک آ گئی ہے۔" وہ ٹرے اٹھا کر بیٹھک کی طرف بڑھتے ہوئے بولے۔ چچی کی تسلی تو کیا ہوتی اس کی بے چینی اور بڑھ گئی۔

رانیہ جلدی سے کپڑے بدلنے کے لیے کمرے میں گھس گئی جب کہ چچی وہیں تخت پہ لیٹی دل کی بے تابی کو دبانے میں مصروف ہو گئی۔

کافی دیر بعد چچا باہر آئے تو اس نے یہی سمجھا کہ مہمان کو رخصت کر کے آئے ہیں مگر یہ چچی کی خام خیالی تھی۔ وہ چچی کو بلانے آئے تھے۔

"نہ میں کہتی ہوں میاں دماغ تو نہیں گھوم گیا اس عمر میں... ایسا کون سا تمہارا مہمان آ گیا جس سے میرا ملنا ضروری ہے؟" چچی کے دل میں کھد بد مچی تھی مگر اوپر سے خفگی کا مظاہرہ قابل دید تھا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ اندر جانے کے لیے دوپٹہ بھی ٹھیک کرتی جا رہی تھیں۔

"ارے تم آؤ تو۔ داد دو گی میری عقل مندی کی۔" چچا بہت خوش دکھائی دے رہے تھے۔ چچی بڑبڑاتے ہوئے بیٹھک کی طرف بڑھی۔

وہ خوش شکل اور خوش لباس سا جوان تھا جس نے چچی کو دیکھتے ہی اٹھ کر خوشدلی سے سلام کیا۔ اس کے لباس اور نشست و برخاست سے امارت ٹپک رہی تھی۔ چچی متاثر سی اس کے سامنے جا بیٹھی۔ قیمتی موبائل، چمکتی رسٹ واچ چچی کو مہمان کے "خاص" ہونے کا اچھی طرح بتا رہے تھے۔

"یہ احراز صاحب ہیں۔" چچا نے یوں تعارف کرایا جیسے وہ امریکہ کا صدر ہو اور اس کا اتنا ہی تعارف کافی ہو اور چچی نے

بھی ایسے سر ہلایا جیسے سب سمجھ گئی ہو۔
مگر اگلا لمحہ دھماکہ خیز تھا۔
یہ اپنی رانیہ کے رشتے کے لیے آئے ہیں۔" تعارف پورا ہوا تو چچی کو لگا وہ سن سی ہو گئی ہو۔"
اس کلموہی جنم جلی کے ایسے روشن نصیب... پہلے رشیدہ بیگم جیسی متمول گھرانے کی عورت اس کے رشتے کی طلب" میں آئیں اور اب یہ چمکتا دمکتا شاندار شخص۔" وہ تو کوئی جواب دینے سے بھی گئی۔
یہ بتا رہے تھے کہ ہفتہ بھر پہلے ان کی والدہ بھی آئی تھیں مگر ادھر سے کوئی خاطر خواہ جواب موصول نہیں ہوا اس لیے" انہیں مجبوراً خود آنا پڑا۔ چچا نے شاکی نظروں سے چچی کو دیکھتے ہوئے تفصیل بتائی۔
چچی نے انہیں رشیدہ بیگم کی آمد کی ہوا بھی لگنے نہیں دی تھی۔ چچی کے منہ سے گہری سانس نکلی۔
تو یہ رشیدہ بیگم کا ہی بیٹا ہے۔" چچی کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ "ماں تو ماں بیٹا بھی رانیہ بی بی کا عاشق نکلا۔ اب صائمہ" کے نصیب ٹھنڈے ہیں تو کیا ہو سکتا ہے مگر اس رشتے کو جواب دے دینا بھی عاقبت نااندیشی تھی۔" چچی نے گہری نظروں سے ایک بار پھر احراز مصطفیٰ کا جائزہ لیا۔ وہ کہیں سے بھی ہلکی اسامی نہیں لگ رہا تھا۔
مگر میں نے ان کی امی کو بتایا تھا کہ رانیہ کی منگنی ہو چکی ہے۔" چچی نے قدرے رکھائی کا مظاہرہ کیا تو چچا جزبز ہو" گئے۔ وہ تو کسی بھی صورت یہ رشتہ ٹھکرانے کے حق میں نہیں تھے۔
مگر میری اطلاع کے مطابق تو وہ منگنی ٹوٹ چکی ہے۔" احراز نے مسکراتے ہوئے سکون سے کہا تو چچی تنگی۔"

ایسے تھوڑی ہو جاتی ہیں منگنیاں۔ ہزاروں کا خرچہ کیا تھا ہم نے۔ اتنے تحفے تحائف دیے' کپڑے لتے۔ ابھی تک" قرضہ نہیں اتر رہا۔ اس کی کمائی سے اتر رہا ہے سب۔" چچی کی کمینگی کی کوئی حد نہیں تھی۔ چچا کی پیشانی عرق آلود ہونے لگی۔
منگنی کا ایک چھلا تک تو جڑا نہیں تھا ان لوگوں سے لڑکے کو پہنانے کے لیے۔ محض لڑکے اور اس کی ماں کا ایک

ایک جوڑا کپڑوں کا اور کچھ پھل مٹھائی۔ ہاں البتہ ان لوگوں نے کافی اہتمام سے بات پکی کی تھی۔

جی میں سب سمجھتا ہوں۔ آج کل مہنگائی بھی تو بہت ہو چکی ہے لیکن آپ بے فکر ہو جائیں اب جتنا اور جو بھی خرچا" آئے گا وہ میں خود کروں گا۔" احراز کو چچی کی بد طینتی کا اچھی طرح اندازہ ہو رہا تھا۔ آرام سے اس نے کہا تو چچی کے دل میں لڈو پھوٹنے لگے۔ آسان شکار تھا اسی لیے آرام سے جال میں پھنس رہا تھا۔

اور پہلے کا قرضہ... وہ کون چکائے گا؟" ابرو اچکا کر پوچھا۔ چچا کی طرف دیکھتے ہوئے احراز نے استفسار کیا۔"

"کتنا قرضہ ہے؟"

چچا بے چارے بوکھلا کر قمیص کی آستین سے پیشانی پونچھنے لگے۔

ارے ان سے کیا پوچھتے ہو میاں مجھ سے پوچھو۔ سارا بار جس نے اپنے کندھوں پر اٹھا رکھا تھا۔" چچی نے فوراً اسے" اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔

بیس پچیس ہزار کے لگ بھگ تو ہو ہی گیا ہو گا۔ اب جب تک اس بوجھ سے نجات نہیں ملتی تب تک اس یتیم کی" رخصتی کا سوچ بھی نہیں سکتی۔" وہ بہت دلسوزی سے کہہ رہی تھی۔

احراز نے اگلی بات کیے بغیر پینٹ کی جیب سے اپنا والٹ نکالا اور پانچ پانچ ہزار کے پانچ نوٹ نکال کر چچی کی جانب بڑھائے۔

یہ لیں۔ ان سے آپ بآسانی وہ قرضہ چکا سکتی ہیں۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔"

چچا گم صم بیٹھے سارا تماشہ دیکھ رہے تھے۔

نوٹ تھامتے ہوئے چچی کے ہاتھ لرزنے لگے مگر اس نے نوٹ تھامنے میں قطعاً دیر نہیں کی تھی۔

اب اگر میرے گھر والے آئیں تو آپ ڈائریکٹ انہیں شادی کی تاریخ دیں گی۔" وہ رسان سے کہہ رہا تھا۔ چچی کے" منہ سے شیرہ ٹپکنے لگا۔

ارے میرے بچے۔ فکر ہی مت کرو۔ ارے روشن پیشانی والی ماں اور ویسا ہی نیک طبیعت کا بچہ۔ ارے میں تو دل" پہ پتھر رکھے بیٹھی تھی کہ یہ موا قرضہ کسی صورت اترے اور میں بہن جی کے در پہ حاضری دوں۔" چچی نے کانپتے ہاتھوں سے نوٹ دوپٹے کے پلو کے ساتھ باندھے۔

احراز نے گہری سانس بھری تھی پھر قصداً مسکرایا اور اپنا موبائل اٹھاتے ہوئے خود بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

"... پھر مجھے اجازت دیں"

ارے بیٹا! جلدی کا ہے کی... کھانا وانا کھا کے جاؤ۔ اپنی رانیہ کے ہاتھ میں تو جادو ہے جادو۔ سبزی پکائے تو اس میں" سے بھی گوشت کا ذائقہ آتا ہے۔" چچی نے شفقت کا وہ مظاہرہ کیا کہ کیا ہی اتنی محبت اپنی بیٹیوں کے لیے اس کے لہجے سے ٹپکی ہو گی۔

رانیہ کے ذکر نے احراز کے دل پہ چھائی پژمردگی اور کثافت کو یکلخت دور کر دیا۔ اسے خیال آیا جس کے حصول کے لیے وہ یہ سب کر رہا تھا وہ بذات خود بہت قیمتی تھی۔

اب وہ وقت بھی دور نہیں۔ کھانا وانا بھی کھا لیں گے پھر ملاقات ہو گی۔" احراز نے بشاشت سے کہتے ہوئے چچا کی" جانب مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

اور بیٹا... وہ شادی کا خرچہ...؟" چچی نے اپنی حریص نظریں اس پر ٹکاتے ہوئے جیسے بہت ہچکچا کر کہا تو چچا کا جی" چاہا کھڑے کھڑے ہی دفن ہو جائیں یا کم از کم بیوی کو ہی کر دیں۔

وہ آپ کا دردِ سر نہیں۔ آپ صرف شادی کی تاریخ دیں۔ باقی سب میں خود دیکھ لوں گا۔" ہلکی سی خشک روی احراز" کے لب و لہجے میں اتر آئی تو چچی نے چالاکی دکھانا چاہی۔

"وہ سب تو ٹھیک ہے پر بیٹا ہمارے بھی کچھ رسم و رواج ہیں۔ ہزار خرچے ہیں شادی کے موقع پر۔"

میں نے کہا ناں وہ سب میری ذمہ داری ہے۔ میرج ہال سے لے کر کھانے تک۔ میں خود دیکھ لوں گا۔ آپ کا کام" ہے صرف شادی میں شرکت کرنا۔" احراز کو اس چالاک فطرت عورت سے اب چڑ ہونے لگی۔ پچیس ہزار پا کر جس کی ہوس مزید بڑھ گئی تھی۔

"... ارے تو شرکت کیا ایسے ہی ہو جائے گی۔ اپنی تیاری، بچیوں کے کپڑے لتے، مہمانداری"

احراز کی نظروں میں تاسف اتر آیا۔ اسے اس گھر میں رانیہ کی حیثیت کا اچھی طرح پتہ چل رہا تھا۔

وہ بھی میں دیکھ لوں گا۔ فی الحال تو آپ شادی کے لیے اگلے ہفتے میں کوئی تاریخ سوچ کے رکھیں۔ میری امی اور" بہنیں کل پرسوں تک آئیں گی۔" وہ سنجیدگی سے کہتا سلام کر کے دروازے سے باہر نکل گیا۔ چچا میں تو اتنی ہمت نہیں تھی کہ اخلاقیات نبھاتے ہوئے اسے باہر تک ہی چھوڑ آتے البتہ چچی نے دروازے میں لٹک لٹک کر گلی کے نکڑ پر کھڑی احراز کی گاڑی دیکھ کر کلے پیٹ لیے۔

ارے اس حرام خور کی قسمت دیکھو۔ چھپر پھاڑ کے مل رہا ہے سب کچھ۔ کیسے سب کچھ لٹانے پر تیار بیٹھا ہے۔" کرارے کرارے نوٹ اور اتنی بڑی گاڑی۔ کلموہی میری بیٹیوں کی قسمت کھا گئی۔" چچی کا واویلا اپنی ہی نوعیت کا تھا۔

شرم کرو۔ اس کی قسمت ہی سے ملا ہے۔ جو ابھی کچھ دیر پہلے پلو سے باندھا ہے تم نے۔" چچا نے جھلا کر کہا تو وہ چمکی۔"

"ارے وا۔ شرم کا ہے کی؟ میری محنت ہے یہ تو۔ جوتے مار کے نکالتی اگر کوئی کنگلا عاشق ہوتا تو۔"

بیٹیوں کی شادیاں کوئی سودے بازی نہیں ہوتیں نیک بخت۔" چچا کے لہجے میں تھکن سی اتر آئی مگر اتنے سالوں نہ" سمجھنے والی چچی اب بھی کہاں سمجھتی۔

اچھا تم چپ رہو جی۔ اب اگر گھر بیٹھے خدا دے ہی رہا ہے تو میں تمہاری طرح ناشکری نہیں کر سکتی۔ چٹکیوں میں" پچیس ہزار دے گیا ہے۔ ارے میں تو کہتی ہوں واصف کے ابا جتنا دھن نکلوا سکتے ہو نکلوا لو۔ یہ لوگ تو خرید کے لے جائیں گے رانیہ کو۔" چچی کی تو رال ہی ٹپکنے کی کسر رہ گئی تھی۔ وہ تھکے تھکے انداز میں ہاتھوں پہ سر گرا کے بیٹھ گئے۔

ہونہہ..." چچی نخوت سے سر جھٹکتی اپنی بیٹیوں کو یہ خوشخبری بتانے بھاگی جو رانیہ کے توسط سے ہی مگر پچیس ہزار" کیش کی صورت ان تک پہنچ گئی تھی۔

پہلے تو ان دونوں کو چچی کی بابت سارا معاملہ جان کر گویا سکتہ ہی ہو گیا۔

لو اس میسنی کے عاشق اب گھر تک آنے لگے اور اماں آپ مزے لے لے کے اس کی اسٹوری سنا رہی ہیں۔" صائمہ" ہوش میں آتے ہوئے بگڑی مگر جب چچی نے آگے کی کہانی بتاتے ہوئے وہ پانچ نوٹ دکھائے تو اب تک بندھے ہوئے پانچ ہزار نہ دیکھنے والیوں کی آنکھیں کھلی رہ گئیں۔

یہ تو واقعی عیش ہو گئی اپنی۔" ثوبیہ چہکی مگر صائمہ کی آنکھوں میں تو موٹے موٹے آنسو بھر آئے۔"

"ہماری کیا... عیش تو اس کمینی کی ہو گئی ساری عمر کے لیے۔"

ہمیں بھی کچھ کم فائدہ نہیں ہو گا اس کی شادی سے۔" چچی نے ابھی سے کوئی پلاننگ بنالی تھی۔"

اس چڑیل نے میرے لیے آیا رشتہ ہتھیایا ہے اور اماں ہم تو ان روپوں سے کچھ مہینے عیش کریں گے وہ ساری عمر"

ان ہی نوٹوں سے کھیلتی رہے گی۔" صائمہ کے اندر جلن ہی جلن بھر گئی تھی۔

تو کیا کروں... انکار کر دوں اس رشتے سے..." چچی نے دانت کچکچا کے صائمہ کو ایک دھموکا جڑا۔"

"سب سے پہلے یہ نوٹ واپس جائیں گے پھر جو لڑکے کی ماں قیمتی کپڑے دے کے گئی ہے وہ تمہارے جہیز کے ٹرنک سے باہر نکلیں گے۔ نہ میں کہتی ہوں تمہارے لیے کب آیا تھا یہ رشتہ۔ بلند بخت تو وہ نکلی گٹر سے بچ کے پھولوں بھرے باغ میں پہنچ گئی۔ وہ لوگ تو آئے ہی اس کے رشتے کی طلب میں تھے۔ تم نے اپنی سی کوشش کر لی۔ اب تم انہیں پسند نہیں آئیں تو یہ تمہاری قسمت۔" زندگی میں پہلی دفعہ تھی کہ چچی نے سچ بولا تھا ورنہ وہ اور کسی سچی بات میں بھی رانیہ کی حمایت کر جائیں... سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

صائمہ چھکوں پھکوں رونے لگی۔

"اب تو وہی تمہیں اچھی لگے گی اماں۔ اچھی قیمت میں جو لے جا رہا ہے کوئی۔"

دفع..." چچی نے ہاتھ جھٹکا اور اٹھ کر بڑی احتیاط کے ساتھ ان روپوں کو پچھلی کوٹھری میں اپنے کسی ٹرنک میں رکھنے" چل دی۔

تمہارا تو دماغ خراب ہو گیا ہے۔ یہ سوچو کہ یہ پیسے ہمارے کتنے کام آ سکتے ہیں۔ تمہارا اچھا سا جہیز بن سکتا ہے بلکہ شادی" ہونے تک اور بعد میں بھی ہم ان سے پیسے نکلواتے رہیں گے۔ رانیہ کی کیا مجال جو وہ چوں بھی کرے۔" ثوبیہ نے بڑے مدبرانہ انداز میں اسے سمجھایا تو وہ چلائی۔

"مگر یہ ضروری تھا کہ اتنا اچھا رشتہ اسی کو ملتا؟"

دیکھو اگر اماں اس رشتے کو جواب دیتیں تو تم دونوں گھر میں بیٹھی رہتیں۔ اب تو پھر بھی کچھ آ ہی رہا ہے جا تو نہیں" رہا۔" ثوبیہ اس کی دلجوئی کی کوشش میں تھی مگر اس کے دل میں حسد کے بھانبھڑ بہت شدت پکڑ چلے تھے۔ وہ کسی

طوریہ سمجھنے کو تیار ہی نہ تھی کہ رانیہ کی قسمت اتنی روشن ہو سکتی ہے۔

☆☆☆☆

سکندر حیات کی خوشی کا اندازہ ان کے موڈ سے لگایا جا سکتا تھا۔ فون پر انہوں نے رات کے کھانے پر اہم ترین مہمانوں کی آمد کا مژدہ سناتے ہوئے بہترین کھانا پکانے کی ہدایت کی تھی۔

واہ میرے مولا۔ کوئی تو ہے اس دنیا میں جن کی آمد سے ہمارے والد بھی خوش ہو سکتے ہیں۔" روشین کی زبانی سن کر فرحین نے اوپر نگاہ اٹھاتے ہوئے گہری سانس بھری۔

چلو اب باتیں کم کرو اور مینیو بتاؤ کیا ہونا چاہیے ان اہم ترین مہمانوں کے لیے..." روشین نے اسے ٹوکا تو وہ بے نیازی سے بولی۔

"وہ تمہارا دردِ سر ہے۔ میں تو سب کچھ چکھ کر صرف رائے ہی دے سکتی ہوں۔"

ہاں بڑی آئی فوڈ انسپکٹر۔" روشین اسے گھورتے ہوئے آسیہ بیگم کے پاس چلی آئی۔"

پوچھتیں تو کون آرہا ہے؟" وہ متفکر ہوئیں۔"

خوامخواہ ان کا موڈ بگڑتا اور اگر انہوں نے بتانا ہوتا تو وہ بتا دیتے۔ اہم ترین کی پخ نہ لگاتے۔" روشین نے کہا تو وہ سر ہلا کر اس کے ساتھ کھانے کا مینیو ڈسکس کرنے لگیں۔

آج کافی عرصے بعد آسیہ بیگم نے خود کچن میں جا کر روشین کی مدد کی ورنہ تو وہ بااسلوبی کچن سنبھالے ہوئے تھی مگر سکندر حیات کی یاد دہانی کہ مہمان بہت اہم ہیں۔ بہت معنی رکھتی تھی۔ سو عرصے بعد پورا گھر کھانوں کی

سوندھی اور اشتہا انگیز خوشبوؤں سے مہک اٹھا۔ سکندر حیات کے دیے ہوئے وقت سے پہلے ہی وہ لوگ سارا کچن سمیٹ کر فارغ ہو چکی تھیں۔

میں تو ذرا اچھے والے کپڑے پہن لوں۔ پتہ نہیں کون آجائے؟" فرحین کو فکر لگی تو وہ الماری کھول کے کھڑی ہو گئی۔

وہ ابو کے مہمان ہیں۔ ہمیں تو پتہ نہیں ان کے سامنے جانے کی اجازت ہو بھی یا نہیں؟" روشین نے بیڈ پہ لیٹے لیٹے "
اسے باور کرایا۔ تو وہ ٹھٹھکی پھر آرام سے بولی۔
لیکن اگر اجازت ہوئی تب تو جانا ہی پڑے گا ناں۔ تمہارا تو چلو کہہ دیں گے کہ ہماری کام والی ہے۔ میرا تعارف تو "
اکلوتی اور حسین بیٹی ہی کے طور پہ ہو گا۔" وہ کپڑے لے کر باتھ روم میں گھس گئی تھی۔ روشین کی ہنسی نکل گئی پھر
احتیاطاً اس نے بھی کپڑے بدل لیے۔ واقعی سکندر حیات کے موڈ کا کچھ پتہ نہ تھا۔
مگر رات کھانے سے آدھا گھنٹہ پہلے آنے والے مہمانوں نے ان تینوں ماں بیٹیوں کو ہکا بکا کر دیا۔
... چچا جان اور ان کی فیملی معہ نوین اور اس کے شوہر بلکہ چچا کے دونوں بیٹے عمیر اور امریکہ پلٹ عمر
اپنی حیرت کو دباتے ہوئے آسیہ بیگم اور روشین' فرحین نے ان کا حتیٰ الوسع خوشدلی سے خیر مقدم کیا۔
سکندر حیات تو بھائی اور اس کی فیملی کے لیے گویا دل و جان فرش راہ کیے ہوئے تھے اور دوسری طرف بھائی کی فیملی
یہاں آ کر جیسے ان پر احسان کئے ہوئے تھی۔
چچی جان کی نخوت اور نوین کی سرد مہری چھپائے نہ چھپ رہی تھی۔ نوین کی ساری توجہ اپنے شوہر نوید الحسن پر تھی۔
آسیہ بیگم بے چاری اکیلی ہی اخلاقیات نبھا نبھا کر ہلکان ہو رہی تھیں۔
ایسے منہ لے کے آنے تھے تو نہ آتے یہ لوگ۔" فرحین نے کچن میں واشگاف الفاظ میں تبصرہ کیا تو روشین نے "
اسے آہستہ بولنے کا اشارہ کیا۔
وہ لوگ کون سا شیشہ دیکھ کے نہیں آئے ہوں گے۔ انہیں پتہ ہو گا کیسی شکلیں لے کے جا رہے ہیں۔" وہ فریج سے "
فریش سلاد کی پلیٹ نکالتے ہوئے آرام سے بولی تو روشین کو ہنسی آ گئی۔
پتہ نہیں اب کیا گیم کھیلنے آئے ہیں یہ لوگ؟" فرحین نے کہا تھا۔ "
ایک تو تم ہر کسی کو شک کی عینک پہن کے دیکھتی ہو۔" روشین نے اسے ٹوک دیا۔ "
ان لوگوں کی "تاریخ" ہی بہت مشکوک قسم کی ہے۔ کوئی صفحہ کھول کے دیکھ لو مجال ہے بنا مفاد کے کبھی کوئی اچھا "
کام کیا ہو... کجا ہم سے صلح۔" وہ قطعیت سے بولی اور یہ واقعی سچ تھا مگر فرحین کے سامنے یہ سچ بولنے کا مطلب اسے
شہ دینا تھا اور یہ کام وہ کر نہیں سکتی تھی۔

اور اس نوین کو دیکھو۔ لگ رہا ہے دنیا میں اس سے پہلے تو جیسے کسی اور کی شادی ہی نہیں ہوئی اور نہ ہونے کا چانس ہے' خصوصاً ہماری۔" وہ کچن سے ڈائننگ ٹیبل تک کے چکر لگاتی فرحین کے دل افروز تبصرے بھی سن

رہی تھی اور اس کی منتیں بھی کر رہی تھی کہ چپ ہو جائے۔ کہیں جو سکندر حیات کے کانوں میں کوئی ایک لفظ بھی چچا جان کی فیملی کے خلاف پڑ جاتا تو گویا قیامت ہی آجانی تھی۔

کھانے کے دوران ماحول قدرے بہتر ہو گیا۔ عمر نے ان دونوں بہنوں سے کافی تفصیلی انٹرویو لے ڈالا۔ نوین اپنے شوہر کے ساتھ مگن تھی البتہ چچی جان کا انداز ہنوز سرد تھا مگر بہر حال وقت اچھے طریقے سے ہی گزر گیا تو ان لوگوں کی رات گئے واپسی پر سکندر حیات کا اچھا موڈ دیکھ کر ان تینوں نے خدا کا شکر ادا کیا۔

مبارک ہو..." آسیہ بیگم نے کھلے دل سے اس "راضی نامے" پر انہیں وش کیا تو وہ حقارت سے بولے۔"

تو تم لوگوں کا کیا کارنامہ ہے اس میں۔ یہ سب میری محنت ہے کہ میرا بھائی دوبارہ مجھ سے مل بیٹھا ہے مگر میری" ایک بات یاد رکھ لو آسیہ بیگم۔ اب اگر تم لوگوں کی کسی غلطی کی وجہ سے میرے رشتوں میں کوئی دراڑ پڑی تو تم تینوں "بھی اس گھر میں دکھائی نہیں دو گی۔

وہ ہکا بکا سی مبارک باد وصول کرنے کا انداز دیکھتی رہ گئیں۔

ان کے جانے کے بعد فرحین ماں سے الجھنے لگی۔

آپ کو کیا پڑی تھی مبارک باد دینے کی۔ یہ کون سی ایسی مبارک والی بات ہے بلکہ ان لوگوں کا یہاں آنا ہمیشہ کسی نہ" "کسی فساد ہی کا باعث ہوتا ہے۔ ہمیں سکون سے جیتے دیکھنا تو ان لوگوں کو آتا ہی نہیں ہے۔

جو کسر رہ گئی ہے وہ اب تم پوری کر لو۔" روشین نے چڑ کر کہا تھا۔"

ہمیں تو کہتی رہتی ہیں اپنے باپ کو نہیں جانتی ہو اور خود کیا ان سے واقف نہیں ہیں... منانے دیں اکیلے میں صلح کا" جشن۔ انہیں ہماری کوئی ضرورت نہیں ہے۔" وہ اب بھی کہاں تھمی تھی۔ روشین بے بسی سے ماں کو دیکھنے لگی جو اس سے زیادہ بے بس دکھائی دے رہی تھیں۔

☆☆☆☆

ابھی ابھی ہمسائی رانیہ کی بات طے ہونے کی مبارک باد دے کر گئی تھی۔ کل رشیدہ بیگم اور ان کی بیٹیاں شادی کی تاریخ رکھ گئی تھیں۔ ساتھ میں وہ ڈھیروں فروٹ اور مٹھائی کے دو بڑے بڑے ٹوکرے لائی تھیں جسے خراب ہونے کے ڈر سے مجبوراً ہی سہی مگر محلے داروں میں تقسیم کرنا پڑا۔ محلہ بھی ان ہی جیسے لوگوں پر مشتمل تھا۔ اتنی اچھی مٹھائی کھانے کے بعد سن گن لینے کے لیے اگر آنا ہی تھا تو ہمسائیوں کے لیے مبارک باد دینے سے اچھا اور کوئی بہانہ نہ تھا۔
جہاں چچی مبارک بادیں وصول کر کر کے عاجز آئی وہیں صائمہ گیلی لکڑی کی مانند سلگ رہی تھی۔

"سب کو بتا رہی ہو کہ اس کی قسمت بڑی اچھی ہے اماں۔ یہ بھی تو بتاؤ کہ خود سے ہی کہیں یاری لگا رکھی تھی جو وہ لوگ پیچھا ہی نہیں چھوڑ رہے۔" وہ بگڑ کر بولی تو دستر خوان پہ کھانا لگاتی رانیہ کی رنگت فق پڑ گئی۔
پچیس ہزار پا کر چچی کا موڈ ان دنوں بہت خوشگوار تھا سو رانیہ فی الحال ان کے عتاب سے بچی ہوئی تھی مگر اسے اس "خوشگواریت" کی وجہ تسمیہ معلوم نہیں تھی۔
"اے چل چھوڑ بھی۔ تیری تو جلن ہی ختم نہیں ہو رہی۔" چچی کو بھی اس کی روز روز کی چخ چخ نے عاجز کر دیا تھا۔ بے زار آ کر بولیں۔
"جلتی ہے میری جوتی۔" وہ چیخ ہی تو گئی، تلملا کر بولی۔ "اور اس بے غیرت سے جلوں گی میں... پہلے میرے بھائی پہ ڈورے ڈال کے اسے گھر سے نکلوایا بدنام کیا اور اب سڑک چلتا کوئی امیر زادہ پھنسالیا ہے۔ ایسے ہی تو کوئی پیچھے نہیں پڑ جاتا۔ شریف لڑکیوں کی منگنیاں نہیں ٹوٹا کرتیں اماں۔ اسی نے بیچ میں پڑ کے کچھ کارنامہ دکھایا ہو گا۔"
"چل جو بھی ہے۔ اب تو جو ہو رہا ہے وہی ہو گا۔ تُو اپنی بکواس بند ہی رکھ۔" چچی نے غصے سے اسے دیکھا۔ رانیہ کی موجودگی میں وہ اسے احراز سے لیے روپوں کے فوائد بھی نہیں گنوا سکتی تھی اور نہ ہی مستقبل میں رانیہ کو ٹھگنے کا ارادہ بتا سکتی تھی۔
"ہونہہ... ہمیں تو نہ آئے ایسے چلتر... منہ مومنوں جیسا اور کرتوت کافروں جیسے۔" وہ اب بھی سوئی چبھونے سے باز نہیں آئی تھی۔ رانیہ کھانا لگا چکی تھی مگر صائمہ کی بکواس نے خود اس کی بھوک اڑا دی۔ سو کھائے بغیر چچی کو

اطلاع کر کے کمرے میں چلی آئی۔ اسے صائمہ کی گھٹیا اور اخلاق سے عاری گفتگو بہت دکھی کرتی تھی۔ وہ کٹ کر رہ جاتی مگر کچھ دنوں تک اس گفتگو، اس ماحول اور اس گھر سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو جانے کا خیال اب اس کی ڈھارس بنا رہتا تھا۔

"احراز مصطفی خدا تمہیں ہمیشہ پرسکون اور خوش رکھے۔ کوئی غم کبھی تمہیں چھو کر بھی نہ گزرے۔ تم نے جو میرے لیے کیا ہے اس کے بدلے کبھی میری جان بھی مانگ لو تو میں اُف نہ کروں۔ سدا خوش رہو۔" اس کا رواں رواں دعاگو تھا اور یہ دعا وہ اس کے لیے روزانہ دن میں کئی بار مانگا کرتی تھی۔

☆☆☆☆

عادل کے ہاں خوب صورت اور گول مٹول سا بیٹا پیدا ہوا تو آسیہ بیگم نے شکرانے کے کئی نفل پڑھ ڈالے۔

"آپ بھی چلیں ساتھ..." فرحین ماں کو ساتھ لے جانے کو مچل گئی۔

"نہیں۔ میں نے سن لیا اتنا ہی کافی ہے۔ میرے پوتے کو میرا پیار دینا۔" اپنے آنسو پیتے ہوئے وہ خود کو قابو میں رکھتے ہوئے بولیں۔

"اب تو ابو نے چچا جان سے راضی نامہ کر لیا ہے پھر آپ پر وہاں جانے اور عادل بھائی کے یہاں آنے پہ پابندی کیوں ہے؟" فرحین کو غصہ آ گیا۔

"اچھا ابھی تو اپنا موڈ خراب مت کرو۔ یہ سب باتیں بعد میں دیکھی جائیں گی۔ وہاں تمکین اکیلی ہو گی اور عادل بھی پریشان ہو رہا ہو گا۔" آسیہ بیگم نے اسے بہلانا چاہا۔

"بس اندر ہی اندر کڑھتی اور سلگتی رہیے۔ آپ کا یہی کام ہے۔ کبھی جو ابو کے فیصلے کے خلاف اٹھ کھڑی ہوں تو انہیں جرأت نہ ہو اپنے فضول سے اصول نافذ کرنے کی۔" وہ کڑھ کر بولی۔

"اچھا چلو اب۔ امی کو تنگ مت کرو۔ اللہ بہتری کے اسباب پیدا کرنے والا ہے۔" روشین نے اسے کھینچا تو وہ خفا خفا سی اس کے ساتھ چلی آئی۔

تمکین کا نارمل کیس تھا اس لیے ڈاکٹر نے اسے ایک دو گھنٹوں میں فارغ کر کے گھر بھیج دیا تھا۔
پیارے سے بھتیجے کو دیکھ کر وہ دونوں نہال ہو گئیں۔
اُف... اتنا پیارا تحفہ..." فرحین مٹھیاں بھینچتے ہوئے جوش سے بولی تو روشین احتیاط سے بچے کو اٹھاتے ہوئے"
اسے ٹوک گئی۔
"اُف نہیں بے وقوف۔ ماشاء اللہ کہو۔"
ایک تو یہ نصیحت بی بی۔" فرحین نے اسے گھورا پھر تمکین سے پوچھنے لگی۔"
"اس کا نام کیا سوچا ہے بھابی...؟"
ابھی تو کچھ نہیں۔" وہ مسکرائی۔ نڈھال اور کچھ زرد سی تمکین پہ مامتا کے روپ نے مزید حسن بکھیر دیا تھا۔"
نام تو پھوپو ہی رکھے گی۔" فرحین کو ٹی وی کا کمرشل یاد آیا تھا اِترا کر بولی۔"
ادھر اس کے ماموں کا بھی یہی دعویٰ ہے۔" عادل کچن سے بر آمد ہوا۔"
کس کے ماموں؟" فرحین حیران ہوئی۔"
"بچے کا ماموں۔" تمکین ہنس دی۔ "بھائی ہے میرا اکلوتا۔ بیرون ملک ہوتا ہے۔"
لو جی۔ یہ تو صاف جھگڑے والی بات ہو گئی۔ بچے کے تو پھر کئی نام رکھنے پڑیں گے۔" فرحین نے تفکرانہ انداز میں"
کہا تو روشین نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔
"تمہیں بیچ میں ٹانگ اڑانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی نام سلیکٹ ہو چکا ہے تو پھر وہی رکھا جائے گا بس۔"
بھئی ہم پرچیاں ڈالیں گے سب کے پسندیدہ ناموں کی جو پرچی نکل آئی۔" عادل نے لڑائی ختم کر ڈالی۔ تب کہیں جا"
کے فرحین مطمئن ہوئی۔ عادل کو فی الحال چچا جان کی فیملی کی آمد و رفت کے متعلق کچھ نہیں بتایا

گیا تھا۔
فری پلیز اپنی زبان بند ہی رکھنا۔ عادل بھائی ظاہر تو نہیں کریں گے مگر انہیں ابو کی اس حرکت سے بہت دکھ پہنچے گا کہ"
سگے بیٹے کے لیے تو گھر کے دروازے بند کر رکھے ہیں اور بھائی اور اس کی اولاد کو پھر سینے سے لگا لیا ہے۔" روشین نے

اس کی منت کی تھی۔ آسیہ بیگم نے بھی اسے منع کیاتب کہیں کچھ سوچ کر فرحین بھی چپ ہو رہی تھی۔ ابھی تک وہ لوگ وقتاً فوقتاً دو تین بار آ چکے تھے بلکہ عمر اور عمیر کا چکر تو اکثر ہی لگنے لگا تھا مگر اس بات کی ہوا عادل کو لگنے نہیں دی گئی تھی۔

"یہ تو بالکل عادل بھائی کی کاربن کاپی ہے۔" روشین نے پیار سے بچے کے نقوش دیکھتے ہوئے تبصرہ کیا۔

"ظاہر ہے جس کو دیکھے اور سوچے گی اسی پہ جائے گا۔" عادل نے شوخی سے کہا۔

"امی تو اس قدر خوش ہیں کہ بتا نہیں سکتی۔ بس ابو کی دی ہوئی قسم ان کے قدموں کی زنجیر بن کے لپٹی ہے ورنہ تو وہ اڑ کے آتیں۔" روشین ملول ہوئی تو عادل فوراً سنجیدہ ہو گیا۔

"کیا ضرورت پڑی ہے انہیں ان کی فضول قسموں میں بندھنے کی... جب وہ ان کے جذبات واحساسات کا خیال نہیں رکھتے۔"

"کوئی بات نہیں روشی۔ ہم خود اسے لے کر اس کی دادو جان کے پاس جائیں گے۔ ان پر قسم ہے ہم پر تو نہیں ناں۔" تمکین نے فوراً ہی ان کا حوصلہ بڑھایا تو وہ نم آنکھوں کے ساتھ مسکرا دی۔

"میں آپ کے لیے سوپ بناتی ہوں۔" وہ بچے کو احتیاط سے تمکین کے پہلو میں لٹا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہاں اور اب یہ روزانہ یونیورسٹی سے آپ کے لیے یخنی بنانے آیا کرے گی بلکہ کھانا پکانے۔" فرحین نے تسلی آمیز لہجے میں کہا تو تمکین مسکرا دی۔

"اس کی کیا ضرورت ہے۔ بس ایک آدھ دن میں' میں ٹھیک ہو جاؤں گی پھر تھوڑا تھوڑا کر کے سنبھال لوں گی۔"

"خبردار! جب آپ کے پاس دو عدد سلیقہ شعار نندیں موجود ہیں تو پھر آپ کو خواہ مخواہ کا دردِ سر پالنے کی کیا ضرورت ہے۔" فرحین نے کہا تو عادل نے ہنستے ہوئے گرہ لگائی۔

"ایک سلیقہ شعار اور دوسری کام چور بلکہ کاہلِ اعظم۔"

"بری بات عادل بھائی! روشی کا دل ٹوٹ جائے گا۔" وہ اطمینان سے بولی تو اس کی چالاکی پہ سب ہی ہنسنے لگے۔

☆☆☆☆

رانیہ کے تمام کانٹے کسی نے اپنی پلکوں سے چن لیے تھے۔ جیون کی راہیں اس قدر آسان ہو سکتی ہیں رانیہ نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ سرِ راہ ملنے والا اجنبی اس قدر اپنا نکل آئے گا' اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

دو دن کے بعد رشیدہ بیگم آکر شادی کی تاریخ رکھ گئی تھیں البتہ نکاح ایک دن پہلے ہونا قرار پایا تھا۔
چچی بے قرار تھی۔ ہاتھ کی خارش بڑھ رہی تھی۔

☆☆☆☆

"احراز کو بھیجئے گا۔ اس سے تو ملاقات ہی ہونے سے رہ گئی۔" وہ بہانے بہانے سے کئی بار کہہ چکی تھیں۔
"اب دن ہی کیا رہ گئے ہیں؟ ساری عمر کا ملنا ملانا ہے۔" رشیدہ بیگم مبہم سا مسکرائیں جیسے ان کو اندر تک پڑھ چکی ہوں۔
پھر بھی انہوں نے احراز سے تذکرہ ضرور کر دیا اس بلاوے کا اور وہ بچہ نہ تھا کہ چچی کا مطلب سمجھ نہ پاتا۔ ماں کے سامنے تو خاموش رہا مگر اگلی شام چلا ضرور آیا۔
"میں تو اپنے بچے کو دیکھنے کو ترس گئی تھی۔" چچی نے اس کی بلائیں لے ڈالیں۔ صائمہ ٹھنڈا پیش کرنے کے بہانے آئی اور اس شاندار بندے کو دیکھ کر ٹھنڈی آہیں بھر کے رہ گئی۔
رانیہ کے لیے جی بھر کے بددعائیں کیں۔ اسے کوسنے دیئے اور دل ہی دل میں ماں سے برگشتہ ہو گئی۔
"جی۔ آپ نے یاد کیا تھا؟" احراز سنجیدہ تھا۔ اسے پتہ تھا کہ چچی کا "یاد کرنا" بلاوجہ نہیں ہو سکتا اور وہ ہر طرح کے مسئلے سے شادی سے پہلے ہی نمٹ لینا چاہتا تھا۔
"ماں صدقے جائے۔ میں تو اٹھتے بیٹھتے تمہیں یاد کرتی ہوں بیٹا۔" چچی اوور ایکٹنگ کا شکار ہو رہی تھی۔
"جی۔ وہی تو پوچھ رہا ہوں وجہ؟" احراز نے سیدھے سبھاؤ سے پوچھا تو چچی خفیف سی ہو گئیں پھر بڑے شیرینی چھلکاتے لہجے میں بولیں۔
"بھئی میں نے سوچا اتنے سارے بندوں میں بات ہونے سے بہتر ہے ماں بیٹے میں بات طے ہو جائے۔"

ماں بیٹا کون؟" احراز نے ابرو اچکائے۔"

ہو... ہو..." چچی بے ڈھنگے طریقے سے ہنسیں۔"

بھئی تمہاری اور اپنی بات کر رہی ہوں۔ جب سے تمہیں دیکھا ہے لگتا ہے سگا بیٹا مل گیا ہو۔ ایسے دل کھنچتا ہے تمہاری"

طرف۔" احراز نے گہری سانس بھری۔

"آپ شاید کچھ بات کرنا چاہتی تھیں۔"

ہاں اور بات بھی بہت ضروری تھی بیٹا۔ اب تم سے کیا چھپانا۔ اس گھر کے بیٹے بننے جا رہے ہو۔ کل بھی تمہیں ہمارے"

مسائل کا پتہ چلنا ہے سو آج ہی کیوں نہ بتا دوں۔ پر کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔" وہ جیسے ہچکچائی۔

احراز نے چچی کے تاثرات میں "شرم" ڈھونڈنے کی کوشش کی مگر وہاں مکاری اور چالاکی کے سوا کچھ پایا بھی تو وہ حرص وہوس تھی۔

شادی کی تیاری۔ گھر کے اخراجات... سو طرح کے خرچے ہیں۔ ایک دم سے یہ شادی سر پہ آن پڑی ہے سمجھ نہیں"

آتا کس کے آگے ہاتھ پھیلاؤں... ہاہ..." چچی نے دلسوزی سے کہتے ہوئے آہ بھری۔ "پھر سوچا تمہیں بیٹا کہا ہے تو تم

"ہی پہ حق جتاؤں غیروں کے سامنے پیٹ ننگا کرنے سے کیا فائدہ؟

احراز کہنی صوفے کے بازو پہ ٹکائے بند مٹھی ہونٹوں پہ جمائے اس عورت کی چالاکی دیکھ رہا تھا۔ مجبوری یہ تھی کہ وہ تمام اخراجات کا ذمہ لے چکا تھا اور شادی ہو جانے تک تو وہ چچی سے کوئی پنگا نہیں لینا چاہتا تھا۔

کتنا خرچہ چاہیے آپ کو؟" وہ سپاٹ لہجے میں پوچھ رہا تھا مگر چچی کو اس کے لب و لہجے نہیں بلکہ الفاظ سے غرض تھی۔"

یہی بس کوئی پندرہ بیس ہزار..." چچی کی بس رال ٹپکنے والی رہ گئی۔ احراز نے لب بھینچے پھر قدرے مسکرایا۔"

دراصل خرچے تو وہاں بھی بہت ہیں۔ آپ کی طرف سے تو کوئی انتظام ہے نہیں۔ میرج ہال اور کھانے وغیرہ کا سلسلہ"

بھی ادھر ہی سے ہے۔ آپ لوگوں کو تو بس شرکت ہی کرنی ہے۔ ان دنوں میں تو میں بس اتنا ہی کر سکتا ہوں۔" احراز نے دس ہزار روپے چچی کو تھمائے تو وہ اس کے واری صدقے جانے لگی۔

"ارے میرے ہاتھ ٹوٹیں جو میں یوں داماد کی کمائی کھائوں پر کیا کروں قسمت... غریبی نے مار ڈالا ہے بیٹا۔" دوپٹے سے رگڑ کر آنکھوں کے نادیدہ آنسو صاف کرتے ہوئے چچی نے کہا تو وہ مزید کچھ کہے بغیر اٹھ کھڑا ہوا۔

"اب میں چلتا ہوں۔" وہ دروازے کی طرف بڑھا۔

"ہاں بیٹا! ایک اور بات۔" چچی نے اسے پکارا پھر پیشانی پہ ہاتھ مارتے ہوئے گویا اپنی یادداشت کو کوستے ہوئے بولیں۔

"ایک تو یہ بڑھاپا بھی کچھ یاد نہیں رہنے دیتا۔" احراز استفہامیہ نظروں سے چچی کو دیکھ رہا تھا۔

"بس یہی کہنا تھا کہ ہم میں رواج ہے بیٹی کا حق مہر لکھوانے کا۔" چچی نے اطمینان سے کہا تھا۔

"وہ تو اس کا حق بنتا ہے اسے ضرور ملے گا۔" احراز نے سرد مہری سے کہا مگر دوسری طرف چچی کو اس کے لب و لہجے سے نہیں اس کے بینک بیلنس سے غرض تھی۔

"پر ہمارے ہاں نکاح کے موقع پر ہی لڑکی کو ادائیگی کر دی جاتی ہے پچاس ہزار سکہ رائج الوقت۔" چچی نے آخری پتہ بھی شو کرا دیا تو احراز کا جی چاہا اس عورت کو کچھ سنا دے مگر دو بھیگی سیاہ آنکھیں فوراً ہی چشمِ تصور میں در آئیں۔ "فقط تمہارے لیے میری جان۔"

"جی بہتر۔" وہ تین لفظ کہہ کر وہاں سے نکل آیا۔

چچی کا جی چاہا وہیں بھنگڑا ڈالنا شروع کر دے۔ اس نے فوراً ہی آواز دے کر صائمہ اور ثوبیہ کو بیٹھک میں بلایا۔

"کیا بات ہے اماں! لگ رہا ہے کوئی بڑی خوشخبری ہاتھ لگی ہے؟" ثوبیہ فوراً بھانپ گئی تھی۔ البتہ صائمہ کا منہ سوجا ہوا تھا۔

"اری میں کہتی ہوں اپنے غریبی کے دن کٹ گئے۔ میرا تو دل چاہ رہا ہے ناچوں گائوں۔ اس کلموہی کے نصیب... کیسی

اونچی جگہ ہاتھ مارا ہے۔یوں اس سے وار وار کے پیسہ پھینک رہا ہے۔" چچی نے دس ہزار کے نوٹ ان کی آنکھوں کے آگے لہرائے۔ادھر رانیہ کو اچھی طرح خبر تھی کہ آج چچی نے احراز کو بلایا ہے مگر کس غرض سے؟اس کی تو اسے بھنک بھی نہیں پڑنے دی تھی مگر اب جب کہ چچی نے ان دونوں بہنوں کو آواز دے کر بلایا تو وہ اپنے تجسس پہ قابو نہیں پا سکی۔آہستگی سے دروازے کے قریب چلی آئی۔

پورے دس ہزار دے کے گیا ہے۔" چچی کی تفاخرانہ آواز نے اسے ٹھٹھکا دیا۔"

ہونہہ... بڑے سستے میں بیچ رہی ہو اسے۔" صائمہ کی زہر آلود آواز اس کے کانوں میں پڑی تو وہ معاملہ سمجھنے کی" کوشش کرنے لگی۔

اری کمبخت ابھی پچیس ہزار پچھلے دنوں دے کے گیا تھا اور پچاس ہزار شادی کے دن دے گا۔پوری قیمت وصول کر" "کے پھر ہی لڑکی حوالے کروں گی میں بھی۔

چچی کی مکارانہ ہنسی اس کی سماعتوں میں پگھلے ہوئے سیسے کی مانند اتری تھی۔وہ بے دم سی ہونے لگی۔

بڑا ہی دار بندہ ہے۔بڑی قیمت دے رہا ہے۔" ثوبیہ کو رشک آرہا تھا۔"

بکائو مال بکائو ہی ہوتا ہے سمجھیں۔" صائمہ پھنکاری تھی۔"

اندر چچی اور صائمہ کی تُوتُو میں میں شروع ہوئی تو وہ اپنے آپ کو بمشکل گھسیٹتی ہوئی کمرے تک لائی۔

یاخدا رحم کر۔یہ کیا سنا رہی ہیں مجھے... وہ شخص تو مجھے اپنی چاہت بنا کے لے جا رہا تھا اور یہ سب... یاالٰہی رحم کرنا۔" "

اسے اس ساری بات پہ یقین نہیں آرہا تھا مگر زندگی ہی اس قدر بے اعتباری سے گزاری تھی کہ آنکھوں سے آنسو بے ...اختیار ہی نکلنے لگے۔کسی سے کبھی نہ رونے کا وعدہ کرنے کے باوجود

بکائو... بکائو مال..." صائمہ کی آواز اسے مسلسل کوڑے رسید کر رہی تھی۔"

☆☆☆☆

ننھا حمزہ اب ڈیڑھ ماہ کا ہو رہا تھا۔ عادل کئی بار جا کر تمکین کے ہمراہ آسیہ بیگم سے ملوا لایا تھا۔ فرحین اور روشین ابھی بھی سکندر حیات کو پتہ لگے بنا اس کے ہاں آجاتی تھیں۔

"روشی جان حمزہ کا دھیان رکھنا۔ ویسے تو ابھی فیڈ لے کے سویا ہے۔ ڈیڑھ دو گھنٹے سے پہلے نہیں اٹھے گا۔ میں بس آدھے گھنٹے میں آجائوں گی۔" تمکین کو ضروری شاپنگ کرنا تھی۔

"اوفو۔ آپ بالکل بے فکر ہو کے جائیں۔ میں سنبھال لوں گی ان صاحب کو۔ آپ اطمینان سے شاپنگ کیجیے گا۔" وہ سوئے ہوئے پیارے شہزادے کو دیکھ کر مسکرائی۔

"اور ہاں۔ وہ دودھ والے کی ضرور خبر لینا۔ اس قدر پتلا دودھ ہوتا ہے کہ پینے کو جی نہ کرے۔" نکلتے نکلتے پھر سے تمکین نے اسے یاد دہانی کرائی تو اس نے سر ہلا دیا۔

تھوڑی دیر مدہم آواز میں ٹی وی دیکھنے کے بعد بور ہو کر اس نے ایک پرانا میگزین اٹھا کر ورق گردانی شروع کر دی۔ تو اس پر نیند کا غلبہ طاری ہونے لگا۔ آج صبح ویسے بھی وہ جلدی اٹھ گئی تھی پھر ناشتہ کر کے یونیورسٹی گول کی اور تمکین کی فرمائش پر ادھر آگئی۔ اس پر سکون سے ماحول میں اس کی آنکھیں آپوں آپ بند ہونے لگیں۔ جانے وہ سو گئی تھی یا جاگ رہی تھی۔

دروازے پر گھنٹی پر ہڑبڑا سی گئی۔

"دودھ والا۔" اس کے دماغ نے سگنل دیا تو وہ سوئے ہوئے حمزہ کو ایک نظر دیکھتی جلدی سے اٹھ کر کچن کی طرف بھاگی۔ وہاں سے دودھ والا برتن اٹھایا اور دروازے کی طرف آئی۔ ذرا سا دروازہ کھولا جس میں سے صرف برتن والا ہاتھ ہی باہر نکل سکا۔

"دیکھیں جی جیسا دودھ آپ آج کل دے کے جا رہے ہیں۔ ہم اس کے معیار سے بالکل مطمئن نہیں۔ یا تو آپ کی بھینسیں پانی زیادہ پی رہی ہیں یا آپ غلطی سے دودھ کی جگہ کچی لسّی فروخت کر رہے ہیں چالیس روپے کلو میں۔ اپنی طرف سے اس نے گوالے کو بڑے مؤثر انداز میں ڈانٹا تھا۔

آئم سوری میڈم..." دوسری طرف سے گوالے نے کھنکھار کر بے حد شائستگی سے اسے متوجہ کیا تو روشین نے بے"
اختیار دروازہ کھول کے متحیر انداز میں گوالے کو دیکھا۔
سامنے کھڑا گوالہ بے اختیار ہی ان سوئی جاگی گلابی آنکھوں میں ڈوب سا گیا جب کہ وہ ساکت کھڑی تھی۔
اور پھر اس کی زندگی میں وہ شام آ ہی گئی۔ جب احراز مصطفیٰ اس سے کیا ہر عہد پورا کرنے آن پہنچا۔
وجاہت اور تمکنت لیے۔
گھر والوں اور چند ایک رشتہ داروں کے ساتھ احراز اور ابرار کے ایک آدھ دوست نکاح کی اس تقریب میں موجود تھے
تو ادھر سے چچا کی فیملی کے علاوہ محلے کے دو چار معززین شامل تھے۔ اس

تقریب میں ہونے والا تمام خرچہ چچی نے احراز سے ہی وصول کیا۔ جس میں کولڈ ڈرنکس سے لے کر کھانے اور نکاح
خواں کو دینے تک کے پیسے شامل تھے۔ احراز نے ماتھے پر بل ڈالے بغیر یہ رقم ادا کی۔
"آ رہی ہے تمہاری قیمت۔ قسطوں میں۔"
صائمہ نے حقارت سے نوٹ اس کے سامنے لہراتے ہوئے اس کے وجود کو اور مٹی کیا۔ جبکہ چچی خوشی سے جھوم رہی
تھیں۔
اری کمبخت ماریو، یہ تو تم دونوں سے بھی تیز نکلی۔ ایسا تیر چلایا کہ شکار نہ اڑنے کے قابل رہا، نہ مرنے کے۔ قدموں"
میں پڑا خزانے لٹائے جا رہا ہے۔ ارے میں تو کہتی ہوں تم دونوں بھی ایسا ہی کوئی ڈھونڈ لو تو میرے کندھوں کا بوجھ
"ہٹے۔
"نہ جی۔ ہمیں بکنے کا شوق نہیں۔"
صائمہ نے تنفر سے کہا اور پھر نفرت بھری نظروں سے رانیہ کو دیکھا۔

...اور اب

عین وقت پر چچی نے حق مہر ایک لاکھ لکھوانے کا مطالبہ کر دیا۔

لڑکے والے حیران و پریشان تھے۔ وہیں احراز کا جی چاہا کہ چچی کو کھری کھری سنا دے۔

چچا بھاگم بھاگ چچی کے پاس پہنچے۔

"دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا... کیا بارات واپس بھجواؤ گی؟"

"یہ اب کہیں بھی جانے کے نہیں میاں۔ تمہیں میری آنکھوں میں لالچ نظر آتا ہے ناں؟"

چچی پر اسرار انداز میں مسکرائی پھر تیقن سے بولیں۔

"مجھے ان کی آنکھوں میں رانیہ کی طلب دکھائی دیتی ہے۔"

"اوئے جان چھوڑو میری۔ یہ بندھے ہاتھ دیکھو اور بیٹی کو عزت و آبرو سے رخصت ہونے دو۔"

چچا اس کے سامنے ہاتھ باندھ کے گھگیائے تو چچی نے آنکھیں دکھاتے ہوئے غرا کر کہا۔

اپنی بیٹیوں کو عزت و آبرو سے رخصت کرنے ہی کے لیے تو کر رہی ہوں یہ سب اور یہ بندھے ہاتھ تو تم مجھے پچھلے" پچیس سالوں سے دکھا رہے ہو۔ کیا تھا ان میں؟ غربت، بھوک، ذرا ذرا سی چیز کے لیے ترسنا مگر اب بس۔ مجھے کچھ حاصل کرنے کا ایک موقع ملا ہے تو وہ میں کسی طور ضائع نہیں کروں گی۔ پالا ہے تو اس کی وصولی بھی کروں گی۔ تم اپنے "یہ بندھے ہاتھ کسی اور کو دکھانے کے لیے رکھ دو۔ میں تو کبھی ہار نہ مانوں گی۔ چاہے بارات بیٹھے یا لوٹ جائے۔

چچی اس قدر قطعیت سے بولیں کہ چچا تو ایک طرف رہے۔ ابرار معاملہ فہمی سے مسئلہ کو نمٹانے کے لیے چوکھٹ تک پہنچا۔ احراز بھی یہ تمام باتیں سن کر دنگ رہ گیا۔

ابرار نے معنی خیز نظروں سے بڑے بھائی کو دیکھا۔ وہ بے حد سنجیدہ تھا۔

چچی کی گفتگو نے اس کے ذہن میں کوئی کھڑکی کھول دی تھی۔

اگر آج وہ رانیہ کو عزت سے اپنے نام نہ کرتا تو کل کو چچی اسے کہیں بھی ٹکا کر "وصولی" کر سکتی تھیں۔ یہ وہ اچھی طرح

سے جان گیا تھا۔

وہ رانیہ کے صدقے کچھ بھی وار سکتا تھا۔

احراز نے گہری سانس بھرتے ہوئے ابرار کو واپس لوٹنے کا اشارہ کیا۔

کچھ دیر کے بعد چچا عرق آمیز پیشانی لیے وہاں پہنچے تو ان کے لب جیسے سلے ہوئے تھے۔

"نکاح شروع کیجیے مولوی صاحب اور حق مہر جتنا یہ کہتے ہیں اتنا ہی لکھیں۔"

احراز نے رسان سے کہا تو جہاں رشیدہ بیگم کی پیشانی پر شکنیں پڑیں وہیں باقی گھر والوں کے دل بھی خراب ہو گئے۔ لڑکی والے تو گویا دام کھرے کرنے پر اتر آئے تھے۔

میں نہیں کہتی تھی۔ کمینوں کے گھر رشتہ جوڑ رہی ہیں، پچھتائیں گی۔ میرے میاں تو طعنے دے دے کر میرا جینا مشکل" کر دیں گے۔" نگینہ نے روہانسی ہو کر کہا۔

وہ تو پہلے ہی اپنے شوہر کو غربت بھرے اس ماحول میں لانے کو تیار نہ تھی اگر نکاح ایک دن پہلے نہ ہوتا تو سیدھے میرج ہال پہنچ کر کچھ نہ کچھ اصلیت چھپ ہی جاتی مگر شاید احراز نے ایسی ہی کسی بدمزگی سے عین شادی کے روز تمام مہمانوں کے سامنے بچنے کے لیے ایک روز پہلے نکاح کا فیصلہ سب کے سامنے رکھا تھا۔

کتنی جانچ پرکھ کے فیملی ڈھونڈی ہے۔ واہ میرے بھائی۔ نگینہ کلس رہی تھی۔

جو ہونا ہے وہ تو ہو گا ہی۔ خوامخواہ بکھیڑا کھڑا کرنے کا کیا فائدہ۔ اب آئے ہیں تو کیا پچاس اور کیا پچاس سے اوپر۔" "رشیدہ بیگم کا تحمل کمال غضب کا تھا۔

نگینہ سر تھامے بیٹھی تھی۔ لڑکی کے پاس جا کر مولوی صاحب نے نکاح پڑھانا شروع کیا۔

☆☆☆☆

وہ ساکت و جامد تھی۔

اس قدر ڈیسنٹ حلیہ والا گوالہ۔ براؤن پینٹ اور چیک دار شرٹ۔ اچھے سے بوٹ اور پیروں کے پاس ہی رکھے دو بڑے بڑے سوٹ کیس اور ایک بڑا سا سفری بیگ۔

وہ کھنکارا۔ گویا ادھر بھی "سکتہ" ٹوٹا۔

روشین نے گھبرا کر دروازہ بند کرنا چاہا۔

دیکھیں محترمہ۔ آپ کی تقریر واقعی بہت دل پذیر تھی مگر نہ تو میں گوالہ ہوں اور نہ ہی مستقبل قریب میں میرا اس" عہدے پر فائز ہونے کا کوئی ارادہ ہے۔ وہ تو اسٹارٹ ہی ہو گیا۔

روشین کی پیشانی عرق آلود ہونے لگی۔ جی چاہا دودھ کا برتن اپنے ہی سر پر دے مارے۔

پھر فوراً ہی کوئی خیال ذہن میں آیا۔

"تو پھر آپ کسی کمپنی کی طرف سے کوئی سستی سی پراڈکٹ لے کے آئے ہوں گے۔"

اس نے دروازے کی جھری میں سے جھانکتے ہوئے یقین سے کہا تو وہ صدمے کا شکار ہو گیا۔

"شاباش۔ یعنی حلیے سے میں آپ کو کسی سستی سی کمپنی کا سستا سامال بیچنے والا لگ رہا ہوں؟"

"اوہو!... تو پھر بیل بجانے کی وجہِ تسمیہ بتادیں۔"

وہ قدرے جھنجلا سی گئی۔

کس قدر "لسوڑا" تھا یہ بندہ۔

چھیڑنے کو بیل نہیں بجائی تھی..." وہ اسے تسلی دلاتے ہوئے بولا۔ پھر پوچھنے لگا۔"

"یہ فلیٹ نمبر پندرہ ہی ہے ناں...؟"

"ہاں... تو؟"

وہ ناگواری سے بولی۔

تو یہ کہ مجھے فلیٹ نمبر پندرہ ہی کی تلاش تھی۔" وہ اطمینان بھری سانس لے کے جھکا اور اپنا بیگ اٹھانے لگا۔"

اس کا ارادہ جان کر نوشین بوکھلائی۔

"ارے... مسٹر۔ایسے کیسے۔ مطلب آپ کو کس سے ملنا ہے؟"

"اوہو! ۔ محترمہ میں نے آپ کو فلیٹ نمبر بالکل ٹھیک بتایا ہے تو اس کا کیا مطلب ہوا؟"

وہ شاید مسکرا رہا تھا۔ روشین کو ٹھیک سے اندازہ نہیں ہو سکا۔

"فلیٹ نمبر کا کیا ہے وہ تو آپ دروازے کے باہر بھی دیکھ سکتے ہیں۔"

کڑے لہجے میں بولی تو نووارد نے سیدھے ہوتے ہوئے گہری سانس بھری۔

"یعنی کہ میں صاف لفظوں میں کہوں کہ میں ایک عدد مشہور و معروف ڈاکو ہوں تو ہی آپ کی تسلی ہو گی؟؟"

"...اللہ جی"

روشین کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

اس نہج تک یہ تو اس نے سوچا ہی نہ تھا۔ کھٹاک سے اس اجنبی کے منہ پر دروازہ بند کر کے اس نے دونوں لاک لگا دیے۔

وہ باہر سے چلاتا ہی رہ گیا۔ بیل بجائی تو روشین نے اندر سے بیل کا سوئچ ہی آف کر دیا۔ وہ اب دروازہ بجا رہا تھا۔

وہ لرزتی کانپتی اندر آ کے حمزہ کے پاس بیٹھ گئی۔

اللہ جی۔اس مصیبت کو ٹال دے۔"

دستک ہنوز وقفے وقفے سے جاری تھی۔

ہو سکتا ہے واقعی ڈاکو ہو..." اس کے ذہن میں یہ خیال آتے ہی بدن میں جھرجھری سی آگئی۔"

اور میں کتنے اطمینان سے دروازہ کھولے اس سے گفت وشنید میں مصروف تھی مگر وہ بھی شاید نیا نیا ڈاکو بنا ہے۔"

"شریف ہی ہے۔ زیادہ پھرتی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ کوئی ہتھیار بھی نکال سکتا تھا، میرے خدا۔

... یہ سوچتے ہوئے اسے پھر سے جھرجھری آگئی۔ میں عقلمند نکلی اور دروازہ بند کر لیا ورنہ وہ تو

''اف۔ کس قدر دیدہ دلیری ہے آج کل کے ڈاکوؤں میں۔ کتنے اطمینان بلکہ فخر سے اپنا تعارف کرا رہا تھا۔

وہ پتہ نہیں کیا اوٹ پٹانگ سوچے جا رہی تھی۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ اب اگر دودھ والا (اصلی دودھ والا) آ بھی گیا تو وہ دروازہ نہیں کھولے گی۔

مگر تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ پھر سے دروازہ بجنے لگا۔

''اوہو!... بھئی اگر واقعی ڈاکو ہی ہے تو کوئی اگلا گھر دیکھ لے۔''

اسے ٹینشن ہونے لگی۔

اسی وقت اس کے موبائل کی رنگ ٹون بجی تو وہ اچھل پڑی۔ پھر حمزہ کے اٹھ جانے کے خوف سے جلدی جلدی اپنا شولڈر بیگ ٹٹول کر موبائل نکالا تو اس پر تمکین کی کال آ رہی تھی۔

اس کا دل کچھ سنبھلا۔

اوہو!... کہاں رہ گئی ہیں آپ میں یہاں مصیبت میں پھنسی ہوئی ہوں۔'' وہ روہانسی ہونے لگی۔''

جس کے لیے بقول فرحین کے اسے کسی وجہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔

کیا ہو گیا ہے؟'' تمکین حیران تھی یا شاید پریشان۔''

'' باہر کوئی ڈاکو کھڑا ہے یا شاید... پتہ نہیں کون۔''

اس سے ڈھنگ سے بات بھی نہیں ہو رہی تھی۔

''فی الحال تو باہر میں کھڑی ہوں۔ کب سے دروازہ بجا بجا کے ہاتھ دکھ گئے ہیں۔ بیل بھی شاید تم نے آف کر دی ہے۔''

تمکین نے رسانی سے کہا تو وہ موبائل کان سے لگائے اچھل کے بیڈ سے اتری۔

''سچ کہہ رہی ہو، کہیں اس شخص نے تمہیں یرغمال تو نہیں بنا رکھا ہے؟''

کئی فلمی سین اس کی آنکھوں کے سامنے سے دوڑ گئے۔
تمکین ہنسی۔
"بیوقوف۔ دروازہ کھولو۔"
"اچھا آرہی ہوں مگر بعد میں مجھے کوئی الزام مت دیجیے گا۔"
اس نے منہ پھلاتے ہوئے کہا اور دروازے کے لاک کھول دیے۔ دروازہ کھولتے ہی اسے رونا آگیا۔
تمکین واقعی یرغمال بنی ہوئی تھی۔
"آپ بھی ہینڈز اپ کرلیں محترمہ۔"
وہ شخص بارعب لہجے میں بولا تو روشین نے گھبرا کر تمکین کی طرف دیکھا۔
بے ساختہ ہنستے ہوئے جس نے اس شخص کے شانے پر ہاتھ مارا تھا۔

"کیا کرتے ہو تمیز سے اندر آؤ۔"
"آرہا ہوں۔ ورنہ جیسا استقبال تمہارے گھر میں ہوا ہے میرا تو دودھ کے ڈرم میں ڈوب جانے کو جی چاہ رہا ہے۔"
وہ بڑا احسان کرتے ہوئے جھک کر اپنا سامان گھسیٹنے لگا تو روشین گھبرا کے اندر پلٹ آئی۔
"...یا خدا"
تمکین کی بے تکلفی بتا رہی تھی کہ وہ کوئی انجان نہیں اپنا ہی تھا۔
ایک تو پتہ نہیں میں ہی بیوقوف کیوں بنتی ہوں۔" اسے رونا آنے لگا۔"
لاؤنج میں سے باتوں کی آواز مستقل آرہی تھی۔ وہ سوئے ہوئے حمزہ کو دیکھنے لگی۔ کتنی ہی دیر گزر گئی۔ تبھی تمکین ہنستی ہوئی اندر آئی۔

"تم کیوں گوشہ نشین ہو کے بیٹھ گئی ہو۔ آجاؤنا باہر۔"

"مجھے نہیں آنا۔"

وہ خود سے خفا تھی۔ تمکین کو ہنسی آگئی۔

ارے وہ بھائی ہے میرا۔ ریان۔ شارجہ سے آیا ہے۔ سرپرائز دینے کے چکر میں خود ہی بے چارہ سرپرائزڈ (حیران) رہ" گیا۔"

روشین نے شرمندگی سے کہا اور میں نے انہیں باہر کھڑا رکھا۔

"بہت اچھا کیا۔ کسی بھی اجنبی کو یوں ہی منہ اٹھا کے اندر آنے کی اجازت تو نہیں دی جاسکتی۔"

تمکین نے اس کا حوصلہ بڑھایا۔

واہ واہ... اجنبی اور منہ اٹھا کے۔ بہت خوب۔" وہ بلند آواز میں طنزیہ کہتا سیدھا اندر ہی چلا آیا۔"

یعنی اب میں یعنی کہ ریان عزیز تمہارا بھائی نہیں رہا بلکہ کوئی اجنبی ہو گیا اور جسے منہ اٹھا کے یہاں آنے کی بھی اجازت" نہیں۔"

وہ گھبرائی ہوئی روشین کو ہلکے سے گھور کر سوئے ہوئے ننھے حمزہ پر جھک گیا۔

"ماشاءاللہ۔ بالکل ماموں پر گیا ہے۔ وہی چاند چہرہ اور روشن آنکھیں۔"

اس کی بات سن کر روشین کی ہنسی نکل گئی۔

وہ یوں مسکرایا جیسے اپنی کوشش میں کامیاب ہو گیا ہو۔ تمکین نے بھی اس کی بات پکڑ لی۔

"چاند چہرہ تو چلو مان لیا مگر یہ سوئے ہوئے بھانجے کی روشن آنکھیں تمہیں کہاں سے دکھائی دے گئیں؟"

اس کی میری جیسی روشن پیشانی بتا رہی ہے۔" وہ تفاخر سے بولا۔"

کس قدر خود پسند بندہ ہے۔ اپنی محبت میں مبتلا، نرگسیت کا شکار۔ روشین نے بے اختیار سوچا۔

اسی وقت دروازے کی بیل بجی۔

''فرحین ہو گی۔''

تمکین نے خیال ظاہر کیا تو وہ جلدی سے اٹھی۔

''میں دیکھتی ہوں۔''

''یہ تمہاری نمبر دو نند صاحبہ ہوں گی۔''

روشین نے جاتے جاتے سنا وہ بڑے یقین سے کہہ رہا تھا۔

دروازے سے بیڈ روم تک آتے آتے وہ فرحین کو تمکین کے بھائی کی ''ناگہانی'' آمد کا بتا کر فوراً گھر چلنے پر آمادہ کر چکی تھی۔

فرحین سے وہ بہت خوشدلی سے ملا۔ اوپر سے دونوں کی طبیعتیں بھی ایک سی نکلیں۔ وہ اپنی آمد کا قصہ بڑی بے تکلفی سے سنانے لگا۔ فرحین صاحبہ حسب عادت و روایت روشین کی سادگی و بیوقوفی کے گن گانے لگیں۔ تو وہ ناراض ہو کر کچن میں آ گئی۔ ذرا دیر بعد وہ تینوں لاؤنج میں چلے آئے۔ حمزہ کو ریان نے اٹھا رکھا تھا۔ وہ خاموشی سے ایک طرف بیٹھ گئی۔ روشین کو فرحین کی اس قطعی اجنبی شخص سے

بے تکلفی زہر لگ رہی تھی جب کہ وہ بہت اشتیاق کے ساتھ نہ صرف شارجہ کے دلچسپ قصے سن رہی تھی بلکہ کئی سنے سنائے واقعات بیان بھی کر رہی تھی۔ لنچ ٹائم پر عادل بھی آ پہنچا تو نئے سرے سے محفل گرم ہو گئی۔

''ہم اب چلتے ہیں۔''

روشین نے فرحین کو اشارہ کرتے ہوئے کہا تو تمکین نے اسے گھورا۔

''خبردار۔ کھانا کھا کے آرام سے عادل کے ساتھ نکلنا۔''

''ہاں بھئی۔ جلدی کا ہے کی ہے۔''

عادل نے بھی پیار سے کہا تو فرحین لاپروائی سے بولی۔

''اسے ابو کی فکر ستارہی ہو گی۔''

روشین نے اسے گھورا جو ایک انجان شخص کے سامنے بھی زبان کو لگام دینے سے قاصر تھی۔ پھر بولی۔

''مجھے امی کی فکر ہے۔ وہ اکیلی ہیں۔ کھانا بھی اکیلے کھائیں گی۔''

شازیہ نہیں ہے ان کے پاس؟'' عادل نے تفکر سے پوچھا۔''

شازیہ ان کے ہاں کام کرنے والی کی پندرہ سولہ سالہ بیٹی تھی۔ جو روشین اور فرحین کی واپسی تک آسیہ بیگم کے پاس رہتی تھی۔

وہ تو ہے مگر یوں روز روز وہ اسی کے ساتھ کھانا کھاتی ہیں۔ مجھے اچھا نہیں لگتا۔ ہم سب یہاں اکٹھے ہوتے ہیں۔ وہ کہتی''

''تو نہیں مگر محسوس تو کرتی ہی ہو گی ناں۔

روشین نے نہ چاہتے ہوئے بھی دکھی انداز میں کہہ ہی دیا تو ایک دم خاموشی چھا گئی۔

واقعی۔ ایک ماں کا دکھ وہی جانتی ہے۔

عادل تو چلو اپنے گھر بار والا ہو گیا تھا مگر یوں ان دونوں بہنوں کا بھی زیادہ وقت یہاں گزارنا اور پیچھے ان کا تنہائی میں پتہ نہیں کیا کیا سوچنا۔

عادل نے خاموشی سے گاڑی کی چابی اٹھالی۔

''چلو پھر میں تم دونوں کو ڈراپ کر آؤں۔''

تمکین بھی اب کی بار کچھ نہ بولی۔ روشین مطمئن سی ہو کے اٹھ گئی۔

☆☆☆☆

چھوڑ بابل کا گھر، موہے پی کے نگر

آج جانا پڑا

نہ کسی نے بابل کے گیت گائے نہ کسی نے ڈھولک پہ شوخ تانیں اڑائیں۔

اس کے کانوں میں کسی سکھی سہیلی نے شوخ و شریر باتیں نہ کی تھیں، نہ ہی کسی نے سہانے دنوں کی آمد کی نوید سنائی تھی۔

اسے دکھائی دیے تھے تو وہ نوٹ جو احراز مصطفیٰ اسے خریدنے کو دے گیا تھا۔ جو حق مہر کے طور پر دیے تو اس کے ہاتھ میں گئے مگر گواہان کے کمرے سے نکلتے ہی چچی نے اس طرح جھپٹ کر چومے کہ وہ بس بے جان بنی ان کی طرف دیکھتی رہ گئی۔

اور سماعتوں میں صائمہ کی زہر میں ڈوبی آواز تو ڈنک مارتی اس کے ساتھ نئے گھر کی اس دہلیز تک آئی تھی۔

"مبارک ہو اماں۔ پوری قیمت دے گیا ہے وہ تو۔ اب دعا کرو کہ اسے بیوی ہی سمجھے۔ "مال" نہیں۔"

اس طرف کی گہما گہمی اُدھر سے الگ ہی تھی۔

دلہن کا استقبال پھولوں کی بارش سے کیا گیا۔ موی میکر اور کیمرہ مین اس کے آگے پیچھے تھے۔ عورتوں کا ہنسی مذاق، بچوں کا شور ہنگامہ۔

اس کا ذہن "حاضر" میں آگیا۔ اس قدر پذیرائی پر وہ بوکھلا سی گئی۔ ہر شے دماغ سے نکلتی چلی گئی۔

رشیدہ بیگم اس پر سے وار کر پانی کا گلاس پینے کی کوشش کر رہی تھیں اور احراز ہر بار انہیں روک دیتا تھا۔ کچھ پانی چھلکا مگر تیسری بار پانی وارنے کے بعد وہ پینے میں کامیاب ہو ہی گئیں پھر اسی ہنسی مذاق

کے دوران انہوں نے دروازے کی چوکھٹ پر تیل ڈالا۔

"چلو اب سیدھا پاؤں اندر رکھو۔"

کسی نے مشورہ دیا۔

"ہاں تاکہ ساری عمر سیدھی ہی چلتی رہو۔ ناک کی سیدھ میں۔"

کسی نے پھلجڑی چھوڑی۔

سب گلے شکوے اور بے زاری کو بھول کر نگینہ خوش تھی کہ اس کا پسند کردہ لہنگا رانیہ کو الوہی روپ دے رہا تھا۔ میک

اپ بھی وہ خود پارلر پر ساتھ جا کے کروا کر لائی تھی۔ مقصد فقط اپنی سسرال کو یہ باور کرانا تھا کہ وہ ایک خوبصورت لڑکی کو بھا بھی بنا کے لائی ہے، کسی ایسی ویسی کو نہیں۔

اور واقعی سب کی آنکھیں اس معصوم حسن کو دیکھ کر خیرہ ہو رہی تھیں۔

شبینہ بھی اپنی دوستوں میں اٹھلائی پھر رہی تھی۔ اس کی کوئی بھی سہیلی رانیہ کی پاسنگ بھی نہیں تھی۔

نگینہ کا بیٹا کتنی دیر اسے بغور دیکھتا رہا پھر ماں کے کان میں بولا۔

''ماما۔ اب یہ ٹیچر مجھے گھر میں بھی پڑھائے گی؟''

علی کو اس کا کان کھینچنا یاد تھا۔

''بیٹا یہ ٹیچر نہیں ہے ممانی جان ہیں۔''

رشیدہ بیگم نے پیار سے کہا وہ اس کی باآوازِ بلند سرگوشی سن چکی تھیں۔ وہ منہ بنا کے بولا۔

جی نہیں۔ یہ میری ٹیچر ہی تھیں۔ انہوں نے ایک دفعہ میرا کان بہت زور سے کھینچا تھا پھر ماموں نے انہیں پرنسپل سے''

''ڈانٹ پڑوائی تھی۔

نگینہ معنی خیز نظروں سے ماں کو دیکھنے لگی۔

''تو وہاں سے اسٹارٹ ہوا تھا سارا قصہ۔''

مووی اور فوٹو سیشن نے اسے تھکا ڈالا تھا۔ آنے والے وقت کی سوچیں رہ رہ کے ذہن پر حملہ آور ہو رہی تھیں۔ احراز کا دہرا روپ۔

کیا وہ ایک عیاش آدمی تھا۔

یا واقعی ایک ہمدرد دل رکھنے والا پیارا سا شخص تھا جو اسے ایک نئی اور پر مسرت زندگی دینے کا عزم رکھتا تھا۔

شایداس کی شکل دیکھ کے ہی احراز نے سب کلوز کرنے کا آرڈر دیا۔ تھکی ہاری بمشکل پلکیں کھولتی وہ جھکی جارہی تھی۔

"اوہو!...ابھی سے بس۔"

نگینہ گپیں لڑارہی تھی، بدمزہ ہو گئی۔

"بڑی مہنگی بیوی ہے بھئی۔"

کسی نے رانیہ کا بازو پکڑ کے اٹھاتے ہوئے کہا۔ تو وہ ہوش کی دنیا میں لوٹ آئی۔

اصولاً تو میرج ہال سے فقط دلہن اور گھر والوں کو واپس آنا چاہیے تھا مگر یہاں بہت سے رشتے دار اور دوست احباب بھی رات گیارہ بجے "رخصت" ہو کے ساتھ ہی آگئے تھے اور اب ڈیڑھ بجنے کو تھا۔

"دیکھا نہیں۔ اتنا حق مہر تو ہمارے پورے خاندان میں کسی نے ادا نہ کیا ہو گا۔"

نگینہ نے تفاخر سے اپنی کسی سسرالی رشتہ دار پر رعب جمایا۔ جن کی سوچ ہزاروں سے نیچے ہی تھی۔

ہاں۔ اتنی قیمت کسی نے نہ لگائی ہو گی۔ پتہ نہیں کتنی قسطوں کی ادائیگی ابھی باقی ہے رانیہ کا ذہن بھٹکنے لگا۔

اس کے قدم کہیں کے کہیں پڑنے لگے وہ لڑکھڑا کے گرنے کو تھی جب ایک مضبوط ہاتھ نے اسے کہنی سے تھاما۔

"...دھیان سے"

مدھم سا مسکراتا ہوا لہجہ۔

احراز۔" وہ فوراً پہچان گئی۔"

بمشکل چل کے وہ اپنے بیڈ روم تک پہنچی۔ نگینہ اور شبینہ اسے سہارا دیے ہوئے تھیں۔

اور اب جب کہ سب آوازیں کمرے سے جا چکی تھیں۔ تمام ظالم سوچیں ایک ایک کر کے اس کے ذہن پر حملہ آور ہو رہی تھیں۔ پتہ نہیں یہ اس کی آبادی کی شروعات تھی یا بربادی کی۔

اس کا ذہن بوجھل ہونے لگا۔

اسی پل کوئی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو رانیہ نے اپنی سانس تک روک لی۔

☆☆☆☆

"ایک تو تم... جس جگہ چلی جاؤ وہاں سے اٹھنے کو تمہارا دل ہی نہیں چاہتا۔"

عادل انہیں ڈراپ کر کے پلٹا تو بیل پر انگلی رکھتے ہوئے روشین نے اسے جھڑکنا شروع کر دیا۔

"تمہارا جو دل اٹھا ہوا ہے دنیا سے۔ اسی لیے ہر جگہ سے چٹکی بجاتی اٹھ جاتی ہو۔"

فرحین نے الٹا اسی کو سنائیں۔ روشین تنکی۔

"تمہارا بس چلے تو اپنا بوریا بستر سمیٹ کے وہیں جا پڑو۔"

شازیہ نے دروازہ کھول دیا تھا۔

وہ دونوں یوں ہی الجھتی اندر چلی گئیں۔

آسیہ بیگم اور شازیہ شاید ابھی کھانا کھا کے فارغ ہوئی تھیں کیونکہ شازیہ نے اندر آتے ہی برتن اکٹھے کرنے شروع کر دیے تھے۔

"یہ لو۔ یہاں بھی دعوت شیراز اڑائی جا چکی ہے۔"

وہ منہ پھلائے صوفے پر گری۔

کس قدر ندیدی لڑکی ہے یہ امی۔" سلام ودعا کے بعد روشین نے شکایتوں کا پلندہ کھولا۔"

اور کس قدر بیوقوف لڑکی ہے یہ۔ نعمتوں بھرا دستر خوان چھوڑ کے۔" اپنے ہاتھ کی پکی شملہ مرچیں اور قیمہ کھانے"

" چلی آئی۔

فرحین نے زور دے کر کہا۔

کیوں۔ میرے ہاتھ کے پکے ہوئے کو کیا ہے؟" روشین نے آنکھیں دکھائیں۔"

کچھ نہیں۔ وہ بس تمہارے ہاتھ کا پکا ہوا ہوتا ہے اور بس۔" فرحین نے طنز کیا۔"

''اسے کھانالا کے دو تبھی شاید اس کی حالت بہتر ہو گی۔''

آسیہ بیگم نے مسکراتے ہوئے روشین سے کہا۔

''ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔''

روشین ہنستی ہوئی اٹھ گئی۔

امی آپ بھی۔'' فرحین ٹھنکی۔''

''اچھا کیاناں، ٹائم پر گھر آ گئیں۔ کیا خبر تمہارے ابو ہی چکر لگا لیتے۔''

آسیہ بیگم نے اسے سمجھایا تو وہ انہیں باور کراتے ہوئے بولی۔

''میں ان سے نہیں ڈرتی کیونکہ میں اپنے بھائی کے گھر گئی تھی، کہیں ایسی ویسی جگہ نہیں۔''

''اچھا اچھا... ٹھیک ہے۔ یہ بتاؤ حمزہ کیسا ہے اور تمکین ؟''

انہوں نے فوراً موضوع بدل دیا۔ اس نے سمجھتے ہوئے منہ بنایا۔

سب ٹھیک تھے اور مجھے کون سا آپ کی لاڈلی نے اتنی دیر رکنے دیا کہ میں صحیح طرح سے کسی کا حال احوال پوچھ''
''سکتی۔

''تقریباً روز ہی تو جانا ہوتا ہے تم لوگوں کا۔ آج نہیں تو کل سہی۔''

انہوں نے اسے تسلی دی۔

دروازے پر بیل بجی تو انہوں نے شازیہ کو دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔

''اس وقت کون ہو سکتا ہے ؟''

''ابو تو نہیں ہو سکتے۔ وہ ایک بار بیل بجا کر کھڑے نہیں رہ سکتے بلکہ بیل بجا بجا کر کانوں کی کھڑکیاں کھول دیتے ہیں۔''

شازیہ اکیلی ہی اندر آئی۔

"وہ جی آپ کے رشتہ دار آئے ہیں۔"

اس نے حسب عادت لہک کر بتایا۔ فرحین نے اچک کر اس کے پیچھے دیکھنے کی کوشش کی۔

"کہاں ہیں مہمان؟"

"وہ جی... گاڑی اندر لا رہے ہیں۔"

اس نے سسپنس کو مزید بڑھایا۔

"یہ کون سے مہمان اندر گھسا لیے ہیں شازیہ کی بچی۔"

فرحین پریشان ہو گئی، تبھی روشین، افتاں و خیزاں اندر آئی۔

"عمر بھائی آئے ہیں۔"

اس نے یقیناً کچن کی کھڑکی میں سے دیکھا ہو گا۔

"ہاں جی۔ وہی۔ عمر بھائی۔"

شازیہ کی سانس بحال ہو گئی۔

"لو جی۔ جب جی چاہا منہ اٹھائے کسی کے گھر جا گھسے۔"

فرحین نے اٹھتے ہوئے تبصرہ کیا۔

"فری۔ فضول باتیں مت کرو۔"

آسیہ بیگم اسے سرزنش کرتے ہوئے آنے والے مہمان کے استقبال کے لیے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

روشین دوبارہ سے کچن میں جا گھسی جب کہ فرحین کا ارادہ اپنے کمرے میں جا کر لنچ سے مستفید ہونے اور ایک لمبی نیند لینے کا تھا مگر اسی اثنا میں عمر رضوان حیات صاحب اندر تشریف لا چکے تھے۔

وہ سلام کر کے آسیہ بیگم کے سامنے جھکا تو وہ اس کو پیار کر کے احوال پوچھنے لگی۔

فرحین لاپرواہ سی کھڑی تھی۔

"تم پر سلام واجب نہیں ہے؟"

عمر نے بیٹھتے ہوئے طنز کیا۔

باہر سے آپ آئے ہیں سلام آپ کو کرنا چاہیے۔"

وہ اسی لاپرواہی سے بولی۔

"ہاں۔ جواب دینا تو تمہیں خوب آتا ہے۔"

عمر کا لہجہ چبھتا ہوا تھا۔

بالکل چچی جان والا اسٹائل پر غرور اور کسی کو اپنے آگے کچھ نہ سمجھنے والا۔

اسی وجہ سے وہ فرحین کے ناپسندیدہ لوگوں کی لسٹ میں آ چکا تھا۔ امریکہ کا بھوت اس کے سر پر چڑھ کے بول رہا تھا۔ ہر وقت وہیں کی باتیں، وہیں کی مثالیں۔

"جسے جواب دینا نہ آئے وہ فیل ہو جایا کرتا ہے عمر بھائی۔ یہ شاید آپ کو نہیں پتہ۔"

وہ آرام سے بولی تو عمر کے تاثرات دیکھتے ہوئے آسیہ بیگم نے ہی اسے ٹوکا۔

"اچھا بس باتیں نہ بگھارو۔ چل کے کھانا لگاؤ۔ عمر کو بھی بھوک لگی ہو گی۔"

اوہو!۔" فرحین کو کوفت نے گھیرا جبکہ عمر نے بھی انکار کرنے کی بجائے فی الفور ان کی ہاں میں ہاں ملائی۔ وہ منہ پھلائے کچن میں آ گئی۔

جہاں روشین نہ صرف ایک چولہے پر چکن فرائی ہونے کے لیے رکھ چکی تھی بلکہ ساتھ ہی ساتھ شامی کباب بھی نکال چکی تھی۔

"عین کھانے کے وقت پہنچنا تو ان لوگوں کی ہابی ہے۔"

"تمہیں کیا بنانا یا پکانا پڑ رہا ہے۔ مہمان اللہ کی رحمت ہوتے ہیں خصوصاً کھانے کے وقت بلکہ کھانے کی برکت بڑھانے کا ذریعہ۔"

"اچھا جی۔ چچی جان نے ہمیں بلوا کر کبھی اپنے کھانے کی برکت بڑھانے کی کوشش کیوں نہیں کی؟"

وہ طنزیہ بولی۔

"بہت ندیدی ہو فری۔ کسی کے عمل سے ہمیں کیا مطلب۔" روشین نے ابلی ہوئی میکرونی چھلنی میں ڈالتے ہوئے ٹھنڈے پانی کے نیچے کی اور تنبیہی انداز میں بولی۔

"ایسے ہی۔ مطلب کیوں نہیں۔ اور مجھے تو یہ سمجھ نہیں آتی کہ اس شخص کے یہاں "اتنا" آنے کا کیا مطلب ہے۔"

وہ پرسوچ انداز میں بولی تو روشین نے گہری سانس بھرتے ہوئے فروٹ کی ٹوکری اور فریج میں سے مایونیز کی بوتل نکال کر اس کے سامنے رکھی۔

"ذرا جلدی سے سلاد بنا دو۔ تمہیں بھی بہت پسند ہے ناں۔"

"یہ سب تمہارا قصور ہے۔ ہم وہاں سے دیر سے بھی آ سکتی تھیں۔ یہ حضرت تب تک یہاں سے ہو کر جا بھی سکتے تھے۔"

وہ سخت بے زاری کے عالم میں چھری اٹھا کر سیب چھیلنے لگی۔

"جو نہیں ہوا اس کا افسوس کیسا ہے؟"

وہ لاپروائی سے کہہ کر چکن الٹ پلٹ کرنے لگی۔

"ایک تو یہ ٹھنڈی سرکار۔"

فرحین نے رشک سے اسے دیکھا۔

اور بھئی۔ تمہاری پڑھائی کب تک ختم ہو رہی ہے؟" کھانے کے دوران عمر نے روشین سے پوچھا۔"

"ابھی تو اسٹارٹ ہے۔ سال ڈیڑھ باقی ہے۔"

وہ دھیمے لہجے میں بولی۔

فرحین یوں کھانے میں مصروف تھی جیسے اس سے زیادہ ضروری اور کام ہی نہ ہو۔

مجھے تو اس بات کی سمجھ نہیں آتی کہ لڑکیوں کو تعلیم کے نام پر خوامخواہ مارے پھرنے کی کیا ضرورت ہے۔ جب کرنا یہ"

"سب ہی ہے۔

اس نے کھانے کی ٹیبل پر سجی ڈشز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ناگواری سے کہا۔

"تعلیم صرف کھانا پکانا سیکھنے کے لیے نہیں عقل و شعور اور فہم و دانش حاصل کرنے کے لیے بھی ضروری ہے۔"

روشین نے اپنی طرف سے مدلل انداز میں کہا۔

ہنہ..." وہ سر جھٹک کر گلاس میں پانی انڈیلنے لگا۔"

کم تعلیم یافتہ یا ان پڑھ تمہارے خیال میں عقل و دانش سے عاری ہوتے ہیں؟"

"میں نے یہ تو نہیں کہا۔"

روشین اس کے ڈی گریڈ میں میٹرک پاس کرنے کو یاد کر کے بوکھلائی۔

"لڑکیوں کو گھر داری سنبھالنے میں طاق ہونا چاہیے۔ یہ سب... تعلیم، کالج، یونیورسٹی فیشن ہے اور بس۔"

وہ قطعیت سے کہتا ان پڑھ جاہل ہی لگ رہا تھا۔ اپنے حلیے کے برعکس اس کی سوچ بہت جہالت لیے ہوئے تھی۔

"لڑکیوں کو فیشن میں بھی طاق ہونا چاہیے مگر بھائی۔"

فرحین نے چوتھا کباب اٹھا کر اپنی پلیٹ میں رکھتے ہوئے مدبرانہ انداز میں کہا تو آسیہ بیگم اور روشین نے بیک وقت اس کی جانب دیکھا۔

اچھا... اس سے کیا ہو گا؟ اچھے رشتے مل جائیں گے؟ پڑھی لکھی لڑکیوں کی سوچ بس یہیں تک ہوتی ہے۔ اب نوین ہی"

"کو دیکھو۔ کتنا اونچا خاندان چنا ہے ہم نے اس کی شادی کے لیے۔

وہ بے حد فخر سے کہہ رہا تھا۔

فرحین کے تو کانوں سے دھواں نکلنے لگا۔

اس قدر گھٹیا سوچ۔

"آپ کا خیال ہے کہ لڑکیاں اعلیٰ تعلیم اس لیے حاصل کرتی ہیں کہ ان کی شادیاں اچھی جگہ ہو سکیں؟"

اس نے تیوری چڑھا کر پوچھا تو عمر نے کچھ کہے بغیر خفیف سے انداز میں شانے اچکا دیے۔

تبھی بے حد غیر متوقع طور پر وہ اطمینان سے بولی۔

آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ اچھے کو اچھی ہی ملنی چاہیے یہ اس کا حق ہے۔ آپ نے یہ نوٹ نہیں کیا کہ نوین کے میاں بھی"

"میٹرک پاس ہی ہیں، شاید۔

اللہ..." روشین کا نوالہ حلق میں اٹکنے لگا۔"

"کم تعلیم یافتہ مگر لکھ پتی۔"

عمر نے ناگواری سے تصحیح کی۔

"کروڑ پتی بھی ہو تو کیا تعلیم کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔"

وہ اسی طرح آرام سے بولی۔

"اوہو!... یہ کیا بحث شروع کر دی تم لوگوں نے۔ کھانا تو دھیان سے کھاؤ۔"

آسیہ بیگم نے بات بڑھنے سے پہلے انہیں ٹوکنا چاہا۔

"باہر نکل کر لڑکیوں کو بڑی زبانیں لگ جاتی ہیں تائی جان۔"

وہ طنزیہ انداز میں بولا تو فرحین کا جی چاہا اسے کھری کھری سنا دے مگر آسیہ بیگم کی تنبیہہ نظروں نے اسے سر جھٹکنے اور ان سنی کرنے پر مجبور کر دیا۔

بس بیٹا۔ زمانے کا دستور یہی ہے۔ آج کل لوگ لڑکیوں کی پڑھائی کو بہت اہمیت دینے لگے ہیں۔ تم یہ کباب لو نا۔"

"روشین بہت اچھے بناتی ہے۔

آسیہ بیگم نے اپنے مخصوص مصالحانہ انداز میں کہتے ہوئے اس کی توجہ ہٹانے کی کوشش کی۔

فرحین کرسی گھسیٹتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ایکسکیوز می۔ مجھے تو اب نیند آ رہی ہے۔"

"کھانا تو ہضم ہو لینے دو ذرا۔"

آسیہ بیگم نے اسے تنبیہی نظروں سے دیکھا جنہیں سمجھ کر بھی وہ انجان سی بن کے بولی۔

"پھر شام کو مجھے کل کے ٹیسٹ کی تیاری بھی کرنی ہے۔"

...اچھا جاؤ"

روشین کا انداز ایسا ہی تھا جیسے کہہ رہی ہو جاؤ مرو۔ درحقیقت وہ اس کی زبان کی تیزی سے خوفزدہ تھی۔ جو کبھی بھی کچھ بھی کہہ سکتی تھی۔

عمر نے ناگواری سے جاتی فرحین کو دیکھا تھا۔

☆☆☆☆

"السلام علیکم۔"

وہ بہت خوشگوار موڈ میں کہتا رانیہ کے عین سامنے آن بیٹھا تو اس کی سانس تک رک سی گئی۔

"کیسی ہو...؟"

وہ اپنائیت سے پوچھ رہا تھا۔ رانیہ کی پلکیں اٹھنے سے انکاری ہو گئیں۔

ذہن میں اتنا کچھ تھا کہ "یہ سب" محسوس کرنے کی گویا حس ہی سو گئی تھی۔

اوہو!!۔ لگتا ہے آج سب نے میری مسز کی تعریفیں کر کر کے اسے خاصا مغرور بنا دیا ہے..." وہ کہتے ہوئے شرارت" سے اس کی جانب جھکا پھر اس کی ناک کو انگشت شہادت سے چھو کر بولا۔

"لیکن جو تعریف میں تمہاری کروں گا وہ ان سب سے الگ اور انوکھی ہو گی۔ ایک بار میری طرف دیکھو تو زندگی۔"

اس کے انداز میں چاہت تھی لب و لہجے میں محبت مگر رانیہ کو اس کے ہر لفظ میں "مطلب" سنائی دیا تھا۔

وہ پتھر کے بت کی مانند ساکت نظریں جھکائے بیٹھی تھی۔

حتیٰ کہ احراز کو اس کے سکوت سے الجھن ہونے لگی مگر پھر بھی وہ بہت خوشگوار انداز میں بولا۔

"اس کا مطلب ہے کہ مجھے بنا اجازت ہی کوئی پیش رفت کرنا پڑے گی۔"

اس نے کوئی لطیف سی شرارت کرنا چاہی ادھر رانیہ کو اس کے لمس پر ہوش آ گیا۔

"ڈونٹ...ڈونٹ ٹچ می۔"

وہ وحشت زدہ سی پیچھے ہٹی۔

"سارے حقوق اپنے نام کرانے کے بعد یہاں تک آئے ہیں جناب۔ اب تو "وصولی" کا وقت ہے۔"

وہ شرارت سے اسے اپنے قریب کرتا نگاہوں ہی میں اس کے حسن پر فدا ہوا تو رانیہ کو جیسے چار سو چالیس وولٹ کا جھٹکا لگا۔

"وصولی...؟

"میں بکاؤ مال نہیں ہوں۔ میں بکاؤ نہیں ہوں، سمجھے آپ۔"

اسے جھٹکے سے پیچھے دھکیلتے ہوئے وہ چلائی۔ احراز دم بخود اسے دیکھتا رہ گیا۔

اس کا رویہ احراز کے لیے بے حد غیر متوقع تھا۔ مگر اگلے ہی لمحے اسے ہنسی آ گئی۔

بہت خوب... یعنی آپ بھی منہ میں زبان رکھتی ہیں"۔ وہ جیسے اس کے انداز سے بہت محظوظ ہوا تھا۔ "

رانیہ کا دل دکھنے لگا۔

کس قدر اچھا شخص تھا وہ... مگر یہ گراوٹ...؟؟ یہ تو ناقابل برداشت تھی۔

تم شاید بھول رہی ہو کہ اب ہمارے مابین کیا رشتہ ہے..." وہ اب قدرے سنجیدہ تھا۔ "

(ہاں... حاکم اور محکوم کا... یا شاید بکاؤ مال اور خریدار کا)

یقین کرو ' بہت جلدی میرے دل و دماغ نے فیصلہ کر لیا تھا کہ بس تمہی ہو... اور کوئی نہیں تبھی تو میں نے کسی" رکاوٹ کو دوری کا سبب نہیں بننے دیا۔ تمہیں پانے کا سوچا تھا۔ سچے دل سے خدا سے مانگا اور تمہیں پالیا۔ مگر اب یہ نہیں' نہیں کیا ہے۔ ہوں؟" وہ دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ دفعتاً اپنی سنجیدگی کا خول توڑتے ہوئے پوچھنے لگا تو آنسو ہر حد بندی توڑتے ہوئے اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے۔

"... آپ"

رانیہ کو لگا اس کے پاس کہنے کو ایک لفظ بھی نہیں۔

کیا کہتی وہ اس شخص کو جو اس کے لیے زنداں میں بہار کے جھونکے کی مانند آیا تھا۔ اس کی زندگی تپتے صحرا میں پا پیادہ کی طرح تھی اور کیسے فقط اس کے نام کی ڈور سے بندھی وہ اک جنت میں آ نکلی تھی۔

آہ..." اس کا دل ڈوب سا گیا۔ "

جو مشکل وقت تھا وہ گزر چکا رانیہ۔ میں نے تمہیں کہا تھا کہ اب کبھی مت رونا۔ میں اب تمہارے چہرے پر فقط ہنسی" دیکھنا چاہتا ہوں اور تمہاری خوبصورت مسکراہٹ"۔

وہ کہتے کہتے دفعتاً اس کی گود میں سر رکھتے ہوئے لیٹ گیا۔

حنائی خوشبو اور رنگت میں ڈوبا اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھامتے ہوئے احراز نے ہونٹوں سے لگایا اور مخمور لہجے میں بولا۔

"پتہ ہے رانیہ۔ مجھے پورا یقین ہے اگر تمہیں پتہ چل جائے کہ تمہاری مسکراہٹ کتنی خوبصورت ہے تو تم سارا وقت مسکراتی رہو"۔

رانیہ نے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے کھینچا تو وہ بند آنکھیں کھول کر سیدھا اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

وہاں حجاب نہیں، احتجاج تھا۔

شرم نہیں، گریز تھا۔

یہ ایک نئی نویلی دلہن کی آنکھیں نہیں تھیں۔

"کیا بات ہے رانیہ...؟"

وہ حیران تھا۔

اور رانیہ، اس کا جی چاہ رہا تھا اتنا روئے کہ دھرتی جل تھل کر دے۔ احراز اٹھ بیٹھا۔

"مجھ سے بھی نہیں کہو گی؟"

اس نے اس قدر اپنائیت سے پوچھا کہ رانیہ پھپک کر رو دی۔

"... کیا کہوں آپ سے... اب تو آپ مالک ہیں جیسے چاہے برتاؤ کریں۔ کچھ کم قیمت دے کر تو نہیں لائے مجھے"

احراز کے آس پاس جیسے دھماکہ ہوا تھا۔

وہ آنکھیں کھولے اسے دیکھے گیا۔

"دماغ... دماغ تو خراب نہیں تمہارا؟"

وہ دفعتاً ہوش میں آتے ہوئے سخت لہجے میں بولا تو رانیہ نے بھرائی آواز میں کہا۔

دماغ نہیں، قسمت خراب ہے۔ اچھی زندگی گزارنے کا خواب مجھے کبھی بھی راس نہیں آیا"۔ "

"کیا فضول باتیں کر رہی ہو۔ کیسی قیمت؟ "

اس کے یوں انجان بننے پر رانیہ کو غصہ آنے لگا۔

میں آپ کا کیا بگاڑ سکتی ہوں۔ میرے سامنے یوں ڈرامہ کرنے کی کیا ضرورت ہے"۔ "

تلخی سے کہا تو احراز نے بغور اسے دیکھتے ہوئے ذہن دوڑایا۔ مگر اس کی باتیں سمجھ سے بالا تر تھیں۔

صاف اور کھل کر بات کرو یوں پہیلیاں بجھواؤ گی تو خواہ مخواہ تعلقات میں خرابی آئے گی"۔ "

احراز نے بڑے تحمل کا مظاہرہ کیا تھا۔

کیا آپ مجھے خرید کر نہیں لائے ہیں۔ میری قیمت چکا کر..." وہ اسی تلخی بھرے لہجے میں بولی تھی۔"

شٹ اپ رانیہ..." غصے سے اسے ٹوک دیا۔"

وہ جی بھر کے حیران بھی تھا کہ وہ کیسی فضول باتیں کر رہی تھی۔

کہیئے کہ آپ نے میری چچی کو میری قیمت ادا نہیں کی"۔ "

فضول باتیں مت کرو بے وقوف لڑکی۔ مجھے نہیں پتہ کہ تمہارے کان کس نے بھرے ہیں۔ مگر میں نے صرف"
شادی کا سارا خرچہ ان لوگوں کو دیا تھا اور پھر حق مہر کی رقم جو تمہارا شرعی حق ہے مگر یقیناً وہ بھی ان لوگوں نے تم سے ہتھیالی ہو گی۔ اگر میں تمہیں بکاؤ مال سمجھ کے لایا ہوتا تو ابھی تک بیٹھا تم سے دماغ نہیں کھپا رہا ہوتا"۔

وہ غصے میں آگیا تھا۔ رانیہ سہم کر بیڈ کراؤن سے لگ گئی۔ وہ اب بستر سے اتر کر ننگے پاؤں ادھر ادھر ٹہلنا شروع ہو گیا تھا۔

میں ہی بے وقوف ہوں، پاگل ہوں۔ جس نے تمہارے ایک ایک آنسو اور ہر بات پہ آنکھیں بند کر کے یقین کر لیا "
"... تھا اور تم

وہ پسلیوں پر ہاتھ جمائے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھنے لگا جو لق ودق سی صورتحال کی اصلیت کو سمجھنے کی کوشش

کر رہی تھی۔

"تم شاید اسی قابل تھیں کہ وہ دو بیویوں والا ہی تمہیں ملتا"۔ احراز کو غصہ کم ہی آتا تھا مگر جب آتا تھا تو پھر شدید۔

"وہ... مجھے صائمہ نے..." وہ ہکلائی۔

"چاہے صائمہ نے کہا ہو یا اس کی اماں نے۔ تمہارے لیے وہ بے ایمان اور گھٹیا لوگ اتنے اہم ہو گئے کہ تم نے میرے متعلق... میرے متعلق ایسا سوچا کہ میں تمہیں خرید کے لائوں گا"۔ وہ اس کے سامنے رک کے جیسے غرایا تھا۔

رانیہ کی جان ہوا ہونے لگی۔

وہ تو کسی طور جان بخشی کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

"عیاشی کرنے والے صرف خریدا کرتے ہیں رانیہ بیگم۔ نکاح کے چکر میں نہیں پڑتے"۔ اس کا انداز حد درجہ طنزیہ تھا۔

رانیہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بہ سرعت اس کے قدموں میں جا بیٹھی۔

"یہ کیا حماقت ہے اب..." لحظہ بھر ساکت رہنے کے بعد وہ جز بز ہو کر بولا۔ اس کے حنائی ہاتھ احراز کے پیروں پر جمے تھے۔

"... میں نے خود سے ایسا کچھ نہیں سوچا جی۔ وہ تو سب نے باتیں ہی ایسی کیں کہ"

اس کا لہجہ رندھا ہوا تھا۔ اتنی دلسوزی سے بولی کہ احراز کا غصہ ہوا ہونے میں پل نہیں لگا۔

اس نے جھک کر شانوں سے تھامتے ہوئے اسے اٹھایا۔

"اتنی بے وقوف لگتی تو نہیں تھیں۔ راہ چلتے مجھ پر اتنا بڑا اعتبار کر لیا اور اب جبکہ اپنے نام سے منسلک کر کے گھر لے آیا"

ہوں تو اتنی بڑی بے اعتباری ساتھ لے آئی ہو"۔ اسے مقابل کھڑا کرتے ہوئے وہ رسان سے کہہ رہا تھا۔ رانیہ کو جی بھر کے شرمندگی ہوئی۔

"آپ مجھے معاف کر دیں بس۔ آئندہ میں ایسا ویسا کچھ نہیں سوچوں گی"۔

آنسوئوں سے لبریز قاتل آنکھیں اٹھائیں تو احراز کا دل سینے میں لوٹ کے رہ گیا۔

"اچھا بس... بے بنیاد شکایات اور الزامات میں خواہ مخواہ وقت گنوانے کا کچھ فائدہ نہیں۔ اتنی خوبصورت رات اور حسین ترین لمحات یونہی گزرتے جا رہے ہیں"۔

انگلیوں کی پوروں سے اس کے رخساروں پر لڑھک آنے والے آنسو صاف کرتے ہوئے وہ مدھم لہجے میں بولا تو آواز میں جذبات کی تپش تھی۔

اس کے لمس پر رانیہ کا پورا وجود سنسنا اٹھا۔

پلکیں اٹھا کر اسے دیکھنے کی کوشش کی تو اس سے نگاہ نہیں ملا پائی۔

احراز نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

"وہ... آپ نے۔ مجھے معاف کر دیا ہے نا؟ "

خود پر اس کی توجہ ہٹانے کے لیے وہ موضوع بدلنے کی کوشش کرنے لگی۔

احراز نے بے اختیار اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔

چند لمحوں کی معنی خیز خاموشی... مگر دو دلوں کی بے ترتیب دھڑکنوں کا شور۔

"ہاں... اب معاف کیا ہے میں نے۔ اور ایسی بہت سی خوبصورت معافیاں تم جب چاہے مجھ سے وصول کر سکتی ہو"۔

رانیہ کو اس کے پر محبت اور دل پذیر لمس نے معتبر کر دیا تھا مگر احراز کے لبوں پر ٹھہری شرارت آمیز مسکراہٹ نے اسے شرما کر اسی کے سینے میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔

☆☆☆☆

وہ آئے گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے"

"، کبھی ہم ان کو اور پھر انہی کو دیکھتے ہیں

پذیرائی کا یہ انداز بے حد غیر متوقع تھا۔ تبھی تو روشین سٹپٹا سی گئی۔

دروازہ کھولتے ہی یہ شعر ریان صاحب نے داغا تھا۔ اس پر فرحین کی ہنسی۔

وہ ان دونوں کو گھورتی ہوئی اندر داخل ہوئی تھی۔

بہت پٹا ہوا شعر تھا مگر پھر بھی اس پذیرائی کا شکریہ"۔ فرحین کہتے ہوئے صوفے میں دھنسی۔ "

لو جی... جن کی پذیرائی کی ہے انہوں نے تو دھیان نہیں دیا تم شعر کی پٹائی کر لو"۔ "

روشین نے تمکین کے بیڈروم میں داخل ہوتے ہوئے ریان کو کہتے سنا تھا۔

اس نے سر جھٹکا۔

یہ محترم کچھ زیادہ ہی فرینک ہونے کے موڈ میں رہتے تھے بلکہ روشین کا تو وہ ناطقہ ہی بند کیے رکھتا تھا۔ فرحین کے ساتھ مل کے اس پر ایسے ایسے جملے کستا کہ وہ زچ ہو جاتی۔

جہاں فرحین نے اپنا ہم مزاج ساتھی مل جانے پر خدا کا شکر ادا کیا تھا وہیں فرحین جیسا ایک اور... "طنز نگار" مل جانے پر روشین خدا کی پناہ مانگتی تھی۔

شکر ہے خدا کہ تم آ گئیں"۔ تمکین نے اسے دیکھتے ہی گہری سانس بھرتے ہوئے کہا اور "تیار شدہ" حمزہ کو اس کی " گود میں دے دیا۔

اس کا ماموں تو بالکل بیکار ہے۔ آنکھ' ناک' کان کا پتہ کرالو کس سے ملتا جلتا ہے۔ مگر بھانجے کو سنبھالنے میں بالکل "

نالائق ہے''۔ تمکین کہہ رہی تھی۔

''یہ تو ٹھیک کہا آپ نے''۔ روشین نے طمانیت سے کہتے ہوئے جھک کر گود میں لیے حمزہ کو چوما۔

''شرم کرو۔ شرم کرو یوں کمرے میں گھس کے کسی... نیک اور شرم وحیا والے کی بدخوئی کر رہی ہیں آپ دونوں''۔

وہ تمکین کا تبصرہ اور اس پر روشین کا جواب سن کر ہی اندر آیا تھا۔

''تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے بھائی میرے۔ ہم کسی نیک اور شرم وحیا والے کی نہیں بلکہ تمہاری بات کر رہی ہیں''۔

تمکین نے آرام سے کہتے ہوئے حمزہ کے بدلے جانے والے کپڑے سمیٹے تو وہ شکوہ کناں نگاہوں سے روشین کو دیکھنے لگا۔

''نیکی کی پری۔ تم سے تو مجھے یہ امید نہ تھی کہ تم بھی دشمنوں کی ہاں میں ہاں ملائو گی''۔

تمکین نے بمشکل مسکراہٹ دبائی۔

''میں ہمیشہ سچ ہی کا ساتھ دیتی ہوں''۔

وہ آرام سے بولی توریان نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

''سچی...؟ یعنی تمہاری اور میری خوب جمے گی''۔ پھر وہ اس قدر طمانیت سے بولا کہ تمکین کی ہنسی چھوٹ گئی۔

''ہونہہ... ! آپ جس قدر سچے اور نیکی کے فرشتے ہیں۔ وہ میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ ابھی مجھے بھولا نہیں ہے پرسوں کا واقعہ۔ پیپسی کی جگہ مجھے بوتل میں کھانسی کا سیرپ ڈال کے پلایا تھا آپ نے''۔ روشین نے طنزیہ کہا۔

مرچوں والی ڈرم اسٹک نے منہ جلایا توریان نے بڑی فرمانبرداری سے پیپسی کی بوتل اس کی طرف بڑھائی۔ روشین نے منہ کی جلن سے بے تاب ہو کر اسٹرا منہ میں ڈال کر بڑے بڑے گھونٹ بھرے تو... اُف۔

اسے ابھی بھی سوچ کر نئے سرے سے غصہ آنے لگا۔ وہ کیسے بے وقوف بنا جاتا تھا اسے۔

''لوگ آسانی سے نہیں بھول پاتے ہمیں۔ شخصیت ہی ایسی ہے اپنی''۔ وہ اندر داخل ہوتی فرحین کو دیکھ کر کالر دیکھا۔

کھڑے کرنے لگا۔

ہاں جی۔ لیاقت علی خان صاحب کے قریبی ساتھیوں میں شمار ہوتا ہے جناب کا۔ معتبر شخصیت ہے بڑی"۔ "

وہ کہاں کم تھی۔ بھرپور طنز سے جواب دیا۔

جہاں دونوں کی بہت بن آتی تھی وہیں ایک دوسرے پر طنز کرنا بھی ان کی ہابی تھی اور جملے تو وہ دونوں ایسے ایسے کستے تھے کہ روشین بے بس ہو کر رہ جاتی تھی۔

اچھا اب تم دونوں اسے تنگ مت کرنا"۔ "

تمکین ان دونوں کو وارننگ دیتی کچن میں گئی تھی۔ مگر وہاں کسے اثر تھا۔

ہاں تو فرحین تم کیا بتا رہی تھیں ان محترمہ کی بہادری کا قصہ"۔ "

وہ مسکراہٹ دباتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

روشین کو فوراً اندازہ ہو گیا کہ اب وہ اس کا ریکارڈ لگانے بلکہ بجانے کے موڈ میں تھا۔

خبردار... خبردار جو کسی نے میرا نام لینے کی کوشش کی تو"۔ اس نے فوراً ہی فرحین کو گھورتے ہوئے کہا تو وہ " معصومیت سے بولی۔

""اچھا" نام لئے بغیر تو قصہ سنا سکتی ہوں نا؟ "

تم لوگ فضول گفتگو کیے بغیر نہیں رہ سکتے کیا؟" روشین چڑ گئی تھی۔ "

گویا تمہاری بات کرنا فضول گفتگو میں شمار ہوتا ہے"۔ وہ بڑی سمجھداری سے سر ہلا رہا تھا۔ "

"... تم کیا اتنی دور سے محض مجھ پر طنزیہ گفتگو فرمانے آئے ہو "

روشین کو غصہ آیا تو اسی پر چڑھ دوڑی۔

شروع میں اس نے ریان عزیز کو خاصی عزت سے بلایا۔ کافی تکریم دی۔ مگر فرحین سے اس کی دوستی اور ان دونوں کی چرب زبانی نے اسے جلد ہی احساس دلا دیا کہ وہ اتنی عزت کے قابل نہیں۔ سو وہ فوراً ہی تو تڑاخ پر اتر آئی تھی۔

آیاتو کچھ اور ہی کرنے تھا۔ مگر یہاں آکے کسی" اور" ہی کام میں دل مصروف ہو گیا"۔ "

وہ آہ بھرتے ہوئے بڑی دل سوزی سے بولا تو فرحین کی ہنسی نکل گئی۔

"... انگور کھٹے ہیں "

جن کو نہیں ملتے ان کے لیے ہوتے ہوں گے"۔ وہ خود کو تسلی دیتے ہوئے بولا۔ "

ایک تو روشین کو ان کی کوڈورڈز میں باتیں کرنے والی عادت بالکل بھی پسند نہیں تھی۔ مجال تھی جو ان کے اشارے سمجھ میں آتے۔ اسی لیے ان کی آپس میں کم ہی بن آتی تھی۔

تمکین نے کھانا تیار ہونے کی خوشخبری دی تو ان کی آپسی جنگ ذرا دیر کے لئے ملتوی ہو گئی۔

مگر گھر آکے روشین نے اس کے خوب لتے لئے۔

کیا تکلیف ہو گئی ہے تمہیں"۔ "

فرحین نے اسے گھورا تھا۔

تمہیں کیا ضرورت ہے اس فضول شخص کو میرے قصے کہانیاں سنانے کی"۔ وہ غصے میں تھی۔ "

آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے محترمہ کہ قصے کہانیاں سنائے نہیں جاتے بلکہ خود ہی زبان زدعام ہو جاتے ہیں"۔ "

فرحین نے اطمینان سے کہا تو وہ اسے کچا چبانے والی نظروں سے دیکھنے لگی۔

آسیہ بیگم کے استفسار پر فرحین نے انہیں سارا قصہ سنایا تو وہ ہنسنے لگیں۔

آپ بھی انہی کا ساتھ دیں گی"۔ روشین ناراض ہونے لگی۔ "

دیکھا۔ منٹوں میں محترمہ دل ہار بیٹھتی ہیں"۔ فرحین نے پھر سے مذاق اڑایا تھا۔ "

تم فکر مت کرو۔ آنے دو ریان کو یہاں۔ میں خود اس کی خبر لوں گی"۔ انہوں نے روشین کو تسلی دی۔ "

اس بار تمکین اکیلے آنے کے بجائے ریان عزیز کے ہمراہ ساس کو ملنے آئی تھی۔

آسیہ بیگم اتنے" باادب" اور" اخلاق" والے بچے سے مل کر بہت خوش ہوئیں جبکہ روشین سر تھام کر بیٹھ رہی۔

"جانے اس بندے کی خوبیاں مجھ پر کیوں آشکار نہیں ہوتیں"۔ اب جبکہ وہ آسیہ بیگم کی بھی گڈ بک میں شامل تھا تو یہ دھمکی محض کاغذی کارروائی ہی گردانی جاسکتی تھی۔

"اس کی خبر نہیں بلکہ اس کا تو پورے کا پورا خبر نامہ لینا چاہئے"۔ اس نے منہ پھلایا تھا۔

آسیہ بیگم نے اپنی مسکراہٹ چھپانے کو منہ پھیر لیا۔

"ابو کی گاڑی کھڑی ہے۔ وہ آگئے ہیں آج؟"

فرحین نے تو عادتاً نوٹس ہی نہیں لیا تھا مگر روشین کے دل کو آتے ہی واہمہ لگ گیا تھا۔

یہ بھی شکر تھا کہ وہ دونوں وقت سے پہلے ہی گھر پہنچ گئی تھیں ورنہ تو لائن حاضر ہونا پڑتا۔

"ہاں... اپنے کمرے میں ہیں۔ کچھ طبیعت ناساز ہے شاید"۔ وہ گہری سانس بھر کے بولیں۔

"پھر تو اللہ ہی خیر کرے۔ آج سارا نزلہ معلوم نہیں کس پہ گرے گا"۔ فرحین نے بے اختیار کہا۔

"ایک تو تم۔ بدگمانی کی انتہا پہ ہوتی ہو ہر وقت"۔ روشین نے اسے جھاڑا۔

"تمہاری طرح خوش فہمی کی انتہا پہ کھڑے ہونے سے تو بہتر ہی ہے۔ ہر وقت انسان صورت حال کا سامنا کرنے کو تیار تو رہتا ہے نا"۔ وہ فوراً بولی۔

اور شام کو واقعی انہیں پتہ چل گیا کہ سکندر حیات کا موڈ واقعی بگڑا ہوا تھا۔

آسیہ بیگم کے طبیعت پوچھنے کی دیر تھی اور بس۔

"اب کیا رہ گیا ہے کہ خوشیاں مناؤں، ہنسوں گاؤں"۔ وہ تو چڑھ ہی دوڑے تھے۔

"الٰہی خیر..."

آسیہ بیگم پریشان تھیں۔ فرحین نے روشین کو آنکھ سے اشارہ کیا تو اس کی طنزیہ مسکراہٹ دیکھ کر وہ نظر چرا گئی۔

"سگا بھائی تک تو چھوٹ گیا ہے میرا۔ صرف تمہارے لاڈلے کی ضد کے پیچھے۔ یہ غم تو میری جان لے کے چھوڑے گا"۔

"ہائیں..." آسیہ بیگم نے تحیر سے انہیں دیکھا۔

"مگر رضوان تو خیر سے اپنی فیملی سمیت تین چار بار آیا ہے اور اب عمر تو گاہے بگاہے چکر لگاتا رہتا ہے"۔

"یہ تو ان لوگوں کا بڑا پن ہے جو دوبارہ تمہیں منہ لگا لیا ہے آسیہ بیگم... وگرنہ حقیقت تو یہی ہے کہ تم لوگ اس قابل ہو نہیں"۔ وہ حقارت سے بولے تو فرحین کا خون رگوں میں جوش مارنے لگا۔

"کیوں۔ ہم نے کون سا ان کی جائیداد پہ قبضہ کر رکھا ہے یا چار پانچ قتل کر دیئے ہیں"۔ وہ بے حد ناگواری سے تیز لہجے میں بولی تھی۔

"کچھ کم بھی نہیں کیا تمہارے بھائی نے۔ شریف لوگوں میں زبان سے بڑھ کے کچھ بھی نہیں ہوتا"۔ انہوں نے آنکھیں دکھائیں۔

"جی ہاں... شریف لوگوں کی زبان ہی سے ان کی شرافت کا پتہ چلتا ہے"۔ وہ طنزیہ بولی تو روشین کا جی چاہا اس کے منہ کے آگے ہاتھ رکھ دے۔

وہاں سے تو" برسٹ" ہی برآمد ہونے تھے۔ اب چاہے وہ مقابل کا جگر چھلنی کرتے یا سارا وجود۔ وہ تو قطعاً بے پرواہ تھی۔

"تم تو اپنی بکواس بند ہی رکھا کرو۔ کتنی مرتبہ کہا ہے بڑوں کی باتوں میں دخل اندازی مت کیا کرو"۔ وہ بھڑک اٹھے تھے۔ مگر مقابل بھی انہی کی اولاد تھی۔ نڈر، بے خوف۔

"میں نے ایک لفظ بھی غلط نہیں کہا اور آپ کو فکر یا غم کس بات کا ہے۔ آپ کے بھائی اور ان کی فیملی تو پھر سے آپ کے ساتھ" مل بیٹھی" ہے اور معذرت کے ساتھ کہنا چاہوں گی کہ اس سارے معاملے کا ان لوگوں نے اتنا اثر نہیں لیا جتنا خواہ مخواہ آپ لے رہے ہیں"۔

دیکھ رہی ہو۔ دیکھ رہی ہو اپنی ناخلف اولاد کو۔ ایک ایک کر کے سبھی کی اصلیت سامنے آرہی ہے۔ میری اولاد تو "
دشمن ہے میری دشمن"۔

وہ اس کے انداز پر تلملا اٹھے تھے۔

"... تو اس میں غلط کیا ہے "

وہ کچھ اور کہنے لگی تھی کہ آسیہ بیگم نے اس کا بازو پکڑ کر کمرے کی طرف دھکیلا۔

فضول باتیں مت کرو فری۔ جاؤ اپنے کمرے میں"۔ وہ پاؤں پٹختی ہوئی وہاں سے چلی گئی تھی۔ "

اس کا بھی کچھ کرلو آسیہ بیگم۔ یہ یہاں نہیں ٹکنے کی"۔ وہ" چھپر پھاڑ" کے بول رہے تھے۔ آسیہ بیگم لرز سی "
گئیں۔

کیسا بے پرواہ شخص تھا۔ اپنی اولاد بلکہ اپنی بیٹی کے لیے جو ایسے الفاظ منہ سے نکال رہا تھا۔

روشین کے دل کو تکلیف ہونے لگی۔

کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ۔ شرم وحیا والی بچیاں دی ہیں خدا نے آپ کو"۔ "

وہ روشین کو وہاں سے جانے کا اشارہ کرتے ہوئے قدرے خفگی سے بولیں تو انہوں نے دانت پیسے۔

ہاں... ابھی دیکھا نہیں۔ کیسے شرم وحیا ٹپک رہی تھی اس کی زبان سے"۔ "

وہ بہت آزردہ اٹھ کر کمرے میں آئی تھی۔ جہاں فرحین صاحبہ" تنہائیاں" کی مرینہ خان بنی غصے میں تلملاتی اپنی ہی جان جلاتی ٹہل رہی تھی۔ وہ خاموشی کو غنیمت جان کر عادتاً اپنا بستر جھاڑنے لگی

سن آئی ہو اپنے والد محترم کے سنہری ارشادات"۔ وہ پسلیوں پر دونوں ہاتھ جمائے اس انداز میں بولی کہ حد درجہ "
آزردگی میں گھری روشین کو ہنسی آگئی۔

ہاں... ہاں۔ تم تو صرف دو ہی کام کر سکتی ہو۔ یا تو رونا یا پھر ہنسنا"۔ "

فرحین کو غصہ آیا تھا۔

"تیسری کوئی کنڈیشن ہے تو وہ پلیز تم بتادو مجھے"۔ وہ سنجیدہ سی اپنے بستر پر بیٹھی تھی۔
"کم از کم بندہ اپنے حق کے لیے آواز تو اٹھا سکتا ہے"۔
"ہونہہ۔ تاکہ تمہاری طرح" نظر بند" ہو جائوں"۔ وہ تلخی سے مسکرائی۔
اس کا اشارہ آسیہ بیگم کے فرحین کو منظر عام سے ہٹا کے کمرے میں بھیجنے کا تھا۔
"تو کیا ہوا۔ کم از کم ظالم حاکم کے کان میں احتجاج تو جائے گا اور نظر بندی کا کیا ہے ڈیئر۔ وہ تو آج کل عام ہے بلکہ فیشن میں ہے۔ کاش میں بھی جج یا کم از کم وکیل ہوتی"۔ وہ اس کے سامنے بیڈ پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھی۔
"ہاں... ابھی تو صرف باتوں کا کھار ہی ہو پھر کالا کوٹ پہنے ڈنڈے کھار ہی ہوتیں"۔

روشین نے بے ساختہ کہا۔
"روح کے زخم زیادہ گہرے ہوتے ہیں میری جان۔ یہ الفاظ روحانی طور پر انسان کو گھائل کرتے ہیں۔ ڈنڈے کھانے کا کیا ہے۔ بدن کے زخم تو کبھی نہ کبھی بھر ہی جاتے ہیں"۔ وہ ہلکے پھلکے انداز میں بولی تو روشین نے بغور اسے دیکھا۔
کبھی کبھی تو اسے یوں لگتا جیسے بظاہر خود کو بہت لاپرواہ ظاہر کرنے والی فرحین سکندر ایسے موقعوں پر اندر سے انتہائی آزردہ ہوتی ہے مگر خود پر بے پروائی اور نڈر ہونے کا لبادہ اوڑھے خود کو چھپائے لڑنے بھڑنے پر آمادہ رہتی ہے۔
"چچا جان نے ضرور کوئی شوشا چھوڑا ہو گا ورنہ اتنے دنوں کے بعد ابو کا اب پھر سے بھڑکنا کوئی معنی نہیں رکھتا"۔
فرحین اندازے لگانے لگی۔
متفق تو اندر سے روشین بھی تھی مگر فرحین کا ساتھ دینا ایک لمبی بحث چھیڑنے کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ سو وہ بس ہوں' کر کے رہ گئی۔
"ایک تو تم... گھنی' میسنی"۔ فرحین نے تکیہ اٹھا کر اس کی طرف پھینکتے ہوئے دانت پیسے۔

"تم تو ہونا۔ منہ پھٹ کھلی کتاب"۔ وہ تکیہ کھینچ کر کے آرام سے سر کے پیچھے رکھتے ہوئے نیم دراز ہو گئی۔

"تمہیں شاید "میسنی" کا صحیح مطلب معلوم نہیں ہے ورنہ تم بھی منہ پھٹ اور کھلی کتاب ہونا پسند کرتیں۔ صحیح کہا تھا ریان بھائی نے"۔ وہ اطمینان سے بولی اور آخر میں گویا خود کلامی سی کی تو اس کے کان کھڑے ہو گئے۔

"کیا... کیا کہا ہے اس فضول شخص نے؟"

"جو تمہارے ابا جیسا نہیں وہ فضول شخص ہے"۔ فرحین نے دل جلانے والا تبصرہ کیا تو اس نے اس کے بازو پر ایک تھپڑ رسید کر دیا۔ "ہونہہ ... پھر بکواس"

"اچھا... اپنے ابا کی بات تمہیں بکواس لگ رہی ہے؟" فرحین نے معصومیت سے پوچھا تو وہ ناراض ہونے لگی۔

"فضول باتیں مت کرو۔ جیسے بھی ہیں وہ ہمارے باپ ہیں"۔

"افسوس"۔ فرحین نے گہری سانس بھری۔ پھر بولی۔

"چلو تم نے انہیں "جیسے بھی ہیں" تو مانا"۔

"تم کبھی سدھر و یہ میں دل میں حسرت لئے ہی دنیا سے گزر جائوں گی"۔ روشین زچ ہو گئی تو اس نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ اس سے چند دن پہلے میں ٹھیک ہو جائوں گی۔ تم بس وقت بتا دینا اپنے گزرنے کا"۔

"تم ان باتوں کو چھوڑو اور یہ بتائو کہ "ریان عزیز" کیا کہہ رہا تھا"۔

روشین نے اس کا دھیان بٹاتے ہوئے زور دے کر کہا تو وہ اس کی شکل دیکھ کر ہنسنے لگی۔

"ایسا کون سا لطیفہ لکھا ہے میرے منہ پر"۔ روشین نے برا منایا۔

"لطیفوں کی پوری کتاب ہے... لطیفہ بیگم"۔

"فضول گوئی میں تو تمہارا کوئی ثانی نہیں"۔ روشین کی رنگت سرخ پڑ گئی۔

"مجھے یہ سوچ کر ہنسی آئی تھی کہ روشین سکندر حیات جو زندگی میں کبھی کسی سے ناراض نہیں ہوئی، کسی سے لڑ نہیں پائی اس نے بھی ایک عدد "دشمن" پال لیا ہے"۔ فرحین نے مزے سے کہا تو وہ خفیف سی ہونے لگی۔

"میں نے نہیں۔ اس ڈھیٹ شخص نے خود ہی اپنے تئیں میرے خلاف محاذ کھول رکھا ہے"۔

"اچھا... یہ میسنی کا لقب انہی نے تمہیں دیا ہے"۔ فرحین مزہ لیتے ہوئے ہنسی۔

"کسی دن یہ شخص منہ کی کھائے گا مجھ سے"۔ روشین کو غصہ آیا۔

"اوفوہ... ! اب اتنے بھی برے نہیں ہیں وہ"۔

"اتنے اچھے بھی نہیں ہیں"۔

روشین چمکی۔

"تو تمہاری یہ رائے ہے ان کے بارے میں"۔ فرحین نے اسے بغور دیکھا۔

"مجھے کیا ضرورت پڑی ہے کسی کے متعلق رائے دینے کی"۔ روشین نے بےزاری دکھائی۔

"میرا مطلب ہے کہ پرسنالٹی وائز (شخصیت کے اعتبار سے) تو وہ اچھے خاصے ہیں"۔ فرحین نے اس کی غائبانہ حمایت کی تھی۔

"وہ میں نے کب کہا۔ ٹھیک ہی ہے بس"۔

"مردوں کو ایسا ہی ہونا چاہئے۔ خوش مزاج مگر ارادے کا پکا"۔ فرحین نے مزید تبصرہ کیا۔

"خیر یہاں تو میں تم سے قطعی متفق نہیں"۔ روشین نے صاف الفاظ میں کہا۔

"میرے خیال میں اس شخص کے لیے ارادے کا پکا جیسے نہیں بلکہ ڈھیٹ جیسے الفاظ استعمال کرنے چاہئیں یا پھر چکنا گڑھا"۔

"حالانکہ ان کے خیالات تمہارے متعلق کافی مختلف ہیں"۔ فرحین نے اس کا دل صاف کرنے کی سعی کی۔

"ہونے بھی چاہئیں۔ میں اس شخص جیسی بدتمیزی اور ڈھٹائی کا مظاہرہ بھی نہیں کر سکتی"۔

روشین نے قطعیت سے کہا تو فرحین نے اسے ٹوک دیا۔

"بس، بس کل کو اپنے لفظوں پر پچھتانا نہ پڑ جائے"۔

"ہونہہ"۔ اس نے سر جھٹکا تھا۔

اور یہ اگلے ہی دن کی بات تھی۔

یونیورسٹی سے واپسی پر عادل اسے لینے والا تھا۔ مگر عادل کی گاڑی میں ریان کا جگمگاتا چہرہ دیکھ کر وہ چند قدم دور ہی رک گئی۔

ساتھ موجود کلاس فیلوز کے خیال سے وہ نروس سی ہو گئی جو روزانہ اسے عادل کے ساتھ جاتا دیکھتی تھیں۔

اور آج یہ حضرت ٹپک پڑے تھے۔

"چلو نا۔ آج گھر جانے کا موڈ نہیں ہے کیا؟"

رباب نے اسے ٹہوکا دیا تو وہ چونکی۔ پھر چور نظروں سے گاڑی کی طرف دیکھا تو ریان کو سیٹ کی پشت سے ریلیکس انداز میں ٹیک لگائے سینے پر دونوں بازو لپیٹے لڑکیوں کا جائزہ لیتے پا کر سلگ اٹھی۔

"لفنگا ہے پورے کا پورا۔ پتہ نہیں عادل بھائی نے اسے کیوں بھیج دیا۔ اور جو کبھی ابو مجھے اس کے ساتھ دیکھ لیں تو... قیامت آج ہی آجائے"۔

اسے ایک اور دھیان آیا تھا اور ساتھ ہی جھرجھری بھی۔

سکندر حیات تو کھڑے کھڑے ہی اسے گولیوں سے بھون ڈالتے۔ ایک تو غیر مرد... وہ بھی تمکین کا بھائی، عادل کا

سالا۔

یہ شاید... تمہاری ہی گاڑی کھڑی ہے۔ تمہارے بھائی تمہیں لینے آچکے ہیں اور تم کھڑے کھڑے سوئی جا رہی "

ہو"۔

ارم نے آنکھیں سکیڑ کر دیکھتے ہوئے اس کی گاڑی دریافت کر ہی لی تھی۔

ہوں... ہاں۔ بس جا رہی ہوں۔ وہ... یہ جوتی ذرا تنگ کر رہی تھی"۔ "

بے بسی کے احساس کے ساتھ اس نے بہانہ بنایا۔

یااللہ۔ یہ لوگ چلی کیوں نہیں جاتیں'۔ "

اس نے دل سے دعا مانگی۔ اور شاید قبولیت کا وقت تھا۔

ان کی وین عادل کی گاڑی سے فاصلے پر ان کے نزدیک آن رکی تو وہ اسے خدا حافظ کہتی وین میں سوار ہو گئیں۔

روشین نے خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے تیزی سے گاڑی کی جانب قدم بڑھائے۔

اسے دیکھ کر وہ اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ سیدھا ہو بیٹھا۔ وہی مسکراہٹ جو شاید دوسروں کو تو بہت خوبصورت لگتی ہو مگر روشین کا بہت دل جلاتی تھی۔

ریان نے جھک کر فرنٹ سیٹ کا دروازہ اس کے لیے کھولا جسے نظر انداز کرتی وہ بڑے دھڑلے سے پچھلا دروازہ کھول کر براجمان ہو گئی۔

یہ کیا حرکت ہے۔ میں ڈرائیور نہیں ہوں تمہارا"۔ وہ جیسے اس کی حرکت کا برا مان گیا تھا۔ "

روشین کے دل کو تسلی ہوئی۔

ویسے نہیں ہو گے مگر آج کا دن تو اسی" پوسٹ" پہ بیٹھے ہوئے ہو"۔ "

وہ آرام سے بولی تو اسے گھورتے ہوئے ریان نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

"عادل بھائی خود کیوں نہیں آئے اور تمہیں کیا ضرورت تھی آنے کی؟" وہ جرح کر رہی تھی۔

ریان کے لبوں پر وہی مسکراہٹ ٹھہر گئی۔

فرحین اس کا جو نقشہ کھینچا کرتی تھی اس کے سامنے اس کا قطعی دوسرا روپ تھا۔

تحکمانہ، الجھتا، لڑتا جھگڑتا۔

یہ شاید ریان عزیز کے رویئے کا جواب تھا۔

"کیوں۔ تمہیں اچھا نہیں لگا میرا آنا؟"

وہ بڑے مان سے بولا تو روشین نے منہ بنایا۔ پھر بیساختہ بولی۔

"اللہ نہ کرے کہ مجھے اچھا لگے"۔

ریان نے بیک ویو مرر میں جانچتی نظر اس پر ڈالی۔

سادگی و معصومیت کا امتزاج لیے چہرہ۔

کاجل سے بے نیاز گہری پلکوں کی باڑ لیے خوبصورت آنکھیں۔ وہ آج کل کی ماڈرن لڑکیوں سے بہت مختلف تھی۔

"مجھے بھی یہ ڈیوٹی کچھ خاص پسند نہیں ہے۔ خواہ مخواہ آدھا گھنٹہ بیٹھے رنگ برنگی لڑکیوں کو دیکھتے رہو"۔

وہ سر جھٹکتے ہوئے بولا تو روشین نے تاسف سے اسے دیکھا اور جتانے والے انداز میں کہنے لگی۔

"تو آدھا گھنٹے پہلے آنے کی ضرورت ہی کیا تھی اور اگر آ ہی گئے تھے تو اس فیشن پریڈ کو دیکھنا لازمی نہیں تھا۔ آنکھیں بند کر کے بھی بیٹھا جا سکتا تھا"۔

"لو اور سنو۔ لوگ تو دیدہ و دل فرش راہ کر کے انتظار کرتے ہیں اور میں آنکھیں بند کر کے یعنی سو کے انتظار کرتا۔ واہ... یعنی کے واہ واہ"۔

اس نے سر دھنا۔

"میرے لیے تمہیں آئندہ اتنا کچھ فرش راہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر عادل بھائی نہیں آسکے تو میں رکشہ کر سکتی تھی"۔ روشین نے صفاچٹ انداز میں کہا تھا۔

"اوئے ہوئے۔ کیا غرور ہے"۔ ریان کو ہنسی آئی۔

"غرور نہیں۔ ٹھیک کہہ رہی ہوں میں۔ وہ تو شکر ہے کہ کسی نے تمہیں عادل بھائی کی گاڑی میں نہیں دیکھا۔ ورنہ مجھ پر سوالوں کی بھرمار ہو جاتی کل"۔

روشین نے تشکر سے کہا تو اس نے جملہ اُچکا۔

"ہاں۔ سبھی کو پریشانی ہو جاتی کہ یہ "سوہنا منڈا" تمہاری گاڑی میں کیا کر رہا ہے"۔

اس کی لاف زنی پر روشین چڑ کر رہ گئی۔

"ہاں... اسے تو پاگل خانے میں ہونا چاہئے تھا"۔ وہ شیشے سے باہر دیکھتے ہوئے بڑبڑائی۔

"ہیں... کون سے خانے میں؟"

اس کی قوت سماعت خاصی تیز تھی۔

"خود سے سوچ کر خود کو کسی خانے میں فٹ کر لو۔ سمجھ آجائے گی"۔

وہ بے زاری سے بولی۔

درحقیقت اسے ریان کا یوں اسے لینے آنا بالکل بھی پسند نہیں آیا تھا۔ آج اگر اس کا عادل کے گھر جانے کا پروگرام نہ ہوتا تو وہ ریان کے ساتھ کبھی نہ آتی۔

مگر گھر پہنچ کر اسے پتہ چلا کہ عادل شہر سے باہر گیا ہوا تھا جس کی وجہ سے عادل کو پوچھ کر تمکین نے یہ ڈیوٹی ریان کے سپرد کی تھی۔

"اچھا جی۔ میں اتنا ہی ناقابل اعتبار ہوں"۔ وہ برا مان گیا تھا۔ پھر وہاں سے اٹھ کر ہی چلا گیا۔ تمکین اسے آوازیں ہی دیتی رہ گئی جبکہ وہ حق پر ہوتے ہوئے بھی خفیف سی ہو گئی۔

آپ تو سمجھ رہی ہیں ناں میں کس لیے کہہ رہی ہوں"۔اس نے تمکین سے کہا تو وہ مسکرا دی۔ "

آف کورس میں سمجھتی ہوں۔اور وہ بھی سمجھتا ہے بس ذرا ڈرامہ بازی کی عادت ہے اسے"۔ تمکین نے اسے تسلی "
دی۔

مگر روشین کو تھوڑی سی شرمندگی تھی۔ایک تو شاید وہ نا چاہتے ہوئے بھی اسے پک کرنے گیا تھا اوپر سے روشین کا رویہ انتہائی غیر مناسب تھا۔

سو اس سے تھوڑی سی معذرت کرنا ضروری تھا۔

وہ کچن میں گئی تو وہ چائے بنانے کی تگ و دو میں مصروف تھا۔

لائو میں بنا دوں"۔ "

روشین نے دوستانہ انداز میں کہا۔

جی نہیں۔شکریہ"۔اس قدر روٹھا انداز کہ روشین کو ہنسی آ گئی۔ "

اچھا... سوری"۔اس نے پتی کا ڈبہ کھولتے ہوئے کہا تو اس کا ارادہ بھانپ کر وہ پیچھے ہٹ کر کیبنٹ سے ٹیک لگا کر "
کھڑا ہو گیا۔

کس بات کے لیے؟" وہ انجان بنا۔ "

وہی۔جو کچھ میں نے راستے میں اور پھر ابھی کہا"۔روشین نے کھلے دل سے کہا تو ریان نے گہری نظر اس پر ڈالی۔ "
کاسنی رنگ کے لباس میں ملبوس سلیقے سے دوپٹہ اوڑھے وہ بہت تر و تازہ سا روپ لیے ہوئے تھی۔وہ دھیمے انداز میں مسکرا دیا۔

اسی لیے کہتے ہیں کہ انسان کو ہمیشہ سوچ سمجھ کر بولنا چاہئے میری طرح"۔اس نے جتاتے ہوئے کہا تو روشین نے "
گہری سانس بھرتے ہوئے ساس پین کے نیچے آنچ تیز کر دی۔

"ہاں۔ مگر خوش فہم نہیں ہوناآپ کی طرح"۔

"اچھاتو تمہاری میرے متعلق یہ رائے ہے"۔ وہ ریک میں سے مگ اٹھانے لگی تھی جب وہ اس کی راہ میں حائل ہو گیا۔

روشین نے دیکھا۔ وہ چمکتی آنکھیں اسی پر ٹکائے ہوئے تھااوران آنکھوں کا کچھ کہنا بولنا... روشین نے ابھی دیکھا تھا۔ بالکل ابھی۔

اس کادل بہت زور سے دھڑکا۔

"مجھے کیاضرورت پڑی ہے کوئی فضول رائے قائم کرنے کی"۔ وہ قصداًاُسے نظر انداز کرتی مگ اٹھاکر دھڑکتادل لیے پلٹ گئی۔

"توکوئی اچھی رائے ہی بتادو"۔ وہ منتظر کھڑاتھا۔

"یہ چائے بن گئی ہے۔اب مگ میں تومیرا خیال ہے کہ ڈال ہی سکتے ہو"۔

وہ کنی کتراکر وہاں سے بھاگنے کی سوچنے لگی۔ ریان کے انداز پریشان کن تھے۔

ایسی مبہم اور بوجھل باتیں تووہ کبھی نہیں کیاکرتاتھا۔

"درپہ مسافر آئے' صدالگائے تواسے یونہی لوٹایانہیں کرتے روشین۔ کیاپتہ اس کے قدموں نے کتنی صدیوں کی تھکن سمیٹ رکھی ہواور ایک نگاہ کی خیرات اسے تروتازگی بخش دے نوید حیات دے جائے"۔ وہ مدھم مگر شدت بھرے لہجے میں کہتاروشین کے دل کو تھم جانے پر مجبور کر گیا۔

مگر... خبردار

اس کے ذہن میں زور سے خطرے کاالارم بجا۔

اسے اس راہ پر نہیں چلنا۔

اسے عادل سکندر حیات نہیں بننا۔

اسے سکندر حیات کی کہی باتوں کو درست ثابت نہیں کرنا۔

مگر یہ دل کھینچنے والا لب ولہجہ اور یہ شفاف آنکھیں۔

روشین بھاگنے کے سے انداز میں کچن سے نکل گئی۔

وہ گہری سانس بھر کے رہ گیا۔

☆☆☆☆

جالی دار دروازے کے پار تار کول کی بچھی سڑک پر سرد بارش کے قطرے اب خاصی رفتار پکڑ چکے تھے۔ پانی سے دھلتا سبزہ نکھر کر ماحول کی خوبصورتی میں اضافہ کر رہا تھا تو وہیں ادھر ادھر اڑتے بادل جیسے روئی کے گولے بنے ہوئے تھے۔

وہ گرم شال اپنے گرد مضبوطی سے لپیٹتی دروازے کے ساتھ لگ کے کھڑی مسمرائز تھی۔

یا میرے مولا! تیری قدرت کے رنگ جدا ہیں مگر سبھی خوبصورت ہیں۔ چاہے کڑکتی دھوپ ہو' ٹھنڈی چھائوں یا پھر بارش کا دیدہ زیب رنگ۔

تو ہر رنگ میں کمال ہے داتا اور ہر روپ میں کامل و یکتا۔

وہ ماحول کی خوبصورتی اور رب کریم کی قدرت کی معترف پوری طرح سے محو تھی۔

السلام علیکم... !" اسے بانہوں کے گھیرے میں لیتے ہوئے نیند سے بوجھل لہجے میں یہ سلامتی احراز مصطفیٰ نے " بھیجی تھی۔

وہ اس کی اچانک آمد پہ ڈر سی گئی۔

احراز نے اس کا رخ اپنی طرف موڑا۔

"یہاں کیوں کھڑی ہو۔ نیند نہیں آئی؟" صبح نو کی طرح تروتازہ اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ پوچھ رہا تھا۔

رانیہ مسکرا دی۔ پھر قدرے جھینپ کر بولی۔

"موسم اتنا اچھا ہو رہا تھا کہ مجھ سے رہا نہیں گیا"۔

"موسم... ہاں اچھا ہے۔ مگر تم سے خوبصورت کچھ بھی نہیں"۔

وہ اسے خود سے قریب کرتے ہوئے بولا۔ رانیہ خود میں سمٹ سی گئی۔

"کتنی ٹھنڈی ہو رہی ہو اور تمہاری یہ چھوٹی سی ناک یہ تو گلیشیئر بنی ہوئی ہے"۔ وہ اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

ان کی شادی کو آج بارہواں روز تھا۔

اور مری آئے پانچواں دن ہونے کو تھا۔ احراز مصطفی حیران تھا۔

خود پر... اپنے جذبات پر۔ وہ سوچتا تھا کہ رانیہ کو پاکر شاید وہ سمندر کی مانند پر سکوت ہو جائے گا۔

مگر جانے یہ کیسی محبت یہ کیسی کشش تھی جو دن بدن بڑھتی ہی چلی جا رہی تھی۔

وہ اسے بیوی نہیں محبوبہ محسوس ہوتی تھی۔

یا شاید... محبوب بیوی۔

"وہ... ہم واپس کب چل رہے ہیں؟" اس کا دھیان بٹانے کو رانیہ کو یہی حل سوجھا کہ کوئی موضوع چھیڑ دیا جائے۔

اس کے شانے پر بازو پھیلا کر وہ اسے ساتھ لیے کمرے کی طرف چل دیا۔

"کیوں۔ یہاں کیا پریشانی ہے؟" احراز نے جواباً سوال کیا تو وہ خفیف سی ہو گئی۔

"نہیں۔ پریشانی تو نہیں۔ یہاں ہم اکیلے ہیں تو..." اسے بیڈ پر بٹھاتے ہوئے وہ اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"میری جان... ہنی مون پہ سبھی جوڑے اکیلے ہی ہوتے ہیں۔ فیملی کے ساتھ تو ہنی مون نہیں منایا جا سکتا"۔ وہ

مسکراہٹ دباتے ہوئے بولا تو وہ شرمندہ سی ہو گئی۔

"میرا مطلب تھا کہ گھر والے ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے"۔

"گھر والا تو تمہارے ساتھ ہے پھر کس بات کی فکر ہے تمہیں۔ انجوائے کرو ان دنوں کو۔ پھر یاد کرتی پھرو گی"۔ احراز نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

یوں بھی اس کا نہیں خیال تھا کہ رانیہ اس کی بیرون ملک نوکری کے متعلق جانتی ہو گی اور اس نے خود بھی فی الحال نہیں بتایا تھا۔

اتنے خوبصورت دنوں کو وہ آنے والے وقت کو سوچ کر آزردگی کی نذر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"ہمارا آنے والا ہر دن اتنا خوبصورت ہو گا کہ ہمیں پرانے دنوں کو یاد کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی"۔ وہ بے ساختہ بولی تو وہ مسکرا دیا۔

"آپ میرے ساتھ خوش تو ہیں ناں؟" اس کے دل کو جانے کیسا دھڑکا لگا تھا جانے کیسا وسوسہ تھا کہ مطمئن ہی نہ ہوتا تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے؟" شانوں سے تھام کر اسے خود سے قریب کیا تو اس کی سراسیمگی قابل دید تھی۔

"تمہیں میرے انداز میرے لب ولہجے میری آنکھوں سے جھلکتے اپنے عکس سے پتہ نہیں چلتا؟" وہ مخمور لہجے میں کہتا رانیہ کے دل پر محبت کے پھاہے رکھ رہا تھا۔

"چلتا تو ہے مگر..." وہ بے اختیار کچھ کہتے کہتے رک گئی تو احراز مسکرایا۔

"مگر یقین نہیں آتا"۔ رانیہ نے ڈرتے ڈرتے اثبات میں سر ہلایا تو وہ شرارت آمیز لہجے میں بولا۔

"اچھا اس وقت تمہیں یقین دلانے کے لیے مجھے کیا کرنا پڑے گا"۔ رانیہ کو اس کے انداز سمجھ کر ہنسی آگئی۔ نفی میں سر ہلاتے ہوئے وہ پیچھے ہٹی تھی۔

"میاں بیوی کو ایک دوسرے کا لباس کہا گیا ہے۔ جس طرح ایک اچھا اور مکمل لباس جسم کو پردہ عطا کرتا ہے اسی طرح اچھے اور آپس میں ایک دوسرے کو سمجھنے والے میاں بیوی بھی ایک دوسرے کی خامیوں' خوبیوں کے رازدار اور

انہیں ڈھکنے والے ہوتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا رانیہ کہ میں بہت اچھا انسان ہوں مگر میں تمہیں بہت خوش رکھنا چاہتا ہوں۔ اول روز سے تمہارے لیے میری خواہش ہے کہ

میں کبھی تمہاری آنکھ میں آنسو نہ دیکھوں"۔

بارش تھمی تو بادل کے ٹکڑے آپوں آپ غائب ہو گئے۔ نرمل کومل دھوپ نے پوری وادی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

سبزے سے جگمگاتے رستوں پر چہل قدمی کرنے نکلے تو احراز نے اس سے کہا تھا۔

رانیہ کے دل میں موجود محبت اور بڑھی۔

ان چند دنوں میں وہ دل کے بے حد قریب بلکہ دل و جان میں شامل ہو گیا تھا۔

اس کی چاہتیں اس کی شدتیں اس کی بے تابیاں۔

رانیہ کو لگتا وہ بے تاج ملکہ ہو۔

بلکہ کوئی محبوبہ... اور وہ اس کا عاشق۔

احراز کے انداز سے یوں لگتا تھا جیسے اس نے رانیہ کو ہزار ہا منتوں مرادوں کے بعد پایا ہو۔

کبھی کبھی تو مجھے یہ سب خواب لگتا ہے۔ سچ پوچھیں تو اپنی اس خوش نصیبی پہ خوش ہونے کی بجائے پتہ نہیں کیوں مجھے خوف آتا ہے"۔ رانیہ نے آزردگی سے کہا تو احراز نے ہنستے ہوئے اس کے شانوں پر بازو پھیلا کر اسے خود سے قریب کر لیا۔

اوفوہ... !" وہ اس کی بے باکی پر سرخ پڑ گئی۔ "

لوگ دیکھتے ہیں احراز"۔ "

تو اس میں ایسا عجیب کیا ہے۔ لوگوں کو خدا نے آنکھیں اسی کام کے لیے دی ہیں"۔ وہ شرارت سے بولا تھا۔ "

"... ایک تو آپ نا "

وہ اسے دیکھ کے رہ گئی۔ مگر اسے ہنستے دیکھ کر رانیہ کو بھی ہنسی آ گئی۔

"یہ دیسی محبت ہے محترمہ۔ ورنہ آج کل کی ولایتی محبت کا کیا پوچھتی ہو۔ ایک سچا واقعہ سنو۔ دو پیار کرنے والوں کو دنیا ملنے نہیں دے رہی تھی تو ان دونوں نے خودکشی کرنے کے متعلق سوچا۔ دونوں ایک اونچی سی بلڈنگ پر پہنچے لڑکے نے اوپر سے چھلانگ لگا دی۔ لڑکی چھلانگ لگانے کی

بجائے دو قدم پیچھے ہٹ گئی اور آنکھیں بند کر کے بولی۔ "پیار اندھا ہوتا ہے"۔ وہ مزے سے سنا رہا تھا۔

رانیہ کو تاسف نے گھیرا۔

"چہ... بے چارہ"۔

"آگے تو سنو جان من"۔ احراز نے مزے سے کہا۔ "لڑکے نے ہوا میں پیراشوٹ کھولا اور کہا۔ "محبت مر نہیں سکتی"۔

"ہاں..." رانیہ متحیر تھی۔

"یہ سچا واقعہ ہے؟"

"آج کل کی دیسی محبتوں کے لحاظ سے تو سچا ہی ہے"۔ اسے ہنستے دیکھ کر رانیہ کو بھی ہنسی آگئی۔

واپسی پر وہ اسے چیئر لفٹ کی سیر کرانے کے ارادے سے گاڑی کی طرف لے آیا۔

"موسم خراب ہو رہا ہے احراز۔ واپس چلتے ہیں۔ کل آجائیں گے"۔ رانیہ متفکر انداز میں کہا۔

واقعی سیاہ بادلوں نے پھر سورج کو چھپا لیا تھا۔

یہاں کا موسم تو ویسے ہی پل میں تولہ پل میں ماشہ تھا۔

"کچھ نہیں ہوتا۔ ابھی دیکھنا پھر سے دھوپ نکل آئے گی۔ بادل تو یونہی سورج کا لباس ہیں۔ جسے وہ کبھی کبھار ہی پہننا پسند کرتا ہے"۔ وہ لاپروائی سے بولا۔

"مگر مجھے ایسے موسم سے بہت ڈر لگتا ہے۔ خصوصاً ان پہاڑی علاقوں میں۔ بہت شدید موسم ہوتا ہے"۔ رانیہ نے گاڑی میں مجبوراً بیٹھتے ہوئے صاف گوئی سے کہا۔

نالائق ہو تم۔ انہی شدتوں میں تو خوبصورتی چھپی ہے"۔ وہ ذو معنی انداز میں بولا تھا۔ "

رانیہ مسکرانے لگی۔

دیٹس گڈ... مسکراتی ہوئی اچھی لگتی ہو"۔"

وہ فوراً بولا تو وہ جھینپ کر چہرہ موڑے گاڑی سے باہر دیکھنے لگی۔

اس روز رانیہ کو لگا وہ ایک دوسرے کے اور نزدیک آئے ہوں۔

ہم تم ہوں گے بادل ہو گا "

رقص میں سارا جنگل ہو گا۔

... ہم تم

وصل کی شب اور اتنی کالی

ان آنکھوں میں کاجل ہو گا

"... رقص میں سارا

احراز نے بہت اچھی آواز میں اسے یہ گانا سنایا تو کتنی ہی دیر وہ مسمریزسی رہی۔

خوشیاں تھیں کہ تتلیاں

رنگ ہی رنگ

خوشیاں تھے کہ پھول

خوشبو ہی خوشبو

اس کے ہاتھ اس کا وجود رنگوں سے خوشبوئوں سے بھر گیا تھا۔

آپ... احراز آپ ہمیشہ ایسے ہی رہنا۔ میرے بہت اچھے دوست"۔ "

وہ معصومیت بھری التجا سے بولی تو احراز کا جی چاہا نم آنکھوں والی اس لڑکی کو سب کی موجودگی کی پرواہ کیے بغیر سینے سے لگا لے۔

اور تم ہمیشہ یونہی رہنا۔ ہنستی مسکراتی میری پیاری سی محبوبہ"۔ "

وہ گاڑی کی اسپیڈ بڑھاتے ہوئے بولا۔ موسم کے تیور اب واقعی بگڑ رہے تھے۔ وہ چھوٹی چیئر لفٹ پر ایوبیہ تک ہو آئے تھے۔ موسم کے رنگ نے انہیں وہاں سے جلدی لوٹنے پر مجبور کر دیا۔ اور اب

ابھی نیچے سے آیا تھا۔

رانیہ کو لگا اس کی دھڑکنیں رک گئی ہوں"۔ وہ سرد پڑنے لگی تھی۔

☆☆☆☆

فرحین بہت جھنجھلائی ہوئی تھی۔

مسئلہ کیا ہے تمہارے ساتھ آخر۔ اچھے بھلے تعلقات ہو چکے ہیں تمہارے تمکین بھابی کے ساتھ۔ اب ایک دم سے " ان کے ہاں جانے پر تمہیں کیا اعتراض ہونے لگا ہے"۔ وہ رخ موڑ کر دوبارہ اپنی قمیض ہینگ کرنے لگی۔ یہ وہ سوٹ تھا جو فرحین نے اس کے پہننے کے لیے نکالا تھا۔

آج عادل اور تمکین کی شادی کی پہلی سالگرہ تھی۔ مگر روشین وہاں جانے کو راضی نہیں تھی۔

تمہیں بھی کوئی ضرورت نہیں جانے کی۔ میاں بیوی کا آپس کا معاملہ ہے انہیں سیلیبریٹ کرنے دو"۔ وہ اسے بھی " کہنے لگی تو فرحین نے جتایا۔

بھائی بھابی نے ستر دفعہ کہا ہے ہمیں آنے کو"۔ "

ابو کو پتہ چل گیا تو اپنی ورسری میں شریک ہونے کا بھوت بھاگ جائے گا"۔ وہ چڑی۔ "

انہوں نے کون سا موکل رکھے ہوئے ہیں۔ اتنے مہینے ہو گئے ہیں ہمیں وہاں جاتے۔ آج تک تو پتہ نہیں چلا انہیں"۔ "

فرحین نے مطمئن انداز میں کہا۔

آج کی تاریخ تو انہیں بھی اچھے سے یاد ہو گی۔ اگر آج کے دن گھر سے نکلے تو ضرور پتہ چل جائے گا"۔ روشین نے"

اسے ڈرایا۔ بلکہ ڈرانے کی کوشش کی جس میں وہ ناکام رہی تھی۔

وہ اپنا سوٹ اٹھا کر واش روم میں گھس گئی تو روشین نے گہری سانس بھری۔

... اب وہ اسے کیا بتاتی کہ وہ وہاں جانے سے کیوں کترا رہی ہے۔ ریان عزیز

اس شخص کی باتوں نے نہ چاہتے ہوئے بھی اسے ڈسٹرب کر ڈالا تھا۔

مگر پھر بھی وہ ان راہوں پر چلنا نہیں چاہتی تھی جن پر چل کر ان کا بھائی ان سے بچھڑ گیا تھا۔

ایک بیٹا اپنی ماں سے بچھڑ گیا تھا۔

وہ کبھی بھی اس راستے کو دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ مگر آج... فرحین جیسے اسے کھینچتے ہوئے وہاں تک لائی تھی۔

اور اس کے گریز کو سمجھتے ہوئے ریان عزیز نے ایک بہت خفا سی نظر اس دشمن جان پر ڈالی۔

اور نظر نے کہا مجھے چہرے سے ہٹنا گوارہ نہیں۔

مگر خیر ہی رہی۔ وہ اس سے مخاطب نہیں ہوا تھا۔

پوری تقریب میں صرف وہی پانچ اور ننھا حمزہ شامل تھا۔

چائے روشین کے ہاتھ کی"۔ عادل نے شاید ریان کے دل کی خواہش پڑھ لی تھی۔ پُر تکلف کھانے کے بعد اس نے "

فرمائش کی تھی۔

کھٹکے پر وہ پلٹی۔

وہی تھا۔

اپنے چھا جانے والے انداز کے ساتھ۔

میری وجہ سے کیوں بھاگتی پھر رہی ہو؟" وہ ناراضگی سے پوچھ رہا تھا۔ "

روشین خود کو سنبھالتے ہوئے پلٹ گئی۔

مجھے کیا ڈر پڑا ہے تمہارا"۔ لاپروائی کا مظاہرہ کیا۔ "

ہاں... اور میں تو ویسے بھی جا رہی ہوں یہاں سے"۔ وہ بے دلی سے مسکرایا۔ "

روشین کا دل زور سے دھڑکا۔

"کہاں...؟"

بے اختیار پلٹ کر بے ساختہ پوچھا تو وہ بھرپور انداز میں مسکرا دیا۔

میرا آفس سیٹ ہو گیا ہے اور ایک بہت خوبصورت سا گھر لے لیا ہے میں نے"۔ "

پنی بے ساختگی پر نادم ہو کر روشین نے اسے ہلکے سے گھورا اور پھر چائے کی طرف متوجہ ہو گئی

مگر میں دل و جان سے چاہتا ہوں کہ میرے اس گھر میں پہلا قدم میرے ساتھ روشین سکندر حیات رکھے"۔ اس کا "

مدھم مگر شدتوں سے پُرلہجہ روشین کو دم سادھنے پر مجبور کر گیا۔

تقدیر جانے کیا کھیل کھیلنے والی تھی۔

وہ دونوں ایک ہونے کا سوچ بھی کیسے سکتے تھے جن کا ملنا شاید تقدیر ہی کو گوارہ نہ تھا۔

یہ میرے دل کی خواہش ہے روشین۔ اسے رد مت کرنا"۔ وہ کہہ کر شاید چلا گیا تھا۔ "

! ... اوہ میرے خدا

روشین نے کب کی رکی تھکی ماندی سانس خارج کی۔

... ایک اور محبت

اس کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی۔

ایک اور ناکام محبت... یا پھر ایک اور آزمائش۔

اس نے اپنے دل کو ٹٹولا تو ساکت رہ گئی۔

وہاں ہلکا سا میٹھا میٹھا درد تھا۔

تو کیا محبت کے آکٹوپس نے میرے دل میں اس قدر خاموشی سے پنجے گاڑ دیئے کہ خود مجھے بھی خبر نہیں ہوئی۔

وہ ٹوٹنے لگی۔

مجھے اس شخص کی طرف دیکھنا بھی نہیں کہ وہ میرے لیے شجر ممنوعہ ہے۔

اس نے خود سے لڑتے ہوئے دل پر اپنا پائوں رکھا اور قطعی فیصلہ کر لیا۔

مگر درد دل اس کے لیے ناقابل برداشت تھا۔

یاخدا... یہ زندگی ہے۔ شروع بھی نہ ہوئی اور ختم؟؟ اس کا دل کراہا۔"

"رانیہ... رانیہ۔ ہوش کرو۔"

کسی نے نرمی سے اس کا رخسار تھتھپاتے ہوئے اسے حواس میں لانے کی کوشش کی۔

اس نے چونک کر مقابل کو دیکھا تو خون پوری قوت سے اس کی شریانوں میں دوڑ اٹھا۔ سرد پڑتے وجود میں زندگی کی گرمی پھیلی تو آنکھوں میں نمی لیے وہ احراز کے شانے سے لگی سسک اٹھی۔

حوصلہ کرو رانیہ۔ بی بریو (بہادر بنو)" اس کے سر کو نرمی سے سہلاتے ہوئے احراز نے اسے تسلی دی۔ خود اس کے" لیے بھی یہ بہت دکھی کر دینے والا حادثہ تھا۔

ان کی گاڑی کو غلط طریقے سے اوور ٹیک کرتے ہوئے اپنی برق رفتاری اور بارش سے بھیگتی سڑک کے باعث دوسری گاڑی لمحوں میں اس حادثے کا شکار ہو گئی تھی۔ جس میں کوئی نیا شادی شدہ جوڑا سوار تھا اور ان میں سے صرف بیوی ہی

زندہ بچی تھی۔

وہ مرد تھا۔ دکھی تو تھا مگر اس حد تک نہیں جس تک کہ رانیہ کی سوچ تھی۔

اپنی آنکھوں سے پہلی بار ایسا حادثہ دیکھا تو اس کی جیسے روح تک لرز اٹھی۔ کاٹیج میں واپس آکر بھی وہ سہمی اور خوفزدہ تھی۔

ہم واپس کب جائیں گے؟" اس نے احراز سے پوچھا۔"

میرے خیال میں تو ابھی تین چار روز اور ٹھہرتے ہیں۔" وہ ٹی وی آن کرتے ہوئے اس کی آواز کم کرنے لگا۔"

رانیہ بے قرار ہو کر کھڑی ہو گئی۔

"نہیں پلیز۔ مجھے نہیں رہنا اب۔"

احراز نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر جیسے سب کچھ سمجھ گیا۔ اس کے شانوں پر بازو پھیلاتے ہوئے احراز نے اسے خود سے قریب کیا۔

زندگی اسی چل چلاؤ کا نام ہے رانیہ۔ جو آیا ہے اسے جانا بھی ہے پھر ان باتوں کو دل پر کیا لگانا۔ ہاں دکھ اور افسوس اپنی" "جگہ ہے مگر دل کو سمجھانا چاہیے کہ یہ سب مشیتِ ایزدی ہے۔

مجھے تو آج پتہ چلا احراز کہ زندگی تو لمحہ بھر کا کھیل ہے۔ ایک جیتا جاگتا سانس لیتا وجود کیسے پل بھر میں مٹی کا ڈھیر ہو" گیا۔" اس کی آواز بھرانے لگی۔

یاخدا... یہ زندگی ہے۔ شروع بھی نہ ہوئی اور ختم؟؟ اس کا دل کراہا۔"

"رانیہ... رانیہ۔ ہوش کرو۔"

کسی نے نرمی سے اس کا رخسار تھتھپاتے ہوئے اسے حواس میں لانے کی کوشش کی۔

اس نے چونک کر مقابل کو دیکھا تو خون پوری قوت سے اس کی شریانوں میں دوڑ اٹھا۔ سرد پڑتے وجود میں زندگی کی

گرمی پھیلی تو آنکھوں میں نمی لیے وہ احراز کے شانے سے لگی سسک اٹھی۔

حوصلہ کرو رانیہ۔بی بریو(بہادر بنو)" اس کے سر کو نرمی سے سہلاتے ہوئے احراز نے اسے تسلی دی۔خود اس کے "
لیے بھی یہ بہت دکھی کر دینے والا حادثہ تھا۔

ان کی گاڑی کو غلط طریقے سے اوور ٹیک کرتے ہوئے اپنی برق رفتاری اور بارش سے بھیگتی سڑک کے باعث دوسری گاڑی لمحوں میں اس حادثے کا شکار ہو گئی تھی۔ جس میں کوئی نیا شادی شدہ جوڑا سوار تھا اور ان میں سے صرف بیوی ہی زندہ بچی تھی۔

وہ مرد تھا۔دکھی تو تھا مگر اس حد تک نہیں جس تک کہ رانیہ کی سوچ تھی۔

اپنی آنکھوں سے پہلی بار ایسا حادثہ دیکھا تو اس کی جیسے روح تک لرزا ٹھی۔کاٹیج میں واپس آکر بھی وہ سہمی اور خوفزدہ تھی۔

ہم واپس کب جائیں گے ؟"اس نے احراز سے پوچھا۔"

میرے خیال میں تو ابھی تین چار روز اور ٹھہرتے ہیں۔" وہ ٹی وی آن کرتے ہوئے اس کی آواز کم کرنے لگا۔"

رانیہ بے قرار ہو کر کھڑی ہو گئی۔

"نہیں پلیز۔مجھے نہیں رہنا اب۔"

احراز نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر جیسے سب کچھ سمجھ گیا۔اس کے شانوں پر بازو پھیلاتے ہوئے احراز نے اسے خود سے قریب کیا۔

زندگی اسی چل چلاؤ کا نام ہے رانیہ۔جو آیا ہے اسے جانا بھی ہے پھر ان باتوں کو دل پر کیا لگانا۔ہاں دکھ اور افسوس اپنی "
" جگہ ہے مگر دل کو سمجھانا چاہیے کہ یہ سب مشیتِ ایزدی ہے۔

مجھے تو آج پتہ چلا احراز کہ زندگی تو لمحہ بھر کا کھیل ہے۔ایک جیتا جاگتا سانس لیتا وجود کیسے پل بھر میں مٹی کا ڈھیر ہو "
گیا۔"اس کی آواز بھرانے لگی۔

احرازاس کا سر تھپکنے لگا۔فی الحال وہ دکھ آمیز صدمے کی گرفت میں تھی اور اس کا واحد حل تسلی ہی تھا۔☆☆☆"یہ ہوتا ہے پسند کی شادی کا انجام۔بھائی صاحب کا ہنی مون سے ہی لوٹنے کو جی نہیں چاہ رہا۔" نگینہ نے میکے فون کیا تو آج ڈیڑھ ہفتے بعد بھی پتہ چلا کہ وہ دونوں ابھی مری ہی میں ہیں۔وہ طنزیہ لہجے میں ماں کو جتانے لگی۔"کہا تو تھا میں نے احراز کو کہ اب واپس آجاؤ۔اس کے جانے میں ویسے بھی تھوڑا ہی عرصہ رہ گیا ہے۔"رشیدہ بیگم نے کہا تو نگینہ کو موقع مل گیا۔"اسی لیے تو میں مخالفت کرتی تھی پسند کی شادی کی۔اب تو بھائی جان صرف اپنی بیوی کی"جنبش ابرو" دیکھیں گے۔" "افوہ۔ایسا بھی کیا اندھیر مچ گیا ہے۔"رشیدہ بیگم نے بات لپیٹنا چاہی۔"لو جی۔یہ نہ ہوا کہ بیٹا چار دن ماں کے ساتھ گزار لے پھر تو پردیس چلے ہی جانا ہے ناں۔مگر ادھر تو اڑتے پھر رہے ہیں۔جناب۔" نگینہ دوسرے کی سنتی ہی کب تھی۔اب بھی موقع ملتے ہی شروع ہو گئی۔اس کی باتوں نے رشیدہ بیگم کے دل کو بھی ہلکے سے چھوا۔
"آجائیں گے امی۔ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں اور پھر یہاں کا موسم بھی بہت اچھا ہو رہا ہے۔"ان کے واپسی کے اصرار کے جواب میں احراز نے کتنی لاپروائی سے کہا تھا۔دن گن گن کے گزارنے کے بعد پردیس سے لوٹنے والے بیٹے کا یہ انداز اس وقت تو انہیں محسوس نہیں ہوا تھا مگر اب جب نگینہ نے جتایا تو انہیں لگا کوئی بیش قیمت دولت ان کے ہاتھوں سے نکلنے لگی ہو۔نگینہ کو تو انہوں نے کچھ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ وہ ذرا سی بات کا پہلے ہی بتنگڑ بنانے میں ماہر تھی مگر فون رکھنے کے بعد پہلی مرتبہ وہ تنقیدی انداز میں احراز کے بارے میں سوچنے لگیں۔"احراز کو کہوں گی کہ فوراً واپس آجائے۔ایسی بھی کیا مصیبت پڑی ہے دیس میں پردیس کاٹنے کی۔" انہوں نے بالآخر فیصلہ کر ہی لیا اور شام کو جب احراز کا فون آیا تو انہوں نے قطعی انداز میں اسے کہہ بھی ڈالا۔"جو حکم امی جان۔ہم لوگ کل ہی نکل رہے ہیں یہاں سے۔" وہ اپنی ازلی فرماں برداری سے بولا تو رشیدہ بیگم کا دل خوشی سے لبریز ہو گیا۔

☆☆☆

وہ فرحین اور تمکین کے مجبور کرنے پر بھی ریان کے گھر نہیں گئی۔(جس گاؤں میں جانا نہیں اس کے کوس گننے سے

فائدہ)

اور آرٹسٹک انداز میں کی گئی۔ سیٹنگ اور سجاوٹ بیان کرتے نہ تھک رہی تھی۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں فری۔ دماغ کھا گئی ہو میرا۔ دنیا میں اور گھر نہیں ہیں کیا یا صرف ریان عزیز ہی نے بنایا ہے؟"

وہ اس کے مسلسل ذکر پر دھڑکتے دل کی بے ترتیبی سے پریشان اس پر برس پڑی تو فرحین نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔

"گھر تو بہت بنے ہیں اور شاید اس سے زیادہ خوبصورت بھی ہوں مگر اتنی محبت سے کسی کے لیے شاید ہی بنا ہو۔"

محبت سے تو صرف تاج محل بنا کرتے ہیں۔" وہ تلخی سے مسکرائی۔"

وہ ایک زندہ تاج محل ہے روشی۔" فرحین نے اسے جتایا۔"

تو میں کیا کروں پھر..." اس کی نظروں سے پریشان ہو کر روشین نے کتاب میں پناہ لینا چاہی۔"

"کچھ اور نہیں مگر کسی کی خوشی کا سامان تو کر سکتی تھیں ناں۔"

فرحین کی بات پر روشین کی دھڑکنیں تھم سی گئیں۔ کیا وہ کچھ جانتی تھی؟

کیا مطلب ہے تمہارا۔" روشین نے تیوری چڑھاتے ہوئے لہجے میں سختی سموئی۔"

مگر وہ آرام سے بولی۔

ریان بھائی آج بہت اداس تھے۔ جو خوشی ہمیں انوائیٹ کرتے ہوئے ان کے چہرے پر تھی وہ آج ہمیں دیکھ کر نہیں "آئی۔"

فرحین نے کہتے ہوئے اس کے چہرے پر پھر سے کچھ کھوجنا چاہا۔

مگر روشین سکندر کسی کو اپنی "ہار" کا پتہ نہیں دینا چاہتی تھی۔

وہ ایسا ہی ہے۔ میں نے تو تمہیں بھی منع کیا تھا جانے سے مگر تمہیں تو بڑی خوشی ہو رہی تھی جا کے اس کے گھر کا بن" کاٹنے کی۔" روشین نے اس پر طنز کیا۔

"وہ بہت اچھے ہیں روشین۔ ابو سے بہت مختلف اور تمہا "

فرحین نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے اسے جانے کیا باور کرایا۔ وہ اس کی "باخبری" پر ساکت رہ گئی۔ صفحے پر موجود الفاظ اس کی نگاہوں سے گم ہونے لگے۔

"سن رہی ہو تم...؟"

فرحین نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے اسے جھنجوڑا۔

"... یہ کیا بدتمیزی ہے فری"

جو میں کہہ رہی ہوں وہ غور سے سنو۔ یہ کتابیں یہیں رہیں گی مگر وقت ہاتھ سے نکل جائے گا روشی۔" وہ اسی سنجیدگی" سے بولی تو روشین کا جی چاہا اسے کھری کھری سنادے۔

اتنے دنوں سے وہ جس بات کو جھٹلانے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ اسی کو حقیقت کا روپ دینے پر تلی ہوئی تھی۔ بنا انجام کی پرواہ کیے۔

گہری سانس بھرتے ہوئے اس نے کتاب بند کی۔

اچھا تمہارا خیال ہے کہ ریان عزیز میرا آئیڈیل ہے؟؟" پوری جان لگا کر اس نے اپنے لب و لہجے میں مضبوطی" بھری۔ تمسخر سے پوچھا پھر مذاق اڑانے والے انداز میں بولی۔

"میں نے مسخروں کو کبھی آئیڈیل نہیں بنایا۔"

"فضول باتیں مت کرو۔ وہ تمہارے لیے بہترین ہیں۔"

فضول گوئی تو تم کر رہی ہوں۔ ایسی بے کار بلکہ مفروضات پر مبنی باتیں نہ سوچا کرو۔" روشین نے سختی سے کہا۔"

یعنی تم کہنا چاہتی ہو کہ تم ریان بھائی میں انٹرسٹڈ نہیں ہو؟" فرحین بے یقینی سے بولی۔"

شٹ اپ۔" روشین نے اسے ناگواری سے ٹوک دیا۔"

اوکے..." خلافِ توقع وہ آرام سے مان گئی۔"

''تو بات کو یوں لے لیتے ہیں کہ وہ تم میں انٹرسٹڈ ہیں۔''

تو ہوتا رہے۔ مجھے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' اپنے اندر اٹھتے بھونچال کو دباتے ہوئے اس نے لاپروائی کا تاثر''

دیا تھا۔

تمہیں فرق نہیں پڑتا یا تم ابو کے ڈر سے فرق ڈال رہی ہو؟'' چند لمحے اسے دیکھتے رہنے کے بعد فرحین نے پوچھا۔''

تو کیا اس بات سے فرق نہیں پڑنا چاہیے؟'' روشین نے الٹا اس سے سوال کیا تو وہ تلخ لہجے میں بولی۔''

''جس کھونٹے سے وہ ہمیں باندھیں گے اس سے بہتر ہے کہ ہم اپنے لیے خود ہی کچھ اچھا سوچ لیں۔''

تو تم سوچ لو اپنے لیے کچھ اچھا۔'' وہ اکتا کر بولی۔''

سر پکڑ کے روؤگی کل کو۔'' فرحین نے اسے مستقبل کی تصویر دکھانا چاہی۔''

''جو قسمت میں ہو گا وہی ملے گا فری۔ ہم تقدیر سے لڑ نہیں سکتے۔''

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اداس سی ہو گئی۔

یہی سوچ تو تمہاری بے وقوفی ہے۔ سمندر میں ڈوبنے والا اگر محض اس سوچ سے ہاتھ پاؤں نہ مارے کہ اگر قسمت میں''

ہوا تو بچ جائے گا تو اس سے بڑی حماقت اور کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔'' فرحین زچ ہو کر بولی۔

''کوشش کر کے ناکام ہو جانا بہتر ہے اس سے پہلے کہ ہتھیار ڈال دیے جائیں۔''

خدا کے لیے فری۔ اب بند بھی کر دو اس موضوع کو۔ آخر میرا کیا تعلق ہے ریان عزیز سے؟'' اس نے غصہ سے تنگ''

کر کہا۔

''فرحین ویسے ہی چھوڑنے والی نہیں تھی۔'' ہے نہیں مگر ہو تو سکتا ہے۔

فرحین نے کہا تو اس کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو گئیں۔ اپنے چہرے پر دوڑتا خون خود اسے بھی محسوس ہو رہا تھا۔

میں نے تم سے کہا ناں کہ ان فضولیات میں مت پڑو اور نہ ہی مجھے گھسیٹو۔'' وہ بمشکل اپنے لہجے کی سختی برقرار رکھ''

پائی۔

"عادل بھائی کا انجام بھول گئی ہو کیا؟"

وہ ہر کسی کا یہی انجام کریں گے اس سے بہتر ہے کہ اپنے لیے اچھا راستہ منتخب کر لیا جائے۔" فرحین نے اطمینان سے" کہا۔

شٹ اپ۔اب میں اس موضوع پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔" روشین نے قطعی انداز میں کہا تو وہ اسے دیکھتی رہ" گئی۔

☆☆

احراز نے رشیدہ بیگم کو اپنی آمد کی اطلاع کر دی۔ حسبِ معمول یہ خبر نگینہ تک پہنچائی گئی اور وہ ان کی آمد سے پہلے ہی استقبال کو آ پہنچی۔

میلہ لگالیا ہے وہ کون سا امریکہ سے آرہے ہیں۔" ابرار نے اس کے دونوں بچوں کے شور سے تنگ آکر طنز کیا تو وہ برا" مان گئی۔

"ہاں جی۔اب تو یہاں تم لوگوں کی گھر والیاں ہی راج کریں گی۔ ہماری آمد اب کسے اچھی لگے گی۔"

رشیدہ بیگم نے ابرار کو گھورتے ہوئے نگینہ کا دھیان بٹانا چاہا۔

دو معصوم سے بچے ہیں میرے۔ کیسے منہ بھر کے "میلہ" کہہ دیا۔" وہ حسب عادت روہانسی ہو گئی۔"

اوہو۔دفع کرو اسے۔ایسے ہی بکواس کرتا رہتا ہے۔ تم سناؤ اپنی نند کی۔ کہیں رشتہ وغیرہ دیکھا اس کا۔" انہوں نے اب" کی بار اس کا پسندیدہ موضوع چھیڑا تو وہ فوراً تاثرات بدلتی ان کے پاس آ بیٹھی۔

نند کا کیا پوچھتی ہیں بلکہ ساس نند دونوں ہی چاپلوس ہیں۔یوں آگے آگے ہو کے ہر کام کرتی ہیں جیسے میری بہت سگی" ہوں مگر میں بھی خوب سمجھتی ہوں اگر میرے شوہر کی جیب سے بڑے بڑے نوٹ نہ نکلتے ہوں تو یہ کبھی میرے پاس بھی نہ پھٹکیں۔" وہ حقارت سے کہہ رہی تھی۔

بھئی کون نہیں پھٹکتا تمہارے پاس۔ ہم بھی تو سنیں۔" شازمہ دروازے ہی سے بولتی اندر لاؤنج میں آئی۔ یہ ان کے" ہمسائے فراز صاحب کی بہو تھی۔ تبھی نگینہ کی ان سے بڑی بنی رہتی تھی مگر آہستہ آہستہ نگینہ کو اندازہ ہو گیا کہ ان

دونوں کی طبیعتیں کچھ زیادہ میل نہیں کھاتیں تو وہ اس سے کھنچ سی گئی بلکہ اب تو اسے شازمہ کی آمد سے اچھی خاصی کوفت ہوتی تھی۔ اب بھی وہ بظاہر اسے مسکرا کے ملی مگر اندر بے زاری کی لہریں اٹھ رہی تھیں۔

یہی اپنی نند کی بات کر رہی ہوں۔ جانے کب تک اس گھر میں قبضہ کیے رکھے گی۔'' وہ ناگواری سے بولی۔''

ہائے۔ کیسی باتیں کرتی ہو نگینہ۔ جب تک اس کی شادی نہیں ہو جاتی تب تک تو یہی اس کا گھر ہے۔ ہاں، تمہارا بھی اتنا'' ہی حق ہے وہاں۔'' شازمہ نے ناصحانہ انداز میں کہا۔

اس کے یہی انداز نگینہ کو پسند نہیں تھے اور نہ اس کی طبیعت سے مطابقت رکھتے تھے۔

یہ سب کہنے کی باتیں ہوتی ہیں۔ ساس نندوں کو برداشت کرنا بہت حوصلے کا کام ہوتا ہے۔'' نگینہ نے یوں کہا جیسے دنیا'' میں فقط اسی کو ساس اور نندیں ملی ہوں۔

حالاں کہ شازمہ کی حالت تو حد سے زیادہ پتلی تھی اس معاملے میں۔ وہ بڑے حوصلے سے مسکرائی۔

ہاں تو میں نے کب کہا مگر جو اچھی ہوں ان کے ساتھ تو ہنسی خوشی رہا جاتا ہے اسے '' برداشت کرنا'' تو نہیں کہا'' جا سکتا۔

دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں بھابی۔'' نگینہ تنگ کر بولی۔''

اس کا موڈ سمجھتے ہوئے شازمہ نے رشیدہ بیگم کی طرف متوجہ ہو جانا مناسب سمجھا۔

''آپ سنائیں بہو رانی کب آ رہی ہے؟''

بس آج ہی آ رہے ہیں وہ دونوں اللہ خیر رکھے۔'' وہ مسکرادیں۔''

''... طبیعت کی اچھی بہو ملی ہے آپ کو''

شازمہ خود بھی دوستانہ مزاج کی مالک تھی۔ رانیہ سے ایک آدھ بار ملاقات ہوئی تو اس کی سادگی اور بے ساختگی اسے پسند آئی تھی۔

یہ تو آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا'' والا معاملہ ہے۔ شروع میں تو پتا ہے آپ کی ساس نندیں بھی یہی کہتی''

تھیں۔'' نگینہ نے بظاہر بڑے بھولپن سے اسے بات لگائی جسے سمجھتے ہوئے وہ پھیکے انداز میں مسکرا دی۔

''عورت کو بسنے کے لیے مرد کا ساتھ چاہیے ہوتا ہے نگینہ۔ کانوں کے کچے نہ ادھر کے رہتے ہیں اور نہ اُدھر کے۔''

ویسے میں تو اسے آپ کی بے وقوفی ہی کہوں گی اگر وہ آپ کے شوہر کے کان بھرتی ہیں تو آپ بھی ایک کی دس لگا کے''
انہیں بتائیں۔ کمال ہے یعنی شوہر امریکہ بیٹھا دھڑا دھڑ ڈالرز بھیجے جا رہا ہے اور آپ پھر بھی اسکول میں جاب کر کے اپنا
خرچ چلانے پر مجبور ہیں۔'' نگینہ نے ناک سکوڑتے ہوئے کہا۔

خیر۔ یہ ایک کی دس لگانے والی عادت تو مجھے کبھی نہیں لگی۔ ہاں اپنی صفائی پیش کر سکتی ہوں اور وہ میں کرتی رہتی ہوں''
فون پر۔'' شازمہ نے سادگی سے کہا تو وہ سر جھٹک کر خوامخواہ ہی علی کو آواز دے کر بلانے لگی پھر اسی بہانے سے باہر نکل
گئی۔

نگینہ کی ساری نہ سہی مگر کچھ بات تو درست ہی ہے شازمہ۔ تم کم از کم یوسف کو بتاتی تو رہا کرو یہاں کے''
حالات۔'' رشیدہ بیگم نے اسے ہمیشہ کی طرح سمجھایا۔

میرے سمجھانے کا اثر تو تب ہو جب وہ ان کے اثر سے نکلیں۔ چھ سال سے امریکہ میں بیٹھے ہیں۔ شادی کے بعد محض''
دو ماہ ہم نے ساتھ گزارے تھے اتنے عرصے میں مجھے کیا سمجھتے۔ ماں بہنوں کے ساتھ تو زندگی کے بتیس سال گزارے
ہوئے ہیں وہ ان کی نظر میں کیسے غلط ہو سکتی ہیں۔ میری کوئی بات ان کے دل کو لگتی ہی نہیں۔ سو اب تو میں نے کسی کی
'' شکایت کی بجائے صرف ایک ہی مطالبہ سامنے رکھا ہے کہ یا تو خود ہمیشہ کے لیے پاکستان آ جائیں یا مجھے وہاں بلا لیں۔

ہاں یہ بات بھی صحیح ہے۔'' انہوں نے کہا۔''

اوہو۔ آج تو بڑے بڑے لوگ آئے ہیں۔'' ابرار نے اندر داخل ہوتے ہی شازمہ کو ماں کے ساتھ باتوں میں مشغول''
دیکھ کر سیٹی بجائی۔

'' شازمہ نے اچٹتی نگاہ اس پر ڈالتے ہوئے جملہ کسا۔ ''اور یہ ''چھوٹے لوگ'' کہاں سے آ رہے ہیں؟

وہی... آوارہ گردی۔'' وہ صوفے پر ڈھے سا گیا۔''

تونہ کرو آوارہ گردی۔ کون سے ڈالر کما رہے ہو اس سے۔" رشیدہ بیگم نے اسے گھورا۔"
کہہ تو رہا ہوں کوئی بزنس کروادیں۔ آپ سنتی ہی نہیں۔" وہ چڑ کر بولا۔"
جتنے تم مانگ رہے ہو اس میں بزنس تو شروع نہیں ہو سکتا، ہاں عیاشی ضرور ہو سکتی ہے۔" رشیدہ بیگم کو غصہ آگیا۔"
آج دو روز کے بعد وہ گھر لوٹا تھا۔ نجانے کہاں آوارہ گردیاں کرتا رہتا تھا۔ سو وہ خود پر قابو نہ رکھ پائی تھیں ورنہ شازمہ کو چاہے ان کے گھر کی تقریباً ہر بات پتہ ہونے کے باوجود ابرار کی اس کے سامنے یوں کھنچائی نہیں کیا کرتی تھیں۔
دیکھ رہی ہیں آپ؟ یہ سلوک ہوتا ہے ہم غریبوں کے ساتھ اور جو یورو کماتے ہیں ان کی عیاشی نظر نہیں آرہی۔ ڈیڑھ" ہفتے سے مری اڑانیں بھر رہے ہیں۔" وہ شازمہ کو بات میں گھسیٹتے ہوئے بولا جو

اٹھنے کے لیے پر تول رہی تھیں۔
"رشیدہ بیگم اور غصہ آگیا۔" وہ کما رہا ہے تو کیا اسے خرچ کرنے کا کچھ حق نہیں؟
رہنے دیں آنٹی۔ آپ غصہ مت کریں۔ آج کل کے یہ "ویلے" (فارغ) نکمے لڑکے بس باتوں ہی کے بگھار لگا سکتے" ہیں۔ جب اپنے سر پر پڑے گی پھر پوچھیے گا آٹا کس بھاؤ ملتا ہے۔" شازمہ نے بھی طنز کیا تو وہ یوں محظوظ ہو کر مسکرایا جیسے اس کی تعریف کی ہو۔
ہونہہ آٹا! جیسی ملک کی صورتحال چل رہی ہے ناں۔ جب تک میں کمانے کے لائق ہوں گا تب تک تو شاید آٹے نام" کی شے ملک سے عنقا ہو جائے گی پھر ہم اپنی نسل کو بتایا کریں گے کہ کبھی ہم بھی گندم کھایا کرتے تھے پھر وہ کوئی "اور" کھا گیا۔"
وہ اس کی بات سن کر مسکراتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔
"ابرار تیزی سے سیدھا ہوا اور کہا" بیٹھیے ناں۔ ہمارے آتے ہی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

نہیں شکریہ۔ وہ تو آنٹی سے ملے اتنے دن ہو گئے تھے' میں نے سوچا تھوڑی دیر کو ہو آؤں۔" یہ کہتی ہوئی سلام"
کرکے دروازے سے نکل گئیں۔

کیا چیز ہے یہ بھی..." وہ ستائشی انداز میں کہتا صوفے پر پھیل کر بیٹھتے ہوئے بولا تو رشیدہ بیگم نے تیز نظروں سے اسے"
دیکھا۔

"شرم کرو۔ کسی کی بہو بیٹیوں کے متعلق ایسی بات نہیں کرتے۔"

جو اچھی چیز ہو اس کی تعریف تو کرنی چاہیے۔" وہ اطمینان سے بولا تو انہوں نے ناگواری سے کہا۔"

"چیز اور انسانوں میں فرق ہوتا ہے۔ بہر حال تم اپنے ہی دھیان میں رہا کرو۔"

افوہ۔ ایک تو آپ کی نصیحتیں۔" وہ چڑتے ہوئے سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔"

"یہی تعریف میں شازمہ بی بی کے سامنے کروں تو وہ پھولے نہ سمائے۔"

"...ہاں"

رشیدہ بیگم متحیر تھیں۔

"...نہ باجی، نہ بھابی۔ سیدھے شازمہ"

میری باجی بھابی کہاں سے ہو گئی وہ۔" وہ بے نیازی سے بولا اور ریموٹ اٹھا کے ٹی وی آن کر دیا۔"

وہ متاسفانہ نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔

ابھی شاید وہ اسے اور سمجھاتیں اسی وقت باہر سے نگینہ کے تیز تیز بولنے کی آواز آئی اور ساتھ شاید...ہاں، احراز کی آواز
تھی۔

رشیدہ بیگم تیزی سے اٹھ کر دروازے کی طرف لپکیں۔

وہ تینوں لاؤنج میں داخل ہو رہے تھے۔ احراز اور نگینہ آگے اور ان کے پیچھے رانیہ۔

یہ لیں امی...آ گئے ہیں مجرم۔" نگینہ نے تنک کر کہا تو احراز ہنستا ہوا اماں کے گلے لگ گیا جب کہ رانیہ اس کے انداز پر"

چور سی ہو گئی۔

آپ دونوں تو جیسے کوئی جرم کر کے بھاگے ہوئے تھے واپسی کو جی ہی نہیں چاہ رہا تھا۔" نگینہ تو ان کا کورٹ مارشل"

کرنے کے موڈ میں تھی۔

رشیدہ بیگم نے رانیہ سے گلے مل کر پیار کیا۔

اچھا اب بس کرو اور جا کے بھائی بھابی کے لیے کچھ پینے کو لاؤ۔ سفر سے لوٹے ہیں۔ شبینہ سے کہو کھانا گرم کرے"

فوراً" رشیدہ بیگم نے بیٹھتے ہوئے کہا تو احراز جو ابرار کو مل کے ابھی صوفے میں دھنسا تھا سیدھا ہو گیا۔

ارے نہیں کھانا وانا نہیں۔ راستے میں کے ایف سی سے تھوڑا بہت لے لیا تھا۔" اس کے منع کرنے پر نگینہ کا موڈ"

خراب ہو گیا۔

" یہ لیں۔ آپ کل سے اہتمام میں لگی ہوئی ہوں اور یہ جناب اپنی بیگم کے ساتھ کھا پی آئے ہیں۔"

رشیدہ بیگم ویسے تو شاید کچھ نہ سوچتیں مگر نگینہ کے بروقت شکوے نے ان کے دل کو بھی ٹھیس پہنچائی تھی۔

رانیہ شرمندہ سی بیٹھی دونوں ہاتھ مسل رہی تھی۔ جیسے سارا قصور اسی کا ہو۔

بھئی ایسا کون سا مسئلہ ہے۔ رات کو کھالیں گے سب کچھ۔ ابھی تو سفر کی تھکاوٹ ہے۔ ہاں چائے چلے گی ضرور"۔"

احراز نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

السلام علیکم..." شبینہ ہنستی ہوئی آکر رانیہ سے ملی۔"

ہائے۔ بھابی آپ تو اور بھی پیاری ہو کے آگئی ہو"۔ وہ تو یوں بھی خوبصورتی پر مر مٹنے والی تھی جبکہ اس کی یوں کھلے عام"

تعریف پر رانیہ کا چہرہ لال ہو گیا۔

ہونہہ...!" نگینہ نے سر جھٹکا اور چائے بنانے کے ارادے سے کچن میں چلی گئی۔"

واقعی...!" ابرار نے تنقیدی نظروں سے رانیہ کو دیکھا۔" شبینہ ٹھیک ہی کہہ رہی ہے"۔"

سی گرین کلر کے لباس میں وہ کھلا ہوا گلاب لگ رہی تھی۔ بے فکری کے دنوں نے اس کے چہرے پر گلال پھیلا دیا تھا اور کچھ احراز کی محبتوں کا اعجاز۔

خوبصورت تو وہ پہلے بھی تھی مگر اب تو واقعی اس پر نظر نہیں ٹھہر رہی تھی۔

ان کی تو لاٹری نکل آئی ہے) ابرار گہری سانس بھر کے چینل بدلنے لگا۔)

نگینہ چائے لے کے آئی تو خالی چائے دیکھ کر رشیدہ بیگم اسے ٹوکے بنا نہ رہ سکیں۔

سنا نہیں آپ نے۔ راستے میں کے ایف سی سے کھا پی کے آرہے ہیں"۔"

وہ لاپرواہی سے بولی اور اپنا کپ سنبھال کر بیٹھ گئی۔ شبینہ نے ایک کپ احراز کو اور دوسرا رانیہ کو تھما دیا تھا۔ بظاہر وہاں گفتگو کا خوشگوار دور شروع ہو گیا مگر رشیدہ بیگم کا ذہن کسی اور ہی الجھن میں تھا۔

وہ بیٹے کے انتظار میں اتنی دیر بھوکی بیٹھی رہیں اور وہ اتنے مزے سے بیوی کے ساتھ کھا پی کے آگیا تھا۔

نگینہ کی باتیں ان کے دل کو لگ رہی تھیں۔

☆☆☆

روشین آج یونیورسٹی نہیں گئی تھی۔ اسے پتہ تھا کہ آج فرحین کا عادل کے ہاں جانے کا ارادہ ہے اور اسے یہ بھی علم تھا کہ فرحین اسے اپنے ساتھ لے جائے بغیر نہیں مانے گی' سو اس نے گھر رہنا ہی مناسب سمجھا۔

پتہ ہے مجھے کیوں منہ چھپا کے بیٹھ رہی ہو۔ وہاں کون ساریان بھائی آئے ہوں گے"۔ فرحین نے چڑ کر کہا تو وہ یوں" بدکی جیسے بچھو نے کاٹ لیا ہو۔

شٹ اپ! مجھے اس سے کیا لگے۔ وہ آئے چاہے نہ آئے"۔"

جانتی ہوں میں سب... بزدل"۔ وہ بڑبڑاتی ہوئی نکلی تھی۔"

تم کچھ بھی کہو فرحین۔ مگر مجھے اس راہ پر نہیں چلنا جس کی منزل ریان عزیز ہے"۔"

اس کے جانے کے بعد وہ آسیہ بیگم کے پاس آبیٹھی تو ذہن الجھا ہوا اور پراگندہ سوچوں سے اٹا تھا۔

کیا بات ہے۔ طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟'' وہ ان باتوں کا ہوں' ہاں میں جواب دے رہی تھی جب آسیہ بیگم نے''

تفکر سے پوچھا تو وہ پھیکے سے انداز میں مسکرادی۔

بس یونہی سر میں درد سا ہے''۔''

تو کوئی ٹیبلٹ لی ہوتی''۔''

لی تھی ناشتے کے بعد''۔''

وہ بے زاری کے حصار میں تھی۔

اچھا جائو پھر تیل کی شیشی لے آئو۔ ابھی مساج کروں گی تو بہت فرق پڑے گا''۔ انہوں نے اسے پچکارا تو ان کی محبت''

پر روشین کا دل بھر آیا۔

اب اتنا بھی درد نہیں ہے''۔ وہ مسکرادی تھی۔ پھر ان کے اصرار پر وہ تیل کی شیشی اٹھانے ڈریسنگ ٹیبل کی طرف''

بڑھی تبھی سکندر حیات اندر داخل ہوئے تھے۔

روشین انہیں سلام کرتی وہیں سے باہر نکل آئی۔

(آج ابو بے وقت کیسے...؟)

سکندر حیات کی بے وقت آمد کبھی بھی کسی طوفان سے کم نہ ہوتی تھی۔ چاہے چھوٹا موٹا ہی سہی۔ وہ باہر لائونج میں آبیٹھی۔

اور واقعی تھوڑی دیر کے بعد اندر سے آوازیں آنی شروع ہو گئیں۔

روشین کا دل سہم گیا۔

کتنی ہی دیر تک وہ بولتے رہے اور حیرت کی بات تھی کہ آج پہلی مرتبہ آسیہ بیگم کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔

روشین کے خوف میں اضافہ ہوا۔

(ایسی کیا بات ہوئی بھلا...؟)

اسی وقت سکندر حیات نے اسے پکارا تو وہ اچھل پڑی۔ دل ہاتھوں پیروں میں دھڑکنے لگا۔

الٹے سیدھے قدموں بھاگتی وہ ان کے سامنے پہنچی تھی۔

"یہ میری بچی ہے آسیہ بیگم۔ فرمانبردار اور نیک"۔ انہوں نے روشین کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ مرتے مرتے بچی۔

اس نے آسیہ بیگم کی طرف دیکھا تو اُن کی حالت عجیب سی تھی۔ سرخ رنگت اور تیز تنفس۔ جیسے وہ سخت غصے میں ہوں۔

"اس معصوم کو اپنے مفاد کی آگ میں مت جھونکیں سکندر خدا کے لئے"۔ وہ تیز لہجے میں بولیں تو انہوں نے آنکھیں نکالیں۔

"بکواس بند کرو۔ ساری عمر بیٹے کی شکل کو ترسو گی۔ کبھی پائوں نہیں رکھنے دوں گا اسے اس گھر میں۔ اگر میرا بھائی یہاں نہ آیا تو"۔

"وہ جیسے اور جتنے راضی ہیں ہمیں اتنا ہی کافی ہے"۔ آسیہ بیگم یوں ان کے سامنے کبھی ڈٹ کے کھڑی نہ ہوئی تھیں اور روشین۔

اس کا سارا خوف جیسے اڑن چھو ہو گیا تھا۔ سر پر باپ کے دست شفقت اور منہ سے نکلے چند لفظوں نے اس کی ذات کو معتبر کر دیا تھا۔

"جب دل صاف کرنے کا ایک موقع مل رہا ہے تو تم کیوں روڑے اٹکا رہی ہو"۔

وہ غرائے تھے پھر قطعیت سے بولے۔

"اور ایک آخری بات۔ اگر تم عادل کو اس گھر میں لانا چاہتی ہو اس کی بیوی سمیت تو اس کا ایک ہی حل ہے روشین اور

عمر کی شادی"۔ روشین کو لگا اس کے سر پہ آسمان آ گرا ہو۔

"کیوں میری بیٹی۔ کیا تم نہیں چاہتیں کہ تمہارا بھائی اس گھر میں آئے؟" وہ بڑے میٹھے لہجے میں روشین سے پوچھ رہے تھے اس نے خشک حلق کے ساتھ اثبات میں سر ہلایا۔

"میرا بھی دل چاہتا ہے"۔ انہوں نے بڑے درد بھرے انداز میں ایک "انہونی" خبر سنائی۔

"میں کوئی پتھر تو نہیں ہوں۔ میرا بھی دل چاہتا ہے کہ میرے تمام رشتے میرے ساتھ ہوں"۔

(آپ کے پاس دل ہے ہی کہاں ابو)

روشین کا دل رونے لگا۔

"اور رضوان نے اپنے میرے رشتے کو برقرار رکھنے کے لئے فقط ایک ہی راستہ رکھا ہے۔ وہ بہت پیار اور مان کے ساتھ روشین کو اپنی بہو بنانا چاہتا ہے"۔ وہ قطعیت سے کہہ رہے تھے۔ صاف لگ رہا تھا کہ آخری فیصلہ بھی انہی کے ہاتھ میں تھا۔ باقی سب تو خانہ پری تھی۔

"میں اپنی بیٹی کو داؤ پر نہیں لگنے دوں گی سکندر"۔ آسیہ بیگم پھپک کر رو دیں تو انہوں نے دانت کچکچائے۔

"میں نے تمہیں کہا ہے کہ تم اس بات میں مت بولو۔ یہ فیصلہ صرف روشین کرے گی اور مجھے سو فیصد یقین ہے کہ یہ میرا مان ضرور رکھے گی"۔ انہوں نے پھر سے روشین کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ آنسوؤں سنگ رو دی۔

"جی ابو"۔ اس نے سر جھکا دیا تھا۔

کیونکہ سر پر رکھے مان کا بوجھ بہت زیادہ تھا۔

☆☆☆

وہ جلدی سے اس کی بنیان اور شلوار رکھ کے پلٹی تو اسے دیوار کی طرح راہ میں ایستادہ پایا۔

"اب کیا ہے۔ ازار بند ڈال دیا ہے"۔ اس نے بیڈ پر پڑے اس کے کپڑوں کی طرف اشارہ کیا تھا۔ احراز نے اس کا دوپٹہ

اپنے ہاتھوں پہ لپیٹا۔

"کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ تم مجھے اپنے دوپٹے کے پلو سے باندھ لو اور اپنے ساتھ لیے پھرو"۔ اس کی آنکھوں میں شرارت کی چمک تھی۔ رانیہ نے اپنا دوپٹہ کھینچا۔

"امی نے چائے کا کہا تھا۔ میں قہوہ بنانے کو پانی چولہے پر رکھ آئی ہوں"۔

"ہاں تو رکھ آئی ہو نا۔ پھر کیا مسئلہ ہے؟" وہ اس کے دوپٹے کو کھینچ کر اسے خود سے قریب کرنے لگا۔

"وہ... ابل جائے گا"۔

"اور جو میرے جذبات اُبل رہے ہیں ان کا کیا؟" وہ بڑی معصومیت سے پوچھ رہا تھا۔

"احراز... کمال کرتے ہیں آپ بھی"۔ اس کی رنگت سرخ پڑنے لگی۔

بمشکل اس سے جان چھڑا کر وہ کچن میں پہنچی تو شبینہ کپ میں چائے انڈیل رہی تھی۔

رانیہ چور سی ہو گئی۔

"وہ... میں پانی رکھ کے گئی تھی"۔

"وہ تو کب کا سوکھ چکا۔ کم از کم امی کا کہا کام تو فوراً کر دیا کریں"۔ وہ ناک چڑھا کر کہتی چائے لے کر نکل گئی تھی۔

اور اب وہ جانتی تھی کہ شبینہ کیا کرے گی۔ بلکہ شبینہ اور نگینہ دونوں ہی کی عادت تھی رانیہ کے ساتھ گپیں لڑا کے ٹائم گزارنے کے بعد وہ ماں کے پاس بیٹھ کے پھر اس پہ نکتہ چینیاں کیا کرتی تھیں اور اس کی ایسی ایسی بات چُن کے بتائی جاتی جس کی خود رانیہ کو بھی خبر نہ ہوتی۔

وہ مردہ قدموں سے رشیدہ بیگم کے کمرے کی طرف بڑھی تو شبینہ کی آواز نے اس کے قدم باہر ہی روک دیئے۔

"میں خود بنا کے لائی ہوں۔ انہیں تو اب احراز بھائی کے سوا کوئی دکھائی ہی نہیں دیتا۔ ہر وقت بہانے بہانے سے کمرے میں گھسی رہتی ہیں"۔ کنواری نند کے منہ سے ایسی باتیں سن کر اس کی ہمت ہی نہ ہوئی کہ اندر جائے۔ جانے رشیدہ بیگم کے کیا تاثرات تھے۔ وہ مرے مرے قدموں سے اپنے کمرے میں لوٹ آئی۔

"دیکھا۔ کھینچ لیا نا میرے پیار نے"۔ وہ اسے واپس آتے دیکھ کر چھیڑنے لگا۔ مگر وہ جواب دیئے بغیر بیڈ کے کنارے ٹک گئی۔

"کیا ہوا؟" احراز نے اس کی خاموشی کو فوراً بھانپ لیا۔

"بہت گندے ہو آپ!" وہ قدرے چڑ گئی۔

"ارے ..." وہ حیران ہوا۔ پھر اس کی چٹیا تھام کے ہلکا سا جھٹکا دیا۔

"یہ فتویٰ کیوں دیا جنابہ نے؟"

"چھوڑیں۔ آپ کو تو ہر وقت مذاق ہی سوجھتا رہتا ہے"۔ وہ خفگی سے بولی تھی۔

"افوہ... ہوا کیا ہے آخر۔ ہماری ملکۂ عالیہ کا موڈ کس گستاخ کی وجہ سے خراب ہوا ہے؟"

وہ دل ربائی پر اتر آیا مگر رانیہ واقعی پریشان تھی۔

"آپ کی وجہ سے۔ نہ آپ مجھے بے وقت روکتے اور نہ امی جان کی حکم عدولی ہوتی"۔

وہ اسی ناراضی سے بولی تو احراز کو ہنسی آ گئی۔

"کیسی حکم عدولی؟"

"انہوں نے مجھے چائے بنانے کو کہا تھا۔ میں آپ کی بنیان نکالنے اور شلوار میں ازار بند ڈالنے کے لئے آ گئی ادھر شبینہ نے چائے بنا کر امی کو دے بھی دی"۔

!" وہ لاپروائی سے بولا۔"

مگر میں نے تو نہیں بنائی نا"۔ وہ یہ نہ کہہ سکی کہ چائے کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت "کچھ" رشیدہ بیگم تک پہنچ گیا" تھا۔

تو اس میں پریشانی کیسی؟ تمہیں اتنا ہی شوق ہو رہا ہے چائے بنانے کا تو میرے لئے بنا لائو"۔ وہ بولا تو وہ اثبات میں سر" ہلاتی اٹھ گئی۔

چلو رہنے دو۔ ابھی کمرے میں آ ہی گئی ہو تو فضول باتوں میں وقت کیوں گنوا رہی ہو۔ ادھر آئو ذرا میرے پاس"۔"

اس کے ایکدم سے ٹریک بدلنے پر رانیہ کا دل زور سے دھڑکا۔ ذرا سی پلکیں اٹھا کے اسے دیکھا تو اسے بڑے استحقاق سے اپنی طرف متوجہ پا کر سٹپٹا گئی۔

ابھی میں نے کھانے کی تیاری کرنی ہے"۔"

ہاں' تو...؟" احراز نے ہاتھ کے اشارے سے اسے اپنی طرف بلاتے ہوئے پوچھا۔"

تو پھر یہ کہ... دیر ہو جائے گی"۔"

نہیں۔ جلدی چھٹی مل جائے گی"۔ وہ مسکراہٹ دباتے ہوئے اس کی گھبراہٹ دیکھ رہا تھا۔"

امی... میرا مطلب ہے کہ پھر شبینہ کو کچن میں جانا پڑے گا"۔"

وہ مصلحتاً بات لپیٹ گئی۔ ورنہ وہ جانتی تھی کہ شبینہ کچن میں جانا بالکل بھی پسند نہیں کرتی۔ اس لئے بہتر تھا کہ اپنا کام خود ہی نمٹا لیا جاتا۔

اوئے ادھر بیٹھو تم"۔ احراز نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے قریب بٹھا لیا۔"

"یہ بتائو شادی کیوں کی تھی تم نے؟"

وہ تقریباً ڈپٹ کر پوچھ رہا تھا۔ وہ ڈر سی گئی۔

وہ جی... چچی کے گھر سے چھٹکارا پانے کے لئے"۔"

اور میں... میں کہاں فٹ ہوتا ہوں اس چکر میں؟" احراز نے اسے گھورا۔ تو وہ جذب سے بولی۔"

آپ تو... میرے نجات دہندہ ہیں"۔"

اور میرے لئے ہی تمہارے پاس وقت نہیں ہے۔ ہر وقت کام' کچن ہی کی ہو کے رہ گئی ہو۔ بہانوں سے بلانا پڑتا ہے"

تمہیں"۔ وہ شکوہ کناں تھا۔

رانیہ کا دل اس کی محبت سے بھرنے لگا۔

ایسا تو کچھ نہیں ہے۔ اور پھر گھر تو مجھے ہی سنبھالنا ہے۔ امی کے آرام کے لئے۔ شبینہ تو کل کو بیاہ کے چلی جائے گی"۔"

جب تک یہاں ہے تب تک تو اسے کچن سنبھالنے دو یار۔ اگلے گھر کے لئے کچھ سیکھ لے گی تم اتنے دن میرا دل بہلاؤ"

مجھے سنبھالو"۔ وہ اس کی سنہری چٹیا کے بل کھولتے ہوئے مخمور انداز میں کہہ رہا تھا۔

رانیہ کا ننھا سا دل کانپ گیا۔ احراز کی محبت بوند نہیں ساون تھی جس نے اس کی پور پور کو سیراب کر دیا تھا۔

☆☆☆

امی خدا کے لئے۔ اب بس بھی کریں۔ مجھے مار لیں۔ مگر یوں رو رو کر اپنی طبیعت خراب مت کریں"۔ روشین ان کی"

حالت دیکھ کر خود بھی رو دی تھی۔

کیوں روشی۔ کیوں مانی تم نے ان کی بے ہودہ شرط؟" وہ بے بسی سے پوچھ رہی تھیں۔"

"زندگی میں پہلی بار اتنی محبت سے کچھ مانگا ہے انہوں نے انکار کیسے کرتی امی"۔

وہ رندھے ہوئے لہجے میں کہتی ان کا دل چیر گئی۔

"یہ سب ڈرامہ تھا۔ ڈھکوسلے بازی تھی روشی۔ اس شخص کو محبت کرنا تو دور اس لفظ کے ہجے تک نہیں معلوم"۔ وہ پہلی مرتبہ اپنے کسی بچے کے سامنے سکندر حیات کی ذات کے متعلق بول رہی تھیں۔

"کچھ بھی ہوا جی۔ اب میں آپ کو مزید سلگتے' کلستے نہیں دیکھ سکتی۔ کیا میں نہیں جانتی کہ آپ عادل بھائی اور ان کے بچے کے لئے کتنا تڑپتی ہیں۔ اب جبکہ خدا نے ان کو لوٹنے کی ایک راہ کھول ہی دی ہے تو یوں ناشکری مت کریں"۔

روشین بہت بزدل اور کمزور دل تھی۔ مگر اس بات پر چٹان ثابت ہوئی تھی۔

عادل کو اس گھر میں اس کا سابقہ مقام دلانے کے لئے وہ کسی بھی قسم کی قربانی دے سکتی تھی۔

"تم نہیں جانتی روشی۔ اپنے چچا کے گھر کا ماحول۔ ان کی باتیں ان کی سوچ۔ تمہاری سوچ بھی وہاں تک نہیں جا سکتی میری بچی"۔

آسیہ بیگم کھول کے ان لوگوں کی ذہنیت اس پر واضح نہیں کر سکتی تھیں کہ جیسے انہوں نے چچی جیسی خرانٹ عورت کے ساتھ چند سال گزارے تھے یہ وہی جانتی تھیں۔

اور اب ان کی اولاد بھی بالکل انہی کا پرتو تھی۔ روشین تو گویا اندھی کھائی میں چھلانگ لگا رہی تھی۔

"اگر میری ذرا سی قربانی سے اس گھر کی خوشیاں لوٹ سکتی ہیں تو امی آپ میری ہمت کیوں نہیں بندھاتیں۔ اور پھر اب کی دفعہ تو ابو نے آپ کا ساتھ نہیں دیا مگر میری پُشت پناہی کے لئے تو وہ ہر وقت موجود ہیں۔ میرے ساتھ کوئی ویسا نہیں کر سکتا"۔ وہ سرخ ہوتی آنکھوں کے ساتھ' بہتے آنسوئوں اور رُندھی آواز کے ساتھ ان سے زیادہ خود کو یقین دلا رہی تھی۔

وگرنہ عمر رضوان حیات جیسے فرسودہ خیالات رکھنے والے' مادیت پرست شخص سے جتنی گھبراہٹ اسے ہوتی تھی یہ

اس کا دل ہی جانتا تھا۔ اس کے آنے پر اس کے ساتھ ایک آدھ گھنٹہ گزارنا بہت مشکل تھا۔

کجا ایک زندگی؟ ایک پوری زندگی...؟

اسے تو اپنی پوری ہمت مجتمع کرنا تھی۔

اپنی خوشیوں کے لئے میں تمہاری زندگی داؤ پر لگا دوں...؟ ایسی سنگدل ماں نہیں ہوں میں"۔"

رو تو وہ بھی رہی تھیں۔ اپنے نصیبوں کو۔

بیٹا باپ کی نہ مان کر گھر بدر ہوا۔ اور بیٹی باپ کا کہا مان کر زندگی مشکل ترین بنانے چلی تھی۔

امی پلیز۔ خدا کے لئے آزما لینے دیں انہیں ایک بار چچا کی فیملی کو۔ تبھی ان کا مان ٹوٹے گا۔ ورنہ ساری عمر ہر موڑ پر یہ"

طنز یہ طعنے یہ گالی گلوچ... یہ کبھی ختم نہیں ہو گا"۔

روشین نے بلکتے ہوئے ان کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔

آسیہ بیگم نے بے قرار ہو کر اسے سینے سے لگا لیا۔

وہ ان کی پیاری اور لاڈلی بیٹی تھی۔ انہی کا پر تو۔

اور انہیں یہی لگا جیسے ایک اور آسیہ ایک اور سکندر حیات کی زندگی میں داخل ہو کر آزمائش میں پڑنے والی ہے۔

فرحین کو مت بتایئے گا امی۔ ورنہ وہ زمین آسمان ایک کر دے گی یہ سن کر کہ ابو نے عادل بھائی کو لوٹنے کی شرط کے"

عوض یہ شادی کرنا ہے اور عادل بھائی کو تو بھنک بھی نہ پڑے ورنہ شاید ہم ساری عمر ان کے لوٹنے کو ترسیں وہ تو کبھی

بھی نہیں مانیں گے"۔

کافی دیر کے بعد جب ذرا طبیعت میں ٹھہراؤ آیا تو روشین نے ان کی گود میں سر رکھے مدھم لہجے میں کہا تھا۔ ان کا دل

کٹ کے ٹکڑے ہونے لگا۔

جیسے چل رہا ہے ویسے چلنے دو روشین میری بچی۔ وہ لوگ تم سے بہت مختلف ہیں"۔ وہ بے بس تھیں۔ مگر الفاظ پر تو"

ان کا زور تھا۔

آپ شکر کریں کہ ابو نے اس رشتے کے عوض عادل بھائی کے اس گھر میں داخل ہونے کی شرط رکھ دی۔ ورنہ اگر وہ دو"
بول پڑھوا کر مجھے عمر کے ساتھ رخصت کر دیتے تو کس نے روک لینا تھا"۔ اس نے تلخی سے کہا تو وہ چپ سی ہو گئیں۔
اس کی بات میں بہت وزن تھا۔

واقعی اگر سکندر حیات اپنی کرنی پہ آتے تو ان کے سامنے کھڑے ہونے کی کس کی مجال تھی۔
بالفرض کوئی کھڑا ہو بھی جاتا تو ایک دنیا تماشہ دیکھتی اور یہ انہیں کسی طور پر منظور نہ تھا۔
وہ تو اپنی زندگی کی کٹی پھٹی کتاب کو اب تک دنیا کی نگاہوں سے اوجھل رکھے ہوئے تھیں۔
سکندر حیات نے تو بڑی خوشی سے یہ خوشخبری اپنے بھائی کے گھر پہنچائی مگر جب فرحین کو علم ہوا تو گھر میں پہلے تو
خاموشی چھائی پھر ایک طوفان سا آگیا۔
دماغ تو نہیں چل گیا تمہارا...؟" وہ روشین پر چلائی تھی۔"
اس میں دماغ خراب ہونے والی کون سی بات ہے۔ کیا میں دنیا میں پہلی لڑکی ہوں جس کی منگنی ہونے والی ہے؟" "
روشین پر طوفان گزرنے کے بعد والا سکوت طاری تھا۔ اس نے بہت آرام سے کہا۔
فرحین بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی۔
"تم عمر حیات سے شادی کروں گی؟"
تم تو یوں پوچھ رہی ہو جیسے یہ کوئی انہونی ہے جو ہونے جارہی ہے"۔ وہ اب بھی خود کو لاپرواہ ظاہر کر رہی تھی۔"
مگر فرحین کی تیز نگاہوں کا نشانہ بننا بہت مشکل تھا۔ وہ تو ذرا سی دیر میں اس سے سب کچھ اگلوا لیتی سو اس نے الماری کے
پٹ کھولے اور اپنے ترتیب سے رکھے کپڑوں کو خوامخواہ ادھر ادھر کرنے لگی۔

فرحین صدمے کی گرفت میں تھی ورنہ اس کی یہ "خوامخواہ" کی مصروفیت کو فوراً بھانپ لیتی۔

"انہونی ہی تو ہے۔ ابھی صبح تک تو ایسا کچھ نہیں تھا۔ یہ چند گھنٹوں میں کیا ہوا کہ تم اس ڈفر سے شادی پر آمادہ ہو گئیں؟"

وہ تیز لہجے میں کہتی اس کا بازو تھام کر کھینچتی اسے کمرے کے وسط میں لے آئی۔

"فضول باتیں مت کرو فری"۔ وہ خجل سی ہو گئی عمر کی اس تعریف پر۔

"ابو نے مجھ سے پوچھا تھا۔ مجھے کوئی اعتراض دکھائی نہیں دیا تو میں نے ہاں کہہ دی"۔

"کیا مطلب... یعنی تمہیں... تمہیں اس رشتے میں کوئی اعتراض ہی دکھائی نہیں دیا... اندھی ہو چکی ہو تم"۔ وہ جیسے غرائی تھی۔

"ہاں تو کیا برائی ہے عمر میں۔ امریکہ پلٹ ہے۔ جوان اور اٹریکٹیو ہے۔ پیسہ ہے اس کے پاس۔ زندگی گزارنے کو اور کیا چاہیئے ہوتا ہے"۔ وہ لاپروائی کا شاندار مظاہرہ کر رہی تھی۔

فرحین کا جی چاہا ایک تھپڑ اسے دے مارے۔

"ان خوبیوں سے متاثر ہوئی ہو تم۔ تف ہے تم پر روشی"۔ وہ مزید بھڑکی تھی۔

"ایک اچھے رشتے میں تو یہی خوبیاں ہوتی ہیں"۔ وہ بولی۔

"اور دنیا پاگل ہے جو مخلص اور اچھی طبیعت کے بندے ڈھونڈتی پھرتی ہے"۔ فرحین نے تلخی سے کہا تھا۔

"مجھے سمجھ نہیں آ رہی۔ اعتراض تو مجھے کرنا چاہیئے تھا۔ تمہیں کیا پرابلم ہے؟" روشین نے اب دوسرے طریقے سے اسے ہینڈل کرنا چاہا۔

ورنہ فرحین تو سمجھو "سونامی طوفان" تھی۔ اس کی تمام حد بندیوں کو ایک ہی لہر میں بہا لے جاتی۔

"کیوں... میرا تم سے کوئی رشتہ نہیں ہے؟" فرحین کو غصہ آیا تھا۔

"مگر یوں نکتہ چینیاں کرنے کی کیا ضرورت ہے"۔ روشین نے رکھائی سے کہا تو وہ بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی۔

میں نے کہانا مجھے شادی تو کہیں بھی کرنی تھی پھر عمر حیات میں مجھے ایسی کوئی خرابی دکھائی نہیں دی کہ میں اعتراض"
کرتی"۔

کہیں بھی کرنی تھی تو پھر عمر حیات ہی کیوں... ریان عزیز کیوں نہیں؟" وہ چلائی تھی۔"

روشین کا دل تھم سا گیا۔

صبح سے وہ ریان کا تصور بھی کرنا نہیں چاہ رہی تھی۔ خود کو قصداً کاموں میں مصروف کر کے وہ اس کی سوچوں سے بچ رہی تھی۔

مگر فرحین نے ایک ہی وار میں اسے سامنے لا کھڑا کیا تھا۔

بولو... بتاؤ مجھے"۔ فرحین نے اسے جھنجھوڑا۔"

چہ... ریان کے متعلق تو تم نے خود ہی سب کچھ فرض کر رکھا ہے۔ میں نے کبھی کہا تم سے کہ میرے دل میں اس کے"
لئے کچھ ہے'۔ روشین نے تلخی سے جواب دیا تھا۔

ہونہہ۔ بہت خوب۔ یعنی ریان میں تمہیں جو خوبیاں دکھائی نہیں دیں وہ عمر حیات میں مل گئی ہیں"۔ فرحین"
استہزائیے سے پُر لہجے میں بولی۔

تم جو بھی کہو"۔ روشین نے روکھے انداز میں کہا تو وہ ششدر سی اسے دیکھ کے رہ گئی۔"

☆☆☆

کبھی ہم غریبوں پر بھی نظر کرم کر لیا کرو۔ ادھر ادھر بھاگ دوڑ لگا رکھی ہے"۔ احراز نے تیزی سے کچن کی طرف"
بڑھتی رانیہ کا ہاتھ تھاما۔

وہ صوفے پر نیم دراز ٹی وی دیکھ رہا تھا۔

ہانڈی چولہے پر چڑھائی ہوئی ہے میں نے"۔ رانیہ نے اسے اطلاع پہنچائی۔"

شرم کرو۔ میں تو یوں بھی کچھ دنوں کا مہمان ہوں۔ پھر تو یاد کرو گی مجھے"۔ وہ بے ساختہ بولا تو رانیہ پھٹی پھٹی نظروں"

سے اسے دیکھنے لگی۔

"... کچھ دنوں کا مہمان"

اس کا دل مفروضے گھڑ کے ڈوب سا گیا تھا۔

فرحین کتنی ہی بار آسیہ بیگم سے الجھی تھی۔

اس کا تو دماغ خراب ہو گیا ہے امی جان! مگر آپ تو خوب سمجھتی ہیں چچا جان کے گھرانے کو پھر بھی اسے "خودکشی" "

"سے نہیں روک رہیں بلکہ الٹا منگنی کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔

اور وہ چپ چاپ آنسو پیتی روشین کے ساتھ کبھی بازار اور کبھی ٹیلر کے پاس چکر لگا رہی تھیں۔

انہیں روشین کی بات بہت اچھی طرح سمجھ میں آگئی تھی کہ واقعی اگر سکندر حیات کسی سے بھی پوچھے بغیر اس کا ہاتھ عمر کے ہاتھ میں تھما کر رخصت کر دیتے تو وہ کیا کر لیتیں؟

دوسرے یہ کہ سکندر حیات کی شرط نے بھی انہیں ڈانواں ڈول کر دیا تھا۔

مگر پھر بیٹی کے مستقبل کا خیال آتا تو کلیجہ کانپ جاتا لیکن وہ جانتی تھیں کہ ہنس کے چاہے، رو کے عمر رضوان حیات نامی کڑوا گھونٹ انہیں پینا ہی تھا مگر فرحین کیوں سمجھوتہ کرتی۔ وہ تو چچا کے گھر قدم رکھنا بھی گوارا نہیں کرتی تھی کجا اسے بہن کی سسرال کے روپ میں دیکھتی۔

اس نے یہ خبر فوراً عادل تک پہنچائی تو اس نے بے تاب ہو کر اسی وقت روشین کو فون کیا۔

تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔ میں ابو سے بات کرتا ہوں۔" وہ کڑے تیوروں کے ساتھ بولا تو روشین کا دل رو پڑا مگر وہ"

جانتی تھی کہ اسے اپنی زندگی کی تمام تر ہمت مجتمع کر کے اس معاملے کو سنبھالنا ہے۔

آپ کیا بات کریں گے؟ انہوں نے مجھ سے پوچھا تھا۔" وہ اطمینان کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولی۔ ادھر عادل کو فرحین"

نے شاید پورا معاملہ نہیں بتایا تھا۔ اسی لیے اسے معاملے کی سنگینی کا اندازہ نہیں تھا۔

"وہ ایسا فیصلہ کرنے کے مجاز نہیں ہیں روشی، جس میں تمہاری رضامندی نہ ہو۔"

عادل نے اسے سمجھایا۔

"آپ سے کس نے کہا کہ میں رضامند نہیں ہوں؟" روشین نے الٹا اس سے پوچھا تو مارے تحیّر کے وہ چپ رہ گیا۔

"یعنی کہ تم... تم عمر سے شادی پر راضی ہو۔" عادل کو یقین نہیں آرہا تھا۔

"...جی"

اس وقت مختصر جواب ہی غنیمت تھا ورنہ تو حلق میں آنسوؤں کا نمکین گولہ پھنسا ہوا تھا۔

"دماغ ٹھیک ہے تمہارا... یہ تمہارا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔" وہ کافی دیر بعد بولنے کے قابل ہوا۔ ناگواری سے کہے گئے الفاظ

روشین کا دل بھینچ گئے۔

اس کا بھائی اسے کتنا جانتا تھا۔

"ابو نے واقعی مجھ سے پوچھا تھا۔"

وہ اسے یقین دلانے لگی۔

"پوچھا تھا یا آرڈر دیا تھا؟" وہ چبھتے ہوئے لہجے میں بولا۔

"میں نے اپنی مرضی سے ہاں کہی ہے عادل بھائی۔ ابو اب بہت بدل گئے ہیں۔ وہ تو میری منگنی کے موقع پر آپ کو

راضی کرنے کا بھی کہہ رہے ہیں۔" وہ آنسو پیتے ہوئے بولی تو عادل کو حیرت کا جھٹکا لگا مگر فی الوقت تو اسے اس منگنی پر ہی

اعتراض تھا۔ اس کے آنے یا نہ آنے کا مسئلہ تو بعد میں اٹھتا۔

''تم کیا واقف نہیں ہو ان لوگوں کی ذہنیت سے روشی؟''

میں ان سب کو اچھی طرح جانتی ہوں۔'' وہ دبے لہجے میں بولی تو عادل نے بے اختیار حیرت سے پوچھا۔''

''تم عمر کو پسند کرتی ہو...؟''

روشین اس کے سوال پر کٹ کر رہ گئی مگر یہ فیصلہ کرنے کے بعد وہ ان سب سوالات کے لیے خود کو کافی حد تک تیار کر چکی تھی۔

ایسا کچھ نہیں ہے...'' وہ بدقت تمام بول پائی۔''

''تو پھر اتنا غلط فیصلہ کیوں روشی؟''

وہ چیخ ہی تو اٹھا۔

بس مجھے ابو کے اس فیصلے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے لاپروائی کا لبادہ اوڑھنا چاہا۔''

مگر مجھے اعتراض ہے۔ تم ایسا کوئی بیوقوفانہ فیصلہ نہیں کر سکتیں۔ شادی کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے جسے ہم تمہارا بچپنا''

''کہہ کر نظر انداز کر دیں۔

وہ سرد لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کو کیا اعتراض ہے۔''

روشین نے خود کو بے بسی کی انتہا پر محسوس کیا۔

''مجھے عمر رضوان حیات پر، اس کی تعلیم پر، اس کی ذہنیت پر، اس کے گھرانے پر اعتراض ہے۔ سمجھیں تم۔''

وہ جیسے غرا اٹھا۔

روشین ہمت ہارنے لگی۔

مگر وہ جانتی تھی کہ عادل چاہے اس گھر میں لوٹے یا نہ لوٹے اگر سکندر حیات نے روشین کی شادی عمر سے کرنے کا سوچ

لیا ہے تو وہ کبھی نہیں ٹلنے والے۔اب اگر عادل کے گھر لوٹنے کا کوئی سبب بن ہی رہا تھا تو وہ موقع گنوانا نہیں چاہتی تھی۔

...مگر یہ اس کے چاہنے والے

...پہلے آسیہ بیگم پھر فرحین اور اب عادل

وہ وضاحتیں کر کر کے ہلکان ہو رہی تھی۔

"تم انکار کر رہی ہو اور بس۔

عادل نے قطعیت سے کہا تو وہ رسان سے بولی۔

"...اب تو موقع نکل چکا۔ابو نے چچا جان سے بات کر لی ہے"

"...کیا کھیل کھیلا ہے انہوں نے تمہارے ساتھ، پرسوں بات ہوئی اور آج ہاں بھی ہو چکی"

عادل کو غصہ آ گیا مگر روشین نے اسے ٹوک دیا۔

سب میرا نصیب ہے عادل بھائی۔ میں ابو کے فیصلے سے مطمئن ہوں کیا آپ کے اطمینان کے لیے یہ کافی نہیں"

ہے؟" چند لمحے دوسری جانب خاموشی چھائی رہی۔اتنی دیر تک روشین کا دل بے ترتیبی سے دھڑکتا رہا۔

بہت مشکل رہگزر چنی ہے تم نے روشی۔" توقف کے بعد وہ حد درجہ ناراضی سے گویا ہوا۔"

تم دنیا کا ایک کونہ ہو تو عمر دوسرا۔ میں اس کے ساتھ بہت وقت گزار چکا ہوں۔ وہ ایک انتہائی خود پرست، خود غرض،"

جذبات سے عاری اور بے حس شخصیت کا مالک انسان ہے۔ جس کی سوچ روپے پیسے سے آگے نہیں جاتی، میں اب بھی

کہہ رہا ہوں اگر تمہیں ابو نے مجبور کیا ہے تو مجھے صاف لفظوں میں بتاؤ۔ میں سب ٹھیک کر دوں گا۔

روشین ہمت ہارنے لگی۔

مگر وہ جانتی تھی کہ عادل چاہے اس گھر میں لوٹے یا نہ لوٹے اگر سکندر حیات نے روشین کی شادی عمر سے کرنے کا سوچ

لیا ہے تو وہ کبھی نہیں ٹلنے والے۔اب اگر عادل کے گھر لوٹنے کا کوئی سبب بن ہی رہا تھا تو وہ موقع گنوانا نہیں چاہتی تھی۔

...مگر یہ اس کے چاہنے والے

...پہلے آسیہ بیگم پھر فرحین اور اب عادل

وہ وضاحتیں کر کر کے ہلکان ہو رہی تھی۔

"تم انکار کر رہی ہو اور بس۔

عادل نے قطعیت سے کہا تو وہ رسان سے بولی۔

"...اب تو موقع نکل چکا۔ ابو نے چچا جان سے بات کر لی ہے"

"... کیا کھیل کھیلا ہے انہوں نے تمہارے ساتھ، پرسوں بات ہوئی اور آج ہاں بھی ہو چکی"

عادل کو غصہ آگیا مگر روشین نے اسے ٹوک دیا۔

سب میرا نصیب ہے عادل بھائی۔ میں ابو کے فیصلے سے مطمئن ہوں کیا آپ کے اطمینان کے لیے یہ کافی نہیں"

ہے؟" چند لمحے دوسری جانب خاموشی چھائی رہی۔ اتنی دیر تک روشین کا دل بے ترتیبی سے دھڑکتا رہا۔

بہت مشکل رہگزر چنی ہے تم نے روشی۔" توقف کے بعد وہ حد درجہ ناراضی سے گویا ہوا۔"

تم دنیا کا ایک کونہ ہو تو عمر دوسرا۔ میں اس کے ساتھ بہت وقت گزار چکا ہوں۔ وہ ایک انتہائی خود پرست، خود غرض،"

جذبات سے عاری اور بے حس شخصیت کا مالک انسان ہے۔ جس کی سوچ روپے پیسے سے آگے نہیں جاتی، میں اب بھی

کہہ رہا ہوں اگر تمہیں ابو نے مجبور کیا ہے تو مجھے صاف لفظوں میں بتاؤ۔ میں سب ٹھیک کر دوں گا۔

وہ ظالمانہ تاثرات لیے اس کے عین سامنے صوفے پر آ بیٹھی۔

"تمہیں کیا تکلیف ہے۔ میں روؤں یا ہنسوں۔"

وہ چڑ کر بھرائی آواز میں بولی۔

"ارے واہ۔ ابھی سے سسرالیوں کے لب و لہجے کی پریکٹس شروع کر دی۔"

فرحین نے طنزیہ انداز میں اسے سراہا پھر تاسف سے بولی۔

تم انتہائی بے وقوف لڑکی ہو۔ ابو نے کہہ دیا اور تم نے سر جھکا کر مان لیا۔ یہ تمہاری زندگی ہے اور اسے تمہیں اپنی"
مرضی سے گزارنا ہے۔ اپنی ڈوریں سکندر حیات کے ہاتھوں میں مت تھماؤ اور عمر رضوان، وہ ان سے دو نہیں چار ہاتھ
آگے ہے۔ جان بوجھ کر کھائی میں چھلانگ مت لگاؤ۔ ابھی تو میں ہوں، عادل بھائی بھی ہیں کل کو کوئی بھی تمہارا ساتھ
"نہیں دے پائے گا۔

"مجھے ایسی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے۔"

وہ سختی سے کہتی اٹھ کھڑی ہوئی تو فرحین متحیّر رہ گئی۔

☆☆☆☆

اس کی زرد پڑتی رنگت دیکھ کر احراز کو اپنے الفاظ کی سنگینی کا کچھ احساس ہوا تو جلدی سے بولا۔

"تھوڑی سی تو چھٹی رہ گئی ہے میری۔ مجھے واپس جانا ہے اس لیے کہہ رہا ہوں۔"

"کہاں... کہاں جانا ہے آپ نے؟"

وہ ابھی بھی سراسیمہ تھی۔

افوہ! تم بس بگھار ہی لگاتی رہنا۔ کبھی دال کا اور کبھی باتوں کا۔ جو میں کہتا ہوں نہیں سنتیں۔" احراز نے اس وقت"
بات ٹالنا چاہی۔
مگر رانیہ کے تو دل میں اس کی بات چبھ گئی تھی۔

"بتائیں ناں صحیح سے۔ کیا مطلب ہے آپ کا۔ واپس کہاں جانا ہے؟"

"ادھر آؤ۔"

احراز نے ہاتھ کھینچ کر اسے اپنے پاس بٹھایا۔

''نوکری ہے یار۔ بس تھوڑی سی دور جانا ہے۔''

''کہاں، ملتان یا پشاور؟''

اس کا دل کہتے ہوئے کانپ سا گیا مگر احراز کے ہونٹوں کی ہلکی سی جنبش سے تو اس کی دھڑکن ہی تھم گئی۔

''...اٹلی''

''اٹلی...؟''

وہ بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی۔

''وہاں جاب کرتے ہیں آپ؟''

احراز نے اثبات میں سر ہلایا تو اس کا دل ڈوبنے لگا۔

اس نے سن رکھا تھا کہ باہر ملک میں نوکری کرنے والے برسوں بعد اپنے ملک کا چکر لگاتے ہیں۔

''کب... کب جانا ہے؟''

''ابھی تو دس بارہ دن باقی ہیں۔''

''کتنے عرصے کے لیے؟''

رانیہ نے پلکیں جھپکتے ہوئے نمی کو پرے دھکیلا۔

''پہلے تو ڈیڑھ دو سال یونہی گزر جاتے تھے پتا بھی نہیں چلتا تھا۔ اب تو لگتا ہے کہ چھ ماہ ہی میں واپس آنا پڑے گا۔''

وہ اسے خود سے قریب کرتے ہوئے پیار سے بولا۔

اور کوئی وقت ہوتا تو وہ حیا سے سمٹ جاتی مگر ابھی تو وہ شدید صدمے کی کیفیت میں تھی۔

''...چھ ماہ''

دو سال تو اس نے سنے ہی نہیں تھے۔ اس کا دل تو چھ ماہ کی دوری کا سن کر بند ہونے کو تھا۔

"اے... کیا ہوا؟"

احراز اس کی حالت سے بے خبر نہیں تھا مگر اس وقت اس کے لیے ہمدردی کے دو بول بولنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔

سو وہ بن کر بولا۔

آپ نے مجھے بتایا ہی نہیں کہ آپ باہر ملک میں جاب کرتے ہیں۔" وہ رونی صورت بنا کر بولی۔"

"ابھی بتایا تو ہے۔"

احراز نے اطمینان سے کہا۔

پہلے کیوں نہیں بتایا۔" وہ احتجاجاً بولی۔"

"پہلے تم نے کبھی پوچھا ہی نہیں۔"

"آپ مجھے چھوڑ کر چلے جائیں گے؟"

وہ بے اختیار اس کے شانے سے لگ گئی تو احراز کو اس پر پیار آ گیا۔

چھوڑوں گا کیوں؟ میں تو اپنی جان کو ساتھ لے کر جاؤں گا۔ اپنی یادوں میں، اپنے دل میں بسا کے۔ باقی گپ شپ کے"

" لیے فون زندہ باد۔

"فون انسان کا متبادل تو نہیں ہو سکتا۔ آپ نہ جائیں احراز۔"

وہ مچل کر بولی۔

نوکری ہے میری جان۔ پورا گھر اسی سے چل رہا ہے۔" احراز نے اس کے بال سہلاتے ہوئے کہا۔"

"یہاں بھی تو نوکریاں کرتے ہیں لوگ۔ آپ کون سے دنیا سے انوکھے ہیں۔"

وہ خفا ہونے لگی۔

"جوتیاں چٹخانے کے بعد ہی اٹلی گیا تھا میں۔"

وہ ہنسا۔

"تو اٹلی میں جاب کرتے ہیں آپ...؟"

اس کا دل پھر ڈوبنے لگا۔ احراز اس کی شکل دیکھ کر ہنس دیا۔

"وہاں کیا انسان نہیں بستے۔"

"اتنی دور احراز۔ سات سمندر پار۔ میں پکاروں تو آپ آ بھی نہ پائیں۔"

وہ مایوس ہونے لگی تو احراز نے اس کے مشک بو بالوں پر ہونٹ رکھتے ہوئے کہا۔

"جو دل میں رہتے ہوں انہیں پکارنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔"

کتابی باتیں نہ کریں میرے ساتھ۔" وہ بجھ سی گئی۔"

احراز شرارت سے ہنسا۔

جو حکم جناب کا۔ اب خالصتاً اپنی گفتگو کرتے ہیں۔" اس کا لہجہ ذو معنی تھا۔ رانیہ جھینپ گئی۔"

"میں نے ایسی ویسی باتوں کے لیے نہیں کہا۔"

"چلو جیسی تیسی ہی سہی۔"

وہ اس کے قریب ہوا تو رانیہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔

☆☆☆☆

ریان لق و دق تھا۔

وہ کسی اور کی ہو رہی تھی۔

اس کی پہلی نظر کی چاہت۔ اس کا پہلا خواب، پہلی خواہش اور مچلتا دل اسے دیکھ کر ٹھہر سا گیا تھا۔

کتنے ہی تو روپ تھے اس کے۔ کبھی مدھم، کبھی برہم، کبھی ہنسی تو کبھی مسکراہٹ۔

اور ہر روپ ہی دلفریب تھا۔

میرے آنگن کا چاند کسی اور کے آنگن میں اترنے والا ہے۔

"فرحین پلیز، اسے کہو ایک بار مجھ سے مل لے۔"

وہ زندگی میں پہلی بار کسی کے سامنے یوں گڑگڑایا تھا۔ اس کی حالت دیکھ کر فرحین کو بہت دکھ ہوا۔

"ملنا تو دور، وہ بات کرنے کو بھی تیار نہیں۔"

اس کے اس رویے سے ریان کے دل کو بہت تکلیف پہنچی۔

"وہ بیوقوفانہ فیصلہ کر رہی ہے اور تم میں سے کوئی بھی اسے روک نہیں سکتا ہے۔"

وہ، فرحین سے تمام حالات سن چکا تھا۔ برہمی سے بولا تو فرحین نے بے بسی سے کہا۔

"اسے کچھ سمجھانا، ایسا ہی سمجھ لیں کہ آپ پہاڑ کھود رہے ہیں۔ وہ بھی سنگِ مرمر کا۔"

"کیا میں اسے پسند نہیں ہوں؟"

ریان نے جھلا کر پوچھا تو فرحین نے جلدی سے کہا۔

"ایسی بات نہیں ریان بھائی۔ بس ابو نے کہہ دیا اور وہ تیار ہو گئی کھائی میں کودنے کو۔"

"اس کا دماغ خراب ہے۔ ایسی قربانیاں کچھ نہیں دیتیں الٹا وہ اپنی زندگی برباد کر رہی ہے۔"

"ہر طریقے سے... سمجھا کر دیکھ لیا ہے مگر وہ توٹل فیصلہ کیے ہوئے ہے۔ عادل بھائی تک سے نمٹ چکی ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ وہ عمر کو...؟"

وہ جھجک کر بات ادھوری چھوڑ گیا مگر فرحین اس کی آدھی بات سے بھی اس کا مطلب سمجھ گئی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے یہ صرف ابو کا حکم ہے اور بس۔"

فرحین نے تیقّن سے کہا تو وہ بے بسی سے پوچھنے لگا۔

"اب میں کیا کروں فری۔ اس دن کے لیے میں نے اس ظالم لڑکی سے محبت کی تھی۔"

"مجھے بہت افسوس ہے آپ کی محبت اور روشین کی قسمت پر۔"

فرحین خود بھی بہت پریشان تھی۔

مگر اس مسئلے کا کوئی بھی حل دکھائی نہیں دیتا تھا۔

☆☆☆☆

بھئی واہ! کیا پالک پنیر بنایا ہے رانیہ۔ وہاں جا کے تمہارے کھانے بہت یاد آئیں گے۔" پہلا لقمہ کھاتے ہی احراز نے" بے اختیار کہا اور پھر اس کی بجھی شکل دیکھ کر اپنے ہی جملے پر خود ہی پچھتایا بھی۔

"وہاں کون سا یہ سب نہیں پکتا۔ لزا بھی تو بنا لیتی تھی اچھا کھانا۔"

ابرار نے لاپروائی سے جانے کون سا پنڈورا باکس کھولا کہ کھانے کی میز پر ایک دم سے خاموشی چھا گئی۔ احراز کھنکارا۔

"لزا کا یہاں کیا ذکر...؟"

"کیوں۔ بھابی کو نہیں بتایا؟"

ابرار نے ہنستے ہوئے سلاد کی پلیٹ اٹھائی تو رشیدہ بیگم نے اسے جھڑکا۔

"کیا فضول کی باتیں لے بیٹھے ہو۔ خاموشی سے کھانا کھاؤ۔"

"کھا تو رہا ہوں خاموشی ہی سے۔"

وہ اطمینان سے بولا۔

باتوں کا رخ مڑ گیا مگر رانیہ کا ذہن لزا پر اٹک کر رہ گیا۔

پہلی فرصت میں اس نے شبینہ کو پکڑا۔ وہ ویسے بھی پیٹ کی ہلکی تھی۔

"بھائی نے وہاں پیپر میرج کی ہوئی تھی۔ ایلزبتھ سے۔ لزا کہتے تھے ہم لوگ اسے۔"

رانیہ کے استفسار پر اس نے صاف گوئی سے بتادیا۔ یوں بھی اسے پتہ تھا کہ ابرار نے ذکر کر ہی دیا ہے تو اب چھپانے سے کیا فائدہ۔

مگر رانیہ کا تو دل ہی جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔

"اور؟"

اس نے ڈوبتی آواز میں پوچھا تو قدرے ہچکچاتے ہوئے وہ رازداری سے بولی۔

"بھائی تو اس سے واقعی شادی کرنا چاہتے تھے۔ دراصل لزا کو ان سے محبت ہو گئی تھی۔"

یہ تم سے کس نے کہا؟"

رانیہ کا دل ٹکڑوں میں تقسیم ہوتا جا رہا تھا۔

اس کی دلی حالت سے بے خبر شبینہ ہنسی۔

"لو۔ یہ بھلا بتانے والی بات ہے۔ یونہی تو وہ ان کے پیچھے مسلمان نہیں ہو رہی تھی۔"

"یہ کیا فضول باتیں کر رہی ہو۔"

ابرار شاید شبینہ کی باتیں سن کر ہی کمرے سے باہر نکلا تھا۔ شبینہ گھبرا گئی۔

"میں نے تو کچھ نہیں کہا۔ بھابی ہی پوچھ رہی تھیں۔"

رانیہ شرمندہ سی ہو گئی۔ شبینہ وہاں سے کھسک گئی۔

"آپ یونہی پریشان ہو رہی ہیں۔ ایسی کوئی خاص بات نہیں ہے۔"

ابرار نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا تو وہ مزید خجل ہو گئی۔

"نہیں۔ میں پریشان تو نہیں ہوں۔"

"...دراصل اس میں تھوڑا قصور بھائی کا بھی ہے"

وہ وضاحت کرتے کرتے ذرا رکا۔ رانیہ نے بے اختیار اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ مزید گویا ہوا۔

ایلزبتھ سے ان کی دوستی تھی پھر پیپر میرج ہو گئی تبھی ان کے پیپرز بن گئے اٹلی کے۔ غلطی ان سے یہ ہوئی کہ پچھلی "

بار دو سال پہلے جب یہ آئے تو لزا کو بھی ساتھ لے کر آئے۔ وہ ان سے اتنی متاثر ہوئی کہ نہ صرف ان سے باضابطہ شادی

" بلکہ مسلمان ہونے پر بھی راضی ہو گئی۔

وہ پھر سے رکا تو رانیہ نے بے تابی سے پوچھا۔

"پھر...؟"

"پھر یہ کہ بھائی بھی راضی تھے۔"

وہ اطمینان سے کہتا رانیہ کو عجیب سے احساسات کا شکار کر گیا۔

"پھر انہوں نے اس سے شادی کیوں نہیں کی؟"

رانیہ نے دھیمے سے پوچھا تو وہ ہنسا۔

ہم میں سے کوئی بھی راضی نہیں ہوا۔ تب کہیں جا کر بھائی کا دل اس پر سے ہٹا۔" وہ مرجھا سی گئی۔ "

''آپ یہ سب بھائی سے مت کہیے گا۔ وہ تو ویسے بھی مجھ سے اس بار کچھ متنفر سے ہیں۔''

ابرار تنبیہی انداز میں بولا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆☆☆☆

''اتنا مہنگا سوٹ بنایا ہے ہم نے روشین کا کہ سب کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔''

نوین کے انداز تو پہلے ہی سبحان اللہ تھے۔ امیر گھرانے میں شادی کے بعد تو اس کے مزاج بالکل ہی ساتویں آسمان پر جا پہنچے تھے۔

آج وہ چچی جان کے ساتھ روشین کو منگنی کا سوٹ اور زیور دینے آئی تھی۔

''اتنا ظالمانہ سوٹ بنانے کی کیا ضرورت تھی۔''

فرحین نے بظاہر بڑی سادگی سے کہا۔

ضرورت کیوں نہیں تھی بھئی۔ اب روشین ہماری بھابی ہونے جارہی ہے تو ہماری ہی اوقات کا پہنے اوڑھے گی'' ناں۔'' نوین نے نخوت سے کہہ کر گویا فرحین کو آگ ہی لگا دی۔

''خیر سے آپ کے تایا اتنے بھی غریب نہیں کہ بیٹی کو کبھی مہنگا جوڑا نہ لے کے دیا ہو۔''

اس نے بھی تنک کر کہا۔

افوہ! تم تو محاذ ہی کھول کر بیٹھ جاتی ہو اور کچھ نہیں تو اب ''موجودہ'' رشتہ داری ہی کا لحاظ کر لو۔'' چچی جان نے تلخی بھرے لہجے سے کہا تو آسیہ بیگم کی تنبیہی نظریں دیکھ کر وہ اندر ہی اندر تلملاتی زبان بندی پر مجبور ہو گئی۔

مگر آؤٹ آف فیشن کلر کا انتہائی مہنگا سوٹ دیکھ کر وہ رہ نہیں سکی تھی۔

"سبز اور گلابی کمبی نیشن تو بہت پرانا ہو چکا۔ روشی کو تو زہر لگتا ہے۔"

بھئی اس نے اپنے چاؤ پورے کرنے ہیں تو جہیز کے کپڑے بنا کے کر لے۔ ادھر سے تو جو بنے گا وہ ہماری ہی پسند کا"

"ہو گا۔

چچی جان نے صفا چٹ انداز میں کہا تو فرحین ان کی طبع سے واقف ہونے کے باوجود ان کی بدزبانی پر حیران رہ گئی۔ لگ نہیں رہا تھا کہ وہ اس گھر کی بیٹی کو اپنی بہو بنانے آئی ہیں۔

"فرحین، اٹھو اور کچن میں جاکے روشی کی کچھ مدد کرو۔ کب سے وہ بے چاری اکیلی لگی ہوئی ہے۔"

آسیہ بیگم نے سخت لہجے میں کہا تو وہ ان کے لہجے میں مخفی مطلب پا کر فوراً ہی وہاں سے اٹھ گئی۔

جلتی کڑھتی کچن میں آئی تو روشین کو تین تین چولہوں پر دھری ہانڈیوں سے بیک وقت نبرد آزما دیکھ کر اسے اور غصہ آیا۔

"تم کیا کر رہی ہو صبح سے کچن میں گھس کے؟"

"دو سالن ہیں ایک چائنیز رائس۔ کباب تو بس فرائی ہونے ہی والے ہیں۔"

روشین نے اسے مینیو بتایا تو لہجے میں خوش دلی تھی۔ اس نے جی ہی جی میں شکر ادا کیا کہ پچھلے ایک ہفتے کی ناراضی کے بعد فرحین کچھ تو بولی۔

"اپنا بھیجہ بھی فرائی کر دیا ہوتا۔ تمہاری ساس نند بہت شوق سے تناول فرماتیں۔"

وہ دانت پیس کر بولی تو روشین کھسیا گئی۔

"بکو مت۔"

"جس گھر میں تم جا رہی ہو روشین بیگم وہاں بھیجے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

فرحین نے استہزائیہ سے لہجے میں کہا۔

"فضول باتوں کی بجائے اگر تم کسی اور کام میں میری مدد کر دو تو وہ زیادہ بہتر ہو گا۔"

روشین نے لمبی بحث سے بچنے کی خاطر خفگی دکھائی۔

"تمہیں واقعی مدد کی ضرورت ہے۔ وہاں تمہارا منگنی کا جوڑا آیا ہے۔ گرین اینڈ شاکنگ پنک کنٹراسٹ۔ دیکھ کے ہی الٹی آ رہی ہے۔"

فرحین نے اسی انداز میں کہا تو روشین کا دل سکڑ سا گیا۔ اسے لباس سے غرض نہ تھی اور نہ ہی اس کے رنگوں سے۔ اسے غرض تھی تو اس شخص سے جوان رنگوں اور اس لباس سے جڑا تھا۔

مگر ابھی تک اس کا دل نہ تو عمر رضوان کے نام پر دھڑکا تھا اور نہ ہی خوابوں نے پلکوں پر رہن بسیرا کیا تھا۔

"اور تمہاری ساس صاحبہ نے صاف لفظوں میں کہہ دیا ہے کہ اپنے جہیز کے کپڑوں کی شاپنگ اپنی پسند سے کر لو۔ ادھر سے جو بنے گا وہ انہی کی پسند کا ہو گا۔ نوین تو چن چن کے سارے بدلے لے رہی ہے ابھی سے۔"

فرحین کڑوے لہجے میں بتا رہی تھی۔

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہو گی۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔ نوین کی عادت کا تو پتہ ہی ہے تم کو۔"

روشین کے اطمینان پر فرحین کو بہت زور کا غصہ آیا۔ کیا وہ نہیں جانتی تھی ان لوگوں کی ذہنیت کو۔

مگر روشین نے خود کو یہ سبق بہت اچھی طرح سے پڑھا لیا تھا کہ اس فیصلے کے بعد زندگی پھولوں کی سیج نہیں رہے گی اور اگر یہ سب ہونا ہی ہے تو کیوں نہ صبر سے برداشت کر لیا جائے۔

"جہنم میں جاؤ تم اور تمہارے سسرالی۔"

فرحین غصے سے کہہ کر چلی گئی۔

(فکر مت کرو فرحین۔ تمہاری بد دعا بہت جلدی قبول ہونے والی ہے۔)

روشین نے بے اختیار سوچتے ہوئے پلکوں پر آئی نمی کو ہاتھ کی پشت سے صاف کیا۔

"فرحین بہت منہ پھٹ ہے۔ گز بھر لمبی تو زبان ہے اس کی۔ سنبھال کے رکھیں اسے۔ ایسی لڑکیوں کے تو رشتے ہونے بھی مشکل ہو جاتے ہیں۔"

چچی جان نے بڑے تنفر بھرے انداز میں آسیہ بیگم کو سنایا تو وہ دل مسوس کر رہ گئیں۔ انہیں کرارہ سا جواب دینے کی خواہش اندر سر پٹختی رہ گئی مگر ان کے جانے کے بعد فوراً ہی فرحین لائن حاضر ہو گئی۔

"آئندہ اگر تم نے کبھی کسی کے سامنے ایسی فضولیات بکیں تو میں بہت بری طرح پیش آؤں گی۔"

آسیہ بیگم کو غصہ کبھی کبھار ہی آتا تھا۔ اب بھی ان کی سرخ و سفید رنگت مزید سرخ ہو رہی تھی۔

"اب اگر روشین کا رشتہ وہاں ہو رہا ہے تو کیا وہ لوگ بہت پاک صاف ہو گئے ہیں۔"

فرحین کو بھی غصہ آ گیا۔

آسیہ بیگم نے اسے وہ باتیں نہیں بتائیں جو اس کے متعلق چچی جان کر کے گئی تھیں۔ ورنہ تو وہ مزید متنفر ہو کر جانے کیا کر گزرتی۔

"جو بھی ہو مگر اب ان سے ہماری رشتہ داری اور طرح کی بن رہی ہے تو ان کا احترام بھی اسی طرح کا کیا کرو۔"

"احترام وہ کرے جو وہاں قربانی کا بکرا بن کے جا رہی ہے مجھ پر ایسی کوئی پابندی نہیں۔"

"تم پر میرے کہنے کا کچھ اثر نہیں؟"

آسیہ بیگم کو اس کی نافرمانی کھل رہی تھی۔ کچھ چچی جان کی کہی باتوں کا اثر بھی تھا۔

آپ دونوں پر ان لوگوں کی کون سی ایسی خصوصیات کھل گئی ہیں جن کا مجھے نہیں پتا۔" فرحین نے طنزیہ کہا۔

بس..." آسیہ بیگم نے غصے سے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید بولنے سے روک دیا۔"

جب ایک بات طے ہو ہی گئی ہے تو اسے خوش اسلوبی سے نبھاؤ۔اس طرح کا رویہ اپنا کر تم اپنی بہن کے لیے مزید"

"مشکلات پیدا کرو گی۔

انہوں نے اسے سختی سے کہا۔

فرحین کو دکھ ہوا۔

"بحث مت کرو فرحین۔"

انہوں نے دل میں اٹھتے درد کو دباتے ہوئے اسی لہجے میں کہا تو وہ کڑھ کر رہ گئی۔

اسے خبر ہوتی کہ اس کے موبائل پر آنے والی کال ریان عزیز کی ہے تو وہ کبھی بھی اٹینڈ نہ کرتی مگر نیند سے بوجھل آنکھیں اور ذہن لیے اس نے موبائل آن کر کے یونہی کان سے لگالیا۔

"کسی کی نیندیں اڑا کے یوں اطمینان کی نیند سونا تمہیں زیب نہیں دیتا روشین بی بی۔"

اس کی تلخی سے بھرپور آواز روشین کے تمام حواس کو چوکنا کر کے ہوش کی دنیا میں کھینچ گئی۔

کون...؟" اس نے اپنا شک دور کرنا چاہا۔"

"ہنہ...مجھے جانتی ہوتیں تو واقعی یہ سوال نہ کرتیں۔"

"ریان...؟"

وہ ساکت رہ گئی۔

"چلو شکر ہے تمہیں میرا نام تو یاد رہا۔آنکھوں سے جھانکتی محبت کو تو تم نے درخور اعتنا ہی نہیں جانا۔"

وہ سلگتے لہجے میں کہتا روشین کے دل کو جیسے کسی شکنجے میں کس گیا۔

"تم نے یہ فضول باتیں کرنے کے لیے فون کیا ہے؟"

روشین نے بمشکل خود کو یکجا کیا۔

"اگر میری محبت کو سمجھی ہوتیں تو ابھی اس فون کا انداز ہی کچھ اور ہوتا۔"

وہ جتلانے والے انداز میں بولا تو روشین نے بے اختیار اسے ٹوک دیا۔

تم کسی بہت بڑی غلط فہمی کا شکار ہو۔ کسی کا اچھا لگنا اور محبت ہونا الگ بات ہے۔ میں نے تم سے کون سے وعدے توڑ'

"دیے ہیں جو تم یوں مجھ پر دھونس جمارہے ہو؟

اس کے تیز لہجے پر وہ لحہ بھر کو خاموش رہ گیا۔ پھر چبھتے ہوئے انداز میں بولا۔

"چلو شکر ہے، اچھا لگنے کی حد تک تو میں تمہارے لیے قابل قبول ہی تھا۔ ہاں امریکن نیشنلٹی نہیں تھی۔"

اس کی باتوں نے روشین کو سلگا دیا۔

"ہاں اور تم اس کا بینک بیلنس بھول رہے ہو۔"

غصے سے کہہ کر روشین نے موبائل آف کر دیا بلکہ سوئچ آف ہی کر دیا کہ دوبارہ اس کی کال نہ آئے۔

یعنی کہ حد ہو گئی۔ جب میں ایک فیصلہ کر ہی چکی ہوں تو یہ سب مجھے اس پر ثابت قدم کیوں نہیں رہنے دے"

"رہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ ریان مجھے اچھا لگا تھا مگر یوں دھونس جمانے کا مطلب۔

وہ خود کو سمجھا رہی تھی۔ تسلیاں دے رہی تھی۔

☆☆☆☆

رشیدہ بیگم اور شبینہ بازار گئیں تو وہ کام کاج کر کے فارغ ہو کر ٹی وی کے آگے بیٹھ گئی۔ تبھی شاز ما بھابی چلی آئیں۔

"...ارے آپ"

وہ دروازہ کھولتے ہی خوش ہو گئی۔ان سے رانیہ کی اچھی خاصی دوستی ہو گئی تھی۔

''میں نے سوچا کافی دن ہو گئے ہیں تم سے ملے۔احراز بھائی تو گھر پر نہیں ہیں؟''

شازمہ نے خوش دلی سے پوچھا۔

''نہیں۔وہ باہر گئے ہیں۔ کہہ رہے تھے جانے سے پہلے کچھ دوستوں سے ملنا ہے۔''

وہ اداس سی ہو گئی۔

''افوہ... بھئی جن کے میاں باہر ہوں ایسی بیویوں کو تو بہت بہادر ہونا چاہیے۔میری طرح۔''

وہ اس کے ساتھ لاؤنج میں آ گئیں۔

''مجھے تو ابھی سے گھبراہٹ ہو رہی ہے بھابی۔''

وہ روہانسی ہونے لگی۔

ابھی پہلی بار ہے ناں اس لیے۔آہستہ آہستہ عادی ہو جاؤ گی۔'' شازمہ نے اسے تسلی دی تو وہ رشک سے ہنستی کھلکلاتی''

شازمہ کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''آپ عادی ہو گئی ہیں؟''

ہونا پڑتا ہے میری جان۔ورنہ دنیا جینے نہیں دیتی۔'' رانیہ کو اس کی مسکراہٹ کا پھیکا پن محسوس ہو گیا۔''

''آپ کے میاں تو اچھے ہیں ناں؟''

وہ ہنس دی۔

''اچھے تو بہت ہیں مگر کانوں کے کچے ہیں۔''

کیا مطلب...؟'' رانیہ نے پوچھا۔''

مطلب یہ کہ جب یہاں آتے ہیں تو ہم بہت اچھا وقت گزارتے ہیں مگر وہاں جانے کے بعد وہ گھر والوں کے کانوں"
" سے سننا اور انہی کی آنکھوں سے دیکھنا شروع کر دیتے ہیں۔
وہ یکلخت ہی اداس ہو گئی۔
"آپ کے لیے تو پھر بہت مشکل ہوتی ہو گی؟"
رانیہ بے اختیار بولی۔
"میری تو زندگی مشکل ہے مگر اب اتنے سالوں سے یہ سب ہو رہا ہے کہ عادت سی پڑنے لگی ہے۔"

"آپ ان سے کہتی کیوں نہیں ہیں؟"
رانیہ نے حیران ہو کر پوچھا۔ تو وہ ہنس دی۔
"کہہ سن کے تھک ہار گئی ہوں۔ ماں بہنوں کا پلڑا زیادہ بھاری ہے۔"
"اور وہ نہیں دیکھتے کہ ان کے امریکہ سیٹل ہونے کے باوجود آپ اسکول میں جاب کر کے اپنا خرچہ چلا رہی ہیں۔"
"ان کے خیال میں یہ بھی میری آزادروی ہے۔"
"بھلا کون سی بیوی ہو گی جو امریکن ڈالر چھوڑ کے چند ہزار کی نوکری کے لیے دھکے کھائے گی؟"
رانیہ اپنی طرف سے دور کی کوڑی لائی۔
جب آپ کو کسی کے ساتھ بے انصافی کرنی ہوتی ہے تو پھر کوئی دلیل، کوئی جواز قابل قبول نہیں لگتا۔ ان کا بھی یہی"
حال ہے۔ انہی ڈالرز کا تو سارا فساد ہے۔ میری ساس، میرے سامنے، میرے منہ پر کہتی ہیں کہ وہ مجھے طلاق دلوا کے
" رہیں گی۔
وہ پھیکے لہجے میں کہتی، کہیں سے بھی وہ ہنستی کھلکلاتی شازمہ نہیں لگ رہی تھی جو سب کو دکھائی دیتی تھی۔

رانیہ کا جی گھبرانے لگا۔

"افوہ... میں نے بھی آج کون سے رونے ڈال دیے۔ تم سناؤ کیسی ہو اور ہنی مون کیسا رہا؟"

انہوں نے اس کی شکل دیکھ کر ایکدم ہی خوشگوار موڈ میں آتے ہوئے کہا تو وہ ان کی بہادری پر گہری سانس بھر کر رہ گئی۔

☆☆☆☆

منگنی پر بھی بدمزگی ہی پھیلی۔

آسیہ بیگم نے عمر کے علاوہ باقی سب کے لیے بھی نفیس اور مہنگے جوڑے خریدے تھے اور ادھر سے چچی جان اور نوین جو شاپنگ روشین جیسی نفیس طبع لڑکی کے لیے کر کے لائیں اسے دیکھ کر فرحین سلگ

اٹھی۔

"یہ دیکھیں۔ ڈالرز سے یہ خریدا ہے انہوں نے۔"

کمرے میں آسیہ بیگم کے علاوہ روشین بھی تھی جب اس نے ان لوگوں کے لائے شاندار جوڑوں کا نظارہ کرایا۔

"لالچی اور حریص مت بنو فری۔ ان لوگوں کو خریدنے کا ڈھنگ نہیں ہے بس۔"

آسیہ بیگم کا تو دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ کیسے ناقدروں میں ہیرے جیسی بیٹی جا رہی تھی۔

یہ بدمزگی شاید مزید بڑھتی اگر اسی پل عادل اور تمکین نہ آجاتے۔

"...اف میرے خدا"

فرطِ جذبات سے آسیہ بیگم رو دیں۔

ایک طویل عرصے کے بعد بیٹے کو یوں روبرو استحقاق سے دیکھ رہی تھیں۔

"مجھے تو یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ تم لوگ آؤ گے۔"

وہ آنسوؤں کے سنگ ہنس رہی تھیں۔ ننھے حمزہ کو پیار کیا تو وہ کھلکلاتے ہوئے ہاتھ پاؤں چلانے لگا۔

فرحین منگنی کے جوڑوں کی ساری رپورٹ تمکین کے کان میں پہنچا رہی تھی۔ وہ بھی افسردہ ہونے لگی۔

خود تو وہ اعلیٰ سے اعلیٰ کپڑا پہنتی ہیں۔ کوئی بوتیک جو چھوڑی ہو نوین نے۔ وہ لوگ صرف ہمارا سر نیچا کرنا چاہتے ہیں اور "

"بس۔

فرحین ٹینشن میں مبتلا تھی۔

اور روشین مستقبل کے اندیشوں کو بھلا کر عادل کے شانے سے لگے اپنے ماں جائے کے لمس کو روح میں اتار رہی تھی۔

اس گھر کی خوشیاں پھر سے لوٹ آئی تھیں۔

چاہے اس کی خوشیوں ہی کے عوض۔

چچا جان کی فیملی اور نوین کا شوہر ہی بس منگنی کی رسمی تقریب میں شامل ہونے کو آئے تھے۔ سکندر حیات نے کسی کو انوائیٹ کرنا مناسب خیال نہیں کیا۔

"رضوان کا خیال ہے کہ سب سادگی سے ہی ہونا چاہیے۔"

انہوں نے چچا جان کے خیال کو سراہا۔

"سادگی سے ہو، کنجوسی سے نہیں۔"

فرحین وہاں بھی چپ نہیں رہ پائی۔ سکندر حیات نے سنا نہیں ورنہ اس روز بھی خوب ہی ڈرامہ ہوتا۔

عمر نے خود روشین کو انگوٹھی پہنانے کا ارادہ ظاہر کیا تو وہ بدک گئی۔

"سب کے بیچ۔ کون سا کوئی فنکشن ہو رہا ہے جو اس تکلف کو نبھایا جائے۔ چچی جان ہی پہنا دیں۔"

"ابومان گئے ہیں محترمہ۔اب خاموشی سے سر جھکا کے بیٹھ جاؤ۔جہاں اتنی مان لیں وہاں یہ بھی سہی۔"

فرحین نے طنز کیا تو اسے چپ لگ گئی۔

پھر اسے ڈھیروں شرم آئی۔

بڑے سے ڈرائنگ روم میں سبھی موجود تھے اور عمر اس کے ساتھ صوفے پر آکر یوں براجمان ہو گیا جیسے ان کے نکاح کی سنت ادا ہو چکی ہو۔

نوین نے بطورِ خاص اپنے شوہر کا تعارف عادل سے کرایا۔

عادل بہت خوش دلی اور گرم جوشی سے اس سے ملا۔

"کیا مصروفیات ہیں آپ کی...؟"

بات برائے بات تھی مگر شوہر سے پہلے نوین بولی۔

ان کی مصروفیات کا کیا پوچھتے ہیں۔آپ کی طرح نوکری تھوڑی کرتے ہیں۔کروڑوں کا بزنس ہے۔صبح کسی تو شام "
"کسی ملک میں۔

اس کے انداز کی چبھن کو عادل نے بہت شدت سے محسوس کیا۔

خدا نے ہر کام میں مصلحت رکھی ہوئی ہے۔تمہیں تو یوں بھی ملکوں، ملکوں گھومنے اور اربوں میں کھیلنے کا شوق تھا۔"

وہ قصداً مسکرا کر بات کو دوسرا رنگ دے گیا جب کہ نوین اپنی جگہ تلملا کر رہ گئی۔

چچی جان کے کہنے پر عمر نے بڑے استحقاق سے اس کا ہاتھ تھام کر انگوٹھی پہنا دی۔

"ڈائمنڈ رنگ ہے۔بہت مہنگی ہے۔داؤد جیولرز سے خود لی ہے میں نے۔دیکھ لو کیسی اچھی لگ رہی ہے۔"

عمر نے جو پہلی بات کی اس نے روشین کا جی مکدر کر دیا۔

"اچھی ہے ناں...؟"

وہ مسلسل اس کی طرف منہ کیے دھیمے لہجے میں پوچھے جارہا تھااور روشین خفت کا شکار ہورہی تھی۔

"...جی"

اس نے مدھم لہجے میں کہہ کر سر جھکالیا۔

اس کے جوڑے کے رنگ آؤٹ آف فیشن سہی مگر سچی بات تو یہ تھی کہ روشین کا رنگ ان گہرے رنگوں میں مزید دمک اٹھا تھا۔ حالانکہ اس نے میک اپ برائے نام ہی کیا تھا۔ عمر کی نگاہ رہ، رہ کے اس کی سفید مانگ پر اٹک رہی تھی۔

اس سے آگے صبیح پیشانی، جھکی ہوئی آنکھیں اور گلابی ہونٹ۔

اس کے اندر کسی خواہش نے بڑے زور کی کروٹ لی تو وہ دانستہ نظر چرا کر دوسری جانب متوجہ ہو گیا۔

اس قدر اوچھے لوگ تو میں نے دنیا میں کہیں نہیں دیکھے۔" ان لوگوں کے جانے کے بعد جب سکندر حیات اپنے" کمرے میں چلے گئے تو فرحین نے باآوازِ بلند تبصرہ کیا۔

"...فرحین"

آسیہ بیگم نے اسے ٹوکنا چاہا۔

یہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔ اس قدر مادیت پسند شخص ہے یہ عمر رضوان حیات۔ آپ نے دیکھا نہیں اس کی گفتگو میں فقط"

"روپیہ پیسہ اور بزنس تھا۔ ایک بھی ڈھنگ کی بات اس نے کسی سے نہیں کی۔

عادل کا دل بھی سخت بیزار تھا۔

"سب دعا کرو۔ میری بچی کے نصیب اچھے ہوں۔"

آسیہ بیگم نے بے اختیار کہا تو عادل جذباتی ہونے لگا۔

"کیوں کرنے دیا آپ نے اسے ایسا فیصلہ۔ روکا کیوں نہیں؟"

روشین کپڑے چینج کرنے کمرے میں گئی تو یہ مباحثہ شروع ہو گیا۔

بس اس کے نصیب یہیں لکھے تھے تو کوئی کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ ہماری تو خیر ہے۔ بس روشین کے ساتھ وہ اچھے "

"رہیں۔

آسیہ بیگم بات لپیٹ گئیں۔

"خدا کرے۔ ورنہ چانس تو دکھائی نہیں دے رہے۔"

یہ فرحین تھی۔

آسیہ بیگم کا جی چاہا ایک تھپڑ کس کے اس کے منہ پر لگادیں۔

ہر وقت بدفال... بری گھڑی بتا کے تھوڑی آتی ہے۔

"اچھا اب یہ فضولیات روشی کے سامنے مت شروع کرنا اس کا دل برا ہو گا۔"

وہ سخت لہجے میں بولیں۔ توماں کے انداز نے عادل کو خاموش کرا دیا جب کہ فرحین کی بڑبڑاہٹ تو کوئی بھی روک نہیں سکتا تھا۔

"اب اس سے زیادہ اور کیا برا ہو گا بھلا۔"

وہ کپڑے تبدیل کر کے باہر آنے کو تھی جب اس کا موبائل بج اٹھا۔

اس نے احتیاطاً نمبر دیکھا۔ دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔

"... کہیں ریان"

مگر کوئی اجنبی نمبر تھا۔ اس نے اینڈ کا بٹن دبا دیا اور موبائل تکیے کے نیچے رکھ کے باہر نکلنے لگی مگر موبائل نے پھر سے بجنا شروع کر دیا۔

"کون ہو سکتا ہے...؟"

اس نے الجھن زدہ انداز میں موبائل آن کر کے کان سے لگا لیا۔

کیا بات ہے فون کی آواز بھی سنائی نہیں دیتی تمہیں...؟" اکھڑ لہجہ۔ ناگواری سے بھرپور۔"

روشین نے گہری سانس بھری۔

"عمر رضوان حیات۔"

اب تو ہر رستے میں ایک ہی دیوار کھڑی تھی اور اس کا نام تھا عمر رضوان حیات۔

"...جی۔ میں ذرا کپڑے چینج کر رہی تھی اس لیے"

"جلدی میں اسے یہی بہانہ سوجھا۔"

اوہو... بڑے موقع پر فون کیا میں نے۔" فوراً ہی اس کا موڈ بدلا تو اس کے الفاظ نے روشین کو سراتا پا جھنجھنا کر رکھ دیا۔"

"...خیریت سے پہنچ گئے آپ لوگ"

اس نے بمشکل بات بدلی۔

"میں نے یہ فضولیات ڈسکس کرنے کے لیے فون نہیں کیا۔ تم سناؤ انگوٹھی پسند آئی؟"

وہ ناگواری سے ٹوک کر پوچھنے لگا تو روشین نے گہری سانس کھینچتے ہوئے ہاتھ کی تیسری انگلی میں موجود ڈائمنڈ کی انگوٹھی کو دیکھا۔

وہ واقعی خوبصورت اور یقیناً قیمتی بھی تھی۔

مگر یوں جتا جتا کر تو وہ اپنی قیمت بتا رہا تھا۔

ہاں۔ بہت اچھی ہے۔'' اس نے کہا۔''

''اور قیمتی بھی۔''

وہ تفاخر سے بولا۔ پھر پوچھنے لگا۔

'' باقی سب کو کیسی لگی؟''

''ابھی کسی نے دیکھی ہی نہیں۔''

وہ صاف گوئی سے بولی۔

دکھا دیتیں۔ وہ لوگ بھی ڈائمنڈ دیکھ لیتے۔'' وہ ہنسا''

مگر روشین کو اس کی گراوٹ پر ہنسی آئی۔

روپیہ پیسہ اخلاقیات کا نعم البدل نہیں ہو سکتا۔ اسے اپنی قسمت پر بھی ہنسی آئی۔

اچھا۔ اب میں چلوں۔ باہر سب انتظار کر رہے ہوں گے۔'' روشین نے بڑے طریقے سے کہا تو وہ ناراض ہونے لگا۔''

'' واہ... یعنی منگیتر کی پرواہ نہیں ہے تمہیں۔ آج ہی تو ہماری منگنی ہوئی ہے اور تم یوں بے زاری دکھا رہی ہو۔''

''میں تو ایسے ہی کہہ رہی تھی۔ بیزار کیوں ہوں گی۔''

وہ بوکھلائی۔

امی بھی کہہ رہی تھیں منگنی کا جوڑا تم پر اچھا لگ رہا تھا۔'' وہ بات بدل گیا۔''

''اور میں؟''

روشین کو ان کی ستم ظریفی پر ہنسی بھی آئی اور رونا بھی۔ ہر بہانے سے وہ لوگ فقط اپنی ہی چیز کی تعریف کرنے کے

عادی تھے۔

''آج تو تمہیں نیند نہیں آئے گی۔''

وہ شرطیہ کہہ رہا تھا۔روشین چونکی

''کیوں...؟''

''بھئی آج سے منگنی شدہ ہو گئی ہو۔میری یاد تمہیں سونے کب دے گی۔''

وہ تیقّن سے بولا۔

''ایسی کوئی بات نہیں۔''

وہ اسے ایسی باتوں سے روکنا چاہتی تھی مگر ادھر ایسا کوئی ارادہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

میں روزانہ تمہیں کال کیا کروں گا۔بہت سی رومانٹک گفتگو کرنی ہے تم سے۔پتا ہے آج تمہیں دیکھ کے مجھے احساس''

ہوا کہ تم میری ہو گئی ہو۔

روشین کے گال دہک اٹھے۔موبائل ہاتھ سے چھوٹتے چھوٹتے بچا۔

''میرے خیال میں ابو آرہے ہیں۔خدا حافظ۔''

بدقت کہہ کر جلدی سے موبائل آف کر کے اس نے کسی نجس شے کی طرح بستر پر پھینک دیا اور نڈھال سی وہیں بیٹھ گئی۔اسے اچھی طرح علم ہو گیا تھا کہ اس کی کس طرح کی آزمائش شروع ہونے والی ہے۔

''تم لوگ یہیں کیوں نہیں آجاتے۔اب تو سکندر کا موڈ بھی ٹھیک رہنے لگا ہے۔''

عادل اور تمکین واپس جا رہے تھے۔آسیہ بیگم بے قرار ہو اٹھیں۔

''اب تو مستقل آنا جانا لگا رہے گا امی۔بس کچھ عرصہ ٹھہر جائیں پھر میں یہیں شفٹ ہو جاؤں گا۔''

عادل نرمی سے بولا۔ فرحین اسے بغور دیکھ رہی تھی۔

"اگر آپ یہ سوچ رہے ہیں کہ سکندر حیات صاحب آپ کو خود بلائیں گے تو یہ آپ کی بھول ہے۔"

وہ جیسے اس کے دل کی بات جان گئی تھی۔

"میں نے کہاناں ابھی کچھ پرابلمز ہیں۔ میں جلد ہی آجاؤں گا۔"

اور وہ ماں سے پیار لے کے چلا گیا۔

آسیہ بیگم حسرت سے روشین کو دیکھنے لگیں۔ جس مقصد کے لیے وہ اس قربانی پر راضی ہوئی تھی وہ ابھی حاصل ہوتا دکھائی نہیں دے رہا تھا بلکہ عادل شاید اس کے اس فیصلے ہی کی وجہ سے ناراض ہو گیا تھا۔

آؤ بیٹا۔ اچھے وقت پر آئے ہو۔ چائے لگنے ہی والی ہے۔" آسیہ بیگم نے اسے دامادوں جیسا پروٹوکول دیا۔ بطورِ خاص" اٹھ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"نہیں تائی جان۔ چائے تو ہم باہر کہیں پی لیں گے۔ ابھی تو میں روشین کو لینے آیا ہوں۔"

وہ انگلی میں رنگ گھماتے ہوئے بے نیازی سے بولا۔

"خیریت تو ہے ناں؟"

وہ پریشان ہو گئیں۔

"بس یونہی۔ آؤٹنگ پر جانے کو دل چاہ رہا تھا۔"

اس کا انداز ہنوز وہی تھا۔

جبکہ روشین کا دل تو ہاتھوں میں دھڑکنے لگا۔

مگر بیٹا..." وہ متذبذب ہو گئیں ایک نگاہ روشین کی اڑتی رنگت پر ڈالی اور پھر عمر سے بولیں۔"

"تم بیٹھو تو۔ چائے تو پیو۔"

"افوہ... ابھی بتایا تو ہے کہ چائے ہم باہر پیئیں گے۔ اٹھو روشی۔ ہری اپ پانچ منٹ میں تیار ہو کر آؤ۔"

وہ اکتا کر بولا۔ پھر تحکمانہ انداز میں روشین سے مخاطب ہوا تو وہ بوکھلا کر ماں کو دیکھنے لگی تو وہ نرمی سے بولیں۔

"دیکھو بیٹا... سکندر شاید یہ پسند نہ کریں۔"

"...واٹ"

وہ جیسے بدکا۔

"میں کوئی گلی کا لچا بدمعاش نہیں ہوں جو میرے ساتھ وہ روشین کا جانا پسند نہیں کریں گے۔"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔"

اب تو آسیہ بیگم بھی بوکھلا گئیں۔

"تایا جان سے میں خود پرمیشن لے لیتا ہوں۔ اب یہ میری منگیتر ہے۔ ایسی پابندیوں کا کیا مطلب ہے۔"

وہ ناگواری سے کہتا وہیں کھڑے کھڑے موبائل پر سکندر حیات کا نمبر ملانے لگا۔

اور روشین جو قدرے مطمئن تھی کہ سکندر حیات تو ایسی فضولیات کو سخت ناپسند کرتے ہیں۔ اب ان کی طرف سے عمر کے ساتھ آؤٹنگ پر جانے کی اجازت پا کر تقریباً قریب المرگ ہو گئی۔

"چلو اب مزید وقت ضائع نہ کرو۔ ایسے ہی چلی، چلو ٹھیک ہی لگ رہی ہو۔"

وہ اس ساری بحث سے سخت بیزار ہو گیا تھا۔

اور آسیہ بیگم دل مسوس کر رہ گئیں۔ کیا کریں، کیسے روکیں۔

روشین بے بسی سے ماں کو دیکھنے لگی تو انہوں نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ اس کے ساتھ آ تو گئی مگر اب اس نے عمر سے خود بات کرنے کی ٹھان لی۔

"یہ کوئی اچھی بات تو نہیں ہے۔"

اس نے دھیمے لہجے میں احتجاج کیا تو وہ گاڑی کی اسپیڈ کم کرتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"کیا اچھا نہیں ہے؟"

یوں۔ بغیر کسی شرعی رشتے کے اکٹھے باہر گھومنا۔" اس نے اٹکتے ہوئے کہا تو عمر نے زوردار قہقہہ لگایا۔"

"ارے واہ! تم تو اچھی خاصی ملانی ہو گئی ہو۔ برقع کیوں نہیں پہن لیتی شٹل کاک والا۔"

وہ اس کا مذاق اڑا رہا تھا۔

"...میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ مجھے بھی یہ پسند نہیں اور اسلام میں بھی"

"مگر مجھے پسند ہے اینڈ دیٹس آل۔"

وہ اس کی بات کاٹ کر اس قدر قطعیت سے بولا کہ وہ مزید کچھ کہہ ہی نہیں سکی۔

"پہلے چائے پی لیں پھر لانگ ڈرائیو پر چلیں گے۔

روشین کا دل کوفت سے بھرنے لگا۔

وہ پھر سے عمر کی کل جیسی کھلی ڈلی گفتگو سننے کو تیار نہیں تھی۔

"چلو بھی۔ کھڑی کھڑی سو گئی ہو گیا۔"

اس کا ہاتھ تھام کر اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی وہ ہوٹل کے دروازے کی طرف بڑھا۔ اس کا دھیان نہیں تھا۔ وہ باہر نکلتے شخص سے زوردار طریقے سے ٹکرا گئی۔

"...آئی ایم سوری"

وہ گڑبڑا گیا حالاں غلطی اس کی قطعاً نہیں تھی اور پھر روشین کو دیکھ کر وہ شخص جیسے وہیں پتھر کا ہو گیا۔

☆☆☆☆

پھر محبتوں بھرے بہت سے دن جیسے چٹکیوں میں گزر گئے اور احراز کے جانے کا دن آگیا۔

رات تو گویا رانیہ نے یونہی روتے ہوئے گزار دی۔

''اب بس بھی کرو رانی۔ایسے تو میں کبھی جا نہیں پاؤں گا۔''

وہ اسے ساتھ لگاتے ہوئے جذباتی ہو گیا۔

''تو نہ جائیں ناں۔''

رانیہ نے منت کی۔

مگر جانے والے کب رکا کرتے ہیں۔اس کا رزق اسے بلا رہا تھا۔

اور اب جب کہ وہ ایئرپورٹ کے لیے نکلنے کو تھا۔رانیہ کسی طور اس سے الگ ہونے کو راضی نہیں تھی۔

''رانیہ...رانی میری جان بس چند مہینوں کی تو بات ہے۔میں بہت جلد چکر لگاؤں گا۔''

وہ خود بھی کہاں اس جان لیوا جدائی کا مزہ چکھنا چاہ رہا تھا مگر مرد تھا،خود کو سنبھالے رکھنا ہی مردانگی تھی مگر وہ عورت،کمزور اور جذباتی تھی۔

اسے بہت سارا پیار اور تسلیاں دے کر وہ کمرے سے نکلنے لگا۔

''...احراز''

اس نے کمزور سی آواز میں اسے پکارا تو احراز نے بے اختیار پلٹ کر دیکھا اور اس کے قدموں تلے سے جیسے زمین ہی نکل گئی ہو۔

وہ سب کچھ بھول بھال کر تیزی سے اس کی طرف لپکا۔

لمحہ بھر کو تو وہ پتھر کی ہو رہی۔

وہ ریان عزیز تھا۔ اسے دیکھ کے بلکہ اسے عمر کے ساتھ دیکھ کے اس کی رنگت کیسے فق ہو گئی تھی۔

ادھر روشین کے قدم گویا زمین نے جکڑ لیے تھے۔

"اب چل بھی پڑو۔ کیا یہیں ٹیبل لگوانے کا ارادہ ہے؟"

عمر نے بے تکلفی سے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کھینچا تو ریان کی آنکھیں جل اٹھیں۔

اس سے زیادہ سہنے کا یارا اس نے اپنے اندر نہیں پایا تو تیزی سے چلتا ہوا وہاں سے دور ہو گیا۔

دل سے تو پہلے بھی وہ عمر کے ساتھ نہیں آئی تھی مگر اب ریان سے ٹکراؤ کے بعد تو وہ اور بھی پژمردگی کی زد میں آگئی تھی۔

اس کے ساکت و جامد انداز اور تاثرات نے بہت جلد عمر کو متوجہ کر دیا۔

"کیا ہے بھئی! یوں منہ کیوں سوجا ہوا ہے؟"

وہ بہت تیکھے انداز میں کہتا اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ روشین گڑبڑا گئی۔

"دل نہیں چاہ رہا تھا آنے کو تو وہیں منع کر دیتیں۔"

"ایسی بات نہیں ہے۔ دراصل میں کبھی یوں پبلک پلیس پر اکیلی نہیں آئی۔"

روشین نے آہستگی سے کہا تو وہ بھنویں اچکا کر اسے دیکھنے لگا۔

"اکیلی...؟ یعنی میرا ساتھ ہونا تمہارے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا؟"

یاخدا..." روشین چکرا گئی۔ "میرا مطلب ہے یوں آپ کے سات"

اس نے جلدی سے تصحیح کی۔ مبادا اسکندر حیات کے بھتیجے کو اس کی کوئی بات بری نہ لگ جائے۔

"پہلے تمہاری منگنی تو نہیں ہوئی تھی نا کہ تم یوں میرے ساتھ... جہاں چاہے گھومتیں۔"

وہ ہنسا۔

"مجھے یہ سب پسند نہیں ہے۔"

روشین کی زبان یوں ہی پھسل گئی۔ شاید دل کی کھٹک اسی طرح زبان پر آجایا کرتی ہے۔"

"کیا...؟"

وہ متوجہ تھا۔

پیشانی پہ وہی نخوت و ناگواری کی تیوری۔

"یہی بنا کسی شرعی رشتے کے آزادی سے گھومنا پھرنا۔"

روشین نے زبان سے نکلی بات بڑی ہمت سے مکمل کر ہی دی۔

پہلے تو وہ حیران ہوا پھر تلخی اور تمسخر سے بھرپور انداز میں بولا۔

"...بہت خوب۔ یعنی منگنی تمہارے نزدیک کوئی شرعی رشتہ ہی نہیں۔ واہ"

روشین کو اس کی عقل اور ناقص معلومات پر حیرت ہوئی۔

"قرآن پاک میں نکاح کی شرعی حیثیت ہے۔ منگنی تو ہم لوگوں کی ذاتی اختراع ہے۔"

اس نے نرمی سے کہا۔ عمر نے سر جھٹکا۔

"تم تو ملّانی ہو نری۔"

اس کی بات سے زیادہ روشین کو اس کے تمسخرانہ انداز نے جز بز کیا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ عمر کا ذہن مذہب کے معاملے میں کس قدر محدود ہے

یا پھر یہ امریکہ کا کمال تھا۔

وہ چائے کے ساتھ اسنیکس بھی آرڈر کر رہا تھا۔

"میں صرف چائے پیئوں گی۔"

روشین نے اسے کہا بھی مگر وہ اسے مکمل نظرانداز کرتا ویٹر کو مینیو لکھواتا رہا۔ وہ شرمندہ سی بیٹھی رہی۔ ویٹر کے جانے کے بعد وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"اتنے مہنگے ہوٹل میں، میں تمہیں صرف چائے پلوانے نہیں لایا ہوں۔"

"میں اس وقت صرف چائے ہی پیتی ہوں۔"

روشین نے وضاحت کی۔

"سیدھی طرح کہو اس طرح کے شاندار ہوٹل میں پہلی مرتبہ آئی ہو۔"

وہ لطف لیتے ہوئے بولا تو روشین نے سادگی اور صاف گوئی سے کہا۔

"میں اس شاندار ہوٹل نہیں بلکہ کسی بھی ہوٹل میں پہلی بار آئی ہوں۔ ابو یہ سب پسند نہیں کرتے۔"

"مگر دیکھ لو۔ مجھے تو یوں اجازت دی ہے انہوں نے۔"

وہ چٹکی بجاتے ہوئے تفاخر سے بولا تو وہ باپ کی کج ادائی پہ کڑھ کے رہ گئی۔

اور یہ اپنا حلیہ بھی بدلو ذرا ٹیپ ٹاپ سے رہا کرو۔ امریکہ جانا ہے تمہیں۔" وہ ناقدانہ انداز میں اس کا جائزہ لے رہا تھا۔"

اس کی نظروں کی تپش نے روشین کو جلا کر خاک کر دیا۔ نفاست سے اوڑھے دوپٹے کو اس نے سر پر مزید اچھی طرح جما لیا تھا۔

"میں ایسے ہی رہنا پسند کرتی ہوں۔"

"مگر مجھے تمہارا یہ حلیہ پسند نہیں اینڈ دیٹس آل۔"

وہ اس قدر قطعیت سے بولا اور انداز میں اس قدر سختی لیے ہوئے تھا کہ روشین کی زبان دانتوں کے پیچھے پھڑ پھڑا کر رہ گئی۔ ویٹر نے چائے کے برتن لگا دیے۔

روشین کا دل اب چائے پینے کو بھی نہیں چاہ رہا تھا مگر وہ اس قدر تحکمانہ انداز میں اسے ہر شے چکھنے پر مجبور کر رہا تھا کہ روشین کا دل سہم سا گیا۔

ابھی تو یہ پہلی منزل تھی۔ آگے خدا جانے کیا ہونے والا تھا۔

"ویسے تو یہ پنک کلر بھی تم پر ٹھیک ہی لگ رہا ہے مگر تم گرین کلر زیادہ پہنا کرو۔ مجھے پسند ہے ہر شیڈ میں اور یہ شلوار قمیص اور یہ کیا کہتے ہیں اسے... دوپٹہ۔ اب تو یہ پرانا فیشن ہو گیا ہے۔ اپنے آس پاس دیکھو۔ لڑکیاں جینز اور ٹاپ پہن کے گھوم رہی ہیں۔ تم پتہ نہیں کس صدی میں زندہ ہو اور بالوں کی بھی یقیناً تم نے کبھی کٹنگ نہیں کرائی ہو گی تب ہی تو تھان میں لپیٹے ملّانی بنی رہتی ہو۔ پتہ نہیں کبھی تم نے پارلر کی شکل بھی دیکھی ہے یا نہیں..."

اعتراض...

پھر اعتراض در اعتراض...

مگر وہ پتھر ہو گئی تھی۔ وہ سب سننے اور برداشت کرنے پر مجبور تھی۔

اور اس مجبوری کا نام تھا سکندر حیات۔

"خیر ابھی اسٹارٹ ہے۔ آگے آگے دیکھنا میں تمہیں سر سے پاؤں تک اپنی پسند میں ڈھال لوں گا۔ آخر تمہیں امریکہ جانا ہے میرے ساتھ تو پھر میرے لیول تک تو آنا ہی پڑے گا۔"

وہ متفکر تھا۔

روشین کا جی چاہ رہا تھا کہ گرم گرم چائے اس کے منہ پر گرا دے۔

اس قدر گھٹیا سوچ...

"آپ کسی امریکن لڑکی سے شادی کر لیتے تو آپ کو اتنی محنت نہ کرنا پڑتی۔"

وہ سنجیدگی سے بولی۔

وہ بہت مضبوط اعصاب اور ارادوں کی مالک ہوتی ہیں۔ان کا ویو اس قدر کلیئر ہوتا ہے کہ ان پر اپنی مرضی اور پسند"

"ونا پسند تھوپنا جوئے شیر لانے کے برابر ہے۔

اس کی بات نے روشین کو تلملا دیا۔

یعنی وہاں سے منہ کی کھا کر وہ اب پاکستانی مسلم لڑکی کو آزما رہا تھا۔

...اسے خیال آیا عادل نے اسے کتنا سمجھایا تھا۔عمر کی ذہنیت اس کی سوچ

اس کا دل کُرلانے لگا۔

مگر اب اس دشت میں قدم رکھ ہی دیے تھے تو پھر سنگ و خشت سے کیا ڈر۔

وہ بت بنی بیٹھی تھی اب اس کے امریکہ کے قصے سن رہی تھی۔

☆☆☆☆

ریان کا نمبر دیکھ کر وہ چونکی۔

اس سے پہلے کبھی فرحین کو فون کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی تھی۔ابھی بھی اگر اس کا نمبر فرحین نے اپنے موبائل میں فیڈ نہ کیا ہوتا تو شاید وہ رانگ نمبر سمجھ کر لائن کاٹ دیتی۔

"روشین کہاں ہے؟"

اس نے چھوٹتے ہی پوچھا تو فرحین حیران ہوئی۔

"خیریت تو ہے ناں؟"

"خیریت ہی ہے جو میں پوچھ رہا ہوں وہ بتائو۔" وہ تیز لہجے میں بولا۔

فرحین کھنکھاری۔

"وہ تو گھر میں نہیں ہے۔"

"کہاں گئی ہے اور کس کے ساتھ؟"

وہ اسی انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"آپ نے اسے کہیں دیکھا ہے؟"

فرحین کو فوراً پتہ چل گیا تھا۔

"میں نے اسے ہوٹل میں دیکھا ہے۔ وہ کس کے ساتھ تھی فرحین؟"

وہ بے چین و بے قرار تھا۔

وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اتنے استحقاق سے اس کا ہاتھ تھام کر کون اس کے ہمراہ چل سکتا ہے۔

مگر پھر بھی...

شاید وہ اس واہمے کو غلط کرنا چاہتا تھا۔

"آپ کو پتہ ہے وہ عمر کے ساتھ گئی ہے۔"

فرحین نے تیقن سے کہا تو وہ ہارنے لگا۔

"کیوں... کیوں گئی ہے وہ اس کے ساتھ باہر؟ مجھے تو وہ کہیں سے بھی اچھا آدمی نہیں لگا۔"

فرحین کو اتنی سنجیدہ صورت حال میں بھی اس کی جیلسی پر ہنسی آگئی۔

"بڑے نجومی ہو گئے ہیں آپ تو..."

ہنسو مت فری! میں واقعی سخت غصے میں ہوں۔ وہ خبیث شخص اس کا ہاتھ پکڑے یوں لے جا رہا تھا جیسے اس کی ملکیت

"ہو۔

یہ واقعی دل سے دل کا معاملہ تھا۔

وہ پل بھر کا منظر ریان کو اندر کی گویا ہر بات بتا گیا۔

"وہ خوش ہے فری؟ وہ بالکل بھی خوش نہیں۔"

"بے وقوف نہیں ہے وہ۔ خود سے ہاں کی ہے اس نے۔"

فرحین کو اس کی خوش فہمی پر غصہ آیا۔

تم کچھ بھی کہو۔ میرے سامنے اس کے قدم جم گئے تھے اگر وہ اس لنگڑ بگڑ کے ساتھ خوش ہوتی تو مجھے جلانے کی خاطر "

"ہنس کے اس کے ساتھ گزر جاتی مگر مجھے اس کے چہرے پر زندگی کی کوئی چمک یا رمق نظر نہیں آئی۔

وہ اس قدر تیقن سے کہہ رہا تھا کہ فرحین کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

وہ لاابالی اور لاپروا تھا۔

مگر روشین کی حد درجہ پروا کرتا تھا۔ اس کے چہرے کا ایک ایک تاثر اسے ازبر تھا۔

خدا اسے تمہارا ساتھ نصیب کرے ریان عزیز۔" فرحین نے بے اختیار ہی دل میں دعا کی تھی۔"

تو اسے کس نے کہا تھا ایسا فیصلہ کرنے کو جس میں اس کی رضامندی نہیں تھی۔ یہ آزمائش اس نے خود چنی ہے۔ ذرا مزا"

"لوٹنے دو اسے امریکہ کا۔

فرحین نے ریان کا دھیان بٹانے کو ناراضی سے کہا تو دوسری جانب خاموشی سی چھا گئی پھر وہ ٹوٹے ہوئے انداز میں

پوچھنے لگا۔

"کیا وہ سچ میں اس سے شادی کرلے گی فری؟"

"اب منگنی اس نے دو سالہ تجربہ حاصل کرنے کے لیے تو کی نہیں۔ ظاہر ہے شادی بھی کرے گی۔"

فرحین نے لہجے میں بشاشت بھرتے ہوتے کہا تو دوسری طرف سے چند سیکنڈز کے وقفے کے بعد فون آف ہو گیا۔

فرحین افسردہ سی ہو گئی۔

☆☆☆☆

آسیہ بیگم کی ضد پر عادل کو واپس گھر آنا ہی پڑا۔

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی امی جس مقصد کے لیے میں سولی چڑھ رہی ہوں بھائی جان اس سے پہلو تہی کر رہے ہیں۔"

روشین ہی نے انہیں احساس دلایا تو اب کی بار آسیہ بیگم نے بھی عادل کی ایک نہ سنی اور بہو اور پوتے کو گھر لا کے ہی چھوڑا۔

اب گھر میں ایک جشن کا سماں تھا۔ ننھا حمزہ دادی اور پھوپیوں کا منظورِ نظر بنا ہوا تھا۔

ان ہی لمحات میں عمر اور چچی جان کی آمد۔

عادل اور اس کی بیوی کو گھر میں یوں دندناتے دیکھ کر چچی جان کا کلیجہ جل کر راکھ ہو گیا۔

"یہاں تو شاید کوئی پارٹی چل رہی ہے۔ ہم غلط ٹائم پر آ گئے ہیں۔"

انہوں نے تیکھے لہجے میں عمر کو مخاطب کیا۔ عادل کو دیکھ کر وہ بھی خوش نہیں تھا

"ایسی کوئی بات نہیں دراصل عادل اور تمکین گھر آ گئے ہیں۔ اسی خوشی میں بچیوں نے تھوڑی سی خوشی کر لی۔"

آسیہ بیگم گڑبڑا گئیں۔ چچی جان کا لہجہ اچھا خاصا سمجھ میں آنے والا تھا۔

لائونج میں بکھری پھولوں کی پتیاں دیکھ کر انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ بچیوں کو اس خوشی کی کچھ کم خوشی نہیں تھی۔ اوپر سے آسیہ بیگم جو خوشخبری سنا رہی تھیں اس نے چچی جان کو جھٹکا لگایا۔

اس گھر میں انہوں نے ہمیشہ نوین کی اجارہ داری سوچی تھی اور اب یہ... انہوں نے ناگواری سے جاذبِ نظر تمکین کو

دیکھا جو انہیں سلام کرنے کے بعد روشین کے ساتھ کچن کی طرف جا رہی تھی۔

"بھائی صاحب سے پوچھا آپ نے یا خود ہی خوشی منائے جا رہی ہیں۔"

وہ اسی تیکھے و ناپسندیدہ انداز میں اندرونِ خانہ "باخبری" جتا رہی تھیں۔

"آپ بے فکر رہیں چچی جان۔ ابو اب بہت بدل چکے ہیں۔ ان کی ناراضگی تو محض پانی کا بلبلہ تھی۔"

عادل نے ان کا اور دل جلایا تھا۔ انہوں نے اسے سرد نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

تم انہیں اچھی طرح سے جانتے نہیں ہو برخوردار۔ ابھی تو وہ بہت کم قیمت پر راضی ہو گئے ہیں ورنہ تو شاید تم تمام عمر"

"اس گھر کے باہر ناک رگڑتے رہتے۔

عادل کا خون کنپٹیوں میں جوش مارنے لگا۔

"تم بھی کیا فضول باتیں لے کے بیٹھ گئے ہو۔ عمر کو کمپنی دو۔ یہ بے چارہ بور ہو رہا ہے۔"

آسیہ بیگم نے جلدی سے عادل کا دھیان بٹانے کی سعی کی تو عمر نے ٹی وی کا چینل بدلتے ہوئے رکھائی سے کہا۔

"مجھے بالکل بھی بوریت محسوس نہیں ہو رہی اور ویسے بھی ٹی وی انسانوں سے اچھا ساتھی ہے۔"

عادل کا بہت کچھ کہنے کو جی چاہ رہا تھا بلکہ ان لوگوں کو دھکے دے کر گھر سے نکالنے کو دل چاہ رہا تھا مگر... وہ دونوں جس حیثیت سے اب اس گھر میں آئے تھے وہ مجبوراً ہی سہی مگر عزت کے قابل تھے۔

وہ شکایتی نگاہوں سے ماں کو دیکھتے ہوئے وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

"اس کا دماغ ابھی تک سیٹ نہیں ہوا۔ اسے واپس کیسے بلا لیا بھائی صاحب نے؟"

چچی جان نے بے حد ناگواری سے پوچھا۔ بُرا تو آسیہ بیگم کو بہت لگا مگر تحمل سے بولیں۔

گزری باتوں کو بھلا دینا ہی اچھا ہوتا ہے شکیلہ۔ دل میں خوامخواہ کی کدورتیں بھرنے سے کیا حاصل... اور پھر وہ باپ"

"بیٹا ہیں۔ اس رشتے میں اتنی لمبی ناراضی چل بھی کیسے سکتی ہے۔

ہونہہ۔آپ لوگوں کو کیا فرق پڑتا ہے۔ فرق تو ہمیں پڑا تھا مگر خدا نے نوین کو عادل سے لاکھ درجے اچھا بر دیا۔ لاکھوں"

"میں کھیل رہی ہے وہ۔

وہ طنز کرتے ہوئے آخر میں تفاخر سے بولیں تو آسیہ بیگم نے ماشاءاللہ کہہ دیا۔

اسی وقت روشین چائے اور دیگر لوازمات سے بھری ٹرالی گھسیٹتی چلی آئی۔ تمکین جان بوجھ کر دوبارہ سامنے نہیں آئی تھی۔ وہ عادل کے ساتھ ان دونوں کا رویہ دیکھ اور سن چکی تھی۔ سیدھی کمرے میں آگئی۔

وہ اوندھے منہ بیڈ پر گرا ہوا تھا۔ گہری سانس بھرتی وہ اس کے پاس بیٹھ گئی۔

"آپ کیوں اٹھ آئے وہاں سے ؟"

"تم کیوں آئی ہو، میرے پیچھے ؟"

اوندھے منہ لیٹے وہ قدرے غصے سے پوچھنے لگا تو تمکین کو فوراً ہی اس کے بُرے موڈ کا پتہ چل گیا۔

"...آپ کے پیچھے نہیں آؤں گی تو اور کس کے پیچھے جاؤں گی بھلا"

اس کے بالوں میں دھیرے سے انگلیاں چلاتے ہوئے وہ مسکرائی تو اس کا سارا غصہ ماند پڑنے لگا۔

عادل نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر دلکش سی مسکراہٹ تھی۔

مگر کسی خیال نے عادل کا دل برا کر دیا۔

وہ اٹھ بیٹھا

"دیکھا تم نے کیسے جاہلوں سے ناتا جوڑا ہے روشی نے۔"

اس نے دلگرفتی سے کہا تو تمکین کھنکھاری۔

یہ سب تو روشین بھی جانتی ہے پھر بھی اگر اس نے اس رشتے کے لیے حامی بھری ہے تو اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی"

"ٹھوس وجہ ضرور ہو گی ورنہ وہ بے وقوف نہیں ہے کہ امریکی ڈالروں کے شوق میں زندگی برباد کرلے۔

"مثلاً کیا وجہ ہو سکتی ہے؟"

عادل نے پر سوچ انداز میں پوچھا۔

"یہ تو وہی بتا سکتی ہے۔ شاید وہ عمر کو پسند کرتی ہو۔"

تمکین نے دبے لفظوں میں اپنا خیال پیش کیا۔

"یہی سوچ کے میں بھی چپ ہو جاتا ہوں ورنہ اس کے پاس ایسے فضول فیصلے کا کوئی سولڈ ریزن نہیں تھا۔"

عادل نے تھکے تھکے لہجے میں کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

حمزہ کہاں ہے؟" عادل نے پوچھا تو وہ بے خیالی میں بولی۔"

"وہ فرحین کے پاس ہے۔"

"یعنی کہ تم فارغ ہوا بھی؟"

وہ مسکرا دیا۔ تمکین اس کی بات سمجھ کر پہلے تو جھینپی پھر اسے چھیڑتے ہوئے جواب دیا۔

"جی نہیں۔ میں جا کر آپ کے ہوتے ہوتے رہ جانے والے سسرالیوں کے پاس بیٹھنے لگی ہوں۔"

اس کی بات سن کر عادل کو ہنسی آگئی۔

تمکین ان لوگوں کے پاس محض دس منٹ ہی بیٹھ سکی۔

چچی جان کی سرد نگاہوں سے جھلکتی ناپسندیدگی نے اسے اٹھ کر چلے جانے پر مجبور کر دیا تو وہ فرحین کے کمرے میں گھس گئی۔

"آپ تو پھر ابھی ادھر ہی ہیں نا؟"

عمر نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھتے ہوئے ماں سے پوچھا تو وہ جو آسیہ بیگم کو عمر کا بینک بیلنس، نئے خریدے جانے والے دو پلاٹس اور دبئی سے لائی جیولری کی تفصیل بتا بتا کر متاثر کر رہی تھیں، بدمزہ سی ہو گئیں۔

''کیوں... تم کہاں جا رہے ہو؟''

''آپ اپنی باتوں میں مصروف ہیں۔ ہم دونوں بور ہو رہے ہیں۔ میں روشی کے ساتھ باہر جا رہا ہوں۔''

وہ آرام سے بولا تو چائے کا گھونٹ روشین کے حلق میں پھنسنے لگا۔

''نہیں۔ میں کوئی بور نہیں ہو رہی۔''

روشین نے جلدی سے کہا۔

''اچھا زمانہ ہے بھئی۔ شرم تو ہے ہی نہیں آج کے بچوں میں۔ منہ اٹھا کے چل دیئے لڑکا لڑکی۔''

چچی جان نے ناگواری سے کہا جس کا عمر پر تو قطعی کوئی اثر نہیں ہوا البتہ وہ ماں بیٹی ساکت رہ گئی تھیں۔

''خیر روشین کو بھی یہ بات پسند نہیں۔''

آسیہ بیگم نے سنبھلتے ہوئے بیٹی کی پوزیشن کلیئر کرنا چاہی۔

رہنے دیں بھابی۔ اپنے بچے سب ہی کو دودھ کے دھلے لگتے ہیں۔ عادل کے متعلق بھی آپ کی یہی رائے تھے۔ راہ چلتی''

''کو گھر لے آیا اور آج آپ نے اسے سر پہ بٹھایا ہوا ہے۔

چچی جان کی زبان تو پہلے ہی تلوار تھی۔ اب تو دودھاری بھی ہو گئی تھی۔

آسیہ بیگم کی پیشانی پر پسینہ چمک اٹھا۔

''چلو بھی۔ تم کیا وقت ضائع کر رہی ہو۔''

عمر نے ناگواری سے روشین کو یوں مخاطب کیا جیسے ابھی یہاں کوئی بات ہوئی ہی نہ ہو۔

''میرا دل نہیں چاہ رہا پھر کبھی سہی۔''

روشین نے اپنی ہمت کو آواز دی۔

"مگر میرا ابھی دل چاہ رہا ہے نائو گیٹ اپ۔"

عمر نے قطعی لہجے میں کہا تو اس کے لہجے سے جھلکتے تحکم نے آسیہ بیگم کا دل مسوس دیا۔

ان کی بیٹی بھی شاید ان ہی کا سا نصیب لائی تھی۔

"میرا حلیہ بھی نہیں کہیں جانے کا پلیز۔"

روشین نے اسے ٹالنا چاہا۔

اے ہے... کہاں سر پھوڑ رہا ہے میرے بچے۔ ابھی سے اکڑی جا رہی ہے یہ تو... دس دفعہ کہا تم نے مگر اس کے کان پہ"

"جُوں تک نہیں رینگ رہی۔ تم کیوں منتیں کیے جا رہے ہو۔

چچی جان آگ بگولہ ہونے لگیں تو وہ گھبرا کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آپ رکیں گی یا آپ کو گھر ڈراپ کر دوں؟ ہمیں شاید دیر ہو جائے۔"

وہ اسی اطمینان سے ماں سے مخاطب تھا۔

"میں تو ابھی بیٹھوں گی۔ بڑی باتیں کرنی ہیں بھابی سے۔ دُبئی کے ٹرپ کا بتا رہی تھی ان کو۔"

پل میں تولہ پل میں ماشہ تھے یہ لوگ۔

چچی جان آرام سے بیٹھ گئیں جب کہ روشین نے بے چارگی سے ماں کو دیکھا۔

"سکندر شاید پسند نہ کریں۔"

وہ ہچکچائیں۔

"ارے جانے دیں۔ وہ کیوں بھلا منع کریں گے۔ عمر کو اجازت دے رکھی ہے انہوں نے۔"

چچی جان نے عجیب سے لہجے میں کہا تو وہ کٹ کر رہ گئیں۔

یہ ان کے گھر کی روایات تو نہ تھیں۔

انہوں نے روشین کو جانے کا اشارہ کیا تو وہ اسی حلئے میں دوپٹہ ٹھیک سے اوڑھتی عمر کے پیچھے نکل گئی... جب کہ آسیہ بیگم یہ سوچ کر نڈھال ہو رہی تھیں کہ جب عادل کو یہ پتہ چلے گا کہ روشین عمر کے ساتھ باہر گئی ہے تو اس کا کیا ردعمل ہو گا۔ چچی جان مغرورانہ انداز میں اپنی جائیداد کی تفصیل بتا رہی تھیں جو اس ایک سال میں انہوں نے محض عمر کی کمائی سے بنالی تھی مگر ان کا دھیان کہیں اور ہی اڑانیں بھر رہا تھا۔

اور دل سے ایک ہی صدا نکل رہی تھی۔

"یا خدا میری بچی کو اپنی حفظ وامان میں رکھنا۔"

☆☆☆☆

یہ کیا ٹینٹ لپیٹ کے پردے کی بوبو بنی رہتی ہو تم؟" گاڑی چلاتے ہوئے عمر نے اعتراضات کا سلسلہ شروع کیا تو" روشین نے کہا۔

"پاکستان میں سب لڑکیاں ایسی ہی ہوتی ہیں۔"

"...ہاہ"

وہ زور سے ہنسا۔

"تو پھر یہ کون ہیں... امریکن یا میکسیکن؟"

اس نے گاڑی سے باہر اشارہ کیا۔ ایک لڑکی جینز اور ٹاپ میں ملبوس تھی اور دوسری ٹرائوزر اور شارٹ شرٹ میں جس کے بازو ندارد۔

"مجھے پتہ نہیں مگر میں اپنی حدود میں رہنا پسند کرتی ہوں۔"

روشین نے آہستگی سے کہا تھا۔

تم صرف کمپلیکس کا شکار ہو اور بس۔" عمر کی بات نے اسے حیران کیا۔"

"کیسا کمپلیکس؟"

"یہی کہ تم ان جیسی نہیں بن سکتیں۔"

میں ان جیسا بننا بھی نہیں چاہتی۔ ننگے شانے اور پنڈلیاں دکھانے سے لوگ آپ کو ماڈرن تو کہیں گے مگر مسلمان"

"نہیں۔

اس نے قطعیت سے کہا۔

"شٹ اپ۔"

عمر نے ہاتھ ہلا کر گویا مکھی اڑائی۔

"یونیورسٹی میں پڑھتی ہو، سینکڑوں لڑکوں کے بیچ اور سوچ کسی مدرسے کی مِلّانی جیسی ہے۔"

وہ بے یقین تھا جیسے درپردہ اس نے کئی افیئرز چلا رکھے ہوں جن کے متعلق وہ اسے نہ بتا رہی ہو۔

"وہاں بھی میں ایسے ہی ہوتی ہوں اور الحمدللہ سب میری بہت عزت کرتے ہیں۔"

روشین نے برا مانتے ہوئے کہا تو وہ لاپروائی سے ہنسا۔

دراصل افیئر چلانے کے لیے جو لوازمات چاہئیں۔ ان کی تمہارے اندر کمی ہے۔ تم ذرا بہن جی ٹائپ لڑکی ہو۔ لڑکوں"

"کے لیے ایسی لڑکیوں میں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔

وہ آرام سے اس کی ذات کے پرخچے اڑا رہا تھا۔

"خدا کا شکر ہے میں ایسی ہوں کہ سب مجھے بہن جی سمجھتے ہیں۔ غلط لڑکی ہونے سے بہن جی ہونا اچھا ہے۔"

بے حد ٹھنڈے لہجے میں کہا تو وہ مسکرا دیا۔

''غصہ کھا گئی ہو۔''

''نہیں آپ نے ٹھیک کہا۔ میرے اس حلیے ہی نے کسی کو مجھ سے فضول بات کرنے کی اجازت نہیں دی۔''

وہ سر پہ بہت سلیقے سے دوپٹہ لیتی تھی۔ اسی لیے ہزاروں میں ممتاز نظر آتی تھی۔

''مگر میں تو حق رکھتا ہوں تم پر۔ تمہیں دیکھ سکتا ہوں۔'' وہ دعوے سے بولا۔ ''جب چاہے۔''

روشین کو اس کا انداز بے حد ناگوار گزرا

''آپ کزن ہونے کے ناطے میرے لیے بہت محترم ہیں۔ ایک دنیاوی رشتہ بھی ہے جسے منگنی کہتے ہیں مگر اس رشتے کو

لے کے آپ مجھ پر ایسا استحقاق نہیں جتا سکتے۔''

وہ بے حد صاف گوئی سے بولی۔ مجبوری اپنی جگہ مگر اس طرح کی فضول گوئی وہ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

''کم آن۔ اب ملّانی مت بن جانا۔ جانتا ہوں میں سب لڑکیوں کو۔ موقع ملے تو ہر کسی کا دوپٹہ سر سے ڈھلک کر شانوں پہ

آتا ہے اور پھر غائب ہو جاتا ہے۔''

وہ استہزائیہ سے کہہ رہا تھا۔

''میں ان لڑکیوں میں سے نہیں ہوں۔''

روشین تلخی سے بولی۔

''اچھا...'' وہ تمسخر سے ہنسا۔ ''تو لڑکیوں کی کس فوج سے تعلق ہے محترمہ کا؟''

''آپ کچھ اور باتیں نہیں کر سکتے؟''

گہری سانس بھر کے اپنی جھنجھلاہٹ اور ناگواری پر قابو پا کر روشین نے کہا تو وہ کچھ اور ہی سمجھا۔

"... کوئی بات تو کھل کے کرنے نہیں دیتی ہو۔ ہاتھ کیسے لگانے دو گی"

...اس قدر بے باکی... بلکہ بے شرمی

لحظہ بھر کو تو وہ بھی سن ہو گئی۔

"کیا وہ اس کے حلئے' اس کی باتوں سے اندازہ نہیں لگا پایا تھا کہ وہ کس "قبیل" کی لڑکی ہے ؟

تمہارا اس شخص کے "ساتھ" ہونا... یہ اور کیا سمجھے تمہیں ؟

کوئی اس کے اندر زور سے ہنسا تو شرمندگی کے مارے اسے رونا آنے لگا۔

"عمر صاحب پلیز ! میں ایسی فضولیات کی قائل نہیں ہوں۔ آئندہ بات کرتے ہوئے خیال رکھیے گا۔"

وہ چیخ کر بولی۔

"شٹ اپ۔ یہ صاحب واحب نہ کہا کرو۔ مجھے عمر کہہ سکتی ہو۔"

وہ مسکرا کر یوں بولا جیسے باقی کا جملہ اس نے سنا ہی نہ ہو۔ روشین نے دانتوں پہ دانت جما کے بمشکل خود کو معتدل کیا۔

"میرے خیال میں اب گھر چلتے ہیں۔"

عمر نے اسے ذرا سا گھور کے دیکھا۔

"تم ہر وقت حُجرے میں رہ کے تنگ نہیں پڑتیں ؟"

روشین کا جی چاہا اس سے کہے کہ کسی کی غلیظ نگاہوں اور اخلاق سے گری باتوں سے بچنے کے لیے تو وہ تاعمر اس حُجرے کو اپنا ٹھکانہ بنا سکتی ہے۔

مگر وہ جانتی تھی کہ اس شخص سے اخلاقیات کی کوئی بھی بات کہنا بے سود تھا جو اپنے اور اس کے مابین موجود رشتوں کی حرمت کا ذرہ برابر بھی خیال نہیں کرتا تھا۔ لانگ ڈرائیو اور یوں ہی بے کار سی باتوں کے بعد روشین کے انکار کے باوجود وہ اسے لنچ کے لیے شاندار سے ریسٹورانٹ میں لے گیا۔ اپنی پسند کا آرڈر دیا اور ڈٹ کے کھایا جب کہ روشین نے محض

چند نوالوں میں ہی بھوک ختم ہونے کا اعلان کر دیا۔

وہ جلد از جلد اس ''قربت'' کو ختم کرنا چاہتی تھی۔

...یہ شخص

اس نے بے دلی سے سامنے بیٹھے عمر رضوان حیات کو دیکھا۔

یہ شخص ایک سر درد ہے اور کچھ نہیں۔

اس کا دل بجھ سا گیا۔

اس شخص کو قدرت نے اس کی ہمراہی کے لیے چنا تھا۔

☆☆☆☆

''...احراز''

اس کی ڈوبتی ہوئی آواز میں درد تھا۔ بچھڑ جانے کا خوف' جدائی کا ڈر

احراز نے بے ساختہ پلٹ کے دیکھا۔

اور اگلا لمحہ بے حد پریشان کن اور سب ہی کے لیے غیر متوقع بھی تھا۔

رانیہ لہرا کر زمین پر آ رہی۔

احراز بیگ وہیں پھینک کر گویا اڑتا ہوا اس تک پہنچا۔

''...الٰہی خیر''

رشیدہ بیگم نے دل پہ ہاتھ رکھا تو نگینہ نے کوفت سے انہیں دیکھا۔

"رانیہ... ہوش کرو رانیہ۔"

احراز اس کا رخسار تھپتھپا رہا تھا۔ شبینہ کو اس نے پانی لانے کو دوڑایا اور خود اسے اٹھا کر اندر لایا اور بیڈ پر ڈال دیا۔

"میں ڈاکٹر کو لے آتا ہوں۔"

...ابرار متذبذب تھا۔ احراز کی فلائٹ کا وقت قریب تھا اور ایسے میں یہ رسک

"ہاں فوراً جاؤ۔"

احراز نے بے سدھ پڑی رانیہ کو دیکھتے ہوئے تیزی سے کہا پھر پریشانی کے عالم میں بولا۔

"بلکہ اسے ہی لیے چلتے ہیں ڈاکٹر کے پاس۔ تمہارے جانے آنے میں تو کافی ٹائم نکل جائے گا۔"

اسی اثنا میں رشیدہ بیگم شبینہ کے لائے پانی کے گلاس میں سے پانی لے کر رانیہ کے منہ پر چھینٹے مارنے لگیں۔ چند لمحوں کی کوشش کے بعد وہ کراہ اٹھی۔

"رانیہ... بیٹا آنکھیں کھولو۔"

رشیدہ بیگم نے اسے پیار سے پکارا تو اس کے لرزتے پپوٹوں نے وا ہونا شروع کیا۔

احراز نے گہری سانس بھری۔

وہ سب کو دیکھ رہی تھی۔ احراز پر اس کی بے تاب نظر ٹھہر گئی۔ اس کے لب لرزے۔

"آپ... آپ گئے نہیں؟"

اس کی بے یقینی اور اس کے سوال پہ احراز کو ہنسی آگئی۔

"نہیں گیا تو تمہارے سامنے کھڑا ہوں ناں۔ اٹلی سے تو ٹیلی کاسٹ نہیں ہو رہا۔"

وہ مزے سے بولا تو وہ شرمسار سی اٹھ بیٹھی اور دوپٹہ درست کرنے لگی۔

"چلو ذرا ایک بار ڈاکٹر کو چیک کروا ہی لیں۔ یوں بے ہوش ہونا کوئی معمولی بات نہیں۔"

احراز نے تشویش سے کہا۔ تو سب کے سامنے وہ مزید خجالت کا شکار ہونے لگی۔

"... نہیں۔ وہ تو میں ویسے ہی"

"ہاں۔ ویسے ہی شوقیہ بے ہوش ہو گئی تھیں۔"

احراز نے اس کی بات کاٹی تھی۔

"آپ کی فلائٹ کا ٹائم ہو رہا ہے۔"

نگینہ نے ماں کو اشارہ کرتے ہوئے دبے لفظوں میں کہا تو وہ لاپروائی سے بولا۔

فلائٹ بھی دیکھ لیں گے۔ پہلے اپنی اکلوتی بیگم کو تو دیکھ لیں۔" اس نے ہاتھ پکڑ کے رانیہ کو کھڑا کر دیا۔"

وہ تو شرم کے مارے کچھ بول ہی نہ پا رہی تھی۔

"دماغ ٹھیک ہے تمہارا احراز۔ جہاز چلا جائے گا۔"

رشیدہ بیگم پر بھی نگینہ کی تیوری کا اثر ہوا تھا۔

"فکر مت کریں امی اور آجائے گا۔"

احراز نے اسی انداز میں کہتے ہوئے ابرار کے ہاتھ سے گاڑی کی چابی لی اور کہا۔

"تم ذرا پتہ کرو کہ اگلی سیٹ مجھے کتنے دنوں بعد کی مل سکتی ہے۔ ہم ابھی آتے ہیں۔"

وہ رانیہ کو سہارا دے کر باہر کی طرف بڑھ گیا۔

"... میرے خدایا"

لق دق کھڑی نگینہ کا سکتہ ٹوٹا تو وہ گرنے کے سے انداز میں بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"واہ... صحیح مجنوں بنے ہیں یہ تو۔"

ابرار نے طنز کیا تھا۔

دماغ خراب ہو گیا ہے ان کا امی اور آپ نے مجال ہے جو ذرا بھی سمجھایا ہو بیٹے کو۔ کیسے اس "پھولوں کی ڈال" کو لے

" کے آنکھوں کے سامنے نکل لیے۔

نگینہ کو غصہ آیا۔

"یعنی کمال ہی ہو گیا۔ اس کل کی چھوکری نے بھائی کو دین و دنیا ہی بھلا ڈالے تھے۔"

خود رشیدہ بیگم بھی متضاد کیفیات کا شکار ہو رہی تھیں۔ رانیہ کی پریشانی اپنی جگہ مگر احراز کا یوں فلائٹ مس کر کے اس کے ساتھ نکل پڑنا انہیں پسند نہیں آیا تھا۔

"اب میں اسے کیا سمجھاؤں۔ بچہ تو نہیں خود سمجھ دار ہے۔ اسے نہیں پتہ کہ نوکری پہ واپس جانا ہے۔"

وہ قدرے جھنجلا کر بولی تھیں۔

کوئی سنے گا تو کیا کہے گا۔ بیوی نے ذرا سا بے ہوشی کا ڈرامہ رچایا اور یہ جناب اپنی فلائٹ مس کر بیٹھے۔ ہزاروں روپے"

" لگ جائیں گے مزید ٹکٹ کرانے کے۔

نگینہ کا تو بس نہ چل رہا تھا رانیہ کو سامنے کھڑا کر کے طبیعت صاف کر دیتی۔

"خیر ڈرامہ تو نہیں کر رہی تھی۔ رنگت کیسے پیلی پھٹک پڑ گئی تھی اس کی۔"

رشیدہ بیگم نے سادگی سے کہا تو نگینہ نے ماتھا پیٹ لیا۔

"یہ بن گئیں ساس۔"

ابرار نے تمسخر اڑایا۔

خیر۔ اسے آنے دو۔ کان تو میں اس کے ضرور کھینچوں گی۔ اتنی بڑی بات تو نہیں تھی جس کے لیے اس نے اتنا بڑا فیصلہ"

''کر لیا۔

رشیدہ بیگم نے بھی دل کی خفگی کو زبان کی راہ دکھا ہی دی تھی۔

''میں تو آپ کو پہلے ہی منع کر رہی تھی۔ یوں نچاتی ہیں پسند کی بیویاں۔''

نگینہ کو تو کھل کے موقع ملا تھا۔

جب کہ ابرار بُرے موڈ کے ساتھ ٹیلی فون سیٹ اٹھا کر کمرے میں چلا گیا۔ احراز نے جاتے ہوئے جو ذمہ داری اسے سونپی تھی فی الحال تو اس کا کچھ کرنا تھا۔

''خیر اس نے تو کبھی نہ کوئی ایسی حرکت کی ہے نہ بات۔''

رشیدہ بیگم نے اسے ٹالنا چاہا تو وہ بُرا مان کر بولی۔

لو۔ وہ تو ڈائریکٹر ہے ڈائریکٹر۔ اس کے اسکرپٹ پہ تو اس کا شوہر اداکاری کر رہا ہے۔ اسے بھلا کچھ کرنے یا کہنے کی کیا''
''ضرورت ہے۔

''مجھے تو ابھی تک یقین نہیں آرہا۔ بھائی جان نے حرکت کیا کی ہے۔''

شبینہ نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے ناگواری سے کہا۔ واقعی وہ تو ابھی تک بے یقینی کی سی کیفیت میں تھی۔ ایسی
''دیوانگی تو نہ کہیں دیکھی نہ سنی۔

میرے تو میاں بھی ہنسیں گے اور ساس نندیں الگ باتیں بنائیں گی۔'' نگینہ کو اگلے خدشات ستانے لگے۔''

''ان سے کچھ اور بہانہ کر دینا۔''

رشیدہ بیگم نے مشورہ دیا تو وہ چڑ گئی۔

''کہہ دوں گی جہاز کے پائلٹ کی بیوی بیمار ہو گئی تھی، اس لیے وہ جہاز چلانے نہیں آسکا۔''

اتنی سنجیدہ صورت حال میں بھی شبینہ کی ہنسی نکل گئی تو نگینہ نے اسے گھور کے دیکھا۔

☆☆☆☆

"یہ کمزوری کی وجہ سے بے ہوش ہو گئی تھیں۔ خوراک اور نیند مکمل لیں، انشاءاللہ ٹھیک ہو جائیں گی۔"

ڈاکٹر نے چیک اپ کے بعد احراز کو تسلی دی تھی۔

"میں نے آپ سے کہا بھی تھا... اب تو آپ کی فلائٹ کا ٹائم بھی ہو چکا۔"

رانیہ کو گھر جا کے سب کا سامنا کرنے کے خیال سے شرمندگی اور گھبراہٹ محسوس ہو رہی تھی۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی

اس نے کہا تو احراز ہنس دیا۔

"تمہاری خواہش تو پوری ہو گئی نا۔"

"میری تو خواہش ہے کہ آپ کبھی نہ جائیں۔ ہمیشہ میرے پاس رہیں۔"

وہ اداسی سے بولی تو اس کی آنکھوں میں پانی کی تحریر تھی۔

"اب زیادہ پھیلو مت۔ اس سے زیادہ چھٹیاں میں افورڈ نہیں کر سکتا۔ وہاں تو ایک چھوڑ ہزار نوکر ملتے ہیں انہیں۔"

احراز نے اس کا موڈ بدلنے کے لیے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"لوگ یہاں بھی تو کماتے ہیں احراز۔"

"سمپل بی ایس سی کو کون نوکری دیتا ہے یہاں ستر اسی ہزار کی۔"

وہ بے نیازی سے بولا۔ رانیہ نے آنکھیں پھاڑ کے اسے دیکھا۔

"آپ کی تنخواہ اتنی ہے؟"

پاکستانی روپوں میں اتنی ہی بنتی ہے مگر مجھے وہاں اپنا خرچہ بھی چلانا ہوتا ہے۔ یہ پیسے یہاں تو بہت لگتے ہیں مگر وہاں مہینے"

بھر کے بعد فقط ہزار یورو ہی ہاتھ لگتا ہے۔ اپنے پاس پانچ سو بھی رکھوں تو وہ مجھے صرف پانچ سو یورو ہی کا کام دیں گے۔

''پچاس ہزار تو وہ پاکستان بھیج کر بنتے ہیں۔

وہ تفصیل بتانے لگا۔

''تو آپ یہاں کوئی کاروبار اسٹارٹ کر لیں نا۔''

رانیہ نے لجاجت سے کہا تو احراز نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر نرمی سے دبایا۔

''وعدہ تو کیا ہے چھ ماہ میں چکر لگانے کی کوشش کروں گا۔''

رانیہ کے دل کو کسی نے مٹھی میں بھینچا۔ اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ اس جدائی کا ذائقہ چکھنا شاید اس کا مقدر تھا۔

احراز نے سائیڈ پہ گاڑی روکی۔

''میں تمہارے لیے جُوس لے کے آتا ہوں۔''

اس کے نہ' نہ کرنے کے باوجود وہ سامنے موجود ڈیپارٹمنٹل اسٹور میں گھس گیا۔

رانیہ نے گہری سانس بھرتے ہوئے ارد گرد پھیلی روشنی اور چہل پہل کو دیکھا تو دل میں پر سکون سا احساس جاگزیں ہوا۔

''یہ سب میرا نصیب ہے۔ یہ وہ زندگی ہے جس کا میں نے خواب دیکھا' جس کی میں نے خدا سے طلب کی تھی۔''

سرد موسم کو گرم دھوپ نے رعنائی بخش دی تھی۔ اس نے کھڑکی کا شیشہ کھول کر ہوا کی تازگی محسوس کرتے ہوئے سر سیٹ سے ٹکا کر لحظہ بھر کو آنکھیں موندیں مگر پھر فوراً ہی کسی کے کھڑکی کے پاس آکر کھڑے ہونے کو محسوس کر کے اس نے آنکھیں کھولیں تو اسے لگا جیسے آسمان اس کے سر پر آگرا ہو۔

☆☆☆☆

وہ حسبِ عادت اسے گھر کے گیٹ پر ہی ڈراپ کر کے چلا گیا۔ روشین کو عمر کی یہ بات سخت ناپسند تھی مگر دیگر باتوں''

کی طرح اسے یہ بھی سہنا تھا۔

...شاید وہ اپنے اس طرز عمل سے یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ وہ اپنے تعلق کو روشین تک ہی محدود رکھنا چاہتا ہے یا پھر

بیل بجا کر وہ افسردہ سوچوں کی زد میں کھڑی تھی کہ کھٹاک سے گیٹ کھل گیا۔

عادل کو سامنے پا کر روشین کا دل اچھل کر حلق میں آن اٹکا۔ وہ اسے تنہا دیکھ کر حیران ہوا۔ روشین کی پیشانی چمک اٹھی۔

"اکیلی آئی ہو؟"

وہ اس کے پیچھے گیٹ بند کرتا ہوا پوچھ رہا تھا۔

نن... نہیں... وہ چھوڑ کے گئے ہیں..." وہ ہکلائی۔"

عادل اس کے شانے پر بازو پھیلائے اسے ساتھ لے کر اندر بڑھنے لگا۔

"مجھے فون کرتیں۔ میں لے آتا۔"

روشین کا دل بھر آیا۔ یوں لگا جیسے تپتی دھوپ سے نکل کر گہری چھاؤں میں آگئی ہو۔

اس نے اپنی جذباتیت میں عادل کی بات پہ غور نہیں کیا تھا۔

"کون چھوڑنے آیا تھا؟"

اب وہ یوں ہی پوچھ رہا تھا۔

"...عمر"

بے اختیار اس نے جواب دیا جہاں عادل ٹھٹکا وہیں روشین کا دل بھی دھک سے رہ گیا۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ عمر کے ساتھ گئی تھی۔

ورنہ وہ یہ سوال کیوں کرتا...؟

عادل نے اس کے شانے سے بازو ہٹایا۔

"وہ کہاں ملا تمہیں؟ زوبیہ کے ہاں گئی تھیں نا تم؟

اس کے الفاظ و انداز سے جھلکتی ناگواری روشین نے واضح طور پہ محسوس کی۔

مگر کمان سے نکلے تیر کی طرح منہ سے نکلی بات بھی واپس نہیں آسکتی۔

"وہ... آپ کو کس نے بتایا...؟"

روشین کا دل سہم سہم کر دھڑکنے لگا۔

"تمکین نے بتایا ہے مگر تم یہ بتاؤ عمر تمہیں کیسے ڈراپ کر کے گیا ہے؟"

وہ بے حد سنجیدہ تھا۔

روشین کو پتہ تھا کہ وہ مزید جھوٹ بول کر اس جھوٹ کو چھپا نہیں سکتی۔ پھنسی پھنسی آواز میں بولی۔

"میں... عمر کے ساتھ ہی گئی تھی۔"

"کہاں... زوبیہ کے گھر...؟"

پہلے تو وہ متحیر ہوا پھر ایک دم غصے میں آگیا۔

"مجھے کیوں نہیں کہا تم نے؟"

وہ ڈر گئی۔

"...زوبیہ کے ہاں نہیں... عمر کے ساتھ"

"واٹ...؟"

عادل نے بے یقینی سے اسے دیکھا اور ایک نظر باہر پھیلتے اندھیرے پر ڈالی۔

وہ مزید کوئی بات کیے تیزی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ آسیہ بیگم اسے دیکھتے ہی بے قراری سے کھڑی ہو گئیں جب کہ فرحین ایک ناراض سی نگاہ اس پر ڈال کر پھر سے ٹی وی دیکھنے لگی۔

"اسے کس نے اجازت دی تھی عمر کے ساتھ باہر جانے کی؟"

عادل نے اندر آتے ہی غصے سے پوچھا۔ روشین کا شرم سے کٹ مرنے کو جی چاہا۔

وہ ایک ایساان چاہا کام کرنے پر مجبور تھی جسے اس کا ماں جایہ پسند نہیں کرتا تھا۔

"...میں نے"

سکندر حیات قمیص کے کف الٹتے اپنے کمرے سے برآمد ہوئے۔ وہ یقیناً نیوز سننے آرہے تھے جو ان کی روٹین تھی۔

ہر کوئی اپنی جگہ تھم سا گیا۔

"روشی... اپنے کمرے میں جائو اور تم بھی... ہر وقت ٹی وی سے مت چپکی رہا کرو۔ اپنے رزلٹ کی بھی فکر کر لیا کرو۔"

سکندر حیات نے روشین کو تحکمانہ انداز میں آرڈر دیا اور ساتھ ہی اپنا پسندیدہ ٹاک شو سنتی فرحین پر بھی طنز کیا تو وہ جلتی بھنتی اٹھ گئی۔

یااللہ..." روشین نے دل پہ ہاتھ رکھتے ہوئے دروازے سے کان لگائے۔"

"تم یہ نہ بھی کرو تو آواز صاف آئے گی اس ٹاکرے کی۔"

فرحین نے تمسخر اڑایا تو وہ دونوں ہاتھ ملتی اپنے بستر پہ بیٹھ گئیں۔

کیوں... کیوں بھیجا تھا آپ نے اسے عمر کے ساتھ؟" عادل نے احتجاج کیا تھا۔"

"وہ غیر نہیں میرا بھتیجا ہے۔ روشین کا کزن اور اب منگیتر بھی۔ مجھے اس میں کوئی اعتراض دکھائی نہیں دیا۔"

سکندر حیات نے سکون سے کہا۔

"مگر مجھے اعتراض ہے۔ ہم جانتے ہی کتنا ہیں اسے کہ یوں روشین کو اس کے ساتھ جانے کی اجازت دے دیں۔"

عادل نے ناگواری سے کہا۔

"جاننے کی کیا بات کرتے ہو۔ وہ میرا اپنا خون ہے۔"

سکندر حیات نے اسے ڈانٹنے والے انداز میں جواب دیا تھا۔

"لڑکیوں کی کچھ حدود ہوتی ہیں ابو۔ آپ آئندہ عمر کو منع کر دیں۔"

عادل نے صفاچٹ کہا۔

"کیوں...؟ میں تمہارا باپ ہوں یا تم میرے باپ ہو جو مجھے آرڈر کر رہے ہو۔"

ان کا خاندانی خون رگوں میں جوش مارنے لگا۔

"...میں عمر کو جانتا ہوں ابو وہ"

عادل اونچی آواز میں کہنے لگا تھا کہ وہ اس سے بھی اونچے لہجے میں بولے۔

"میں اسے تم سے زیادہ اچھی طرح جانتا ہوں۔ میری گود میں پلا بڑھا ہے۔ مجھے مایوس نہیں کرے گا تمہاری طرح۔"

آخر میں انہوں نے زور دے کر طنزیہ کہا تو عادل کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔

"ایسے فیصلے مت کریں ابو جن پر بعد میں پچھتانا پڑے۔"

"بس... فضول کی بحث مت کرو اب۔"

انہوں نے اپنے مخصوص غصیلے انداز میں کہا اور ریموٹ اٹھا کر جیو نیوز لگا لیا۔

عادل پاؤں پٹختا اپنے کمرے میں چلا گیا۔

تمکین جلے پیر کی بلی بنی اندر چکر لگا رہی تھی۔ آوازوں کے تھمتے ہی عادل کو کمرے میں آتے دیکھ کر وہ پرسکون ہو گئی۔

"دودھ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ اتنی دیر لگا دی آپ نے۔"

آگے بڑھ کے اس کے شانے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے وہ مسکرائی تو عادل نے خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا۔

"تم نے جھوٹ بولا تھا مجھ سے کہ وہ زوبیہ کے ہاں گئی ہے؟"

تمکین چور سی بن گئی۔

جھوٹ تو نہیں مصلحتاً..." اس نے کہنا چاہا۔"

"...شٹ اپ"

عادل غصے سے اس کا ہاتھ جھٹکتا بستر پہ آگیا۔

"آپ کیا کر لیتے سوائے کڑھنے یا غصہ کرنے کے؟"

تمکین نے تحمل کا مظاہرہ کیا۔

"میں اسے فون کرتا یا پھر اسی وقت جا کے روشین کو لے آتا۔"

وہ تلملا رہا تھا' کلس رہا تھا۔

عمر رضوان حیات اسے کبھی بھی پسند نہیں رہا تھا۔ محض اپنی عادات و خصائل کی بدولت۔

"چلیں آئندہ سے اسے منع کر دیجیے گا۔ میں نے تو یوں ہی بات ختم کرنے کے لیے کہہ دیا تھا۔"

تمکین پھنس گئی۔

بات ختم کرنے کے لیے نہیں' بات دبانے کے لیے۔" عادل نے اسے جتایا۔"

"...اچھا بابا... سوری، کہو تو کان پکڑ لوں"

تمکین نے عین اس کے چہرے کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے معصومیت سے کہا۔

"... پکڑلو"

عادل نے مسکراہٹ دبائی۔

"...آپ کہتے ہیں تو"

اس نے گویا مجبوری سے کہتے ہوئے عادل کے دونوں کان پکڑ لیے تو اس نے ہنستے ہوئے اسے اپنی بانہوں میں لے لیا۔

"بڑی گندی ہو۔ غلط کام کرتی ہو اور ناراض بھی نہیں ہونے دیتی ہو۔"

"اس کی ایک وجہ ہے عادی۔"

وہ سنجیدہ تھی۔

"کیا...؟"

"مجھے بالکل بھی اچھا نہیں لگتا۔ غصے میں ناراض ہو کے آپ بالکل جن بن جاتے ہیں۔"

شرارت اس کی آنکھوں سے پھوٹ رہی تھی۔

اچھا... تو یہ جن تمہیں چمٹنے لگا ہے اب۔" عادل نے اسے دھمکاتے ہوئے گرفت بڑھائی تو کمرے میں تمکین کی ہنسی" گونج اٹھی۔

عادل کے کمرے میں جاتے ہی خاموشی چھا گئی۔ اب سکندر حیات کے لگائے ہوئے نیوز چینل کی آواز گونج رہی تھی۔

"شکر ہے خدا کا۔"

روشین کی جان میں جان آئی۔

''ہونہہ... یہ تو اب روز کا ڈرامہ ہے۔''

فرحین نے طنز کیا تھا۔

''ایسی کوئی بات نہیں۔''

اسے فرحین کے رویے سے دکھ پہنچا مگر وہ اسے کچھ بتا بھی تو نہیں سکتی تھی۔

''عمر صاحب کے آزاد لچھن تو یہی بتاتے ہیں۔ اوپر سے اپنے تایا جان سے پرمٹ حاصل کیے ہوئے ہیں وہ۔''

فرحین باز نہیں آئی تھی۔

''تو اس میں ایسا کیا غلط ہے۔ ہزاروں لڑکیاں اپنے منگیتروں کے ساتھ آزادانہ گھومتی پھرتی ہیں۔''

روشین نے لاپروائی کا مظاہرہ کر کے بات کو ہلکا پھلکا رنگ دینا چاہا۔

مگر وہ سب روشین سکندر نہیں ہوتیں۔'' فرحین نے دوٹوک کہا تو روشین کے دل کو کچھ ہوا۔''

اب تو وہ باتیں خواب و خیال ہوئیں فرحین۔

''تم فکر مت کرو۔ مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں۔ اچھا ہے شادی سے پہلے ایک دوسرے کو جان' سمجھ لیں۔''

روشین کی بات نے فرحین جیسی مضبوط اعصاب کی مالک لڑکی کو بھی جھٹکا لگا دیا۔

روشین اس سے نظر ملائے بغیر فوراً ہی واش روم میں گھس گئی۔

اس وقت وہ کھل کے رونا چاہ رہی تھی۔

... قسمت کے مذاق پر

☆☆☆☆

''واہ... بڑی موجیں ہو رہی ہیں۔''

وہ بھدے انداز میں ہنستے ہوئے کھڑکی میں جھکا تو رانیہ ڈر کے پیچھے ہٹی۔

"کیسی ہو... اب تو بڑی پیسے والی ہو گئی ہو۔ چاہنے والوں کو مڑ کے نہیں دیکھا تم نے۔"

اس کی غلیظ نگاہوں نے رانیہ کو سمٹنے پر مجبور کر دیا۔

جانے کیسے اس کی نظر رانیہ پر پڑ گئی تھی ورنہ جب سے شادی ہوئی سوائے چچا جان کے اور کوئی بھی اس سے ملنے نہ آیا تھا اور نہ ہی وہ آدھے گھنٹے سے زیادہ کے لیے وہاں گئی۔ وہ بھی احراز کے ہمراہ اور اس کے ساتھ ہی لوٹ آئی۔

اس دوران واصف سے ملاقات کا "سانحہ" پیش نہیں آیا تھا۔ بلکہ احراز تو شاید واصف سے واقف بھی نہ تھا۔ نہ ہی کبھی رانیہ نے اپنے "کزن" کا ذکر خاص کیا تھا۔

رانیہ کا وہی خوف امڈنے لگا جو واصف جیسے رذیل شخص کی گھٹیا حرکتوں سے اس کے اندر کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔

احراز اسٹور سے نکلا تو گاڑی کے اگلے دروازے کے قریب کسی شخص کو کھڑکی میں جھکے پا کر تقریباً دوڑتا ہوا پہنچا۔ وہ واصف کی پشت پر تھا۔

وہ دونوں اسے دیکھ نہیں پائے۔

واصف نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی اسی وقت احراز نے اسے کالر سے پکڑ کے پیچھے گھسیٹ لیا۔

رانیہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

فاحراز نے اسے کالر سے پکڑ کر پیچھے کھینچا تو لمحہ بھر کو وہ بھی تیورا سا گیا۔

کیا مسئلہ ہے تمہارا مسٹر...؟" احراز نے غصہ دباتے ہوئے سرد مہری سے پوچھا تو وہ بھدے انداز میں ہنسا۔"

"او جی... رشتہ داروں کے ساتھ ایسا سلوک تو نہیں کرتے۔ وہ بھی سسرالی رشتہ داروں کے ساتھ۔"

"سسرالی...؟"

احراز نے اس کا کالر چھوڑتے ہوئے سوالیہ نگاہوں سے ساکت بیٹھی رانیہ کو دیکھا۔ وہ کہیں سے بھی جواب دینے کی

پوزیشن میں نہیں لگ رہی تھی۔

آپ کا تعارف...؟'' احراز نے تیکھی نظروں سے واصف کو دیکھتے ہوئے اسی سے پوچھا۔''

یہ توآپ اس سے پوچھیں۔ یہ بتائے گی ہمارا اصل رشتہ۔'' رانیہ کی خاموشی نے واصف کو شیر بنادیا۔''

اس کے الفاظ و انداز احراز کے اندر آگ سی لگا گئے۔

کزن ہوتا ہوں میں رانی کا۔ کیوں رانی...؟'' وہ اب بڑی لطف لینے والی نظروں سے رانیہ کو دیکھتے ہوئے بولا۔ رانیہ''

کے کہنے کے لیے کچھ بچا ہی نہ تھا۔ حد درجہ غصہ سے احراز کی رنگت سرخ پڑ گئی۔

کزن ہیں تو کزن سے بات کرنے کا ادب و احترام بھی سیکھیں۔ یوں راہ چلتے پکارنا شرافت کے زمرے میں نہیں آتا۔ وہ''

تلخی سے کہتا ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھ گیا جب کہ واصف وہیں کھڑا ان کی گاڑی کو دور جاتے دیکھتا رہا۔

بہت لمبا ہاتھ مارا ہے۔'' وہ حسرت بھری سانس بھر کے پلٹا تھا۔''

☆☆☆☆

وہ شاپنگ کے لیے آئی تو فرحین کے ساتھ تھی مگر اب اسے شاپنگ سینٹر میں کھو کر پریشان کھڑی تھی۔

اللہ ایک تو یہ فری بھی نا۔ کہیں جا کے گول گپے کھانے ہی کھڑی نہ ہو گئی ہو۔'' وہ پلر کے پاس کھڑی اس کا انتظار کر کر'

کے تھک گئی تو سوچا فرحین سے کچھ بعید نہ تھا۔ شدید بھوک لگنے پر وہ یہی کچھ کرتی تھی۔ کہیں سے سموسے کہیں سے

دہی بھلے یا پھر گول گپے ہی سہی... وہ موبائل ساتھ نہیں لائی تھی ورنہ فوری رابطہ کر لیتی۔

''...یاخدا''

اس کی ٹانگیں اکڑنے لگیں۔ ارد گرد کھڑے لوگ اب اس کی موجودگی کا نوٹس لینے لگے تھے۔

''...ہیلو''

وہ اکتا کر وہاں سے رکشہ لے کر گھر جانے کا سوچ ہی رہی تھی جب اس بے حد شناسا آواز نے اسے ساکت کر دیا۔

وہ ریان عزیز تھا۔

... ویسا ہی شاندار اور چھا جانے والا۔ اس سے بچھڑ کر بھی

روشین نے یک ٹک اسے دیکھا تھا۔

"کیسی ہو...؟" ہاتھ سے اسے چلنے کا اشارہ کرتے ہوئے وہ اپنائیت سے پوچھ رہا تھا جیسے ان کے مابین کچھ دراڑیں نہ ہوں۔ کوئی دوری نہ ہو۔

"ٹھیک ہوں۔" روشین اتنی آہستگی سے بولی کہ وہ شاید ہی سن پایا ہو۔ وہ اسے ساتھ لیے بلیک کلر سوک کے پاس آیا۔

شاید اس نے گاڑی بھی خرید لی تھی۔

کیا کچھ یاد نہیں آیا تھا اسے۔

"یہ ادھار دینے کے معاملے میں بالکل ہندو بنیا ہے ریان بھائی۔ کنجوس بلکہ مکھی چوس۔"

فرحین عموماً ریان کے ساتھ مل کے اس کی کھنچائی کیا کرتی تھی۔ تب روشین نے تفاخر سے بے ساختہ کہا۔

"اچھا ہے نا۔ خوب سارا روپیہ جمع کروں گی اور اپنے لیے اچھی سی گاڑی خریدوں گی۔ بلیک کلر سوک۔" وہ حال میں لوٹ آئی۔

"میں وہاں فری کا انتظار کر رہی تھی۔ جانے کہاں گم ہو گئی ہے۔" روشین نے وضاحت دی تو وہ مسکرایا۔

"مجھے تم سے ملنا تھا روشنی! فری تو اب تک گھر پہنچ چکی ہے۔" روشین کا دل دھک سے رہ گیا۔

اس کی بات پر نہیں اس کے طرزِ تخاطب پر۔

"میں یہاں سے رکشہ کر لوں گی۔" وہ سڑک کی طرف دیکھتے ہوئے سنبھل کر بولی تو ریان اس کے عین سامنے آکھڑا ہوا۔

"یہ تمہاری گاڑی ہے روشین۔ بلیک کلر سوک۔" اس نے ایک ہاتھ گاڑی کی چھت پر رکھتے ہوئے تیقن سے کہا تو

روشین کا دل رو پڑا۔

"نہیں تو عمر کے پاس ایک پراڈو ہے اور ایک کرولا۔" اسے کسی طرح تو اس کا دل موڑنا ہی تھا۔ اس سے نگاہ ملائے بغیر

بولی تو کئی لمحوں کے لیے ان کے درمیان خاموشی چھا گئی۔

"ہم کہیں چائے پی سکتے ہیں بیٹھ کر...؟ وہ کچھ دیر بعد بولا۔"

"نہیں۔ میں یہ پسند نہیں کرتی۔" روشین نے صاف گوئی سے کہا پھر بولی۔ "ہاں تم گھر آسکتے ہو۔ وہاں سب کے

ساتھ بیٹھ کر چائے پی سکتے ہو۔"

"مگر مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔" وہ جھنجھلایا۔

"اب چھوڑو بھی ریان۔ کیوں راکھ کو کریدتے ہو۔" وہ خود پر ضبط کرتے ہوئے بے چارگی سے بولی تو اس کی آنکھیں

چمکیں۔

"مانتی ہو نا آگ تھی؟ آگ تھی تو سب کچھ جل کے راکھ ہو گیا ہے نا؟"

روشین بے بسی سے اسے دیکھنے لگی۔

"پھر کیا ہو گا...؟"

"اچھا چلو چائے نہ سہی۔ میں تمہیں گھر ڈراپ تو کر سکتا ہوں نا۔ سمجھنا ٹیکسی میں جا رہی ہو۔" وہ ایک دم ہی بہت اچھے

موڈ میں آگیا تھا۔ روشین ہچکچائی۔

وہ پھر سے اس راہ پر قدم نہیں رکھنا چاہتی تھی۔

...مگر یہ شخص

اس کے ہر ارادے کو ملیامٹ کر رہا تھا۔

اس کے لیے گاڑی کا اگلا دروازہ کھولے یوں کھڑا تھا جیسے اپنی خوش قسمتی کا انتظار کر رہا ہو۔

روشین کچھ بے بس اور کچھ جھنجھلائی کیفیت میں تمام شاپرز پچھلی سیٹ پر پھینک کر خود اگلی سیٹ پر براجمان ہو گئی۔

وہ تقریباً دوڑتا ہوا آکر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اور تفاخر سے بولا۔

میں نے تہیہ کیا تھا کہ جب بھی گاڑی لوں گا وہ بلیک کلر کی سِوک ہو گی اور اس کی فرنٹ سیٹ پر سب سے پہلے تم بیٹھو"

"گی۔ میرا ایک خواب پورا کرنے کا شکریہ۔

اچھا... اور میرے بعد کون کون بیٹھے گی یہاں؟" روشین نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے ہلکے پھلکے انداز میں"

کہا تو وہ شکوہ کناں نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا پھر ونڈ اسکرین کے پار نظریں جما دیں۔

بہت بد گمانیاں ہیں تمہیں مجھ سے۔ وہ پھیکے لہجے میں کہتا کہیں سے بھی اسے پہلے والا خوش گفتار و خوش مزاج ریان"

نہیں لگ رہا تھا۔

مجھے خوش گمانیاں پالنے کی عادت نہیں ہے۔" روشین نے رکھائی کا مظاہرہ کیا تھا۔"

مجھے سمجھ نہیں آتی کہ تم عمر حیات پہ یہ جُوا کیوں کھیل رہی ہو؟" ریان بے بسی سے بولا۔ اسٹیئرنگ پہ مکا مارا۔ کچھ"

بھی تو اپنے اختیار میں نہیں تھا۔

روشین اس کی جذباتیت پہ اندر سے ڈری تو ضرور مگر اس نے اس پہ ظاہر نہیں کیا۔

تمہیں اس سے کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے۔ یہ میرا قطعی ذاتی فیصلہ ہے۔" وہ اسی بے رخی سے بولی تو ریان نے کھا"

جانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔

اگر تم میرے مقابل کسی "قابل" بندے کو لاتیں تو میں خاموشی سے اپنی ہار مان لیتا روشین سکندر! مگر اب تو میں"

"جب بھی تمہارے ساتھ عمر حیات کو سوچتا ہوں تو میرے اندر آگ لگ جاتی ہے۔ تم نے مجھ پہ ترجیح دی بھی تو کسے...؟

روشین کا دل پسیج پسیج گیا۔

مگر وہ جانتی تھی ریان کو ذرہ برابر بھی نرمی دکھانے کا مطلب تھا سارے کھیل کو برباد کرنا۔

عمر سے اس کا رشتہ تو اپنی جگہ ہی رہتا مگر سکندر حیات عادل کو ضرور گھر بدر کر دیتے۔

مائنڈ یور ریان... اب تم زیادتی کر رہے ہو۔ تمہیں عمر سے متعلق کچھ بھی کہنے کا حق نہیں۔" وہ سرد مہری سے بولی تو"

ریان کے اندر کچھ ٹوٹ سا گیا۔

میں نے تمہاری لفٹ کی آفر قبول کی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں تمہاری خواہ مخواہ کی دھونس اور فضول گفتگو بھی"

برداشت کروں۔ تم چاہو تو ابھی مجھے یہیں اتار سکتے ہو۔" وہ مزید بولی۔

تمہاری طرح نہیں ہوں میں۔ بیچ راہ میں چھوڑ کے جانے والا۔" وہ چیخ کر رہ گیا۔"

اس کے بعد وہ گھر آنے تک کچھ نہیں بولا۔ بس تنے تنے نقوش لیے گاڑی ڈرائیو کرتا اور جھٹکوں سے گیئر بدلتا رہا پھر اسے گھر کے سامنے اتار کر اس بے دردی سے گاڑی ریورس کی کہ گاڑی کے ٹائر بری طرح چرچرا اٹھے۔ وہ دھول اڑاتا وہاں سے چلا گیا۔

آنکھوں میں نمی لیے روشین اس سر پھرے کے لیے دعا مانگ کے رہ گئی۔

اندر آئی تو فرحین کو حمزہ کے ساتھ کھیلتے دیکھ کر انجان سی بنی دونوں شاپرز تپائی پر رکھ کر خود صوفے میں دھنس گئی۔

تم کہاں رہ گئی تھیں؟ مجھے تو فکر ہو رہی تھی۔" آسیہ بیگم نے تفکر سے پوچھا۔"

اس سے پوچھتیں نا... جسے جدھر سینگ سمائے ادھر چلنے کی عادت ہے۔" روشین نے ناراضی کا مظاہرہ کرتے"

ہوئے فرحین کی طرف اشارہ کیا۔

اللہ میاں کی گائے تو تم ہو۔ ناک کی سیدھ میں چلتی ہو۔ ساتھ والا بندہ چاہے کسی شاپ میں گھس جائے۔ محترمہ کو آواز" دے کر واپس بلانا پڑتا ہے۔ ایسے ہی کہیں گم ہو گئی تھیں۔" فرحین نے چمک کر کہا مگر روشین اس سے خوش نہیں تھی۔

اسے ریان کو یوں موقع فراہم نہیں کرنا چاہیے تھا جب دل کو اس راہ پر چلنا ہی نہیں تھا تو پھر بار بار پرانے زخم کریدنے اور دل کا درد جگانے کا فائدہ؟

"میرے کہنے پہ اس نے تمہارے موبائل پر بھی ٹرائی کیا تھا مگر سگنلز نہیں آرہے تھے شاید۔ کال ملی ہی نہیں تمہاری۔" آسیہ بیگم نے سادگی سے کہا مگر روشین کو اچھی طرح علم تھا کہ فرحین نے ایسی کوئی کوشش کی ہی نہیں تھی۔

ہاں۔ میں تو جیسے چاند پہ چلی گئی تھی نا۔" وہ منہ میں بدبدائی۔"

مجھ سے کچھ کہا تم نے...؟" فرحین نے چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے بڑی معصومیت سے پوچھا تو وہ اسے گھورتے" ہوئے وہاں سے اٹھ گئی۔

فرحین حمزہ کو امی کے حوالے کر کے جلدی سے اس کے پیچھے لپکی۔

"یوں منہ کیوں سُوجا ہوا ہے؟ غبارہ یاد آرہا ہے مجھے۔"

مجھے سمجھ نہیں آتی کہ تم اب اس سارے معاملے میں سے کیا حل نکالنا چاہتی ہو؟" روشین نے غصے سے اسے دیکھا تھا" وہ ٹھٹکی۔

"یعنی کچھ نہیں نکلا...؟"

تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہوا فری۔ اب میری منگنی ہو چکی ہے اور کچھ عرصے تک شادی بھی ہو جائے گی پھر تم ریان"

کو خوامخواہ کی امید کا رستہ کیوں دکھا رہی ہو؟" وہ زچ ہو گئی۔

کبھی تو عقل آئے گی تمہیں۔ وہ بار بار تمہارے رستے میں آئیں گے تو ہو سکتا ہے تمہیں اپنی غلطی اور اپنی پسند پر پچھتاوا"

ہو۔" فرحین کے اطمینان نے اسے سلگایا۔

میں نے بہت سوچ سمجھ کر اور دل سے یہ فیصلہ کیا ہے۔ میرا دماغ نہیں پھرا ابھی کہ ان فضولیات میں پڑوں۔ سمجھا دینا"

"اس کو بھی۔

تو سمجھا دیتیں آج۔ میرا اس معاملے میں کوئی عمل دخل نہیں ہے۔" فرحین یکلخت ہی لاتعلقی اختیار کرتے ہوئے"

بولی۔

"سمجھایا تو بہت خوب ہے۔ عقل مند ہوا تو دوبارہ میرے راستے میں نہیں آئے گا۔"

وہ غصے سے بولی تو فرحین کو تاسف کے ساتھ ساتھ حیرت بھی ہوئی۔ روشین ان دو مہینوں میں بے حد بدل سی گئی تھی۔

کم گو اور ڈرپوک تو لگتی ہی نہ تھی۔ فرحین کی انگلی پکڑ کر چلنے والی اب پتہ نہیں کیسے اتنے بڑے بڑے فیصلے خود کرنے لگی

تھی۔

بہت اچھے۔ اب اگر تمہیں اپنی خوشی سے کھائی میں گرنے کا شوق ہوا ہے تو میں کیا کر سکتی ہوں۔ یہی کہوں گی کہ بصد"

شوق۔" وہ تلخی سے کہہ کر کمرے سے نکل گئی تو روشین ضبط کے مارے مٹھیاں بھینچ کر رہ گئی۔ اس کی آنکھیں جلنے لگی

تھیں۔

...اور ساتھ ہی دل بھی

☆☆☆☆

یہ کون تھا..." تھوڑی دیر کے بعد احراز نے سنجیدگی سے پوچھا تو رانیہ نروس سی انگلیاں مروڑتے ہوئے مجرمانہ"

انداز میں بولی۔

"چچازاد بھائی ہیں میرے واصف۔"

بھائی...؟" احراز کے تحیر میں تمسخر تھا۔"

وہ واصف کا اندازِ گفتگو یاد کر کے زمین میں گڑنے لگی۔

یہ بس ایسے ہی ہیں۔ چچا جان کو بھی ان کی حرکتیں پسند نہیں۔ اسی لیے تو شادی میں بھی یہ موجود نہیں تھے۔" رانیہ" نے صفائی پیش کی تو وہ سر جھٹک کے رہ گیا۔

آپ ناراض ہیں؟" اس کی خاموشی نے رانیہ کو ڈرایا تھا۔"

ہوں..." وہ چونکا پھر ہلکے پھلکے انداز میں بولا۔"

"یوں ہی... سوچ رہا تھا فلائٹ تو نکل چکی ہوگی۔"

میں تو پہلے ہی کہہ رہی تھی۔ سب پتہ نہیں کیا سوچ رہے ہوں گے" رانیہ کو پھر سے فکر نے آلیا۔"

اور گھر آکر یہ فکر اور شرمساری مزید بڑھی کہ دروازہ تو شبینہ نے کھولا مگر وہ روکھے سے انداز میں اس کا حال پوچھ کر واپس پلٹ گئی۔ باقی اندر گھر سنسان پڑا تھا۔ رشیدہ بیگم کا کمرہ بند۔ شبینہ بھی شاید وہیں تھی یا اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ نگینہ اور اس کے دونوں بچے ندارد تھے۔

احراز لاپروائی سے گنگناتا ہوا اندر آیا جب کہ وہ اتنی دیر میں سارا جائزہ لے چکی تھی۔

چلو... اب تم آرام کرو۔" وہ اس کے شانے پہ ہلکا سا ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔"

وہ... امی..." رانیہ کا فکر سے برا حال تھا۔"

جانے نگینہ نے ان سے کیا کہا ہو اور کیا کیا باتیں ہوئی ہوں۔

"میں امی کے پاس ہی جا رہا ہوں۔ تم اپنے کمرے میں جاؤ۔ تمہارا حال چال اُنہیں بتادوں گا۔" وہ رشیدہ بیگم کے کمرے کی طرف بڑھتا ہوا بولا تو رانیہ سست روی سے چلتی اپنے بیڈ روم میں آگئی۔

وہ ماں کے کمرے میں داخل ہوا تو وہ شبینہ سے محوِ گفتگو تھیں۔ اسے دیکھ کر چپ سی ہو گئیں۔

وہ کھنکھارتا ہوا کرسی گھسیٹ کر بیڈ کے قریب ہو بیٹھا۔

"کیا حال ہے رانیہ کا؟" انہوں نے جیسے نہ چاہتے ہوئے پوچھا۔

"ٹھیک ہے۔ ڈاکٹر نے بیڈ ریسٹ بتایا ہے۔" وہ خوش دلی سے بولا۔

رشیدہ بیگم کی غیر معمولی لاتعلقی اور سنجیدگی کو اس نے محسوس کر لیا تھا۔

"نگینہ اور بچے کہاں ہیں؟" وہ اسی انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"اب کیا یہیں بیٹھی رہتی۔ جس کام کے لیے آئی تھی وہ تو ہو نہ سکا۔" وہ خفگی سے بولیں۔

نگینہ اسے "سی آف" ہی تو کرنے آئی تھی۔

"یہ بھی صحیح ہے۔ خوامخواہ میں دونوں بچوں کو اسکول سے چھٹی کرائی۔" وہ اطمینان سے بولا۔

"اسے کیا پتہ تھا یہاں کیا ڈرامہ چلنے والا ہے..." وہ ناگواری سے بولیں۔ یقیناً نگینہ انہیں اچھی طرح پمپ کر کے گئی تھی۔

"ڈرامہ...؟" احراز کو جھٹکا لگا۔ وہ حیرت زدہ سا ماں کو دیکھنے لگا۔

"اور نہیں تو کیا۔ تم نے کیا باہر جانے کو کھیل سمجھ رکھا ہے کہ آج نہ گئے تو کل پرسوں چلے جاؤ گے۔" وہ اس کے یوں انجان بننے پر قدرے غصے سے بولیں۔

"چلا تو میں جاؤں گا ہی۔ پردیس کاٹنا تو یوں بھی زندگی میں لکھا ہے مگر کیا آپ اس بات سے خوش نہیں ہیں کہ مجھے آپ

کے ساتھ کچھ اور دن گزارنے کے لیے مل گئے ہیں۔"

وہ سنجیدگی سے بولا تو رشیدہ بیگم کو اپنا لہجہ نرم کرنا پڑا۔

"میں خوش ہوں اور مزید خوش ہوتی اگر یہ سب نارمل طریقے سے ہوا ہوتا۔ یہ ٹھیک ہے کہ رانیہ کی طبیعت ذرا خراب

ہو گئی مگر ہم سب یہاں اس کے پاس ہی تھے اتنی سی بات کے لیے تم نے اپنی فلائٹ مِس کر دی۔"

"آپ تو یوں پریشان ہو رہی ہیں جیسے اگلی فلائٹ ملے گی ہی نہیں۔" وہ ہلکے پھلکے انداز میں بتا رہا تھا۔

"ابرار بتا رہا تھا کہ اس کے لیے تمہیں بائیس ہزار مزید لگانا ہوں گے۔ تب ہی جانے کی صورت بنے گی۔" انہوں نے

ناراضی سے کہا۔

"وہ تو اب کرنا ہی پڑے گا۔"

"یہ تو خواہ مخواہ پیسہ ڈبونے والی بات ہے۔ بیٹھے بٹھائے بائیس ہزار کی چپت لگ گئی۔ یہی روپیہ کہیں اور کام آجاتا۔" وہ

خاموش ہو گیا۔ ماں سے بحث نہیں کرنا چاہتا تھا ورنہ کہتا کہ بائیس ہزار کے بدلے پردیسی بیٹے کے ساتھ بائیس دن

گزارنے برے تھے کیا...؟

تھوڑی دیر یوں ہی بیٹھے رہنے کے بعد وہ اٹھ کر باہر نکل گیا۔

"اس کا دل برا ہو گیا میری باتوں سے۔" رشیدہ بیگم نے تاسف سے کہا تو شبینہ ناگواری سے بولی۔

"صحیح کہا آپ نے اور یہ کون ساماں کی خوشی کے لیے رُکے ہیں۔ رُکے تو اپنی بیوی کے لیے ہیں۔ لے کے آپ کا نام آگے

رکھ دیا۔" شبینہ پر بھی نگینہ کا اچھا خاصا اثر ہو رہا تھا۔ "آپ دیکھئے گا یہ سارے دن بھی بیوی کے آس پاس گزار کے چلے

جائیں گے۔" اس نے مزید کہا تو رشیدہ بیگم کو پھر سے رانیہ پر غصہ آنے لگا۔

☆☆☆☆

دو دن سے وہ عمر کی کال ریسیو نہیں کر رہی تھی مگر کب تک ؟اب بھی کتنی ہی دیر رِنگ ہونے کے بعد اس نے کال اٹینڈ کی تو وہ اس پر برس ہی تو پڑا۔

"نوکر لگا ہوا ہوں میں تمہارے باپ کا... آج تین دن ہو گئے ہیں مجھے مسلسل فون کرتے ہوئے' ہو کیا چیز تم؟ منگنی کرا کے سر پہ چڑھی آرہی ہو۔ اپنا پالتو سمجھ رکھا ہے مجھے کہ کچھ بھی کر لو پیچھے دُم ہلاتا آئوں گا۔"

اف خدایا... روشین کے کانوں میں سے تپش نکلنے لگی۔

یہ تو وہی کہانی تھی۔ آسیہ بیگم اور سکندر حیات کی۔

یہ عمر رضوان حیات تو سکندر حیات ہی کا پَرتو تھا۔ زبان سے انسان کو ختم کر دینے والا۔

وہ کئی لمحوں تک بولنے کے قابل ہی نہ رہی تھی۔

"اب کچھ بکو گی بھی یا میں ہی بکواس کرتا رہوں گا۔ کیا تکلیف ہو گئی تھی تمہیں...؟" وہ کچھ جھنجھلایا تھا۔

وہ ہلکے سے کھنکھاری تو یوں لگا جیسے حلق میں کچھ پھنس رہا ہو۔

آج بہت عرصے کے بعد اسے اسی خوف نے اپنے حصار میں لیا تھا جو سکندر حیات کے سامنے اسے آلیا کرتا تھا۔

"... میرے ایگزامز ہو رہے ہیں اس لیے"

"ہونہہ... آگ لگا دوں گا میں تمہاری کتابوں کو۔ کہا بھی تھا میں نے کہ اب گھر بیٹھو۔ پتہ نہیں کون سی کشش تمہیں یونیورسٹی چھوڑنے نہیں دیتی۔" وہ تپے ہوئے لہجے میں کہتا اس کی جان نکال لے گیا۔

اگر یہی بات وہ سکندر حیات سے کہہ دیتا تو کل سے کیا وہ آج ہی سے اس کے یونیورسٹی جانے پر پابندی لگا دیتے۔

"آئی ایم سوری عمر۔" وہ لجاجت سے بولی مگر اس کی اکڑ کم نہیں ہوئی۔

"عمر حیات سے منگنی ہوئی ہے تمہاری کسی للّو پنجو سے نہیں۔ اس بات کو دھیان میں رکھا کرو۔"

"اوکے... آئندہ خیال رکھوں گی۔" وہ مصالحانہ انداز میں کہنے لگی پھر فوراً ہی موضوع بدل دیا۔

"چچی جان کیسی ہیں؟"

"یہ پوچھنے کے لیے اپنی چچی جان کو فون کرنا۔ میں نے اپنی باتوں کے لیے کال ملائی ہے۔" وہ ناگواری سے بولا تو

روشین کا دل جیسے مٹھی میں جکڑ گیا۔

جس کے انداز میں اپنی ماں کے لیے احترام نہیں تھا۔ وہ کسی اور کو بھلا کیا سمجھتا۔

"کل تیار رہنا۔ کہیں جانا ہے میرے ساتھ۔" وہ تحکمانہ انداز میں بولا تو روشین گڑبڑائی۔

"وہ... میرے ایگزامز"

"بھاڑ میں گئے تمہارے ایگزامز..." وہ غرایا تھا۔

"جو بات میں کہہ رہا ہوں صرف اسے سنو اور سمجھو۔ مجھے بحث کرنے والی عورتیں زہر لگتی ہیں۔ جب مرد بول رہا ہو تو صرف اسے سنو۔ اپنی ناقص عقل استعمال مت کرو۔" وہ سختی سے کہہ رہا تھا۔ روشین کی زبان تو پہلے ہی بند تھی اب تو ہلنے سے بھی قاصر ہو گئی۔

کہتی تو کس کو... دکھ سناتی تو کسے...؟ کہ یہ دکھ تو اپنا مول بلکہ "مفت" لیا ہوا تھا۔

اگلا دن اس نے قدرے بے چینی میں گزارا کہ آسیہ بیگم کو بھی اس کی سست طبیعت کا اندازہ ہو گیا۔

"کیا پریشانی ہے روشی...؟" وہ انہیں میڈیسن دینے آئی تھی تب انہوں نے بڑی محبت سے اس کی پریشانی پوچھ ہی لی تو وہ ماں کی گود میں سر رکھ کے سسک اٹھی۔

"روشین..." ان کا دل پریشانی سے بھر گیا۔ "کیا ہوا ہے بیٹا؟"

"...ایسے ہی... دل بھر آیا تھا"

اسے یکلخت ہی خیال آیا کہ وہ کیا غلطی کرنے جارہی تھی۔ وہ پہلے ہی کون سے سکھ دیکھ رہی تھیں کہ اب انہیں اپنی پریشانی بتا کر مزید رنجیدہ کرتی۔ فوراً ہی قدرے سنبھلتے ہوئے بولی تو انہوں نے اس کے بال سمیٹتے ہوئے اس کی پیشانی چُوم لی۔ وہ ماں تھیں۔ پل بھر ہی لگا حقیقت سمجھنے میں۔

"میں نے پہلے ہی کہا تھا روشین یہ کانٹوں بھری راہ ہے۔ اس پر چلنے سے پہلے ہزار بار سوچ لو۔ یہاں جانے کے کئی راستے ہیں مگر واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہے۔" ان کی آواز میں نمی اتر آئی۔ وہ ساکت رہ گئی۔

"میں نے تو ایک عمر گزاری ہے ان لوگوں کے ساتھ اور پھر سکندر کون سا ان سے الگ ہے۔ اب سوچتی ہوں تو اپنی قوتِ برداشت پر حیرت ہونے لگتی ہے کہ اتنا کچھ سہ کے بھی میں ہٹی کٹی ہوں۔" وہ پھیکے سے انداز میں مسکرادیں۔

روشین نے ان کا ہاتھ تھام کر لبوں سے لگا لیا۔

"صرف تم لوگوں کی خاطر... سوچتی ہوں کہ اولاد ماں باپ کا کتنا بڑا اور مضبوط جواز ہوتی ہے زندہ رہنے کے لیے۔ ان کی خاطر ڈھیٹ بننا پڑتا ہے۔ جینا پڑتا ہے۔ میری دعا ہے روشی خدا تمہاری راہوں میں آسانیاں بھر دے۔ تم کبھی بھی مجھ جیسی زندگی نہ جیو۔ تمہارا دامن خوشیوں کے لیے تنگ پڑ جائے۔" ان کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

روشین کا دل چاہا زور زور سے رو دے۔

"ماں مجھے تمہاری یہ دعائیں کیوں نہیں لگیں۔ میری اچھی ماں میرا نصیب بھی خدا نے اسی قلم سے کیوں لکھ ڈالا جس سے کہ تمہارا لکھا تھا۔" مگر وہ دل کڑا کر کے ہنس دی تھی۔

ٹوٹے کانچ کی سی کھنک لیے ہنسی۔

زندگی کا کوئی رنگ نہیں تھا اس ہنسی میں۔ آسیہ بیگم کا دل کسی نے مٹھی میں دبوچ لیا۔

وہ سب جانتی تھیں... سب سمجھتی تھیں... مگر کیا کر سکتی تھیں؟

وہ انہیں عمر کے ساتھ باہر جانے کا بتانا چاہتی تھی مگر شرم آڑے آرہی تھی۔

کیا کہتی... کہاں جانا ہے؟ اس نے کچھ بھی تو نہ بتایا تھا۔ آسیہ بیگم کا دھیان ادھر اُدھر کی باتوں میں لگا کر وہ ان کے پاس سے اٹھ آئی۔

پہلے مجھے تو پتہ ہونا چاہیے کہ کہاں جانے کا پروگرام ہے۔" اسے دھیان آیا تھا۔ اس نے عمر کو کال کر کے یہی سوال" اٹکتے اٹکتے پوچھا تو وہ غصے میں آگیا۔

"کیوں... اعتبار نہیں ہے مجھ پر...؟"

یہ بات نہیں مگر گھر والوں کو بھی تو بتانا ہے نا۔" وہ جلدی سے صفائی پیش کرتے ہوئے بولی مبادا وہ پھر سے نہ بھڑک" جائے۔

میرے ساتھ جارہی ہو۔ کیا اتنا پتہ ہونا کافی نہیں؟" وہ اب بھی کوئی سرا ہاتھ میں تھمانے کو راضی نہ تھا۔"

عمر پلیز! میرے گھر میں میرا باپ بھی ہے اور بھائی بھی جن کی اجازت کے بغیر میں گھر سے قدم بھی باہر نہیں نکال" سکتی۔" اس نے احتجاج کیا تو اتنی لجاجت سے کہ وہ روح تک سرشار ہو گیا۔

روتی بلکتی عورت کس قدر تسکین کا سامان تھی... یہ کوئی عمر حیات سے پوچھتا۔

وہ میں آکر بتادوں گا۔ تم بہت اچھی سی ڈریسنگ کرنا اور وہ تمبو نہیں ہونا چاہیے تمہارے سرپر..." وہ قدرے نرم پڑتے" ہوئے آرڈر کرنے لگا۔

"میں دوپٹے کے بغیر گھر سے نہیں نکلتی ہوں۔"

ہونہہ۔ منگیتر کے ساتھ نکل جاتی ہو مگر دوپٹے کے بغیر نہیں۔" وہ تلخی سے کہتے ہوئے زور سے ہنسا تو فون بند کرنے" کے بعد وہ جتنی گالیاں یاد تھیں عمر حیات کے نام کر کے رو دی۔

"بھابی! عمر کہیں باہر جانے کا کہہ رہے ہیں۔" اس نے بہت سوچ کر تمکین سے بات کی تھی۔

"باہر... آئوٹنگ کے لیے...؟" تمکین نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"کیا عادل کا رویہ اسے یاد نہیں۔" اس نے دل میں سوچا۔

"جی..." روشین کو اس سے نگاہ ملاتے بھی شرم آئی۔

"تو... میں کیا کر سکتی ہوں؟" اس نے اپنی حیرت چھپاتے ہوئے پوچھا۔

"آپ امی سے کہہ دیں پلیز۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"وہ تمہارا منگیتر ہے۔ تم اس کے ساتھ اپنی مرضی سے باہر جانا چاہتی ہو پھر اس میں اتنی شرم والی کیا بات ہے؟" تمکین متحیر تھی۔

اور ادھر روشین... نہ کچھ بتانے کی پوزیشن میں تھی اور نہ کچھ چھپانے کی...

"یہ عمر کا اصرار ہے بھابی ورنہ میں تو یہ سب پسند نہیں کرتی۔" وہ بے اختیار بولی۔

اپنے کردار کو کسی کی نگاہوں میں مشکوک ہوتے دیکھ کر بھی زبان بند رکھنا بڑے حوصلے کا کام ہوتا ہے۔

"یہ بات تو تم دونوں کو آپس میں طے کر لینی چاہیے روشین۔" اپنی طرف سے تمکین ٹھیک ہی کہہ رہی تھی مگر بیچ کی کھچڑی کا اسے کیا علم...

"ویسے بھی روشی مائنڈ نہ کرنا۔ میں اس معاملے میں نہیں آنا چاہتی۔ تم عادل سے اجازت لے لو۔ میں پہلے ہی ان کی ناراضی مول لے چکی ہوں۔" تمکین نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا تو وہ خاموشی سے وہاں سے اٹھ آئی۔

شام کو ابھی عادل گھر نہیں آیا تھا اور نہ ہی سکندر حیات جب عمر حیات کی گاڑی کا ہارن بجا۔

وہ اَن سنی کیے آسیہ بیگم کے ساتھ باتیں کرتی رہی مگر بے ربط انداز میں۔

چند منٹوں میں وہ ان کے سر پہ آکھڑا تھا۔

"مائی گڈنیس۔ تم ابھی تک فقیروں والے حُلئے میں بیٹھی ہو۔ کیا کہا تھا میں نے تم سے؟" نہ سلام نہ دعا۔

آتے ہی روشین پر برس پڑا۔

"کیا ہوا... عمر بیٹا کیا بات ہے؟" آسیہ بیگم بوکھلا گئیں۔

"میں نے کل سے اسے کہہ رکھا ہے کہ آج شام کو تیار رہنا باہر جانا ہے اور اس کی ڈھٹائی نوٹ کریں ذرا۔" وہ بدمزاجی

سے بولا تو انہیں چُپ لگ گئی۔

روشین کی بے چینی اب انہیں اچھی طرح سمجھ آگئی تھی۔

"کہاں جانا ہے؟" انہوں نے مدھم لہجے میں پوچھا۔ماں کی نظروں سے وہ کٹ رہی تھی مگر وہ جھنجھلایا۔

"یہ کیا سوال ہے بھئی جہاں دل کرے گا چلے جائیں گے۔" پھر وہ چٹکی بجاتے ہوئے روشین سے بولا۔

"چلو روشین! پانچ منٹ لگاؤ بس۔" وہ بے بسی سے اسے دیکھنے لگی۔

"ابو سے تو پوچھ لیں۔"

"کیا خیال ہے۔ایک ہی دفعہ ان سے پرمٹ نہ لکھوا لوں..." وہ طنزاً بولا۔

"ان کی اجازت کے بغیر میں نہیں جا سکتی۔ وہ غصے ہوں گے۔" روشین کو بہانہ سُوجھا۔

اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے عمر نے وہیں کھڑے کھڑے سکندر حیات کو فون ملا کر انہیں "انفارم" کیا

کہ وہ ان کی بیٹی کو گھمانے پھرانے لے جا رہا ہے اور وہ جیت گیا۔

روشین کو لگا کہ اس کے اپنے باپ نے ہی اس کے منہ پر کالک مل دی ہو۔

عمر اب فاتحانہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ سست روی سے اٹھی اور عمر سے نظر ملائے بغیر کمرے میں آگئی۔

فرحین بھی یقیناً عمر کی گفتگو سے مستفید ہو چکی تھی۔ تب ہی تو اسے ناگواری سے دیکھ رہی تھی۔

تم گھر میں بہت بڑا فساد کھڑا کراؤ گی ایک دن۔" اس نے پیش گوئی کی تو روشین نے دہل کر اسے دیکھا۔"

"فضول باتیں مت کرو۔"

میں سچ کہہ رہی ہوں۔" وہ تلخی سے بولی۔"

جب اپنی پسند سے اپنی پسند کے بندے سے منگنی کرالی ہے تو اس کے اشاروں پر چلنے سے کیا انکار...؟ جہاں کہتا ہے"

وہاں چل دیا کرو۔ گھر والوں کو کیوں بدنام کرتی ہو..." روشین سن ہو گئی۔

"...شٹ اپ فری"

اب تمہیں عمر کی باتوں پر اعتراض ہے اس کے ساتھ "لور لور" پھرنا پسند نہیں تو پہلے ان "مضمرات" پر غور نہیں"

کیا تھا تم نے۔" وہ شٹ اپ ہونے کے موڈ میں نہیں تھی۔

میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتی۔" روشین کے حلق میں آنسوؤں کا گولہ پھنسنے لگا۔ وہ اپنے کپڑے لیے تیزی سے"

واش روم میں گھس گئی۔ فرحین نے اپنے آگے پڑی نوٹ بک اٹھا کر سامنے دیوار پر دے ماری۔ وہ شدید غصے کی لپیٹ میں تھی۔

☆☆☆☆

کچھ کہا نہیں آپ نے اُنہیں...؟ کان کھینچتیں تو سمجھ آتی کہ کیا غلطی کی ہے انہوں نے اور کچھ نہیں تو رانیہ کو ہی لائن"

میں حاضر کرتیں۔" سب سے زیادہ احراز کی اس حرکت کا اسی کو غصہ تھا اور وہی اچھی طرح سب کے کان بھر کے گئی تھی۔

"کہا تو ہے میں نے۔ کہہ رہا تھا کہ آپ کو تو خوش ہونا چاہیے میری چھٹی بڑھ گئی ہے۔"

ہونہہ... خوش..." وہ طنز سے ہنکارا بھرتے ہوئے بولی۔"

"میں تو کہتی ہوں دس کلو مٹھائی منگوا کر محلے میں بانٹ ڈالیں۔"

اچھا۔اب تو جو ہونا تھا ہو چکا۔ خوامخواہ کیوں اپنا دماغ کھپا رہی ہو..." رشیدہ بیگم نے اسے ٹھنڈا کرنا چاہا۔"

ارے میری بھولی ماں۔ ابھی ہوا ہی کیا ہے۔آگے آگے دیکھئے گا کیا کچھ ہوتا ہے۔" وہ چمکی پھر اپنی گل فشانیاں جاری" رکھتے ہوئے بولی۔

میں نے تو آپ سے پہلے ہی کہا تھا کہ لڑکی کی شکل وصورت پہ نہ جائیں۔ یہ غریب گھرانے کی لڑکیاں ذرا سی آسائش پا" "کر پھٹ پڑتی ہیں۔ ابھی دیکھئے گا پیچھے والوں کی کتنی جیبیں بھرتی ہے۔

اے لو۔اس کے کون سے سگے بیٹھے ہیں پیچھے جن کی جیبیں بھرے گی۔" وہ متفق نہ ہوئیں پھر بولیں۔ "دیکھا نہیں" اسے کیسے حالوں میں رکھا ہوا تھا۔ پتہ نہیں کھانے کو بھی پورا دیتے تھے کہ نہیں اور نہ ہی اس کے بعد کوئی پلٹا ہے ادھر۔ "اسے کون سا تخت پہ بٹھا کے کھلاتے رہے ہیں وہ لوگ۔

آپ کو نہیں پتہ امی۔ کسی بہانے بہلا پھسلا کے بھی لے سکتے ہیں وہ لوگ۔ کیسے بھوکے ننگے تھے منہ پھاڑ کے حق مہر" لکھوالیا بلکہ اسی وقت دھروالیا۔ مجھے تو پوچھنا یاد نہیں رہا۔آپ بھائی سے پوچھئے گا وہ رقم کہاں ہے اب۔ رانیہ کے بھلا کس کام کی اتنی بڑی رقم..." نگینہ کو بات کرتے کرتے نئی فکر نے ستایا تھا۔

وہ ابھی یہ نہیں جانتی تھی کہ حق مہر کی رقم اسی وقت چچی نے دبوچ لی تھی۔ تب ہی تو ابھی تک ادھر سے کسی نے ادھر کا رخ نہ کیا تھا۔ فقط رانیہ ہی ایک آدھ بار احراز کے ساتھ وہاں گئی تھی۔

وہ تو ظاہر ہے احراز کے پاس ہوگی۔ رانیہ بھلا کہاں سنبھال کے رکھے گی..." رشیدہ بیگم نے کہا۔"

اور اب اس بات کا دھیان رکھئے گا کہ پہلے کی طرح بھائی جان سارا خرچہ آپ ہی کو بھیجیں۔" وہ عقل مندی سے" بولی۔

لو... تواور کس کو بھیجے گا؟" وہ بے فکری سے ہنسیں۔"

بہت خوب۔یعنی آپ کا خیال ہے کہ جسے اتنے جوکھوں سے لے کے آئے ہیں۔اس کو کچھ نہیں بھیجیں گے۔آپ دیکھئے"

"گااس کا خرچہ الگ سے آئے گا۔

وہ تو ظاہر ہے۔اب اس کی بیوی ہے۔وہ کمائے اور اسی کی بیوی کا پرس خالی رہے۔" وہ ہچکچائیں۔"

ادھر نگینہ تھی جسے احراز کا رانیہ پر اس قدر توجہ دینا بری طرح کھل رہا تھا۔

شادی شدہ ہونے کے باوجود وہ یہ نہیں سمجھ رہی تھیں کہ ان کے رشتوں کی اگر اپنی جگہ اہمیت تھی تو رانیہ کا رشتہ بھی اب بہت محترم تھا۔

...اب اگر وہ وہاں سے اس کا الگ خرچ بھیجے تو میں اسے روکنے سے رہی۔" رشیدہ بیگم متذبذب تھیں اور نگینہ مصر"

وہ وہاں سے جو بھی کرتے رہیں مگر یہاں کا حساب کتاب آپ اپنے ہی کنٹرول میں رکھئے گا۔کوئی ضرورت نہیں اس کل"

کی آئی کو چھوٹ دینے کی۔" پھر وہ اپنی بات پہ زور دیتے ہوئے بولی۔

امی جی! وہ غریب گھر سے آئی لڑکی ہے۔اس کے لیے تو اتنا بڑا گھر' گاڑی اور پرس میں مہینے کے بعد ہزار کا نوٹ بھی"

ایک عیاشی ہے۔اس سے زیادہ کی عادت مت ڈالئے گا۔میں کہے دیتی ہوں۔" اس کے مستقل مشورے رشیدہ بیگم کا دماغ بوجھل کرنے لگے۔

ابھی تو وہ کرموں والا یہیں ہے۔کل کی کل دیکھی جائے گی۔تم سناؤ علی کی طبیعت اب کیسی ہے؟ کھانسی کا آرام آیایا"

نہیں...؟" انہوں نے موضوع بدل دیا تو نگینہ بدمزہ سی ہو کر انہیں بتانے لگی۔

☆☆☆☆

عمر نے جیسے کل اس سے فون پہ بات کی تھی۔اس کے بعد سے روشین کی ذہنی حالت بہت خراب ہو رہی تھی۔ساری

رات اسے مستقبل کی ظالمانہ سوچیں ہی ڈستی رہی تھیں۔ کس قدر گھٹیا اندازِ گفتگو تھا اس کا۔ بظاہر ویل ڈریس اور ویل مینرڈ دکھائی دینے والے شخص کا۔

اس کے ساتھ پوری زندگی گزارنے کی سزا اس نے خود چنی تھی۔

اچھی لگ رہی ہو..." گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اسے ناقدانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے وہ توصیفی انداز میں بولا۔ "

مگر وہ اس کی کل والی باتوں سے اس قدر ہرٹ ہوئی تھی کہ اب تو اس کے ساتھ کچھ دیر گزارنے اور اسے "سننے" کو قطعاً دل نہیں چاہ رہا تھا۔

محض اس کی فضول باتوں سے بچنے کے لیے آج روشین نے دوپٹہ شانوں پر ڈال کر حجاب اوڑھ رکھا تھا۔ شاید اسی لیے اسے یہ تبدیلی پسند آئی تھی۔

وہ اندازہ نہ کر سکی۔

وہ اب آئینہ نہیں دیکھتی تھی کہ وہ بھی اس کے دوغلے پن پر ہنستا تھا۔

خود کو یوں دوپٹے اور حجاب میں چھپانے والی ایک نامحرم کے ساتھ گاڑی میں اڑتی پھرتی تھی۔

...آدھا اسلام اور آدھا کُفر

یہ کون سا مذہب تھا بھلا...؟

... منافقت کا

ہاں میں کمزور ہوں۔ بہت کمزور... کیوں نہیں میں ایک انکار لیے عمر رضوان حیات کے سامنے کھڑی ہو جاتی اور" کیوں نہیں میں سکندر حیات جیسے ظالم باپ کے سامنے کلمۂ حق بلند کرتی۔ کیا کریں گے یہ لوگ... مار ڈالیں گے...؟

موت تو وہی ہے جو ایک ہی بار آنی ہے تو کیوں نہ بہادری سے ہی سہی... مگر میں بزدل ہوں۔

بہت ہی بزدل... میرے رشتے میرے پیارے مجھے کمزور کر جاتے ہیں۔" روشین کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

"...آئی ایم سوری"

وہ کچھ کہہ رہا تھا ایک ٹک ونڈ اسکرین کے پار دیکھتی روشین بے تحاشا چونکی۔

"کل میں کچھ زیادہ ہی بکواس کر گیا تھا شاید۔ تم ہرٹ ہوئی ہو گی۔ اس کے لیے سوری۔"

وہ پھر سے کہہ رہا تھا۔

"تبدیلی... مکمل تبدیلی"

وہ خوش باش مسکراتا ہوا کہیں سے بھی بات بات پہ وہ کاٹ کھانے والا عمر نہیں لگ رہا تھا۔

روشین کے دل میں امید کی ننھی سی کونپل نے سر اٹھایا۔

"تو کیا میری کل رات کی مانگی دعائیں مستجاب ہونے لگیں..." روشین نے دل میں سوچا۔

"اٹس اوکے..." وہ نارمل انداز میں بولی۔

"ناراض تو نہیں ہو...؟" وہ بڑے لاڈ سے پوچھ رہا تھا۔ روشین بحرِ تحیر میں غرق ہونے کو تھی۔

ان دو ماہ میں اس نے عمر کو ایسے نرم روپ میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔

روشین نے ہلکے سے مسکرا کر نفی میں سر ہلایا۔

"تو پھر مجھ سے بات کیوں نہیں کر رہیں؟" وہ دھونس سے پوچھنے لگا۔

روشین کھل کے مسکرائی۔

"کیا بات کروں...؟"

"ہوں... میری تعریف ہی کر دو۔" وہ قدرے سوچنے کے بعد بولا۔

"آئینہ تو دیکھ کے ہی آئے ہوں گے آپ..." عمر کے موڈ نے اس کے دل کو شانت کیا۔ بہر حال وہ کل والے کاٹ کھانے والے موڈ میں نہیں تھا۔

"مجھے تو پتہ ہے کہ میں اچھا لگ رہا ہوں مگر اپنی منگیتر کے منہ سے تعریف سننے کا تو مزہ ہی کچھ اور ہے۔" وہ اس کی معلومات میں اضافہ کر رہا تھا۔

"اچھا... آپ کو کیسے پتہ...؟ آپ نے کتنی منگنیاں کرائی ہوئی ہیں پہلے؟" وہ لطیف سا طنز کرتے ہوئے بولی۔

در حقیقت وہ اس رشتے کو پوری ایمانداری سے نبھانا چاہتی تھی۔ تب ہی تو عمر کو صحیح سمت سوچتے پا کر اس نے بھی فوراً ہی اپنا دل صاف کر لیا تھا۔

اس کی بات سن کے وہ قہقہہ لگا کے ہنس دیا۔

وہ اسے لے کر ایک مہنگے ہوٹل میں آگیا۔

"عمر... ہم کسی چھوٹے ریسٹورنٹ میں بھی تو جا سکتے ہیں۔" وہ رہ نہیں سکی تھی۔

خلافِ معمول آج اس نے نہ تو طنزاً روشین کو اس کی اوقات یاد دلائی تھی اور نہ ہی اس کی بات پر چراغ پا ہوا تھا۔ اس کے برعکس اس کا ہاتھ تھام کر ریزور ٹیبل کی طرف بڑھتے ہوئے مسکرا کر اسے بتانے لگا۔

"ہاں لے جا سکتا تھا مگر آج بہت اسپیشل دن ہے اس کے لیے سلیبریشن بھی اسپیشل ہونی چاہیے تھی۔"

"کیا ہے آج...؟" وہ ذہن دوڑاتے ہوئے پوچھنے لگی کیونکہ اسے تو کوئی بھی اسپیشل دن یاد نہیں آیا تھا۔

"آج میرا برتھ ڈے ہے گھر والوں کے ساتھ تو کیک کاٹ آیا ہوں مگر جشن تمہارے ساتھ منانا چاہتا ہوں۔" وہ نشست سنبھالتے ہوئے ہلکے پھلکے مگر معنی خیز انداز میں بولا۔

"ہیپی برتھ ڈے..." اس کے الفاظ کو نظر انداز کرتے ہوئے روشین نے اسے وِش کیا پھر کہنے لگی۔

"...آپ مجھے بتا تو دیتے کہ کیا موقع ہے"

میں نے سوچا تمہارا مذہب اور شریعت کہاں اجازت دے گی اپنے منگیتر کے لیے تحفہ خریدنے کی۔ اسی ڈر سے نہیں"

بتایا۔" وہ مزے سے بولا۔

روشین کا دل ڈرا' کانپا اور سہم گیا۔

"...یہ آپ کا بھی مذہب ہے عمر"

ہے تو مگر میں نے دین کے ساتھ دنیا بھی رکھی ہوئی ہے۔ تمہاری طرح ایک ہی بات کو دماغ پہ سوار نہیں کر رکھا۔" "

وہ بے حد لاپروائی سے بولا۔

روشین صدمے اور دکھ میں گھری اس "لادین" شخص کو دیکھنے لگی۔

اور میرا باپ اس شخص کو میرا جیون ساتھی بنانا چاہتا ہے۔

اے میرے رب اور تو نے اس شخص کو میری ہمراہی کے لیے چنا ہے۔

اس کا دل بہت شدت سے دکھا تھا۔

ویٹر نے خوب صورت سا کیک لا کر ٹیبل کے وسط میں رکھ دیا۔

روشین اپنا موڈ نارمل کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ اگر آج اس کا رویہ تھوڑا بہتر ہوا ہے تو شاید میں اس کے خیالات میں مزید تبدیلی لا سکوں۔

اس کے دل نے پھر سے آس کا دامن پکڑا۔

وہ کیک پر لگی کینڈل روشن کر رہا تھا۔

"میں نے سوچا کہ جب تک یہاں ہوں تمہارے ساتھ اس وقت کو یادگار بنالوں۔"

"کتنے عرصے کے لیے آئے ہیں؟"

وہ شمع کی لو کو دیکھتی بے دھیانی سے پوچھنے لگی۔

آیا تو چھ ماہ کے لیے تھا اور وہ بھی اتنے برسوں کے بعد۔ خیر اب تو گرین کارڈ ہولڈر ہوں کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ فی الحال تو"
" چار ماہ رہ گئے ہیں چھٹی کے۔

وہ آج واقعی بہت اچھے موڈ میں تھا اور روشین کو اس کا بات بے بات اندازہ ہو رہا تھا۔ کینڈل بجھا کر وہ اب کیک کاٹ رہا تھا۔

ہیپی برتھ ڈے ٹو یو..." روشین نے مسکرا کر کہا۔"

اب اگر میں کیک کا یہ پیس تمہیں اپنے ہاتھ سے کھلانا چاہوں تو تم کھالو گی؟" وہ یوں پوچھ رہا تھا جیسے اس کا جواب پہلے"
ہی سے جانتا ہو۔

روشین نے ہولے سے نفی میں سر ہلا دیا۔

مجھے پتا تھا۔" اس نے چھری سے کاٹا ہوا کیک کا پیس اس کی پلیٹ میں رکھا اور شکایتی انداز میں بولا۔"
تم مجھے مکمل خوش ہونے نہیں دو گی۔"

جہاں تک میری اخلاقیات اجازت دے رہی ہیں۔ میں آپ کا ساتھ دینے کی کوشش تو کر ہی رہی ہوں۔" روشین"
نے چمچ اٹھاتے ہوئے آہستگی سے کہا اور چمچ کو ٹشو سے صاف کرنے لگی۔

تھوڑا سا کیک کھانے کے بعد عمر نے باقی کا کیک ویٹر کے ہاتھ واپس بھجوا دیا۔

"...ہوں"

وہ کہنیاں ٹیبل کی سطح پر ٹکاتے ہوئے مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ ہوا۔

تمہیں پتہ ہے روشی۔ تم سب ماڈرن لڑکیوں سے مجھے بہت الگ لگتی ہو۔ بلکہ پینڈو سی۔ شاید میں امریکہ میں اتنے"
برسوں تک بے باک لڑکیوں کو دیکھتا رہا ہوں اس لیے۔" وہ صاف گوئی سے کہتے ہوئے لمحہ بھر کو رکا پھر مسکرا کے
بولا۔

"... مگر تم ان سب سے زیادہ خوب صورت ہو۔ خاص طور پر تمہاری آنکھیں"

روشین کی ہتھیلیاں پسیجنے لگیں۔

اسے لگا جسم کا تمام خون اس کے چہرے پر آکر جمع ہو گیا ہو۔

"اب چلیں..." وہ بمشکل اس کی طرف دیکھ پائی۔

"اونہوں۔ ابھی تو میں نے تمہاری اور تعریف کرنی ہے۔" وہ اس کے بلش ہوتے چہرے کو بے خودی سے تک رہا تھا

مگر روشین کو اس کا اندازِ نظر اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"دیر ہو رہی ہے عمر۔ عادل بھائی گھر آجائیں گے۔" وہ بے اختیار کہہ کر پچھتائی اور فوراً ہی اسے دیکھا مگر عمر نے یوں

ظاہر کیا جیسے اس کی بات سنی ہی نہ ہو۔

"ابھی تو تم نے مجھے تحفہ دینا ہے۔" وہ دوستانہ انداز میں بولا۔

"وہ ادھار رہا۔" روشین نے جان چھڑانے والے انداز میں کہتے ہوئے اپنا بیگ اٹھایا۔

وہ عادل کے آنے سے پہلے گھر پہنچنا چاہتی تھی۔

"اونہوں۔ ادھار محبت کی قینچی ہے۔ تم نے سنا نہیں۔" وہ عجیب سے انداز میں مسکرایا۔

"اگر آپ مجھے انفارم کر دیتے تو یقین کریں میں یوں خالی ہاتھ نہیں آتی۔" وہ شرمندہ سی ہونے لگی۔

عمر نے ویٹر کو بلا کر بل پے کیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"پریشان کیوں ہوتی ہو۔ آؤ میرے ساتھ۔" وہ مسکراتے ہوئے کہتا اسے بیرونی دروازے کی بجائے اندرونی طرف

ساتھ لے کر بڑھنے لگا۔

"کہاں...؟ کدھر جا رہے ہیں؟" کاؤنٹر سے ہو کر وہ پلٹا تو وہ حیران ہوئی۔

"تم پر چونکہ میرا ادھار ہے اس لیے تم کوئی بھی سوال کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہو۔ خاموشی سے بس دیکھتی جاؤ۔"

وہ اس کا ہاتھ تھام کر لفٹ میں لے آیا۔

لفٹ میں ان کے علاوہ بھی ایک ادھیڑ عمر جوڑا موجود تھا سو روشین کو فی الحال خاموش ہونا پڑا۔

لفٹ سے نکلنے کے بعد روشین کو سمجھ نہیں آئی کہ وہ ہوٹل سے باہر جانے کی بجائے اوپری منزل کی اس راہداری میں کیوں آکھڑے ہوئے ہیں۔ یہاں شاید کمرے تھے۔ عمر راہداریوں پر لگے نمبر زدیکھتا ایک دروازے کے سامنے رک گیا۔

"یہاں کون ہے...؟" وہ الجھی۔

اسے عمر کی سوچ کا اندازہ بھی نہیں تھا۔

وہ ہاتھ میں تھامی چابی لگا کر لاک کھولتے ہوئے مدھم مگر جوشیلے انداز میں بولا۔

"سرپرائز ہے تمہارے لیے۔"

دروازہ کھول کر اس نے روشین کو اندر چلنے کا اشارہ کیا تو اسے لگا جیسے اس کے قدموں نے چلنے سے انکار کر دیا ہو۔

عمر حیات کسی عفریت کی مانند دانت نکوستا دکھائی دیا۔

"گھر چلیں عمر..." اس کی آواز سنبھلنے کی کوشش کے باوجود کپکپا گئی۔ وہ ابھی چابی لگا کے لاک کھول رہا تھا۔ یعنی اندر کمرے میں کوئی بھی نہیں تھا۔

وہ اسے وہاں کسی سے ملوانے نہیں لایا تھا... تو پھر...؟

روشین کے دل میں پکڑ دھکڑ شروع ہو چکی تھی۔

"چلتے ہیں جان۔ کیا پرابلم ہے۔ اندر تو چلو..." وہ اسے پچکارتے ہوئے بولا تو روشین کی سانس تھمنے لگی۔

عمر نے اس کا ہاتھ تھام کر اندر کھینچا تھا۔

☆☆☆☆

احراز کی اگلی سیٹ دس روز بعد کی تھی۔

رانیہ کو لگا جیسے اس کا دوبارہ سے ساتھ پا کر وہ پھر سے جی اٹھی ہو۔

اور احراز نے بھی تو اس کی پور پور سیراب کر دی تھی۔ پیار تھا کہ نشہ... جو انہیں رات دن اپنے حصار میں لیے ہوئے تھا۔

بہت بڑی جادو گرنی ہو رانی۔ باندھ کے رکھ لیا ہے تم نے مجھے۔" احراز کبھی کبھی بے بسی سے کہہ اٹھتا۔"

در حقیقت اسے بھی رانیہ کو چھوڑ کے جانا بہت مشکل لگنے لگا تھا۔

وہ بہت ناز سے ہنس دیتی۔

جیسے اپنے پیار اپنی کشش پہ مغرور ہو رہی ہو اور اس کی یہ معصوم ادا احراز کو اور نشہ دیتی تھی۔

ان دنوں وہ ہر بات بھلائے فقط ایک دوسرے میں گم تھے۔ رانیہ کو تو گھر والوں کے بگڑے موڈ کا بھی احساس نہ تھا۔

... صرف یہی خیال تھا کہ دس دن کے بعد وہ چلا جائے گا اور پھر لمبی جدائی

گھر اور گھر کے کاموں کو اس نے نظر انداز تو نہیں کیا تھا مگر جس طرح ان دونوں کا زیادہ وقت کمرے میں گزرتا تھا۔ وہ کسی کو بھی قابل قبول نہ تھا۔

مگر وہ ان دنوں فقط احراز کو دیکھ رہی تھی۔ اسی کو سن رہی تھی۔

... احراز کے جانے میں تین روز باقی تھے... جب اسے وہ منحوس کال موصول ہوئی

"کک... کون...؟"

وہ ہکلائی تو ٹیلی فون کے ریسیور میں سے وہی بھدی سی ہنسی اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

اچھاسو،ہنیئے! اب ہمارانام بھی بھول گئیں؟ پھر تو یہ بھی بھول گئی ہو گی کہ ہم بھی کبھی تمہارے عاشقوں میں سے"

" تھے۔

وہ حسبِ عادت گھٹیا گفتگو کر رہا تھا۔

ادھر رانیہ وحشت زدہ ہرنی کی طرح چاروں طرف دیکھ رہی تھی کہ کہیں گھر والوں میں سے کوئی لائونج میں نہ چلا آئے۔ شبینہ کالج جا چکی تھی۔ اسی لیے فون اسی کو اٹھانا پڑا۔ احراز اور ابرار ناشتے کے بعد اپنے کمروں میں اور رشیدہ بیگم بھی کہیں تھیں۔

رانیہ کی شامت آئی کہ مسلسل فون بیل بجنے پر کوئی اور نہیں پہنچا تو وہ کچن کا کام چھوڑ کے دیکھنے چلی آئی... اور دوسری طرف واصف کی موجودپا کر اس کی تو جان ہی نکل گئی۔

اب تو اور بھی خوب صورت ہو گئی ہو شہزادی۔ ارے میں تو ہاتھ ہی ملتا رہ گیا اور چڑیا پھر سے اڑ گئی۔ یہ ابا بھی نا..." "

وہی گھٹیا انداز... رانیہ کا دل خراب ہونے لگا۔

چچی کیسی ہیں؟" اس نے پھنسی آواز میں پوچھا تو اس نے بے ہنگم سا قہقہہ لگایا۔"

بہت یاد کرتی ہے تجھے۔ اس کے تو ہاتھوں کی کھجلی ہی نہیں جا رہی۔ وہ تو دن میں ایک بار تیری دھلائی نہیں کر لیتی تھی"

"تو اسے چین نہیں آتا تھا۔ اب تو بس ہاتھ ہی ملتی رہتی ہے۔ تجھے یاد کر کر کے۔

رانیہ کا حلق تک کڑوا ہو گیا مگر وہ واصف سے کچھ بھی الٹا سیدھا کہہ کر اسے اپنے لیے مستقل دردِ سر نہیں بنانا چاہتی تھی۔

"گھر میں سب خیریت ہے واصف بھائی؟"

"گھر جاتا کون ہے۔ ایک ہی تو رونق تھی وہاں۔ اب تو کوئی کشش ہی نہیں رہی۔ مزہ ختم ہو گیا ہے اللہ قسم۔"

رانیہ کی پیشانی عرق آلود ہونے لگی۔

"اچھا... سب کو میرا سلام کہیے گا۔"

اس نے جان چھڑانے والے انداز میں کہہ کر فون بند کرنا چاہا۔

ارے ارے... ایسے کیسے جانِ من! تمہاری سریلی آواز سننے کے لیے تو فون کیا تھا میں نے۔" وہ عیاری سے بولا۔"

تو...؟" وہ اٹکی۔"

ذہن میں خطرے کا الارم سا بجا۔

"ایک ضروری کام تھا تم سے۔" وہ اب قدرے تحکمانہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "بس کوئی دس ہزار چاہیے مجھے۔"

رانیہ کے قدموں تلے سے زمین سرکنے لگی۔

ہاتھوں سے نکلتا ریسیور اس نے بمشکل سنبھالا۔

تو اب وہ بلیک میلنگ شروع کرنے والا ہے" اس نے دل میں سوچا۔"

ادھار لوں گا میں۔ جلد ہی لوٹا دوں گا۔" وہ بولا۔"

رانیہ نے بمشکل تھوک نگل کر خشک ہوتا حلق تر کیا۔

"...میرے پاس تو"

اچھا اچھا۔ اب یہ مت کہنا کہ تمہارے پاس کچھ نہیں ہے دیکھا تھا میں نے اس روز۔ اتنی لمبی گاڑی میں ٹھاٹھ سے بیٹھی"
"تھیں زیور لاد کے۔

وہ اس کی بات کاٹ کے چبھتے ہوئے حریصانہ لہجے میں بولا جیسے وہ گاڑی اور زیور اسی کی کمائی کا ہو۔

مگر اس کی بات نے تو رانیہ کو لرزا دیا تھا۔

"یہ واقعی سچ ہے۔ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ چند سو روپوں کے علاوہ۔"

وہ اسے یقین دلانے والے انداز میں بولی۔ لہجے میں بے بسی مترشح تھی۔

ابے چل تیری تو..." اس نے غلیظ زبان استعمال کی تھی۔"

رانیہ کی سماعتیں جھنجلا اٹھیں۔

چاہے چوری کر چاہے میاں سے مانگ۔ مجھے ہر صورت کل دس ہزار چاہیے ورنہ دیکھ تجھے کیسے منٹوں میں طلاق دلواتا ہوں۔ ایسی ایسی باتیں بتاؤں گا تیرے خصم کو کہ اسی وقت تین حرف کہہ دے گا وہ..." وہ غرایا۔

رانیہ کو لگا اس کی جان نکلنے لگی ہو۔

"میرا یقین کریں واصف بھائی۔ خدا کے لیے کیوں میرا گھر برباد کرنے پر تلے ہیں آپ... میں نے ہمیشہ آپ کو بھائیوں کی طرح سمجھا ہے اور آپ..." وہ سسک اٹھی۔

"ارے ابے چل... میری خود کی دو بہنیں بیٹھی ہیں گھر میں اور تجھ جیسی پری کو بہن کہوں' میرا دماغ خراب ہے کیا... تو تو کزن ہے اور ہم سجن۔"

وہ حقارت سے کہتے ہوئے شوخ ہوا۔ رانیہ نے اس پر ہزار بار لعنت بھیجی مگر دل ہی دل میں...

"اب کل تک انتظام کر دے روپوں کا ورنہ پھر پرسوں میں تیرے خصم کے حضور حاضر ہو جاؤں گا۔"

وہ اسے دھمکاتے ہوئے بولا اور رابطہ کاٹ دیا۔ وہ بے تابی سے ہیلو' ہیلو ہی کرتی رہ گئی۔

"کیا ہوا... کس کا فون تھا؟"

احراز کی آواز سن کر وہ اچھل ہی تو پڑی۔ جلدی سے ریسیور رکھ دیا۔

"وہ... پتہ نہیں... شاید رانگ نمبر تھا۔"

اس کی رنگت خطرناک حد تک زرد پڑ رہی تھی۔ احراز نے تشویش سے اسے دیکھا۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری... پیلی پڑ رہی ہو؟" احراز نے آگے بڑھ کے اس کا ہاتھ تھاما تو وہ ٹوٹی ڈال کی طرح اس کے سینے سے آلگی۔

احراز کو اپنے اندر ایک ٹھنڈک سی اترتی محسوس ہوئی۔ ایسی وارفتگی کا مظاہرہ وہ بہت کم کرتی تھی۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے مگر رومانس کا باقی مظاہرہ کمرے میں چل کے ہو تو بہتر ہے۔ یہاں تو کوئی بھی آسکتا ہے۔" وہ اس کے بال سہلاتے ہوئے شوخی سے بولا تو وہ دھیان آنے پہ فوراً پیچھے ہٹی پھر اس سے نظر ملائے بغیر کمرے میں چلی گئی۔

وہ مسکراتا ہوا اس کے پیچھے آیا۔

"کیا بات ہے رانی...؟"

اس کی پریشانی چھپائے نہ چھپ رہی تھی۔ احراز آیا تو شرارت کے موڈ میں تھا مگر اسے بے چین و مضطرب دیکھ کر تشویش سے پوچھنے لگا۔

کچھ نہیں..." وہ سنبھلی۔"

احراز نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنی طرف کھینچا۔

"اتنا اچھا لگا تھا تمہارا خود سے یوں قریب آنا مگر پھر یوں بھاگی ہو جیسے کرنٹ لگ گیا ہو۔"

اسے بانہوں میں لیتے ہوئے وہ مخمور لہجے میں بولا تو وہ خود پر سے قابو کھونے لگی۔

آپ... احراز آپ مجھے چھوڑ دیں گے...؟" اس کے سینے میں منہ چھپائے وہ سسک اٹھی۔"

"پگلی... صرف کچھ عرصے کے لیے پھر تو وہی ہم تم ہوں گے بادل ہو گا۔"

وہ اس کی تصحیح کرتے ہوئے گنگنایا مگر رانیہ پر تو اپنی متوقع بربادی کا سوچ کر دہشت طاری ہو رہی تھی۔

"...میں بھی وہاں بہت بے چین رہوں گا رانیہ بلکہ پتہ نہیں کیسے رہ پاؤں گا تمہارے بغیر"

اس کے بالوں کو چومتے ہوئے وہ قدرے اداس ہوا تو رانیہ کو رونے کا بہانہ مل گیا۔ احراز بوکھلا کر اسے چپ کرانے لگا جب کہ واصف کی دھمکی اس کا ذہن ماؤف کیے دے رہی تھی۔ جانے اگلا وقت کیسا آنے والا تھا۔

☆☆☆☆

عمر نے اس کا ہاتھ تھام کر اندر کھینچا تو وہ کسی بے جان گڑیا کی طرح کھنچتی چلی گئی۔

یہ ایک خوب صورت سا بیڈ روم تھا۔

عمر نے دروازہ بند کر کے لائٹ آن کر دی۔

ادھر روشین پر اس قدر خوف طاری تھا۔مانو پائوں زمین نے جکڑ لیے ہوں۔

وہ سوچ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ عمر اسے یہاں' اس بیڈروم میں کیوں لایا ہے؟

وہ عمر کے گھٹیا پن تک نہیں پہنچ سکتی تھی... اور یہی اس کی غلطی تھی۔

وہ مسکراتا ہوا روشین کے سامنے آیا۔

"آج میری زندگی کا سب سے خوب صورت دن ہو گا۔"

اس نے بڑی بے تکلفی سے روشین کے شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے جھک کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

اس کے لمس نے جادو اثر کیا تھا۔روشین کے وجود میں اس لمس سے جیسے لاکھوں وولٹ کا جھٹکا لگا۔وہ تڑپ کر پیچھے ہٹی۔

"...اُف! تمہاری یہ ادائیں"

اس نے ہونٹ سکیڑے پھر مسکرا دیا۔

"مگر پھر بھی اچھی لگتی ہو۔"

"عمر... مجھے گھر جانا ہے۔"

اس کا حلق خشک ہو گیا تھا۔ متوحش انداز میں بولی تو وہ مصنوعی ناراضی سے بولا۔

"حد ہو گئی۔ابھی تو آئے ہیں۔کچھ دیر یہاں کے خوب صورت ماحول میں تو گزار لو پھر گھر ہی تو جانا ہے۔"

"ہم کہیں لانگ ڈرائیو پہ چلے جاتے ہیں یا کسی پارک میں... مگر یہاں سے چلیں۔"

وہ بے حد خوفزدہ تھی مگر اپنا خوف عمر پہ ظاہر نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔اس لیے قطعیت سے بولی۔

"کم آن روشی! یہ وقت بار بار آنے والا نہیں۔انجوائے کرو اس وقت کو۔"

عمر نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے جیسے اسے پچکارا تھا اور اس کا ہاتھ تھامنے کی سعی کی۔

روشین کو لگا اس کے بدن پر کوئی بچھو رینگ گیا ہو۔اس نے تیزی سے اس کا ہاتھ جھٹکا۔

"مجھے گھر جانا ہے پلیز۔"

وہ خوف کے ساتھ ساتھ غم و غصے کا بھی شکار ہو رہی تھی۔وہ کیا سمجھ کے اسے ہوٹل کے اس کمرے میں لے آیا تھا؟

"کیا تکلیف ہے تمہیں...؟"

عمر کی ساری خوش مزاجی کو درشتی میں بدلتے' وقت نہیں لگا تھا۔

"میں یہاں رکنا نہیں چاہتی۔"

وہ دوپٹے کو اپنے گرد مضبوطی سے لپیٹتے ہوئے اونچی آواز میں بولی تو اس کی آواز سے کپکپاہٹ مترشح تھی۔

ادھر وہ گھاگ شکاری اس کی کیفیت بھانپ رہا تھا۔اس کے خوف کو اچھی طرح محسوس کر رہا تھا۔

تب ہی اسے پھانسنے کو اپنا لب و لہجہ فوراً ہی تبدیل کر لیا۔

کم آن روشی! کیا ہو گیا ہے تمہیں... پتہ ہے ناں آج میرا برتھ ڈے ہے اور تم یوں بدمزگی پھیلا رہی ہو۔کیا اب ہم"

"... تھوڑی دیر آرام سے بیٹھ کے باتیں نہیں کر سکتے کچھ اپنے مستقبل کے متعلق

باتیں تو نیچے بھی ہو سکتی ہیں۔آپ چلیں پلیز..." وہ ان سنی کرتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھی۔"

"...روشین"

عمر نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

روشین پوری جان سے کانپ گئی۔

میرا ہاتھ چھوڑیں..." اس کی مضبوط گرفت سے ہاتھ چھڑانے کی کوشش میں ناکام ہو کر وہ غصے سے بولی۔"

یہ وقت... یہ ماحول... یہ جوانی... کچھ بھی لوٹنے والا نہیں ہے روشی... اس تعلق کا جو مزہ ابھی ہے کل وہ نہیں ہوگا۔"

"...روٹین لائف اسٹارٹ ہونے سے پہلے اس پیریڈ کو یادگار بناتے ہیں سویٹ ہارٹ

اس کی بات اس کے غصے سے قطع نظر وہ اس کی ٹھوڑی کو انگشتِ شہادت سے اوپر کرتے ہوئے اس کی طرف جھکا۔ایک پل کے لیے تو روشین کو اپنی جان نکلتی محسوس ہوئی۔

وہ اس قدر رذیل حرکات کر سکتا تھا۔اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔

مگر وہ بے ہمتی صرف ایک پل ہی کی بات تھی۔

اگلے ہی سیکنڈ میں روشین کا ہاتھ اٹھا اور کمرہ زوردار "چٹاخ" کی آواز سے گونج اٹھا تھا۔

☆☆☆☆

یااللہ... ابھی تو میں پوری طرح خوشی کو محسوس بھی نہ کر پائی تھی کہ احراز سے جدائی کے لمحات آگئے اور اب جب کہ "زندگی کچھ اچھی لگنے لگی تھی کہ یہ واصف..." وہ مضطرب و خوفزدہ تھی۔

دھیان بار بار الماری کی اس دراز میں اٹک رہا تھا جہاں احراز نے اپنے ساتھ لے جانے والے بیس ہزار رکھے ہوئے تھے۔

اسی بے دھیانی میں وہ احراز کو بھول رہی تھی۔"

"میں کل جا رہا ہوں اور تم پتہ نہیں کن کاموں میں مصروف ہو۔یا خوامخواہ کی مصروفیت ظاہر کر رہی ہو۔"

احراز نے اسے پکڑ ہی لیا تھا۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں۔"

وہ یاسیت زدہ تھی۔ حد درجہ پژمردگی اس کے چہرے سے جھلک رہی تھی۔

پھر مجھ سے دور کیوں بھاگ رہی ہو؟'' وہ جرح کرنے لگا۔''

''پھر مجھے رونا آجائے گا اور آپ ناراض ہوں گے۔''

وہ پلکیں جھپکاتے ہوئے نمی کو پیچھے دھکیل کر مدہم لہجے میں بولی تو احراز نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر چہرہ اونچا کیا۔

''اور تو کوئی بات نہیں ناں...؟''

رانیہ کا دل سکڑ سا گیا۔ بے اختیار اس کی طرف دیکھا۔

نن... نہیں...'' وہ گڑبڑا کر بولی۔''

اس سے پہلے کہ وہ مزید تشویش کا مظاہرہ کرتے ہوئے مزید تفتیش کرتا باہر سے اس کے نام کی پکار پڑنا شروع ہوگئی۔

آج نگینہ نے آنا تھا... شاید وہ آپہنچی تھی۔

''اعتبار کرتے ہیں جان۔ چاہنے والوں سے کچھ نہیں چھپاتے ورنہ خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔''

وہ مدہم' سنجیدہ سی آواز میں کہتا اس کے رخسار کو چھوتا باہر نکل گیا تھا۔ رانیہ حق دق وہیں کھڑی رہ گئی۔

یہ لو۔ آگیا ہے۔ دیکھ لو تم بھی اسے۔ میں بھی اتنے دنوں محض اس کی شکل ہی دیکھ رہی ہوں۔ بات کرنے کا تو ٹائم ہی''

''نہیں ملتا۔

رشیدہ بیگم نے اسے دیکھتے ہی نگینہ کو مخاطب کیا تو وہ بری طرح خجل ہوا۔ ان کی شکایت مکمل درست نہیں تھی۔

واقعی وہ پہلے کی طرح رات بارہ بجے تک ان کے پاس نہیں بیٹھا رہتا تھا۔ ہاں مگر بیٹھتا ضرور تھا' چاہے تھوڑی دیر کو ہی

سہی۔ وہ خاموشی سے بچوں کو پیار کرنے لگا۔

''اس بار رانیہ کی طبیعت کیسی ہے؟''

نگینہ نے سلام دعا کے بعد پہلا طنز کا تیر پھینکا تو چہرے پر معنی خیز تاثر تھا۔

اب ٹھیک ہے۔" وہ مختصراً بولا۔"

"بھائی! اس بار جاتے ہی میرے پیپرز لازمی جمع کرادیں۔ میں اب مزید ان سڑکوں پر نہیں پھر سکتا۔"

ابرار کمرے سے باہر نکلا تھا۔ اس کا انداز خفگی بھرا تھا۔ احراز کو ہنسی آگئی۔

"تو کون کہتا ہے سڑکوں پر پھرنے کو۔ گھر میں بیٹھو۔"

"نہ بھئی۔ یہ سچ کہہ رہا ہے۔ اس بار تو اس کا کام کر ہی دو۔ مہربانی ہو گی۔"

رشیدہ بیگم کے کھنچے کھنچے انداز کو محسوس کرکے احراز پریشان ہوا۔

"اس میں مہربانی والی کون سی بات ہے امی جو میرے بس میں ہو گا وہ میں ضرور کروں گا۔"

"...دیکھا تو یہی ہے کہ شادی کے بعد لڑکے فوراً ہی بیوی کو وہاں بلانے کی بات کرتے ہیں۔ بھائی کسے یاد رہتے ہیں"

یہ نگینہ تھی۔ احراز اس کی طبیعت سے اچھی طرح واقف نہ ہوتا تو شاید اس طنز کا برا مان ہی جاتا۔ کیا وہ اسے نہیں جانتی تھی...؟

"میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں، بیوی کو بلانے کا۔"

وہ عام سے لب و لہجے میں بولا تھا پھر ابرار کی طرف متوجہ ہوا۔

"اور تم ایک بار پھر سوچ لینا کہ یہاں کاروبار کرنا چاہتے ہو یا کہ باہر کی خاک رولنا چاہتے ہو۔"

"میں نے اچھی طرح سے سوچ لیا ہے۔ آپ مجھے بددل کرنے کی کوشش مت کریں۔"

ابرار نے بے اعتنائی کی حد کردی تھی۔ رشیدہ بیگم مصلحتاً چپ رہیں وگرنہ دوسرے حالات میں وہ ابرار کی طبیعت لازمی

صاف کرتیں۔ ابھی تو احراز کو انیہ پر پروانہ وار نثار ہوتے دیکھ کر ہی وہ متنفر ہو رہی تھیں۔

احراز کو ماں کی خاموشی کھلی، مگر وہ انہیں جتا نہیں سکا تھا۔ دوستوں سے الوداعی ملاقات کے لیے ایک آدھ گھنٹے کا کہہ کر گھر سے باہر چلا گیا۔

رانیہ نے آکر سلام کیا تو نگینہ نے اسے کڑے تیوروں سے دیکھا۔

''بیٹا! کمرے سے باہر بھی ایک دنیا ہے۔ اس کا بھی خیال کر لیا کرتے ہیں کبھی کبھار۔''

رشیدہ بیگم نے بھی ناگواری سے کہا تو وہ شرمندہ ہو کر وضاحت کرنے لگی۔

''میں نے سوچا آپی کے لیے چائے کا پانی رکھ دوں۔ بس اسی لیے تھوڑی دیر ہو گئی۔ میں کچن میں تھی۔''

اس نے یہی سوچا تھا کہ چائے کا پانی رکھ کے نگینہ سے سلام دعا کر کے پھر کچن میں آجائے گی مگر یہاں تو الٹی آنتیں گلے پڑ رہی تھیں۔

''اب خالی چائے ہی نہ لے آنا۔ کباب تل لینا اور کیبنٹ میں بسکٹ رکھے ہیں وہ بھی ساتھ لے آنا۔''

رشیدہ بیگم کے لب و لہجے میں یہ تحکم پہلے کبھی نہ جھلکا تھا جو ابھی جھلک رہا تھا۔

وہ بوجھل دل لیے واپس کچن میں آگئی۔

...پتہ نہیں کیا ہونے والا ہے

ایک تو واصف کی بلیک میلنگ اوپر سے گھر والوں کا اچانک بدلنے والا رویہ... اس کی طبیعت گھبرانے لگی مگر اب وہ احراز کی روانگی تک خود کو سنبھالے رکھنا چاہتی تھی۔

وہ جو اس کا سب سے اپنا تھا... وہ تھا تو اس کے ہونے سے یہ تمام رشتے تھے ورنہ اس کے کیا تھے؟

وہ خدا سے ہمت مانگنے لگی۔

☆☆☆☆

منہ پر پڑنے والا تھپڑ اس قدر زوردار اور غیر متوقع تھا کہ عمر کے چودہ طبق تو ضرور ہی روشن ہوئے ہوں گے۔ وہ بے یقینی سے روشین کو دیکھ رہا تھا۔

"چھوڑیں مجھے جانے دیں۔"

وہ رو پڑی تھی۔ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی۔ اس سے زیادہ تیزی سے عمر لپکا اور دروازے کے آگے کھڑا ہو گیا۔

روشین کی جان نکلنے لگی۔

"عمر پلیز! خدا کے لیے... جانے دیں مجھے۔"

وہ روتے ہوئے چلادی تھی۔

"...نہیں... ایسے نہیں جاؤ گی تم"

وہ عجیب نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

روشین کا دل خوف سے بھرنے لگا۔ اس نے اپنے دوپٹے کو مضبوطی سے مٹھیوں میں جکڑا۔

آج اسے سر سے اتارا تھا... اور یہ ہمیشہ کے لیے اتر جانے والا تھا۔

شرم کریں عمر... اپنے اور میرے مابین صرف منگنی کا نہیں' باقی رشتوں کا بھی سوچیں۔ آپ کے تایا کی بیٹی ہوں۔"

"...میں آپ کے گھر کی عزت

"پتہ ہے مجھے۔ جانتا ہوں میں۔"

وہ دفعتاً بے حد سنجیدگی سے بولا۔

"...تب ہی آپ نے یہ سب"

روشین نے روتے ہوئے شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔

"...آئی ایم سوری روشی مگر یہ سب ایک ڈرامہ تھا... صرف ایک ڈرامہ"

وہ معذرت خواہانہ انداز میں بولا۔

ڈرامہ..." وہ دم بخود تھی۔"

میں نے امریکہ میں اتنے سال عورت کا ایک ہی روپ دیکھا ہے۔ عزت سے عاری' نسائیت سے بے پروا۔ میں اپنی"
ہونے والی بیوی کی حیا چیک کرنا چاہتا تھا۔ وہ تم ہوتیں تو کوئی اور... مجھے خوشی ہے کہ تم اس کسوٹی پر پوری اتری ہو۔"

وہ کہہ رہا تھا۔

...جانے جھوٹ' سچ یا کیا

مگر روشین اس وقت اس شخص کے لیے اپنے دل میں ایک ہی جذبہ امڈتا پا رہی تھی۔

...نفرت... اور... شدید نفرت

"...مجھے گھر جانے دیں عمر"

اس کا خوف کہیں دور جا سویا تھا۔ تلخی سے بولی۔

"پہلے بتائو۔ مجھے معاف کر دیا ناں؟"

وہ دھونس بھرے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"خدا سے معافی مانگیں آپ مجھ سے نہیں۔"

دوپٹے سے چہرہ خشک کرتے ہوئے وہ اسی انداز میں بولتی دروازے کی طرف بڑھی تو عمر نے دروازہ کھول دیا۔

"میں خود چلی جائوں گی۔"

نیچے آکر اس نے عمر سے صاف لفظوں میں کہا۔

''کم آن یار! ابھی بھی ناراض ہو؟''

وہ یوں حیران ہو کر بولا جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔ روشین کو تاسف ہوا۔

اتنی دقیانوسی مت بنو روشی! دیکھو میں نے ایک آفر کی۔ تم اس میں انٹرسٹڈ نہیں تھیں بات ختم ہو گئی۔ اب موڈ''

خراب کرنے کی کیا تک بنتی ہے بھلا؟'' وہ کہہ رہا تھا۔

روشین کا جی چاہا ویسے ہی دو چار تھپڑ اور اس کے منہ پر لگا دے۔

وہ واقعی ایک گرے ہوئے معاشرے کی سوچ رکھتا تھا اور حد تو یہ تھی کہ روشین کو بھی ان ہی لڑکیوں میں شمار کر رہا

تھا۔ روشین کو اس کے ساتھ آنے کے اپنے فیصلے پر پشیمانی ہونے لگی۔

گھر آکے باوضو ہو کے اس نے فوراً ہی کئی نوافل شکرانے کے پڑھ ڈالے۔

یہ خدا ہی کی قدرت تھی جس نے اسے بچا لیا۔ اگر وہ زبردستی پہ اتر آتا تو وہ بھلا کیا کر لیتی؟

واپسی پہ گھر آنے تک وہی بولتا رہا اور روشین سنتی رہی تھی۔

میں چاہتا تو زبردستی بھی کر سکتا تھا مگر میں نے کہا ناں کہ میں صرف تمہیں آزما رہا تھا اور مجھے خوشی ہے کہ تم اپنے حلیے''

کو ''کیموفلاج'' کے طور پر استعمال نہیں کرتیں بلکہ جو ہو وہی نظر آتی ہو۔ مجھے فخر ہے کہ تم میری بیوی بننے جا رہی ہو۔

اب اس بات کو دل پہ مت لے لینا اور نہ ہی میرے بارے میں کچھ الٹا سیدھا سوچنا۔ میں بہت صاف گو بندہ ہوں۔ جو

''میرے دل میں تھا میں نے صاف کہہ دیا بلکہ کر دیا۔

مگر روشین کو اس کے ''فخر'' کی کوئی خوشی نہیں تھی۔ وہ وضو کرتے ہوئے زار و قطار روئی تھی اور ہر سجدہ جائے نماز کو

اب آنسوؤں سے بھگو رہا تھا۔

☆☆☆☆

سکندر حیات کا کاروبار اچانک ہی خسارے میں چلا گیا تو پھر کہیں سے سنبھل نہ سکا۔ بینک سے وہ پہلے ہی کافی لون لے چکے تھے۔ بلکہ اب تو سود چڑھنے لگا تھا۔ رضوان حیات کا کاروبار اور بینک بیلنس اتنا ہینڈسم تھا کہ وہ انہیں آسانی سے سہارا دے سکتے تھے مگر انہوں نے لولے لنگڑے بہانے بنا کر معذرت خواہانہ لہجہ اختیار کیا تو وہ خاموش رہ گئے۔

اور پھر اچانک ہی ایک معجزہ ہو گیا۔

ایک روز عادل کے ریفرنس سے ایک اٹھائیس سالہ نوجوان ان سے ملا۔ وہ ابھی ابھی بیرون ملک سے پاکستان آیا تھا اور چونکہ کاروبار کا کوئی خاص تجربہ نہیں رکھتا تھا تو اب وہ سکندر حیات کے ساتھ مل کر کاروبار کرنا چاہتا تھا۔

سکندر حیات کے تو دل کی کلی ہی کھل اٹھی۔ یوں بھی اس نوجوان کی شائستگی اور رکھ رکھاؤ انہیں بہت پسند آیا تھا۔ اس کے پاس پیسہ تھا اور سکندر حیات کے پاس تجربہ۔ یوں بھی انہیں کاروباری خسارے سے نکلنے کے لیے پیسے کی سخت ضرورت تھی سو انہوں نے کھلے دل اور کھلی بانہوں سے اس شخص کا خیر مقدم کیا تھا۔

دو ماہ کے اندر اندر ہی نا صرف وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہو گئے بلکہ سپلائی اور پے منٹ کے قابل بھی ہو گئے۔

''اور یہ سب تمہاری بدولت ہے۔''

انہوں نے سامنے کھڑے خوش شکل نوجوان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر دباتے ہوئے جوش بھری اپنائیت سے کہا تو وہ مسکرا دیا۔

''ہم سب خدا کی بدولت ہیں۔ مجھے بھی اسی نے آپ کو مشکل سے نکالنے کا وسیلہ بنایا تھا۔''

''تمہاری رہائش کا مسئلہ حل ہو گیا یا نہیں؟''

انہوں نے سامنے بیٹھے ہوئے نوجوان سے پوچھا تھا تو وہ احتراماً ان کے لیے چائے مگ میں ڈالنے لگا۔

گھر تو آپ کو پتہ ہے خدا کے فضل سے بہت اچھا ہے میرے پاس مگر تنہا رہنا مجھے اچھا نہیں لگتا۔" وہ اداس ہونے لگا۔"

سکندر حیات نے اس کے ہاتھ سے چائے کا مگ تھامتے ہوئے بے تکلفی سے اس کا موڈ بدلنے کی کوشش کی۔

"تو شادی کر لو۔"

وہ تو شاید قسمت میں نہیں۔" وہ سنجیدہ تھا۔"

اوفوہ بھئی۔ ہمیں کہو دنوں میں بینڈ بجوا دیں گے۔" وہ کہہ کر خود ہی محظوظ ہونے والے انداز میں ہنسے۔"

اس وقت اگر ان کے گھر والوں میں سے کوئی ان کے چہرے پہ چھائی ملائمت اور بے ساختہ ہنسی دیکھ لیتا تو انہیں سکندر حیات ماننے سے انکار کر دیتا۔

مگر وہ یوں ہی خاموشی سے اپنی چائے کے گھونٹ بھرتا رہا۔

"کیا بات ہے جوان۔ کہیں دل تو نہیں لگا بیٹھے؟"

انہیں اس کی سنجیدگی سے دفعتاً خیال آیا۔

ان دو مہینوں میں وہ اس سے اتنے بے تکلف تو ہو ہی چکے تھے کہ جیسے وہ بے ساختہ ہر بات ان سے شیئر کرتا تھا۔ ویسے ہی وہ بھی اس سے بے تکلفی برت لیتے تھے۔

وہ ایسا ہی تھا۔ چپکے چپکے دل میں جگہ بنانے والا۔ خود کے متعلق اچھا ہی اچھا سوچنے پر مجبور کر دینے والا کہ سکندر حیات جیسا کرخت مزاج بندہ بھی اپنے سارے خول چٹخا کر دھیرے دھیرے شاید اپنی اصلیت کی طرف لوٹنے لگا تھا۔

ان کی باتیں سن کر اس کی پرکشش سیاہ آنکھوں میں اضطرابی کیفیت در آئی۔

اس نے اپنی چائے کا مگ ٹیبل پر رکھ دیا۔

"...ہوں... بتائو تو اگر بتانا چاہو تو"

وہ اصرار بھی کر رہے تھے اور اسے اس کی مرضی پر بھی چھوڑ رہے تھے۔

کچھ ایسا ہی ہے سر۔" وہ یاسیت سے مسکرایا۔"

کیسا...؟" انہیں اشتیاق ہوا۔"

"اچھی خاصی ڈیشنگ پرسنالٹی، تعلیم، پیسہ اتنی اچھی "آسامی" کو کس نے چھوڑ دیا ہو گا بھلا؟

"بس ذرا سا دل ٹوٹا ہے...اور تو کوئی بات نہیں۔"

وہ اسی انداز میں بولا تو انہیں تاسف ہوا۔

"ڈزن میٹرینگ مین۔ تو نہیں تو اور سہی... اور نہیں تو اور سہی۔"

وہ اسے تسلی دیتے ہوئے بے پروائی سے بولے تو اس نے فوراً انہیں ٹوک دیا۔

نو سر! یہ دل کا معاملہ ہے۔ بزنس پارٹی نہیں کہ ایک سے ڈیلنگ نہیں ہوئی تو کسی اور سے سہی۔ وہ کیا ہے کہ شاید"

"مجھے وفاداری نبھانے کی عادتِ بد ہے اور شاید میں محبت میں توحید کا بھی قائل ہوں۔

اب اگر محبت نہ ملے تو بندہ مجنوں بن کے گریباں چاک کیے صحرائوں میں تو نہیں نکل جائے گا۔ کچھ فطری تقاضے ہیں"

"زندگی کے کینوس پر ایک تصویر مکمل کرنا ہوتی ہے۔ آپ اور آپ کی فیملی کی۔

وہ بحث کرنے والے انداز میں بولے تو وہ کھل کے مسکرا دیا۔

فطری تقاضے اپنی جگہ مگر محبت کے بھی کچھ تقاضے اور ادب و آداب ہوتے ہیں سر۔ آپ نے شاید کبھی محبت نہیں"

"کی۔

"غلط سمجھے ہو تم برخوردار۔"

اس موضوع پر ہم پھر کبھی بات کریں گے۔ تفصیل کے ساتھ کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ تم گزری محبت کو دل کا روگ"
"بنا کے مت بیٹھ جائو۔ میری طرح ایک مکمل لائف جیو۔
"اوکے سر! مگر میری یہ تفصیل آپ کے پاس امانت ہے۔ یہ میں کبھی نہ کبھی سنوں گا ضرور۔"
وہ خوش دلی سے مسکراتے ہوئے وعدہ لینے والے انداز میں بولا تو وہ بھی اثبات میں سر ہلاتے ہوئے مسکرا دیے۔

☆☆☆☆

روشین کے دل ودماغ پہ خوف کا اس قدر غلبہ تھا کہ وہ تین دن سے ٹھیک سے سو بھی نہیں پا رہی تھی۔
"...اگر کچھ ہو جاتا تو"
اسے کوئی بھی سوچ چین نہیں لینے دے رہی تھی۔
مگر وہ تو کہہ رہا تھا کہ مجھے آزمانے کے لیے... لیکن مجھے اس کے دل وذہن کی کیا خبر... پتہ نہیں کس نیت سے وہ مجھے ہوٹل کے اس کمرے تک لے گیا تھا... وہ لرز کر رہ جاتی۔
عمر کی طرف سے بھی مکمل خاموشی تھی۔
مگر ابھی جب وہ حمزہ کو گود میں لیے تمکین سے باتیں کر رہی تھی تو اس کا موبائل بجنے لگا۔
ٹی وی ٹرالی پہ رکھا موبائل فرحین نے اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا تھا۔
"کس کا ہے...؟"
اس نے پوچھا تو وہ اسے موبائل تھماتے ہوئے طنز سے بولی۔
"آج کل تو تمہیں موبائل رنگ بجتے ہی سمجھ لینا چاہیے کہ کس کا فون ہو سکتا ہے۔"
"...عمر کالنگ"
موبائل اسکرین پر چمکتا نام دیکھ کر اس کا دل سکڑ سا گیا۔

اس نے اینڈ کا بٹن دبا کر کال ڈراپ کر دی اور اٹھ کر گود میں سوئے حمزہ کو عادل کے کمرے میں لے آئی۔ اس کے واپس آنے تک وہ دو بار مزید کال کر چکا تھا۔ وہ ان دونوں سے نظریں چراتی موبائل ہاتھ میں دبائے کمرے میں آگئی۔

اس کا در حقیقت عمر سے بات کرنے کو قطعی جی نہیں چاہ رہا تھا مگر حالات ایسے تھے کہ آگے کنواں' پیچھے کھائی جیسی صورت حال تھی۔

اس کی چوتھی کال روشین نے ریسیو کر ہی لی۔ دل بے ترتیبی سے دھڑک رہا تھا کہ آگے سے جانے کیا کچھ سننے کو ملے مگر وہ بالکل نارمل موڈ میں تھا۔

''کہاں تھیں یار! کب سے ٹرائی کر رہا ہوں۔ کم از کم موبائل تو پاس رکھا کرو۔''

''...یہیں تھی''

وہ مختصراً بولی تو چند لمحوں کے توقف کے بعد وہ اسی ہشاش بشاش لہجے میں بولا۔

''کم آن کیا بچوں کی طرح ناراضگی اوڑھ کے بیٹھ گئی ہو۔ ٹیک اٹ ایز اے جوک (اسے مذاق سمجھو)۔''

مذاق...؟'' روشین کو دھچکا لگا۔''

یہ مذاق ہے آپ کا؟ آپ نے تو میری پوری ہستی کو ہلا کے رکھ دیا ہے۔'' نا چاہتے ہوئے بھی اس کی آواز بھرا گئی تھی۔''

اوفوہ روشی پلیز یار! زمانہ کہاں سے کہاں نکل گیا ہے اور تم ابھی تک ان ہی فرسودہ اصولوں سے چمٹی ہوئی ہو بڑھی''

''روح۔

وہ اس کا مذاق اڑانے لگا۔

میں ایسی ہی ہوں عمر... پلیز اور مجھے ایسے ہی قبول کر لیں۔ میری زندگی کو ایزل پہ لگا پیپر مت بنائیں کہ جس پر آپ''

''اپنی من مرضی کے اسٹروکس لگانا چاہتے ہیں۔

وہ اس سے کہنا چاہتی تھی مگر... وہی کم ہمتی... جو عمر کا اس روز کا غیر متوقع ان سوچا... بلکہ تصور سے بالاتر روپ دیکھ کر پھر سے اس کی روح میں پنجے گاڑ کے بیٹھ گئی تھی۔

میں ایسی ہی ہوں۔'' وہ اتنا ہی کہہ سکی۔''

''خود کو بدلو یار۔ میرے لیے۔''

وہ اسے اکسا رہا تھا۔

روشین کو کراہیت کا احساس ہوا۔

یہ آزادی ہے... جو اپنے منگیتروں کی ہر ضد مانتی ہوں گی۔ وہ بھلا کس حد تک چلی جاتی ہوں گی...؟ یا خدا... رحم کرنا مجھے ...معاف کرنا

...اور وہ... اس کی زندگی کا ہمسفر... ایسی ہی آزادی کا دلدادہ تھا... مادر پدر آزاد

میں جیسی ہوں ویسے ہی بہت مطمئن ہوں۔'' وہ سادہ سے انداز میں بولی تو لحظہ بھر کی خاموشی کے بعد وہ گویا ہوا۔''

سچ میں اس روز کی بات پر سوری فیل کر رہا ہوں روشی۔ اب پلیز تم بھی اسے بھول جائو۔ کسی سے کچھ کہا تو نہیں تم'' نے؟'' وہ پوچھنے لگا۔

اس نے سینے میں دبی سانس خارج کرتے ہوئے تھکے انداز میں کہا۔

''...نہیں''

جی تو چاہا وہ کہہ دے کہ وہ کسی کو بتانے لائق رہی ہی کہاں تھی کہ یہ فیصلہ تو اس نے خود ہی طوق بنا کر گلے میں پہن لیا تھا۔ اب کسی کو کیا منصف کرتی...؟

''گھر میں سنائیں سب کیسے ہیں؟''

وہ دل میں اٹھتے شور سے گھبرا کے بات بدل گئی۔

سب ٹھیک ہیں۔ بلکہ امی تو تمہیں بہت یاد کرتی ہیں۔ کبھی چکر لگاؤ نا۔ بلکہ کچھ دنوں کے بعد میرے دوست کی شادی"

"کا فنکشن ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ اس میں شریک ہو۔

وہ بات کہاں سے کہاں لے گیا تھا۔

روشین چکرا گئی۔

"نہیں... میرا بھلا وہاں کیا کام۔"

"میرا تو ہے نا اور کل کو بھی تو تم نے میرے ساتھ ہی جانا ہے پھر کیا فرق پڑتا ہے۔"

وہ بے پروائی سے بولا تو وہ کڑھی۔

جب کوئی بتانے لائق رشتہ ہو جائے گا سب کو۔ تب میں ضرور جاؤں گی آپ کے ساتھ۔"

اس نے بات پلٹی۔ ادھر وہ بھی شاید شرافت کے موڈ میں تھا۔

"اوکے۔ وقت آنے پہ دیکھی جائے گی۔ تم کیسی ہو...؟"

جی ٹھیک ہوں۔" وہ مجبوراً بولی۔"

"مگر میں ٹھیک نہیں ہوں۔ تین دن ہو گئے ہیں تمہیں دیکھے ہوئے۔"

وہ آہ بھر کے بولا تو وہ دانتوں پہ دانت جما کے رہ گئی۔

"...مجھے سمجھ نہیں آتی کہ آپ نے منگنی کی بجائے ڈائریکٹ شادی کی بات کیوں نہیں کی"

وہ بمشکل اپنے لہجے کی تلخی کو چھپا سکی تھی۔ دوسری طرف عمر نے قہقہہ لگایا۔ پھر معنی خیز انداز میں بولا۔

"...تم بھی میری طرح بہت بے قرار ہو"

لاحول ولا قوۃ..." روشین کا چہرہ تپ اٹھا۔"

"اچھا۔ امی بلا رہی ہیں مجھے۔"

اس نے فون بند کرنے کا بہانہ تلاشا۔

"...انہیں نہیں پتہ میرا فون سن رہی ہو تم"

وہ ناگواری سے بولا جیسے کہیں کا صدر ہو جسے ہر کوئی جانتا ہو۔

"کوئی کام ہو گا تب ہی بلایا ہے۔"

وہ اپنے جھوٹ پر جمی رہی۔

امی ہیں کوئی بچی تو نہیں۔ میرے فون سے زیادہ ضروری کیا کام ہو سکتا ہے..." پھر وہی دھونس... وہی بد تمیزانہ"

...انداز

روشین سلگ اٹھی۔

"مائینڈ یو عمر! دنیا کا ہر کام چھوڑ کر ماں کی بات سننے کا حکم ہے۔"

اچھا ملاتی۔" وہ بے زار کن انداز میں بولا۔"

"کل آؤں گا میں شام کو۔ اکٹھے چائے پیئں گے۔"

پھر اس نے کہا تو روشین نے شکر ادا کیا کہ اب کی بار اس نے کہیں باہر جانے کا پروگرام نہیں بنایا تھا۔ گھر والوں کی موجودگی میں تو وہ ایسا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

☆☆☆☆

رانیہ کا ایک دل کہتا کہ احراز کو ساری کتھا سنا دے۔ واصف کی بلیک میلنگ اس کی دھمکی کے متعلق سب بتا دے مگر پھر خیال آتا کہ اگر اس نے رانیہ کو ہی بے اعتبار ٹھہرایا تو...؟ وہ تو پیچھے جانے کے قابل بھی نہیں تھی کہ میکہ رہا ہی کہاں تھا۔ ...چچی کو سب بتانا قیامت لانے کے مترادف تھا۔ فوزیہ' ثوبیہ کے تعلقات ویسے ہی اس سے ٹھیک نہیں تھے اور چچا

رانیہ کے تاریک پڑتے ذہن میں روشنی کا جھماکا سا ہوا۔

ہاں چچا..." اس کے دل میں امید کی شمع روشن ہونے لگی۔ "پہلے بھی چچا نے میری خاطر بیٹے کو گھر سے نکال دیا تھا۔"

"اب بھی وہ ضرور میرا یقین کریں گے اور واصف بھائی کو سمجھائیں گے کہ میرا گھر آباد ہی رہنے دیں برباد نہ کریں۔

وہ جیسے پھر سے جی اٹھی۔

...آج واصف کے دیے ہوئے ٹائم کا آخری دن تھا اور کل احراز کا پاکستان میں

رشیدہ بیگم سر درد کی دوائی کھا کے سر منہ لپیٹ کے لیٹیں تو نگینہ اور شبینہ بازار کے لیے نکل گئیں۔

احراز کو سوتا چھوڑ کر وہ لائونج میں چلی آئی۔

"...اس وقت پتہ نہیں چچا گھر ملیں یا نہ"

اس نے وال کلاک کی سوئیوں کو دوپہر کے پونے چار بجاتے دیکھ کر مایوسی سے سوچا پھر اللہ کا نام لے کر نمبر ڈائل کرنا شروع کیا اور شاید خدا کی مرضی شامل حال تھی کہ فون چچا ہی نے ریسیو کیا اور اس کا دل اس قدر بھر ایا ہوا تھا کہ سلام دعا کے بعد اس نے باقاعدہ رونا شروع کر دیا۔

چچا گھبرا گئے۔ ان کے استفسار پر رانیہ نے واصف کی کرنی کہہ سنائی تو وہ بھی سناٹے میں رہ گئے۔

اب آپ ہی بتائیں چچا جان میں کیا کروں۔ اگر واصف بھائی کی بات مانوں تو میری زندگی برباد اور اگر نہ مانوں تو وہ پتہ"

"نہیں احراز سے کیا فضول اور جھوٹی باتیں کہہ کر مجھے طلاق دلوا دیں گے۔

وہ پھر سے رونے لگی تو چچا نے اسے تسلیاں دیتے ہوئے واصف سے سختی سے پوچھ گچھ کرنے کا وعدہ کرنے لگے۔

مگر انہوں نے آج تک کا دن دیا تھا پیسے پہنچانے کو..." وہ بے حد خوفزدہ تھی۔"

میں یہاں۔ اپنے گھر میں گھر والوں کے ساتھ احراز کے ساتھ بہت خوش ہوں چچا جان۔ یہ بالکل ویسی ہی زندگی ہے"

جیسی زندگی کے میں خواب دیکھا کرتی تھی مگر واصف بھائی... انہوں نے جیسے اپنے گھر میں میرا جینا مشکل کر دیا تھا

"...ویسے ہی شاید یہاں بھی

اسے تسلی نہیں ہو رہی تھی۔ چچا جان ابھی کے ابھی واصف کو ڈھونڈنے کا کہہ کر فون بند کر گئے تو وہ سن کھڑی رہ گئی۔

یعنی اگر ان کا واصف سے رابطہ نہ ہوا تو... وہ انہیں نہ ملا تو...؟

وہ تھکے تھکے انداز میں ریسیور رکھ کے وہاں سے اٹھی تو وہ پلٹتے ہوئے پیچھے کھڑے احراز سے ٹکراتے بچی۔

رانیہ کی جیسے کوئی جان نکال کر لے گیا ہو۔

... خشمگیں نگاہوں سے اسے دیکھتا وہ جانے کب سے اس کی باتیں سن رہا تھا

☆☆☆☆

میرے ذہن میں ایک پلان بہت دنوں سے ہلچل مچا رہا ہے۔" سکندر حیات نے ہاتھ میں تھامی فائل ٹیبل پر رکھتے ہوئے بند کر دی اور مسکرا کے بولے۔

جواباً وہ بھی مسکرا دیا پھر کہنے لگا۔

"شاید آپ راشد انڈسٹریز والوں سے ڈیل میں انٹرسٹڈ ہیں۔"

"اوہوں..." انہوں نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔ "تمہارے متعلق بات کر رہا ہوں۔"

کیا...؟" وہ بے اختیار پوچھنے لگا۔"

تم تنہا رہنے سے الرجک ہو اور میرے گھر کے اوپری پورشن میں دو کمرے خالی پڑے ہیں۔ کیوں نہیں فائدہ اٹھاتے"

یار..." وہ بے تکلفی سے بولے۔

"ارے نہیں..." وہ جھینپا۔ "میں کہیں پے انگ گیسٹ رہنا چاہتا ہوں۔"

چلو وہی سہی۔ جتنا جی چاہے کرایہ دے دینا۔ وہاں تمہیں گھر کے ساتھ ساتھ گھر والے بھی ملیں گے۔'' وہ بشاشت''
بھرے انداز میں بولے۔

ذہن میں اس پل خیال سا لہرایا کہ فرحین کا جوڑا اس کے ساتھ بے حد مناسب رہے گا اور یقیناً وہ مان بھی جاتا۔

ہو سکتا ہے کہ آپ کے گھر والے اسے مناسب خیال نہ کریں۔'' وہ محتاط لفظوں میں بولا تو انہوں نے ہاتھ ہلا کر گویا''
مکھی اڑائی۔

''اس گھر کا گھر والا میں ہی ہوں اور مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ وہ پورا گھر تمہارا ہے۔''

مگر ہو سکتا ہے کہ کل کو آپ ہی کو پچھتاوا ہو۔ آپ مجھے جانتے ہی کتنا ہیں۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔''

شاید خود سے زیادہ جاننے لگا ہوں تمہیں۔ پتہ نہیں کیا کشش کھینچتی ہے مجھے تمہاری طرف ورنہ میں اس قدر نرم''
''...مزاج نہیں ہوں

انہوں نے بھی اسی کے سے انداز میں کہا تو وہ متاثر کن نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے ایک بار پھر بولا۔

''مگر آپ عادل بھائی سے ایک بار میرا مکمل تعارف ضرور لے لیں پھر شاید آپ کے خیالات بدل جائیں۔''

میں تمہیں عادل کے نہیں۔ اپنے ناتے سے جانتا ہوں۔ ہم بزنس پارٹنر ہیں اور اچھے دوست بھی۔'' انہوں نے باور''
کرایا۔

لیکن یوں... اچھا نہیں لگتا...'' وہ ہچکچایا۔''

''تم بس یہی سمجھ لو کہ کرائے کے مکان میں شفٹ ہو رہے ہو۔''

انہوں نے اس کی رضامندی پا کر خوش دلی سے مشورہ دیا تو اس نے ہتھیار ڈالنے والے انداز میں شانے جھٹک دیے۔

''تو پھر بے شک آج ہی آجائو۔''

اوکے۔ اوکے۔'' وہ بے ساختہ ہنس دیا۔''

☆☆☆☆

سکندر حیات نے آسیہ بیگم سے اس سلسلے میں سرسری بات کی۔ وہ بھی اس ضمن میں کہ اوپری کمروں میں جھاڑ پونچھ کرانے کی مجبوری تھی۔

جوان بچیاں ہیں گھر میں...“ انہوں نے دبے لہجے میں اعتراض کیا۔ ”جانتا ہوں میں۔ ایک تم ہی عقلِ کل نہیں ہو اس گھر میں...“ وہ انہیں پھاڑ کھانے کو دوڑے پھر دبنگ لہجے میں بولے۔ ”میں نے جتنا کہا ہے اتنا کر دو۔ میرا پورا ارادہ ہے کہ میں فرحین کی شادی اسی سے کروں۔ آئیڈیل لڑکا ہے وہ...“ آخر مینانہوں نے دھماکا ہی تو کر دیا تھا۔ فرحین نے تو جب سے سنا تب سے ایک پائوں پہ ناچ رہی تھی۔ ”آنے دو اسے۔ ہو گا کوئی سکندرحیات کی فوٹو کاپی۔ منہ نوچ لوں گی میں اس کا۔“ روشین کو اس سنجیدہ صورت حال میں بھی اس کے انداز پہ ہنسی آ گئی۔ ”بہت خوش ہو رہی ہو۔ تمہاری ہی بددعا لگی ہو گی جو یوں اب میرے پر بھی کترے جا رہے ہیں۔“ وہ اس پر چڑھ دوڑی۔ روشین نے گھبرا کے کہا۔ ”نہیں میں نے تو یوں ہی... مجھے دراصل ”تنہائیاں“ کا قباچہ یاد آگیا تھا جانے کیوں...؟“ ”خیر تمہارے قباچے سے تو اچھا ہی ہوگا۔“ وہ فوراً ہی پلٹ گئی اور طنزیہ بولی۔ ”تو پھر آرام سے بیٹھ جائو۔ کیوں ٹاپ رہی ہو...“ روشین نے سادگی سے کہا تو اس نے روشین کو باقاعدہ گھور کے دیکھا پھر آسیہ بیگم سے الجھنے لگی۔ ”ہمیں کیا قربانی کا بکرا سمجھ رکھا ہے ابو نے۔ اپنے احسانوں کے بدلے ہمیں بھینٹ چڑھا ئے دے رہے ہیں۔“ ”کیا فضول بولتی رہتی ہو...“ آسیہ بیگم نے اسے جھڑک دیا۔ ”ایسے ہی تھوڑی تمہیں کھائی میں دھکا دے دیں گے...“ ”یہی تو ڈر ہے مجھے امی جان! اس گھر میں بڑا دیکھ بھال کے دھکا دینے کا رواج ہے۔“ وہ تلخی بھرے طنزیہ لہجے میں بولی تو آسیہ بیگم چپ رہ گئیں۔ ”فضول باتیں مت کرو فری! کون سا تمہارا رشتہ طے ہو چکا ہے وہاں...“ روشین نے ماں کی بے بسی محسوس کرتے ہوئے فرحین کو ٹوکا تو وہ تڑخ کر بولی۔ ”ابو نے کہہ دیا تو سمجھو ہو گیا مگر آپ لوگ لکھ کے رکھ لیں۔ میں ایسا کبھی نہیں

ہونے دوں گی۔ ابو کی پسند کے شخص کو میں اپنا شوفر تو بنالوں گی مگر ''...شوہر... ناممکن

وہ غصے میں چنگیز خان کی اولاد لگنے لگی تھی۔
بہت خوب۔ بہت اچھی تقریر تھی۔ الفاظ کا چنائو بہت زبردست بلکہ اندازِ بیان '' تو بہت ہی متاثرکن تھا مگر سامعین غلط ہیں۔ یہ تقریر جا کے ابوجان کے سامنے جھاڑو تاکہ وہ اچھی طرح سے تمہارے خیالات پر جھاڑو پھیریں۔''
روشین نے بہت ٹھنڈے لہجے میں کہا تو وہ تنکی۔
''مجھے چیلنج مت کرو روشین بی بی! تم جانتی ہو میں کیا کر سکتی ہوں۔''
اچھا۔ اچھا۔ یہ بحث بند کرو اب۔'' آسیہ بیگم ہی کو پھر سے ریفری کے '' فرائض سرانجام دینے پڑے۔ پھر وہ فرحین کو سمجھانے لگیں۔
ابھی تو انہوں نے محض اپنا عندیہ ظاہر کیا ہے۔ وہ بھی شاید اس لیے کہ ہم '' لوگ اس کی خاطر خدمت میں کوئی کمی نہ چھوڑیں۔ ساری بات ایک طرف سے تھوڑی طے ہو جاتی ہے۔ آخر کو لڑکے کے بھی گھروالے ہوں گے۔ ''انہوں نے اپنے منہ سے تھوڑی رشتہ دے دینا ہے۔ تم فکر مت کرو۔
لوجی! ابھی سے ہی میری فکرمندی کے دن شروع ہوئے ہیں۔ بلکہ آپ فٹافٹ '' خود سے میرا رشتہ ڈھونڈنا شروع کریں۔ میں ابو کو اپنی طرف سے کسی ''قربانی کی خوشی حاصل نہیں ہونے دینا چاہتی۔
وہ چمک کر بولی تو ان دونوں ہی کو اس کے انداز پر ہنسی آ گئی۔
آپ لوگوں کو تو کوئی فرق پڑتا ہی نہیں ان کے ظلم وستم سے۔ ایسی عادی '' ''ہوئی ہیں آپ دونوں۔
فرحین نے طنز کیا تو روشین ٹھنڈی سانس ہی بھر سکی کہ کچھ کہنا' اپنے دکھ ''پھرولنا'' شاید اس کے نصیب میں نہ تھا۔
تمکین حمزہ کو سلا کر آئی تو فرحین نے فوری طور پر اسے ساری بات

پہنچائی۔
''اب آپ ہی بتائیے۔ مجھے اپنی زندگی خود جینے کا حق نہیں ہے؟''
آخر میں وہ بے حد جذباتی ہو کر پوچھنے لگی تو آسیہ بیگم نے ہاتھوں میں سر تھام لیا۔ تمکین صورت حال بھانپ گئی۔
اوفوہ۔ بھئی تم تو یوں ہی مفت کی پریشانی لے کے بیٹھ گئی ہو۔ ہم سب ہیں '' نا اس طرح کے معاملات دیکھنے کے لیے اور اب تو ابو بھی کافی بدل گئے ہیں جب سے ہم یہاں شفٹ ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنا مزاج نہیں دکھایا۔ ایسی کوئی بات ہوئی بھی تو تمہارے بھائی صاحب ہیں نا۔ بغاوت کا علَم اٹھانے کے لیے۔'' تمکین نے اسے حوصلہ دیا تو وہ مسکرا دی۔
اتنی مشکلوں سے تو آپ کی واپسی ہوئی ہے پھر سے نکلنے کا ارادہ ہے ''
''کیا؟

بدفالیں مت نکالو منہ سے۔'' آسیہ بیگم نے اسے ٹوکا۔''
بہرحال۔ وہ شخص آجائے تو اسے پچھلے راستے سے سڑھیاں چڑھا کر اوپر ''
''پہنچا دیا جائے ورنہ میں اسے ''بالکل اوپر'' بھی پہنچا سکتی ہوں۔
فرحین نے اٹل انداز میں اپنا عزمِ بیان کیا تو وہ بے بسی سے اسے دیکھ کے رہ گئیں۔
* * * *
بہت سوچ بچار کرنے کے بعد بالآخر اس نے سکندر حیات کی آفر سے فائدہ اٹھانے کی سوچ ہی لی تھی اور انہیں فون کر دیا۔
ویری گڈ۔ پورشن بالکل ریڈی ہے۔ تم بس اپنے کپڑے اور اشد ضرورت کا '' سامان لے لو۔ باقی وہاں ہر شے موجود ہے۔'' وہ اس کے فیصلے پر خوش ہوئے تھے۔
فرنیچر وغیرہ تو نہیں چاہیے ہو گا؟'' وہ پوچھنے لگا۔''

ارے نہیں۔ ایکچولی شادی سے پہلے عادل رہتا رہا ہے وہاں۔ اب تو وہ نیچے ''
ہی ہوتا ہے ماں کے پاس۔'' انہوں نے بتایا۔
...اور اب
وہ پے انگ گیسٹ کے طور پر ان کے گیٹ کے باہر کھڑا تھا۔ بہت دفعہ بیل
کرنے پر بھی کوئی باہر نہ نکلا تو اسے احساس ہوا کہ شاید بجلی نہیں تھی۔
اس نے یوں ہی گیٹ کو دبایا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ گہری سانس بھرتا وہ اپنا بڑا
سا سفری بیگ کندھے پہ ڈالے سوٹ کیس دھکیلتا اندر چلا آیا۔
داہنی سائیڈ پہ وسیع لان تھا۔ پورچ اس وقت خالی تھا۔ وہ جائزہ لیتا دروازہ
کھول کر سامان لیے اندر داخل ہو گیا۔
کوریڈور کے آخری سرے پر ٹی وی لائونج تھا اور وہاں سے باتوں کی آوازیں
آ رہی تھیں۔
وہ کھنکھار کر خود کو پُراعتماد کرتا اندر داخل ہوا تو وہاں موجود سب ہی
نفوس ایک دم سے خاموش ہو کر آنے والے کو دیکھنے لگے۔ اس نے سلام
کیا۔
مجھے سکندر حیات صاحب نے بھیجا ہے۔ وہ شاید اوپری پورشن کرائے پر ''
''دینا چاہتے ہیں۔
بہت شائستگی سے اس نے اپنی آمد کی وضاحت کی تو ضبط کرتے کرتے بھی
اسے دیکھ کر مارے خوشی ومسرت کے فرحین چیخ اٹھی۔
جہاں آنے والے کو دیکھ کر سب دنگ رہ گئے وہیں ضبط نہ کرتے ہوئے
فرحین خوشی و مسرت سے چیخ اٹھی۔

''ریان بھائی...! واٹ اے سرپرائز۔''
آسیہ بیگم کے چہرے پر بھی اطمینان بھری مسکراہٹ پھیل گئی۔ تمکین ہنستی
ہوئی ریان سے مل رہی تھی اور وہ اس کی گود سے حمزہ کو لے کر اپنے
مخصوص انداز میں ہوا میں اچھا ل رہا تھا۔

خوشی٬ مسرت٬ اطمینان٬ ہر شے تھی اس پل وہاں٬ مگر وہیں اس لائونج کے ایک صوفے میں دھنسی روشین سکندر حیات نے خود کو بے جان ہوتا محسوس کیا تھا۔
وہ جس کے سائے سے بھی بچنا چاہ رہی تھی٬ جسے نہ دیکھ کر وہ خود کو یقین دلاتی رہتی تھی کہ وہ اس کی زندگی میں ہے ہی نہیں٬ آج ایک اٹل حقیقت اور روزِ روشن کی طرح اس کے سامنے آن کھڑا ہوا تھا مگر کس طرح... کہ اسے مکمل طور پر نظر انداز کرتے ہوئے وہ اس کے سامنے موجود ہوتے ہوئے بھی گویا کہیں نہیں تھی۔
تمکین فوراً بھائی کی محبت میں سرشار اس کے لیے کچھ کھانے پینے کا انتظام کرنے بھاگی۔
''تو آپ ہیں وہ سرپرائز۔ ابو کے نئے بزنس پارٹنر۔''
فرحین بے حد خوش تھی۔ ریان نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا تو فرحین نے اوپر دیکھا۔
''شکر ہے خدایا٬ ابو نے زندگی میں کوئی تو بہترین کام کیا۔''
فری! بدتمیزی مت کرو۔'' آسیہ بیگم نے فوراً ہی اسے ڈانٹ دیا تو اس نے '' کان پکڑ لیے۔
میں تو بہت پریشان تھی کہ جانے بھرے پرے گھر میں یہ کس کو اٹھا لے '' آئیں۔ مگر اب ساری پریشانی دور ہوگئی ہے۔'' آسیہ بیگم کی طمانیت ان کے لب و لہجے سے ظاہر تھی۔
سب مطمئن تھے٬ خوش تھے اور روشین طوفانوں میں گھری تھی۔
تو یہ ہے وہ شخص جسے ابو نے فرحین کے لیے پسند کیا ہے...؟ فق پڑتا چہرہ لیے وہ تیزی سے اٹھ کر چلی گئی۔
فرحین نے ناپسندیدہ اور ریان نے نگاہ غلط انداز اس پر ڈالی مگر دونوں ہی خاموش رہے۔
جانے وقت کیا کھیل کھیلنے والا تھا اور اس کی بساط پر کسے شہ اور کسے ...مات ہونے والی تھی

یہ خدا ہی بہتر جانتا تھا۔
* * *

آپ! آپ کب آئے؟'' وہ ہکلائی۔'

اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ جسے سوتا چھوڑ آئی تھی وہ یوں اس کے سر پر آن کھڑا ہو گا۔

کس کا فون تھا؟'' وہ کڑے تیوروں کے ساتھ پوچھ رہا تھا۔ رانیہ کا حلق خشک ہونے لگا۔''

''چچا جان کا۔''

اس کی پھنسی پھنسی آواز نکلی۔ احراز کا متوقع ردعمل سوچ کر اس کی آنکھیں آنسوئوں سے لبریز ہو گئیں۔

وہ جانے کب سے وہاں کھڑا اس کی گفتگو سن رہا تھا۔

یعنی جس ڈر سے وہ بلیک میل ہونے جا رہی تھی وہ خود بخود سامنے آ گیا تھا۔

ادھر آئو۔'' وہ اسی لہجے میں کہتا اسے کلائی سے تھام کر کمرے کی طرف بڑھا۔ وہ بے جان قدموں کے سنگ اس کے'' ساتھ گھسٹتی چلی گئی۔

احراز پلیز' میں بے قصور ہوں۔ میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔'' وہ گھگھیائی مگر احراز دروازہ بند کر کے پلٹا تو اس کے'' تیور بدلے ہوئے تھے۔

ہونٹوں پر شوخ مسکراہٹ اور چہرے پر وہی نرم تاثر۔''

''اس سے برا اور کیا کرو گی کہ میں سو رہا تھا اور مجھے اکیلا چھوڑ کے چلی گئیں اپنے چچا کا فون سننے۔''

وہ اس کی طرف بڑھا جو سنگی مجسمے کی طرح ساکت و جامد کھڑی تھی۔ دونوں شانوں سے تھامتے ہوئے وہ وفورِ جذبات سے بولا۔

اور قصور کیوں نہیں ہے تمہارا' مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا تم نے رانی۔ کھینچ لیتی ہو یار۔ کیا شے ہو تم۔ کیا بنے گا میرا''

''تمہارے بغیر۔

وہ اسے بانہوں میں بھرے بے بسی سے کہہ رہا تھا اور رانیہ کے بے بس آنسو اس کی قمیص کا گریبان بھگوتے جا رہے تھے۔

قیامت ابھی بھی اس کے سر پر کھڑی تھی۔

☆☆☆☆

فرحین رات گئے کمرے میں داخل ہوئی تو اس کا خیال تھا کہ روشین ابھی تک خوابِ خرگوش کے مزے لے رہی ہو گی مگر اسے پنڈولم کی طرح کمرے میں چکراتے دیکھ کے حیران ہو گئی۔ پھر اسے یکس
نظر انداز کرتی اپنے بیڈ کی طرف بڑھی اور دھڑام سے گر کر جمائی لینے لگی۔
''یہ ٹائم ہے تمہارا سونے کا۔ کالج نہیں جانا صبح...؟''
اس نے فرحین کا یوں نظر انداز کرنا محسوس تو کیا مگر اندر اٹھتا بھونچال اس کی انا کے سر پر پائوں رکھ کے کھڑا ہوگیا تھا۔ تبھی اس کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے روشین نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا تو وہ حیران ہوکر اسے دیکھنے لگی۔ پھر جتانے والے انداز میں کہا۔
''سوئی تو ابھی تم بھی نہیں۔ تمہیں کیا یونیورسٹی نہیں جانا...؟''
اس کے جوابی حملے نے روشین کو حقیقتاً سٹپٹادیا لیکن درحقیقت وہ ریان کے اس طور سامنے آنے پر بہت ڈسٹرب ہوچکی تھی تبھی تو لگی لپٹی رکھے بغیر قدرے غصے سے بولی۔
''وہ یہاں کیوں آیا ہے؟''
وہ! کون وہ؟'' فرحین کی اداکاری کمال کی تھی۔ پھر جیسے سمجھتے ہوئے ''
بولی۔

اچھا وہ...'' اس نے ''وہ'' کو لمبا کھینچا۔''

وہ' جس کی وجہ سے آج تمہیں اپنا کھانا گول کرنا پڑا کیونکہ آج ابو کے ''
''مہمانِ خاص کی دعوت ڈائننگ ٹیبل پر تھی۔

فرحین کا انداز بھی تیر سے کم نہ تھا۔

''ہاں وہی۔ کیوں آیا ہے وہ یہاں؟''

وہ مضطرب تھی۔ فرحین نے بغور اس کی آنکھوں کی سرخی کو دیکھا تو احساس ہوا کہ وہ شاید تھوڑے بہت آنسو بھی بہا چکی تھی۔

بے کار ہے سسٹر۔ یہ ٹوٹا پھوٹا احتجاج بے کار ہے۔ کب تک یوں فاقے '' کروگی۔ وہاں نہ صرف ابو بلکہ امی بھی اسی بات پر متفق ہیں کہ اب ریان صاحب ناشتہ تو نہ سہی مگ

نظر انداز کرتی اپنے بیڈ کی طرف بڑھی اور دھڑام سے گر کر جمائی لینے لگی۔

''یہ ٹائم ہے تمہارا سونے کا۔ کالج نہیں جانا صبح...؟''

اس نے فرحین کا یوں نظر انداز کرنا محسوس تو کیا مگر اندر اٹھتا بھونچال اس کی انا کے سر پر پائوں رکھ کے کھڑا ہوگیا تھا۔ تبھی اس کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے روشین نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا تو وہ حیران ہوکر اسے دیکھنے لگی۔ پھر جتانے والے انداز میں کہا۔

''سوئی تو ابھی تم بھی نہیں۔ تمہیں کیا یونیورسٹی نہیں جانا...؟''

اس کے جوابی حملے نے روشین کو حقیقتاً سٹپٹادیا لیکن درحقیقت وہ ریان کے اس طور سامنے آنے پر بہت ڈسٹرب ہوچکی تھی تبھی تو لگی لپٹی رکھے بغیر قدرے غصے سے بولی۔

''وہ یہاں کیوں آیا ہے؟''

وہ! کون وہ؟'' فرحین کی اداکاری کمال کی تھی۔ پھر جیسے سمجھتے ہوئے '' بولی۔

اچھا وہ...'' اس نے ''وہ'' کو لمبا کھینچا۔''

وہ، جس کی وجہ سے آج تمہیں اپنا کھانا گول کرنا پڑا کیونکہ آج ابو کے ''
''مہمانِ خاص کی دعوت ڈائننگ ٹیبل پر تھی۔
فرحین کا انداز بھی تیر سے کم نہ تھا۔
''ہاں وہی۔ کیوں آیا ہے وہ یہاں؟''
وہ مضطرب تھی۔ فرحین نے بغور اس کی آنکھوں کی سرخی کو دیکھا تو احساس ہوا کہ وہ شاید تھوڑے بہت آنسو بھی بہا چکی تھی۔
بے کار ہے سسٹر۔ یہ ٹوٹا پھوٹا احتجاج بے کار ہے۔ کب تک یوں فاقے '' کروگی۔ وہاں نہ صرف ابو بلکہ امی بھی اسی بات پر متفق ہیں کہ اب ریان صاحب ناشتہ تو نہ سہی مگر کھانا لازمی ہمارے ساتھ کھایا کریں گے۔ ناشتے
''کی چھوٹ ان کی ضد کی وجہ سے دی گئی ہے۔
فرحین کی اطلاع نے اسے سُن کردیا۔
''وہ اپنے گھر میں جاکر کیوں نہیں رہتا۔ اچھا بھلا گھر ہے اس کا۔''
ر کھانا لازمی ہمارے ساتھ کھایا کریں گے۔ ناشتے کی چھوٹ ان کی ضد کی
''وجہ سے دی گئی ہے۔
فرحین کی اطلاع نے اسے سُن کردیا۔
وہ اپنے گھر میں جاکر کیوں نہیں رہتا۔ اچھا بھلا گھر ہے اس کا۔''
اس کے اندر بہت کچھ ٹوٹ رہا تھا۔ بھلا وہ یوں رات دن سامنے رہے اور وہ پتھر بنی رہے۔ اتنی مضبوط تو وہ کبھی بھی نہ رہی تھی۔
تمہیں کیا اعتراض ہے روشی؟'' فرحین نے پرسکون لہجے میں کہتے ہوئے اسے دیکھا تو وہ غصے سے بولی۔''
''ایک اجنبی شخص دن رات یوں سر پر سوار رہے تو کیا ڈسٹربنس نہیں ہو گی۔''
سر پر یا... ذہن پر؟'' فرحین نے قدرے توقف کے بعد ذو معنی انداز میں پوچھا تو اس کی رنگت تپ اٹھی۔''
''شٹ اپ فری۔ فضول گوئی مت کرو۔ میری منگنی ہو چکی ہے۔''

"تو پھر کیا مسئلہ ہے؟" فرحین نے بے زاری سے پوچھا۔"

"مسئلہ یہ ہے کہ وہ یہاں نہیں رہے گا۔" وہ قطعیت سے بولی۔"

"تو ابو سے جا کے کہو نا۔ ان سے ویسے بھی تمہاری کیمسٹری خوب ملتی ہے۔ ایک دوسرے کی باتیں مان اور سمجھ لیتے ہو۔"

فرحین کے طنز کو وہ پی گئی۔ اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ کس طرف اشارہ کر رہی ہے۔

"تم سب احتجاج کرو گے تو ہی وہ مانیں گے۔"

اس بار وہ تنہا تھی وگرنہ تو سکندر حیات کے غلط طرزِ عمل کے خلاف سبھی اٹھ کھڑے نہ بھی ہوتے تو لفظی احتجاج ضرور کرتے تھے۔

"کیوں؟ ہمیں کیا تکلیف ہے بھلا۔ جسے ہے وہ کرے احتجاج۔" فرحین نے بے پروائی سے کہتے ہوئے تکیہ منہ پر رکھ لیا۔

روشین پیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔

"ہاں! مجھے ہے تکلیف۔ وہ اس طرح بنا کسی حق کے ہمارے گھر میں کیسے دندنا سکتا ہے۔"

اس کی بات سن کر فرحین نے چند لمحوں کے بعد تکیہ منہ پر سے ہٹایا اور بے حد سنجیدگی سے بولی۔

"حق تو شاید کچھ عرصے میں اس کا بن ہی جائے۔ تم نے سنا نہیں ابو اسے کس نظریے سے اس گھر میں لائے ہیں۔"

فرحین کی بات سن کر اس کے ذہن میں جھکڑ سے چلنے لگے۔

(تو کیا "سب" جانتے ہوئے بھی یہ راضی ہے۔ وگرنہ تو سب سے پہلے احتجاج اسی کی جانب سے آتا)۔

روشین آہستگی سے پلٹی تو فرحین کی آنکھوں میں اس کے لیے تاسف اتر آیا۔

☆☆☆☆

میری آنکھوں پہ تھا لہو کا عذاب

میری آنکھوں کو تو نے خواب دیئے

میں اندھیروں کے پیراہن میں تھی

میں چراغوں کی لو سے ڈرتی تھی

میرے قدموں کو آفتاب دیئے

مجھ کو اپنے پہ اختیار نہ تھا

مجھ کو احکامِ انتخاب دیئے

کتنے الجھے سوال تھی میری ذات

سب کو کیسے سجل جواب دیئے

سن کر میرا فسانۂ غمِ دل

کتنے عنوان، کتنے باب دیئے

میرے آنچل کے سارے خار چن کر

اور میری گود میں گلاب دیئے

میرے ایک ایک دکھ کو یاد رکھا

اور سکھ سارے بے حساب دیئے

رانیہ پژمردہ تھی۔

اس کی زندگی میں بہار وہ تھا' زندگی کا ہر رنگ وہ تھا اور اب وہ دور جا رہا تھا تو گویا زندگی کے کینوس کو بے رنگ کر رہا تھا۔

احراز آج صبح ہی سے پتہ نہیں کہاں گیا ہوا تھا۔

"کتنی ہی بار موبائل ٹرائی کر چکا ہوں مگر کوئی جواب موصول نہیں ہو رہا۔"

ابرار کوفت میں مبتلا تھا۔

خدا خیر ہی کرے۔ ایک بار تو سیٹ آگے کروا چکے ہیں۔" نگینہ نے تنک کر کہا تو رانیہ چور سی بن گئی۔"

"دوست تو اتنے زیادہ اس کے ہیں نہیں۔ ذیشان ہی سے پتہ کرتے۔"

رشیدہ بیگم بھی پریشان تھیں۔

اتنا غیر ذمہ دار تو وہ کبھی بھی نہ رہا تھا۔ ابھی تک گھر سے نکلتے ہوئے سیاق وسباق بتا کر جاتا تھا مگر آج ناشتے کے بعد گھر سے باہر نکلا تو بنا کچھ بتائے۔ وہ تو یہی سمجھیں ذرا چہل قدمی کے لیے نکل رہا تھا مگر اب تین چار گھنٹے ہو چکے تھے اور احراز کا کچھ پتہ نہ تھا۔

اب سے ٹھیک دو گھنٹے کے بعد اسے فلائٹ پکڑنی تھی۔

تمہیں بھی کچھ بتا کر نہیں گیا؟" نگینہ نے بلا مبالغہ کوئی چوتھی مرتبہ رانیہ سے پوچھا۔ حالانکہ اس نے پہلی بار ہی نفی" میں جواب دے دیا تھا مگر بعض لوگ ہوتے ہیں نالیموں کے خالی چھلکے سے رس نکالنے کے عادی۔ نگینہ کا شمار بھی انہی لوگوں میں ہوتا تھا۔

"اوفوہ۔ اسے کچھ بتا کر جاتا تو بتا نہ دیتی۔"

صورت حال ایسی تھی کہ رشیدہ بیگم بھی جھلاہٹ کا شکار تھیں۔ نگینہ منہ بنا کر رہ گئی۔

"میرے خیال میں تو ان کا دل ہی نہیں کر رہا واپس جانے کو۔"

ابرار نے اطمینان سے رائے زنی کی۔ رانیہ کے لیے اور شرمندگی۔

بھلا اور کیا وجہ ہو سکتی ہے احراز کے دل نہ "کرنے" کی؟

اور پھر خدا نے کیا تو وہ کچھ دیر تک آن پہنچا۔

کیا' کہاں' کدھر... ڈھیروں سوال۔"

وہ ہنس دیا۔

"یونہی کچھ لوگوں سے ملنا تھا۔"

"ابھی یاد آیا ہے تمہیں لوگوں سے ملنا۔ فلائٹ میں وقت ہی کتنا رہ گیا ہے۔"

رشیدہ بیگم ناراض ہوئیں۔

"ایک قرضہ چکانا تھا امی! اور چلے تو جانا ہے آج نہیں تو کل' کل نہیں تو پرسوں۔"

وہ انہیں ٹالتا شاور لینے کا کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا ساتھ ہی رانیہ کو بھی اشارہ کیا۔

"جو چیزیں رہ گئی ہیں وہ بھی میرے چھوٹے بیگ میں رکھ دو۔"

وہ اس کے پیچھے کمرے میں آگئی۔ اس سے کوئی بات کیے بغیر وہ شاور لینے گھس گیا۔ رانیہ اس کی تمام چیزیں پہلے ہی پیک کر چکی تھی۔ ابھی تو یونہی اس نے کہا تو وہ اس کے پیچھے چلی آئی تھی۔

بیڈ کے کنارے ٹکی وہ اس کے انتظار میں تھی۔ آنکھیں بار بار بھر آتیں۔

تو یہ پیار بھرے دن اور سہانی راتیں ختم ہو چلیں؟ دوری کتنی بری شے ہے اور جدائی عذاب۔

وہ بار بار ہتھیلیوں سے رگڑ رگڑ کر آنکھیں صاف کرتی اور اتنی ہی بار دوبارہ آنکھوں سے سیل رواں ہو جاتا۔

"اب بس بھی کرو۔ کیوں آنکھوں کا ستیاناس کر رہی ہو۔"

وہ جانے کس شدت سے جدائی کے کرب کو محسوس کرنے میں گم تھی۔ اس کی آواز پر چونکی۔

پینٹ میں ملبوس' اوپری جسم کو تولیے سے رگڑ کر خشک کرتا وہ اسی کی طرف متوجہ تھا۔

وہ اضطراری انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تم نے وعدہ کیا تھا اب نہیں روئو گی۔''

وہ تولیے سے بال رگڑتا اس کی طرف آیا اور اسے یاد دلانے لگا۔ رانیہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

''مجھے جاتے ہوئے تمہاری ہنستی ہوئی پیاری سی شکل ساتھ لے جانی ہے نہ کہ یہ روتی بسورتی سرخ ناک والی۔''

وہ انگلی سے اس کی ناک کی سرخ نوک کو چھو کر محبت سے بولا تو وہ تیزی سے آگے بڑھی اور اس کے اپنے بیچ سارے فاصلے سمیٹ گئی۔

احراز خوشگوار سے احساس میں گھر گیا۔ اس کی بانہوں کا گھیرا اس مخملیں وجود کے گرد تنگ ہونے لگا۔

اگر کبھی میری یاد آئے

تو چاند راتوں کی نرم دلگیر روشنی میں

کسی ستارے کو دیکھ لینا

اگر وہ نخلِ فلک سے اڑ کر تمہارے قدموں میں

آگرے تو

یہ جان لینا وہ استعارہ تھا میرے دل کا

اگر نہ آئے' مگر یہ ممکن ہی کہاں ہے کہ تم

کسی پہ نگاہ ڈالو

تو اس کی دیوارِ جاں نہ ٹوٹے

وہ اپنی ہستی نہ بھول جائے

اس کا دل پذیر لمس اور پر حدت سرگوشیاں۔

رانیہ کو اپنا آپ ہلکا پھلکا ہو کر ہوا میں تحلیل ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

...اتنی محبت' اتنی چاہت

"چلو ٹھیک ہے۔ دل تو بہت کچھ کہتا ہے مگر دل کا کہنا کیا۔ ٹائم بہت تھوڑا رہ گیا ہے۔"

اس کے بعد وہ تیزی سے بنیان اور شرٹ پہن کر تیار ہوا۔ بال بنا کر جوتے پہنے اور نکلنے کو ریڈی

ابرار کو آواز دی تو وہ آکر اس کا سوٹ کیس لے گیا جبکہ احراز نے چھوٹا سفری بیگ اور کاغذات والا وینٹی بیگ سنبھالا۔

رانیہ کو ڈھیر سارا پیار کیا۔ گھر والوں کو خصوصاً رشیدہ بیگم کا خیال رکھنے اور صبر اور برداشت سے کام لینے کی نصیحت کی۔

"اور پلیز میری ایک بات مان لینا رانی۔ میرے بغیر کبھی اپنے میکے مت جانا۔"

آخر میں وہ بولا تو رانیہ بے تحاشا چونکی۔

تمہارا قرض اتار کے جا رہا ہوں میری جان۔ مجھ سے زیادہ تمہیں کون جانے گا۔ تم تو لہو بن کر میری رگوں میں دوڑ""

رہی ہو۔ مل آیا ہوں میں واصف سے۔ میں نے کہا تم کہاں مجھے ملنے آتے' میں ہی آگیا ہوں بھائی۔ لائو دو کون سے

"ثبوت مجھ تک پہنچانے تھے۔ بس اس کی ساری آوارگی ہوا ہو گئی۔ اب سارا معاملہ ختم ہو چکا ہے۔

دھیمے لہجے میں کہتا وہ رکا اور اس کی تحیر سے پھیلی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے ذو معنی انداز میں بولا۔

"اسی لیے تو کہتا ہوں جان' اعتبار کیا کرتے ہیں۔"

"...احراز"

شدت جذبات سے چور انداز میں کہتی وہ اس کے سینے سے لگ گئی۔اس روز یقیناًوہ سب سن کر سمجھ چکا تھا۔

وہ ہنسنے لگا۔

"مجھے لگ رہا ہے اس بار بھی فلائٹ مس کرائو گی۔"

مگر رانیہ پر تو ابھی کھلا تھا کہ وہ احراز سے کتنی محبت کرتی تھی۔ایسا روشن دل اور دماغ والا شخص

اسے احراز پر اس قدر پیار آرہا تھا کہ جس کی حد مقرر نہ تھی۔ مگر جدائی کے یہ کمینے پل۔

وہ سدا کی شرمیلی' احراز کی وارفتگیوں پر سراسیمہ ہو جانے والی۔

مگر جدائی کے ان لمحات میں اس نے اپنے اس پیار کا اظہار کر ہی دیا۔

"...بہت شکریہ جی"

وہ شوخی سے کہتا اس کے سامنے جھکا تو سرخ چہرہ لیے رانیہ بھیگی سی ہنسی ہنس دی۔

احراز نے پیاسی نگاہوں میں اس کی ہنستی ہوئی موہنی صورت بھری اور خدا حافظ کہہ کے نکل گیا۔

"فی امان اللہ۔"

رانیہ کا رواں رواں دعا گو تھا۔

☆☆☆☆

ریان اس گھر میں کیا آیا' اس گھر کے مکینوں پر زندگی کا ایک نیا باب کھل گیا۔

خوشیاں' قہقہے' ہنسی مزاح۔

رات کو آفس کے بعد وہ آن موجود ہوتا تھا اور پھر رات دیر تک ان سب کی محفل جمتی۔ کبھی سکندر حیات بھی ہوتے اور

کبھی ان کے بغیر' وہ نو بجے کے بعد سونے چلے جاتے تھے۔

مگر رات کے کھانے سے لے کر سونے تک کا یہ وقت روشین کے لیے تو گویا ایک امتحان ہی بن گیا تھا۔

وہ کوشش کرتی کہ جلد از جلد کھانا ختم کر کے اپنے کمرے میں جا چھپے مگر آسیہ بیگم اور تمکین کا خیال... ان کی تفتیش اور تشویش۔

مارے بندھے وہ بھی لاؤنج کے ایک کونے میں پڑی رہتی وگرنہ خود کو حمزہ سے بہلاتی۔ اگر وہ کبھی سو جاتا تو پھر امتحان میں پڑی رہتی۔

فرحین اور ریان کی دوستی زوروں پر تھی۔ سکندر حیات پر ریان اور تمکین کا رشتہ ابھی تک ظاہر نہیں کیا گیا تھا۔ ورنہ تو شاید وہ ابھی تک اسے نکال باہر کرتے۔

وہ جلتی نہیں تھی کہ ریان اور فرحین کے مابین کیسا تعلق پنپ رہا ہے۔ دکھ تو اسے صرف اس بات کا ہوتا تھا کہ اس سے جذباتی وابستگی رکھنے کے بعد اب وہ اسی کی بہن سے شادی پر رضامند تھا۔

اس روز وہ آفس سے لوٹا تو عمر بھی موجود تھا۔

''السلام و علیکم۔''

ریان بے حد سنجیدہ تھا۔ عمر کھڑا ہو کر اس سے ہاتھ ملانے لگا۔ سکندر حیات کے بزنس پارٹنر کی حیثیت سے وہ اس سے اچھی طرح واقف ہو چکا تھا مگر آمنے سامنے یہ ان کی پہلی ملاقات تھی۔

''آئیں بیٹھیں آپ بھی۔''

پہلی نظر ہی میں وہ عمر کو پسند آیا۔ اس کا لیا دیا سا انداز اور پرسنالٹی۔

روشین نے بھی غور کیا' جب سے ریان نے بالوں کی کٹنگ چینج کرائی تھی اس کی خوب روئی میں تب سے مزید اضافہ ہوا تھا۔ وہ واقعی ایگزیکٹو لک کا مالک تھا۔

"سوری۔ میں جا کر چینج کروں گا۔"

وہ معذرت خواہانہ انداز میں بولا تو عمر نے مسکرا کر شانے اچکائے۔

"یہ ایسے ہی ہیں بور شخصیت کے مالک۔" نکلتے ہوئے اس نے سنا روشین عمر کو بتا رہی تھی۔ وہ بھویں اچکا کر رہ گیا۔

"اچھا۔ لگتا تو نہیں۔" عمر نے کہا تھا۔ روشین کو حیرت ہوئی۔ عمر اپنے علاوہ کسی کو اہمیت دینے کا عادی نہیں تھا۔ ریان میں جانے اسے کیا بات دکھائی دی تھی۔

مگر اچھا تھا کہ وہ ان دونوں کو ایک دوسرے سے دور ہی رکھتی۔ اس کا خیال تھا کہ عمر کو ڈرائنگ روم میں موجود پا کر اب ریان ادھر نہیں آئے گا۔

مگر یہ اس کی خام خیالی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ نہا دھو کر فریش سا اندر داخل ہوا تو ایک پل کو تو روشین کی نبض بھی مدھم پڑ گئی۔

"اب سنائیں جناب۔"

وہ بہت بشاشت کے ساتھ عمر سے مخاطب تھا۔ عمر بھی اس توجہ پر بہت راضی تھا۔

روشین نے ایک بے بس مگر خفگی سے پر نگاہ ریان پر ڈالی۔

"سکندر صاحب آپ کی بہت تعریف کرتے ہیں۔ مجھے بھی بہت شوق تھا آپ سے ملنے کا۔ خوش قسمتی سے آج یہ خواہش پوری ہو گئی۔ جیسا سنا تھا آپ کو ویسا ہی پایا۔

وہ عمر کو سیڑھی پر چڑھا رہا تھا۔

اور عمر... روشین نے گہری سانس بھری۔ وہ تو خود اپنی مدح سرائی میں مصروف رہتا تھا کجا کسی دوسرے کے منہ سے سننا۔

وہ تو صحیح معنوں میں آسمان پر جا پہنچا۔

سنا تو میں نے بھی تھا تایا جان سے آپ کی بزنس میں ذہانت اور آپ کی خوش دلی کے متعلق مگر روشی بتا رہی تھی کہ "

"آپ بہت بور شخصیت کے مالک ہیں۔

روشین کا جی چاہا اپنا سر پیٹ لے۔

یہ عمر تھا' پیٹ کا ہلکا۔ وہ جی بھر کے شرمندہ ہوئی۔

"اچھا۔"

وہ ہلکے سے ہنسا۔

" یہ مجھے جانتی ہی کہاں ہیں۔"

اس کے لہجے سے چھلکتے کرب کا روشین کے دل نے ایک پل میں اندازہ لگا لیا۔

"ارے چھوڑیں۔ یہ لڑکیاں بھی نا۔ انہیں عادت ہوتی ہے دوسروں بلکہ خاص طور پر اجنبیوں پر ریمارکس دینے کی۔"

عمر نے قدرے حقارت سے کہا۔

عورتوں کے متعلق اس نے الگ ہی افکار بنا رکھے تھے جو اسے ازبر تھے اور وہ وقتاً فوقتاً سب کو سناتا بھی رہتا تھا۔ روشین کی پیشانی جل اٹھی۔

"آپ کو بڑا تجربہ ہے عمر بھائی۔ لڑکیوں کی نفسیات پر تو جیسے پی ایچ ڈی کر رکھا ہے آپ نے۔"

فرحین نے تڑخ کر کہا تھا۔

پاکستان میں جھک نہیں مار رہا محترمہ! امریکہ سے آیا ہوں۔" وہ تفاخر سے بولا۔"

بد قسمتی۔" فرحین منہ میں بدبدائی۔"

"کم آن فری۔ ہر ایک اپنے تجربے اور مشاہدے کی رو سے بات کرتا ہے۔"

ریان نے نرمی سے اسے ٹوکا۔ روشین کی اس پر جا ٹھہرنے والی نگاہ بے ساختہ تھی۔

وائٹ کاٹن کے سکس پاکٹ ٹراؤزر اور سفید اور فیروزی ٹی شرٹ میں ملبوس وہ بے انتہا اچھا لگ رہا تھا۔

ہونٹوں پر وہی نرم سی مسکراہٹ اور سیاہ آنکھوں سے جھلکتی شرارت۔

تبھی بے حد اچانک وہ روشین کی طرف متوجہ ہوا۔

"آپ کیا کہتی ہیں؟"

یااللہ! نظروں کی چوری پکڑی گئی تھی۔ وہ اس قدر شرمسار ہوئی کہ حد نہیں۔

"جی..."

مختصراً کہہ کر وہ اضطراری انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں چائے لاتی ہوں۔"

اپنی بے اختیاری پر خود کو کوستی وہ کچن میں آ گئی جہاں تمکین حسبِ عادت و شوق کچھ نیا پکانے میں مصروف تھی۔

ایک طرف چولہے پر برتن چڑھا رکھا تھا دوسری طرف ہاتھ میں کوکنگ کی کتاب تھام کر مطالعہ کیا جا رہا تھا اور مزے کی بات یہ تھی کہ وہ ان کتابوں سے استفادہ کر کے واقعی بہترین کھانے بنا لیتی تھی۔

وجہ وہی، شوق کہ جس کے بغیر آپ کوئی بھی کام دل سے نہیں کر سکتے۔

کیا چاہئے؟" تمکین نے مصروف انداز میں پوچھا تو وہ مختصراً جواب دے کر ساس پین میں پانی ڈالنے لگی۔"

"ریان آ گیا؟"

اس نے بالآخر کتاب ایک کیبنٹ میں رکھی اور آنچ دھیمی کر کے اس کی طرف متوجہ ہو ہی گئی۔

"جی۔"

وہ کھولتے پانی میں پتی ڈالنے لگی۔

"کیا بات ہے روشی۔ یار لڑکیاں تو منگنی کروا کے مزید شوخ اور بے پرواہ ہو جاتی ہیں۔ تم تو بڑھی روح بنتی جا رہی ہو۔"

تمکین نے شکوہ کیا تو وہ بدقت تمام مسکرائی۔

"میں تو پہلے بھی ایسی ہی تھی۔"

تمکین نے نفی میں سر ہلایا۔

میں نے کون سا تمہیں ابھی ابھی دیکھا ہے۔ سال سے اوپر ہو چلا ہے۔ تم پر اتنا سوگوار رنگ میں نے کبھی نہیں دیکھا۔"

"آپ کو تو ویسے بھی دوسروں کو خوردبین سے دیکھنے کی عادت ہے۔"

روشین نے اس کی بات اڑانا چاہی اور پلٹ کر فریج میں سے دودھ کا جگ نکالنے لگی۔

خوش رہا کرو روشی۔ پتہ ہے ہر انسان کی زندگی میں بس دو ہی پیریڈز ہوتے ہیں۔ ایک شادی سے پہلے کا اور ایک شادی"

کے بعد کا۔ پہلا پیریڈ تو تم اس گھر میں گزار ہی چکی ہو۔ خدا کرے دوسرا پیریڈ بہت شاندار ہو ورنہ بعض لوگوں کی

"زندگیاں دیکھ کر خوف آنے لگتا ہے یار' زندگی مسلسل عذاب بن جاتی ہے۔

تمکین نے خلوص سے کہا تو اس کا دل رو پڑا۔

آپ کو کیا بتاؤں بھابی۔ یہ دوسرا "پیریڈ" میرے لیے عذاب ہی تو بن گیا ہے۔ گلے میں پھنسی چھچھوندر' کہ نہ اگلتے)"

(بن رہی ہے اور نہ نگلتے اور اس قربانی کے چکر میں چاہے میری جان ہی چلی جائے۔

وہ بالکل خاموش تھی۔

"کیا بات ہے روشین۔ مجھے نہیں بتاؤ گی؟"

تمکین نے بڑے دلار اور مان سے پوچھا تو وہ آنسو پیتی مسکرا دی۔

"ایک تو آپ بھی نا' پتہ نہیں کیا مفروضے قائم کرتی رہتی ہیں۔ اب بندہ پوچھے منگنی کروا کے کون سے سینگ نکل آتے ہیں جو سب کو لازمی دکھائی دیئے جانے چاہئیں؟"

"جی جناب... یہ سینگ دکھائی دینے بہت ضروری ہیں ورنہ گھر والوں کی تسلی نہیں ہوتی۔"

تمکین نے شوخی سے کہا تو وہ ہنس دی۔

تمکین نے مگ نکال کر ٹرے میں رکھے تو وہ ان میں چائے انڈیلنے لگی۔

"تمہارا ریان کے بارے میں کیا خیال ہے روشین...؟"

تمکین کا سوال اس قدر اچانک اور غیر متوقع تھا کہ روشین اس حملے سے سنبھل نہ سکی۔

اس کا ہاتھ لرزا۔ چائے ٹرے میں گر گئی تھی۔

"اونہوں۔ دھیان سے۔"

تمکین نے اسے متوجہ کیا تو وہ جلدی سے ٹشو لے کر ٹرے صاف کرنے لگی۔

"بتائو نا۔ تمہیں ریان کیسا لگتا ہے؟"

تمکین نے اصرار کیا۔ پتہ نہیں وہ کون سا راز جاننے کی سعی میں تھی۔

روشین کا دل موم بتی کی لو پہ رکھا جیسے قطرہ قطرہ پگھلنے لگا۔

"جیسا ہے ویسا ہی لگتا ہے اور کیا۔"

اس نے خود کو بے حد بے پروا ظاہر کرتے ہوئے جواب دیا اور ٹرے اٹھالی۔

"اوفوہ... فرحین کے ساتھ پوچھ رہی ہوں یار۔"

وہ جھلائی تھی۔ کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی روشین کو جیسے کسی شے سے ٹھوکر سی لگی۔

"سچ بتائوں روشین۔ میری اور عادل کی بہت خواہش تھی کہ تمہاری شادی ریان سے ہو مگر قسمت۔ شاید تم نے بہت

"جلدی کی یا شاید ہم نے کہنے میں دیر لگا دی۔
تمکین نے اداسی سے کہا پھر قدرے بشاشت کا لبادہ اوڑھتے ہوئے بولی۔

مگر خیر... ابو نے بھی اچھا ہی فیصلہ کیا ہے۔اب خدا کرے کہ ریان کو میرے بھائی کی حیثیت سے بھی وہ قبول"
"کرلیں۔کچھ گڑبڑ نہ ہو جائے۔ تم نہ سہی' فرحین ہی سہی۔اس گھر سے میرا تعلق اور مضبوط ہو جائے گا۔
آندھیوں میں گھری وہ کچن سے نکل آئی۔
(تو تم کبھی مجھ سے دور نہ تھے ریان عزیز۔بس یہ قسمت کا ہیر پھیر تھا جو ہمارے درمیان لکیر کھینچ گیا)
اس کا ٹوٹ کر رونے کو جی چاہا تھا۔
عمر ابھی تک ریان ہی سے محوِ گفتگو تھا۔
بزنس' بزنس اور بزنس۔
بس بھی کریں عمر بھائی۔روپے کے علاوہ بھی انسان کی زندگی میں کچھ ہوتا ہے۔بندے کو اتنا بھی مادیت پسند نہیں ہونا"
"چاہئے۔
وہ ٹیبل پر چائے رکھ رہی تھی جب فرحین نے اکتا کر کہا۔
"روپیہ نہ ہو تو زندگی ہی نہیں ہوتی محترمہ۔تم پتہ نہیں کس دنیا میں رہتی ہو۔"
عمر نے اس کا تمسخر اڑایا۔
ہمارے لیے تو روشن مثال ہے عمر بھائی۔ہمارے نبی کریم حضرت محمد ﷺ کے پاس کون سا روپیہ' جائیداد یا"
"بزنس تھا مگر آپ ﷺ سے زیادہ اس جہاں میں بہترین کسی کی زندگی نہیں گزری۔
"وہ ایک الگ بات ہے۔"

عمر نے اس موضوع سے پہلو بچایا۔

"روپیہ پیسہ ہو' دل کی خوشی نہ ہو' کوئی اپنا پاس نہ ہو تو کس کام کی یہ دولت۔"

ریان کے دل کی حسرت اس کے لب و لہجے سے عیاں تھی۔ روشین آسیہ بیگم کے پاس جا بیٹھی۔

"روپے سے ہر خوشی ہر رشتہ خرید اجا سکتا ہے۔ میں نے تو آج تک یہی دیکھا ہے۔"

عمر نے سفاکی سے کہتے ہوئے شانے جھٹکے تھے۔

اپنے اپنے ماحول اور تربیت کی بات ہوتی ہے۔" فرحین نے طنز کیا تو وہ اسے گھورتے ہوئے بولا۔"

"پیسہ ہمیشہ سے ہمارے ہاتھوں کی میل رہا ہے۔ یہ کوئی نئی شے نہیں ہمارے لیے۔"

مگر اس سے آپ ہر شے نہیں خرید سکتے یہ تو طے ہے۔" ریان نے قطعیت سے کہا تو عمر نے بے ساختہ پوچھا۔"

"مثلاً؟"

محبت..." ریان نے سنجیدگی سے کہا۔"

ارے چوراہوں پر بکتی پھرتی ہے محبت۔ موبائلز پر کھیلی جا رہی ہے۔ انٹرنیٹ پر چیٹ ہو رہی ہے محبت۔" عمر نے اس" کا تمسخر اڑایا تھا۔

وہ محبت نہیں محض کھیل ہے۔ اصل محبت تو وہ ہے جو بن مانگے آپ کا مقدر بن جاتی ہے۔ اسے خریدا نہیں جا سکتا' یہ" "مادیت سے بہت اوپر کی چیز ہے۔

ریان نے تحمل سے کہا تو آسیہ بیگم ستائش بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔

"اچھا۔ اگر تم سے تمہاری تمام دولت لے لی جائے اور اس کے بدلے کچھ دیا جائے تو تم کیا مانگو گے؟"

چائے پیتی بظاہر آسیہ بیگم سے باتوں میں مصروف روشین کا دل کانپا۔

ریان کی خود پر ٹکی نگاہ کی گرمی اس نے واضح طور پر محسوس کی تھی۔

میں نے کہا نا محبت دولت سے خریدی نہیں جاسکتی۔" وہ پھیکے انداز میں بولا۔"

عمر نے جانے کیا اندازہ لگایا تھا۔ دفعتاً قہقہہ لگا کے ہنسا۔

"چوٹ کھائے ہوئے لگتے ہو۔"

ریان محض مسکرا کر چائے کے گھونٹ حلق میں اتارنے لگا۔ عمر آدھا کپ چائے چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"بیٹھو نا۔ تم کہاں چل دیئے۔"

ایک ضروری کام ہے مجھے۔ کسی سے ملنا تھا۔" وہ کہتے ہوئے موبائل فون چیک کرنے لگا۔"

"اوکے ریان۔ نائس ٹومیٹ یو۔"

پھر اس نے محض ریان سے ہاتھ ملایا اور موبائل کان سے لگائے باہر نکل گیا۔

ذرا دیر میں اس کی گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی تو فرحین نے ہاتھ جھاڑے۔

روشین پہلے ہی شرمندہ بیٹھی تھی۔

"تو یہ تھے آپ کے داماد صاحب۔"

ترچھی نگاہ چائے کے مگ میں "ڈوبی" روشین پر ڈالتے ہوئے ریان نے آسیہ بیگم سے کہا جو خود ہر بار کی طرح عمر کے اس قدر بیگانے بلکہ بد تمیزانہ رویے پر خاموش سی بیٹھی تھیں۔

"جی ہاں۔ ہماری بہن کی اعلیٰ چوائس۔"

فرحین یوں بیچ محفل میں شرمسار کرے گی، اس نے سوچا بھی نہ تھا۔

...مگر سامنے بیٹھا یہ شخص

وہ اسے اپنے دل کی خبر بھی نہ ہونے دینا چاہتی تھی۔

"ہاں تو کیا ہے' کیا کمی ہے عمر میں؟ روپیہ' پیسہ' پرسنالٹی' ہر شے ہے۔"

سب کیلئے روشین کا یوں بولنا بے حد حیران کن تھا۔

"کم آن فرحین۔ بھئی ہر کسی کو حق ہے اپنی پسند کی زندگی گزارنے کا۔ میں یا تم بولنے والے کون ہوتے ہیں۔"

ریان نے اسے ٹوک دیا تھا۔

روشین کو لگا کسی نے اس کا دل ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہو۔

میں یا تم... کتنے آرام سے وہ خود کو فرحین کے ساتھ جوڑ گیا تھا

"اس شخص کے آنے سے ہمارے گھر کا ماحول کتنا ڈسٹرب ہوتا ہے یہ آپ کو نہیں پتا۔"

فرحین خفگی سے بولی۔

"بری بات ہے فری۔ تمہیں کیا کہا ہے عمر نے؟"

آسیہ بیگم نے تنبیہی انداز میں کہا تو وہ طنز سے بولی۔

"کچھ بھی تو نہیں کہتے وہ بے چارے۔ کسی کو لفٹ کرائیں گے تو کچھ کہیں گے نا۔"

"اس کا تو دماغ خراب ہے اور بس۔"

روشین نے آسیہ بیگم کو اس سے بحث کرنے سے منع کیا تھا۔

دماغ تو بس عمر صاحب کا ہی اعلیٰ ہے اور سوچ ارفع۔" وہ پھر رہ نہیں سکی تھی۔"

"تمہیں کیا مسئلہ ہے عمر سے؟ ہر کسی کے سامنے شروع ہو جاتی ہو۔"

روشین نے ناگواری سے "ایرے غیرے" کی موجودگی کا احساس دلانے کی کوشش کی۔

"...روشی' فری"

آسیہ بیگم نے استعجاب سے ان دونوں کو دیکھا۔اسی وقت تمکین چلی آئی۔

''روشی ذرا حمزہ کو تو دیکھنا میں بس ابھی فارغ ہو کے آ رہی ہوں۔''

روشین شکر خدا کا کر کے وہاں سے اٹھی۔ساتھ ہی ریان بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

تم کہاں چلے؟'' تمکین نے اس سے پوچھا۔''

''ایک دوست سے ملنا ہے۔''

جلدی آجانا۔میں نے ایک نئی ڈش بنائی ہے۔'' وہ پیار سے اسے دیکھتے ہوئے بولی تو وہ اثبات میں سر ہلا کر باہر نکل'' آیا۔

وہ حمزہ کو ہوا میں اچھالتی اس کی قلقاریوں سے محظوظ ہو رہی تھی۔وہ اسے لے کر لان میں نکل آئی تھی۔ تبھی باہر نکلتے ریان کی نظر اس پر پڑی تو وہ تیز قدموں سے اس کی طرف بڑھا۔وہ اب حمزہ کو گلاب کے پھول دکھا رہی تھی۔جب ریان نے اس کی کلائی تھام کے ایک جھٹکے سے اپنی طرف موڑا تو وہ ششدر رہ گئی۔

☆☆☆☆

اداسی بھرے دن اور کانٹوں کی طرح چبھتی راتیں۔وہ تکیے میں منہ گھسائے احراز کی خوشبو ڈھونڈتی۔

یہ شروع کے دن تھے۔نئی نئی جدائی۔وہ سب کچھ بھولی ہوئی تھی۔کچھ کرنے کو جی نہ چاہتا تھا۔احراز کا فون آتا۔ایک دفعہ دن میں اور ایک دفعہ رات کو۔وہ اس کی باتوں سے مہکتی پھرتی۔اس کی باتوں کو دہرا دہرا کر نئے معنی کشید کرتی۔

یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے اختیار میں نہ تھی۔

مگر میکے آئی نگینہ نے اس کی بے خودی کو دو ہی دن برداشت کیا تھا۔پہلے تو تینوں ماں بیٹیاں خود ہی کچھ میٹنگ کرتی

رہیں۔

رانیہ اداس کیفیت میں گھری بستر پر کروٹیں بدل رہی تھی۔ دوپہر کے کھانے کے بعد برتن دھو کر وہ کمرے میں آکر بند ہو گئی تھی اسی وقت دھاڑ سے دروازہ کھلا تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

وہ ہڑبڑا کر اٹھی۔

دروازہ دھکیلتی نگینہ اندر داخل ہوئی۔ یہ بد تمیزی کا عظیم الشان مظاہرہ تھا۔ کسی کے کمرے میں بنا اجازت داخل ہو جانا۔

وہ اُڑے حواس لیے نگینہ کو دیکھ رہی تھی۔ دروازہ کھلنے سے یوں تو کافی روشنی اندر آرہی تھی پھر بھی نگینہ نے آگے بڑھ کے لائٹ آن کر دی۔

رانیہ نے دوپٹہ کھینچ کر گلے میں ڈالا۔

"کیا بات ہے آپی...؟"

اس کا دل پریشان ہوا تھا۔

یہی تو میں تم سے پوچھنے آئی ہوں کہ کیا بات ہے آخر؟" وہ طنز و تلخی سے بھرپور لہجے میں کہتی سینے پہ بازو لپیٹ کے" کھڑی ہو گئی۔

"کیا... مطلب...؟"

رانیہ بے چاری کے فرشتے بھی اس کے سوال نما معّمہ یا معّمہ نما سوال کو نہ سمجھ سکے تھے۔

مطلب یہ کہ رانیہ بی بی ہر گھر کے اپنے اصول و ضوابط ہوتے ہیں۔ اب اگر امی اپنی فطری نرم دلی کی وجہ سے تمہیں"

"کچھ نہیں کہتیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم سر پہ ہی چڑھتی جاؤ۔

رانیہ کا دل بند ہونے لگا۔ وہ اپنی نا کردہ خطا سوچنے لگی مگر اس پل ذہن کام ہی کہاں کر رہا تھا۔

"ہوا کیا ہے آپی...؟"

اس نے خشک ہوتے حلق کے ساتھ دوسرا سوال کر ہی دیا تھا۔

اپنی حرکتوں پہ غور کرو تو کچھ پتہ چلے ناں۔ دوپہر ہوتی نہیں اور یوں کمرے میں گھستی ہو جیسے باہر بلائیں نازل ہو رہی" ہیں۔ گھر آئے مہمان کا کچھ اتہ پتہ ہی نہیں۔ ادھر رات کو گھڑی کی سوئیوں نے گیارہ بجائے ادھر تم اپنے بستر پر شوہر کے رہتے ہوئے تو یہ حرکتیں بچتی بھی تھیں مگر اب کاہے کی بے چینی ہے کمرے میں آنے کی... "

وہ ابرو اچکائے طنز کے تیر چلا رہی تھی۔ رانیہ کا تو مانو کاٹو تو بدن میں لہو نہیں والا حساب ہو گیا۔

"میں ابھی سارا کام ختم کر کے کچن صاف کر کے آئی تھی۔"

اس کی سمجھ میں اپنا قصور ابھی بھی نہیں آیا تھا۔

صرف کام ہی کا واسطہ ہے تمہارا اس گھر سے... ذرا سا کام کیا اور چھپاک سے اپنے کمرے میں ڈبکی لگا دی۔ نہ ساس کی" پرواہ اور نہ ہی نندوں کی۔ ذرا دیر بیٹھ کے ان ہی کا دل بہلا دو کہ ان کا بھی تو بھائی بیٹا باہر گیا ہے مگر نہ... یہاں تو نیندیں پوری ہو رہی ہیں پتہ نہیں کب کی... "

وہ بے حد ناپسندیدگی سے کہہ رہی تھی۔ رانیہ کا دل خوف و وحشت میں جکڑنے لگا۔

صبح ناشتے سے لے کر ابھی دوپہر کے کھانے بعد برتن دھو کر صفائی کرنے تک وہ کچن میں رہی تھی۔ اب اگر چند پل کے لیے کمر سیدھی کرنے کو لیٹ بھی گئی تو کیا مضائقہ تھا؟

مگر یہ سب نگینہ کو کون بتاتا۔

اور رات گیارہ بجے تو سونے ہی کا ٹائم ہوتا تھا۔ اس وقت وہ ان ماں بیٹی کا دل کیا بہلاتی۔

دوسرے یہ کہ اس کے دل کو تو خود بہلاووں کی ضرورت تھی۔

"میں ذرا سا تھک گئی تھی اس لیے آکر لیٹ گئی تھی۔"

اس نے بے بسی سے اپنی صفائی پیش کی۔

"ہم نے کون سے پہاڑ کھدوا کے نہریں نکلوائیں ہیں تم سے..."

یہ نگینہ تھی۔

بارہ برسوں میں جس نے کبھی اپنے آگے سسرال والوں کو بولنے نہیں دیا تھا۔

رانیہ تو اس کے آگے کل کی بچی تھی۔ اسے دھمکانا کون سا مشکل کام تھا۔

"سوری آپی۔"

وہ شرمندہ سی دونوں ہتھیلیاں مسل رہی تھی۔ ساری نیند ساری کسلمندی نگینہ کی "اسٹرونگ چائے" جیسی باتوں نے بھگا دی تھی۔

"معاف تو تم مجھے کر دو۔ میں تو جذبات میں آکر تمہیں سمجھانے آگئی کہ ایسی باتوں سے گھر نہیں بسا کرتے۔ ذرا خود کو ٹھیک کرو۔ اب یہ نہ ہو کہ رات کو فون پہ سات سمندر پار شکایت کرو اور ایک نند کا پتہ صاف ہو جائے۔"

وہ خشکی ور کھائی سے کہتی رانیہ کو ٹھنڈے پانیوں میں دھکیل گئی۔

وہ نگینہ کا اشارہ اچھی طرح سمجھ رہی تھی۔

"ایسی کوئی بات نہیں..."

اس نے کہنا چاہا مگر ادھر اس کی صفائی کی ضرورت ہی کسے تھی۔ وہ ہاتھ ہلا کر گویا مکھی اڑاتے ہوئے بولی۔

"جیسی بات ہے میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ یہ میری ماں کا گھر ہے اور میں حق پر ہوں۔ تمہاری جو حیثیت ہے اس کے مطابق یہاں رہو۔ یہاں تم محض اپنے میاں ہی کے لیے نہیں آئی ہو سمجھیں..."

"...جی"

وہ حق دق سی اس کی شکل دیکھ رہی تھی جس کے پاس نہ تو بات کرنے کا حق تھا اور نہ ہی بنیاد مگر وہ منٹوں میں اس کی طبیعت صاف کر کے یہ جا وہ جا۔

البتہ جاتے جاتے وہ اسے رات کے کھانے کا مینو بھی بتا گئی تھی کیونکہ اس کا میاں بھی رات کے کھانے پر آرہا تھا۔

اس کے جانے کے بعد بھی حیرت اور بے عزتی کے احساس میں گھری کتنی ہی دیر وہ یوں ہی بیٹھی رہی۔

یہ صرف نگینہ کا رویہ ہے یا آئندہ مجھے سب ہی کے اسی رویے کا سامنا کرنا پڑے گا؟

زندگی کا ایک اور بڑا سوال اس کے سامنے منہ پھاڑے کھڑا ہوا۔ اسے شدت سے احراز کی یاد نے ستایا۔

☆☆☆☆

وہ اس غیر متوقع حملے کے سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اسے تو یہی علم تھا کہ ریان اندر لائونج میں تمکین کے پاس بیٹھا ہے ...اور اب

اس جھٹکے سے وہ چکرا کر رہ گئی۔ حمزہ کو اس نے بمشکل سنبھالا اور جب خود سنبھلی تو ریان کو کینہ توز نظروں سے خود کو دیکھتا پا کر اس کا گذشتہ کئی دنوں کا غصہ عود کر آیا۔

"دماغ ٹھیک ہے تمہارا؟"

وہ غصے سے بولی۔ بھلا اس کی ہمت کیسے ہوئی اسے یوں "گھمانے" کی

"دماغ تو میں تمہارا درست کر دوں گا کیونکہ تمہیں اس کی ضرورت بھی ہے۔"

وہ اسے گھورتے ہوئے بولا۔

تم اپنی حد میں رہو۔"

روشین جھلاہٹ کا شکار ہونے لگی۔ بھلا وہ کس رشتے سے یوں رعب ڈال رہا تھا۔

"میری حد تم جانتی ہو۔"

وہ معنی خیز انداز میں بولا تو اس کی پیشانی تپ اٹھی۔ سکندر حیات نے اسے واقعی سر پر چڑھا لیا تھا۔ اس گھر میں اس کی حد کو تو کوئی حد ہی نہ تھی۔

"مگر میں تمہاری حد میں شامل نہیں ہوں سمجھے؟"

وہ اس غصے سے دانت پیس کر بولی تو دفعتاً ہی وہ اپنا سارا غصہ بھول کر ہنس دیا۔

کیا قیامت ہوئی۔ روشین کو اپنا دل بند ہوتا محسوس ہوا۔ اسے یاد آیا وہ اسے ہنستا ہوا کتنا اچھا لگا کرتا تھا تو کیا وقت بدلا نہیں ہے؟

وقت تو کیا حالات بھی بدل گئے روشین سکندر۔ یہ دل ہی ہے جو کمبخت نہیں بدلا کرتا۔

کوئی اس کے اندر ہنسا تھا۔

"سالی آدھی گھر والی ہوا کرتی ہے میری معلومات کے مطابق۔"

وہ کہہ رہا تھا۔

اس کی آنکھوں سے جھلکتی شرارت اور ہونٹوں کے گوشوں سے پھوٹتی مسکراہٹ کے ساتھ اس کے الفاظ نے روشین کو تپا ڈالا۔

"...تم اپنی یہ گھٹیا معلومات اپنے پاس ہی رکھو اور خبردار جو کبھی مجھ سے خوامخواہ فری ہونے کی کوشش کی تو"

"...اور تم بھی اپنے غلط اندازِ گفتگو کو بدلو۔ خبردار جو کسی کے سامنے میری ریپوٹیشن خراب کرنے کی کوشش کی تو"

وہ بھی دھمکا رہا تھا۔

"مجھے تمہارے متعلق بات کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ ہزار پڑتے ہیں۔"

روشین نے تمسخرانہ انداز اپنایا تو وہ اطمینان سے بولا۔

"ہاں تو پھر جتنی بھی فضول گفتگو کرنی ہو اپنے عمر صاحب کے متعلق کر لیا کرو۔"

"... خبردار جو تم نے عمر کے خلاف ایک لفظ بھی کہا تو"

روشین اسے فری ہونے یا عمر کے متعلق اپنی بیزاری کی خبر دینے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی تھی۔ تنبیہی انداز میں بولی تو وہ لطف لینے والے انداز میں ہنسا۔

"... ویسے بندہ اچھا چُنا ہے تم نے"

روشین کی پیشانی تپ اٹھی۔

اس سے بڑھ کے عمر حیات کی "اچھائی" سے اور کون واقف تھا۔

"جو بھی ہے مگر تم آئندہ مجھ سے بات کرنے کی کوشش مت کرنا۔"

روشین نے یہ قصہ تمام کرنا چاہا۔

"کیوں... کیا میں سمجھوں کہ تمہارے دل میں ابھی بھی "کچھ" ہے؟"

وہ کمال معصومیت سے پوچھ رہا تھا۔ روشین کا دل سنسنا اٹھا۔

"کیا... کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا' تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو۔"

وہ گنگنایا۔

"... شٹ اپ"

روشین کو اس کی اس قدر ڈھٹائی پر غصہ آ رہا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ریان اس انداز میں بھی اس کے بالمقابل آ سکتا ہے۔ اپنے تئیں وہ اس باب کو بند کر چکی تھی۔

"تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں نے تمہیں کبھی لفٹ نہیں دی۔ وعدے وعید تو دور کی بات ہیں۔"

وہ اسے جھاڑتے ہوئے تمسخر سے بولی۔

"ہم آنکھوں کی زبان جانتے ہیں روشین بی بی۔"

پھر وہی آنکھوں سے لپکتے شرارت کے شعلے... روشین کا تو دل بھسم ہونے کو تھا۔

"ہنہ... منہ دھو رکھو۔ تم نے تو کبھی ڈالرز کی شکل بھی نہیں دیکھی ہو گی۔"

وہ اسے اس سطح پر لا رہا تھا جس پر وہ کبھی آنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

مگر وہی اسے خود سے متنفر کرنے کی ایک کوشش۔

"...ہاہ... ہاہ"

وہ چہرہ اونچا کر کے ہنسا پھر بولا۔

"مگر ڈالرز والے کی شکل ضرور دیکھ لی ہے توبہ توبہ۔"

اس نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔ اس کا مطلب سمجھ کر روشن تپ اٹھی۔

"تم صرف جیلس ہو عمر سے اور بس۔"

"اچھا... کیا نہیں ہے میرے پاس جو میں اس سے جیلیس ہوں گا؟"

وہ ٹرائوزر کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے پنجوں کے بل ذرا سا اچکا۔

اس کی بلند قامت، اس کی خوبروئی، اس کے دیکھنے اور ہنسنے کا پیارا سا انداز... اس کی تعلیم اور ادب واحترام کا انداز...

روشین کا دل پسیج گیا۔

مگر اس وقت وہ ریان کو کوئی ایسا منہ توڑ جواب دینا چاہتی تھی کہ آئندہ وہ کبھی اس کی راہ میں نہ آئے۔

"اس کے پاس روشین سکندر ہے۔"

بے اختیار ہی اس کے لبوں سے پھسل گیا۔

اور جادو اثر ہوا۔ ریان کی رنگت سپید پڑ گئی۔ جیسے کسی نے سارا خون نچوڑ لیا ہو۔

روشین کو اپنی غلطی کا احساس ذرا دیر سے ہوا۔ وہ نادانستگی میں ہی سہی مگر ایک ایک مدفن حقیقت کو چھیڑ گئی تھی جس کا دفن رہنا ہی ضروری تھا۔

"...وہ میرا منگیتر ہے اور تمہیں اس کے خلاف"

وہ اپنی بات کا اثر گنوانے کے لیے پھر سے اسے جتانے لگی تھی کہ وہ بھڑک اٹھا۔

بس... بہت ہو گیا منگیتر منگیتر۔" ہاتھ اٹھا کر وہ ایک دم سے بولا تو وہ خائف سی حمزہ کو ساتھ چمٹائے دو قدم پیچھے ہٹ" گئی۔

تم کیا دنیا میں پہلی لڑکی ہو جس کی منگنی ہوئی ہے اور میں... مجھے بھلا کیوں جیلسی ہو گی اس ایکس وائی زیڈ سے جسے" تمہارا منگیتر ہونے کا شرف حاصل ہے۔ بقول تمہارے ہمارے مابین کبھی ایسا کوئی سلسلہ ہی نہیں رہا تو پھر کیوں نارمل "رویہ نہیں اپناتی ہو۔ میں عمر سے بات کروں یا اس کے باپ سے' تمہیں کیوں فرق پڑتا ہے؟

اف... اف

اس کی آواز سے لپکتے شعلے اور آنکھوں سے نکلتے شرارے۔ روشین کو اپنا آپ ان میں جھلستا محسوس ہوا تھا۔

اور یاد رکھو۔ اس گھر میں میری بھی ہونے والی منگیتر رہتی ہے جس کے سامنے میں بھی تمہارا یہ رویہ برداشت نہیں" "کروں گا یاد رکھنا۔

انگشتِ شہادت اٹھا کر کہتا وہ لمبے ڈگ بھرتا گیٹ پار کر گیا تو اس کے الفاظ سن کر آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتی روشین کا جی چاہا وہیں بیٹھ کر باآواز بلند رونا شروع کر دے۔

حمزہ نے شاید ان کی اونچی آوازوں سے گھبرا کر کسمسانا شروع کر دیا تھا۔ وہ چونک کر خود کو بمشکل سنبھالتی اندر کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆☆

رانی! قسم سے بہت یاد آتی ہو۔ نیند تو لگتا ہے میں وہیں تمہارے آس پاس ہی کہیں چھوڑ آیا ہوں۔ بستر اچھا ہی نہیں "
"لگتا۔

وہ بے حد بے قرار و بے چین تھا۔

رانیہ کی آنکھیں ابل پڑیں۔ بھلا جدائی کے دن رات تو کوئی اس سے پوچھتا۔ ساری رات کروٹیں بدلتے گزر جاتی تھی۔ وہی رات جو احراز کے ہوئے لمحوں اور منٹوں میں گزر جاتی تھی کہ صبح آنکھ کھلنا ہی دشوار ہو جاتا تھا اور اب وہی رات آتے ہی وحشت کا شکار کرنے لگتی کہ دن تو ادھر ادھر کے کاموں میں گزر ہی جاتا تھا۔

"...آپ آ کیوں نہیں جاتے"

وہ بے حد بے بسی سے گویا ہوئی۔

شبینہ تیزی سے ماں کا ہاتھ کھینچ کر دروازے تک لائی اور سننے کا اشارہ کیا۔

رات کے بارہ بجے احراز کا رانیہ کے لیے فون آتا تھا جسے مجبوراً اسے لائونج میں ہی بیٹھ کے سننا پڑتا تھا۔ اگر کبھی ابرار ٹی وی دیکھنے رات گئے تک بیٹھا رہتا تو وہ مشکل میں پڑ جاتی۔ احراز کی چھیڑ چھاڑ اس کی ذو معنی باتوں کا جواب کیسے دیتی کہ ابرار کے سن لینے کا اندیشہ رہتا۔

...مگر شبینہ

اس چھپے دشمن کا اسے پتہ نہیں تھا۔ جب ٹی وی آف ہوتا تو لائونج میں تو کیا پورے گھر پہ خاموشی چھائی ہوتی۔ ایسے میں احراز کا رانیہ کے لیے فون اور رانیہ کی شرمائی لجائی گفتگو شبینہ جیسی نوجوان لڑکی کے لیے تفریح کا ذریعہ بنی ہوئی تھی۔

مگر آج تو حد ہی ہوئی۔ وہ رشیدہ بیگم کے کمرے میں تھی اور ان کا کمرہ لائونج کے بالکل سرے پر تھا۔

"کمائی کا کیا ہے احراز وہ تو یہاں بھی ہو جائے گی۔ جدائی تو نہیں ہو گی ناں۔"

وہ تڑپ کر کہہ رہی تھی۔

شبینہ نے ماں کو ٹہوکا دیا۔ رشیدہ بیگم کی پیشانی پر سلوٹیں پڑنے لگیں۔

ایک ہی کماؤ پوت تھا جس کی محنت سے گھر کا خرچ چل رہا تھا اور بہو رانی اسی کو اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنے کا مشورہ دے رہی تھی۔

...بھاڑ میں جائے ایسی محبت

ہم روکھی سوکھی کھا کے بھی گزارہ کر لیں گے احراز پلیز کچھ میرا ہی خیال کریں۔ میں آپ کے بغیر ایک پل نہیں رہ سکتی پلیز۔" وہ رو پڑی۔ اگر غیر جانب دارانہ تجزیہ کیا جاتا تو ایک نئی نویلی دلہن اس طرح کی گفتگو کرنے کے حق دار تھی مگر ادھر رشیدہ بیگم کے اندر تو بھانبھڑ جل اٹھا۔

"کمینی اور میں اسے سیدھی سادی سمجھتی رہی۔"

وہ دانت پیستی ہوئی بولیں۔

"یہ تو روز کا ڈرامہ ہے۔"

شبینہ نے آنکھیں نچائیں پھر چلتر پن سے بولی۔

"یہی سب چلتا رہا تو جلد ہی اٹلی سے پاکستان کی فلائٹ آجائے گی۔"

غضب خدا کا۔ یہ کل کی چھوکری اور کیسی پٹیاں پڑھا رہی ہے اسے۔ یہاں آجاؤ۔ ارے یہاں لا کے بروں کا کلیجہ "

"کھلائے گی کیا؟

"اچھا۔ اب آپ اپنا بی پی مت بڑھائیں۔ اس کا بھی کوئی حل سوچتے ہیں۔"

شبینہ نے ان کا کندھا تھپتھپا کر تسلّی آمیز لہجے میں کہا تھا اور یہ اگلے ہی روز کی بات تھی۔ ناشتہ بناتے ہوئے رشیدہ بیگم کے

لیے پکنے والا پڑاٹھا تھوڑا سا جل گیا۔ خود کو کوستے ہوئے رانیہ ے جلدی جلدی ٹرے میں پراٹھے کی پلیٹ' رات کا بچا ہوا سالن جو وہ گرم کر چکی تھی اور چائے کا بڑا مگ رکھا اور ڈائننگ ٹیبل پر چلی آئی۔ پہلے ہی ناشتے کو کافی دیر ہو چکی تھی۔ وہ اپنا چائے کا مگ لیے بیٹھ گئی اور توس پر جیم لگانے لگی۔ رشیدہ بیگم نے پراٹھے کہ تہہ کھولی۔ ایک نوالہ توڑا پھر جیسے انہیں کوئی سراغ مل گیا ہو۔

تم سے کوئی کام ڈھنگ کا ہوتا بھی ہے۔ ہزار بار کہا ہے کہ میری روٹی دھیمی آنچ پر پکایا کرو مگر نہ جی۔ پتہ نہیں دھیان" "کہاں لگا رکھا ہے بی بی رانی نے۔

رانیہ کے لیے یہ گوشمالی اس قدر اچانک تھی کہ اس کا دل اچھل کر حلق میں آن اٹکا۔

امی جی۔ آنچ تو ہلکی ہی تھی۔ مگ میں چائے ڈالتے ہوئے ذرا دھیان بٹ گیا تھا۔"

وہ شرمندہ بلکہ جی بھر کے شرمندہ تھی۔

دیکھو بڑی محنت سے کمائی کرتا ہے میرا بچہ۔ یوں ہی سات سمندر پار نہیں پھینک رکھا اسے۔ پیٹ کی مجبوری کھینچ لے" "گئی ہے۔ یہاں رہ کے یہ تر بتر نوالے نہیں کھائے جا سکتے۔ اس کی کمائی یوں" جلانے" کے لیے نہیں ہے۔

انہوں نے پتہ نہیں کون سی جلن پھونکی تھی مگر رانیہ تو اپنی جگہ سن ہو کے رہ گئی۔

ایسا تو کوئی گناہ نہیں کیا تھا کہ ایسی باتیں سنائی جاتیں۔

"میرے خیال میں بھابی کا اب گھر کے کاموں میں دل نہیں لگتا۔"

شبینہ آج کالج نہیں گئی تھی اور وہ بیچ میں نہ بولے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اب بھی طنز کرنے لگی۔ رانیہ بے چارگی سے اس کی شکل دیکھنے لگی۔ ان بے معنی اور فضول باتوں یا الزامات کا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ ابھی شاید یہ معاملہ طول کھینچتا مگر اسی وقت بیرونی دروازے پر ہونے والی تیز اور بے ترتیب دستک نے ان کا دھیان بٹا دیا۔

"یہ کون ہے جسے دروازے پر لگی گھنٹی دکھائی نہیں دی۔"

ابرار کوفت کے عالم میں شرٹ کے بٹن بند کرتا اپنے کمرے سے نکلا اور سلیپر گھسیٹتا دروازے کی طرف بڑھا مگر دروازے کھول کر لحہ بھر کو وہ بھی چکرا سا گیا۔

☆☆☆☆

جب سے عمر نے ہوٹل والے واقعہ پر روشین کا ردعمل دیکھا تھا تب سے نہ صرف وہ قدرے محتاط ہو گیا تھا بلکہ اس کا رویہ بھی کافی تبدیل ہو گیا تھا۔ اب وہ بات بے بات روشین کو باہر چلنے کو نہیں کہتا تھا اور نہ ہی گفتگو میں کھلا پن تھا۔ ہاں البتہ اپنے حقارت سے پر بلکہ بے پناہ تفاخر میں مبتلا انداز کو وہ نہیں بدل سکتا تھا۔

روشین ان دنوں کافی سکون میں تھی۔

اے خدا میرا دل عمر کے لیے وہ جذبات نہیں رکھتا جو ہونے والے شوہر کے لیے ہونے چاہیں مگر تو جانتا ہے۔ میں نے نیک نیتی سے اس ساتھ کو قبول کیا ہے۔ اب تو ہی قادر ہے کہ اسے میرے حق میں بہتر فرما۔ عمر کے لیے وہ خدا سے ہر نماز کے بعد ایک ہی دعا مانگتی تھی۔

اس کے انتہائی ضروری نوٹس اس کی دوست رابعہ کے پاس تھے۔ پرسوں ٹیسٹ تھا اور آج اس نے واپسی کا وعدہ کیا تھا۔ اب صبح پتہ چلا تھا کہ علاقے میں پہیہ جام ہڑتال ہے۔ وہ سر تھام کے بیٹھ گئی۔ آسیہ بیگم اس کی پریشانی پر متفکر ہونے لگیں۔

"بے وقوفوں کی کمی تھوڑی ہے امی جان۔ ایک اینٹ اکھیڑو دس نکلتے ہیں۔"

اپنے لیے اسٹرابری کا ملک شیک بنا کے لاتی فرحین نے مدبرانہ انداز میں کہتے صوفہ سنبھالا تو روشین نے اسے گھور کے دیکھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"یہ بھی ان ہی دس میں سے ایک ہے۔"

فرحین نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اطمینان سے کہااور ملک شیک کے گھونٹ بھرنے لگی۔

"شٹ اپ۔"

روشین نے اکتا کر کہا۔

مجھے یہ بتائو آج کل کسی سے ہمدردی کرنے کا کون سا زمانہ رہ گیا ہے۔ بھائی بھائی کا دشمن ہو رہا ہے اور یہ دوستوں پہ جان"

"وار رہی ہیں محترمہ۔

فرحین نے تیکھے لہجے میں کہا۔

تم تو ہو ہی خود غرض۔ اب اگر تمہاری سب سے اچھی دوست تم سے نوٹس مانگے ٹیسٹ کی تیاری کو تو کیا تم نہیں"

"دو گی؟

روشین تپی۔

بالکل نہیں۔" اس نے صاف الفاظ میں کہا۔"

سب سے پہلی بات تو یہ کہ میری سب سے اچھی دوست کو مانگے تانگے کے نوٹس لے کر نقلیں کرنے کا کوئی شوق"

نہیں۔ جب میں محنت کر کے نوٹس بناتی ہوں تو وہ بھی اپنے دماغ اور اپنی نالج کو خالصتاً اپنے لیے استعمال کر کے نوٹس تیار

کرتی ہے کیونکہ وہ واقعی میری اچھی دوست ہے۔ اسے پتہ ہے کہ میری محنت کو استعمال کر کے اپنی پوزیشن بنانا اچھی

"بات نہیں۔

بات تو صحیح ہے۔" آسیہ بیگم کو بھی اس سے اتفاق ہوا تو وہ تفاخر سے مسکرائی۔"

روشین جزبز ہوئی تھی۔

"اوفو! وہ تو یوں ہی کبھی کبھار اب اسے کیا پتہ تھا کہ آج ہڑتال ہو جائے گی۔"

''تو ہو گئی ناہڑ تال۔ اب اسے کہو کہ پہنچائے تمہارے نوٹس۔ تمہاری اچھی دوست۔''

فرحین نے اس کے تاثرات دیکھ کر مزہ لیا۔

اس معاملے میں فرحین کے اصول بہت سخت تھے۔ وہ نوٹس بنانے میں کلاس فیلوز کی مدد تو ضرور کر دیتی تھی مگر اپنی محنت سے بنائے نوٹس وہ قطعاً کسی کو نہیں دیتی تھی۔

اب دیکھنا۔ پرسوں اس کے نمبرز سب سے اچھے آئیں گے اور روشین بی بی کی اپنے فیورٹ پروفیسر کے سامنے پیشی ہو''

'' جائے گی۔

''تم تو اپنی منحوس پیش گوئیاں بند کرو۔''

روشین کی پریشانی بڑھی تو وہ اس پر بگڑنے لگی۔

''اوفو! بھئی اسے فون کر لو۔''

آسیہ بیگم نے تادیبی نظروں سے فرحین کو دیکھتے ہوئے روشین کو پھر سے کہا تو اس نے منہ لٹکا لیا۔

وہ تو کہہ رہی ہے کہ ابھی کے ابھی نوٹس واپس جائے گی مگر اکیلی آ بھی تو نہیں سکتی۔ بھائی تو ہے کوئی نہیں بے چاری کا۔''

''ابو ویسے بھی ملک سے باہر ہوتے ہیں۔

'' بے چاری۔

فرحین نے مصنوعی تاسف سے کہہ کر سر ہلایا جب کہ شرارت اس کی آنکھوں سے عیاں تھی۔

''میری جگہ اگر تم ہوتیں ناں تو میرے ایسے بولنے پر ملک شیک کا یہ گلاس کب کا میرے سر پہ دے مارتیں۔''

روشین دانت پیس کر غصے سے بولی تو فرحین کو اچھو لگ گیا۔

واہ... واہ...'' فرحین نے کھنکھارتے ہوئے ہنسی روک کر سر دھنا۔''

"کیا اچھا طریقہ ہے بلاواسطہ دھمکی دینے کا۔ شاباش۔"

"امی۔"

اس کی پلکیں بھیگنے لگیں تو آسیہ بیگم نے فرحین کو ڈانٹ دیا۔

"اچھا جی۔ میں اب بالکل چپ۔"

فرحین نے جلدی سے ہونٹوں پہ انگلی رکھ لی۔

"اب تم ہی بتاؤ اس مسئلے کا حل کیا ہو سکتا ہے؟"

آسیہ بیگم نے روشین سے پوچھا۔

آپ ابو سے کہیں ناں۔ عادل بھائی شہر سے باہر ہیں ورنہ ان ہی کے ساتھ چلی جاتی۔ گلیوں میں سے ہو کے چلے جائیں "گے۔ اتنی دور تو گھر نہیں ہے۔" وہ جلدی سے بولی۔

آسیہ بیگم نے مایوسی سے نفی میں سر ہلایا۔

ان کے نزدیک تو تمہارے مسئلے کا ایک ہی حل ہو گا کہ پرسوں چھٹی کر لینا۔ انہیں یہ سب چھوٹی چھوٹی باتیں لگتی ہیں "" جنہیں ہم لوگ مسئلہ بنا لیتے ہیں۔ وہ تو قیامت تک راضی نہ ہوں گے۔

"میں کچھ کہنے کی گناہ گار ہو سکتی ہوں۔"

فرحین نے انگلی ہٹا کر اجازت چاہی۔

کچھ نیکی حاصل کرنے والا ہی بول لیا کرو کبھی۔" روشین کا دل جلا۔"

"وہ راضی بھی نہیں ہوں گے اور مجھے سو فیصد یقین ہے کہ جتنا یہ اپنے مسئلے کو زیادہ بڑھا چڑھا کے بیان کرے گی۔ اتنی ہی جلدی وہ فیصلہ کریں گے کہ خواہ مخواہ کا کھڑاگ کیوں کھڑا کر رکھا ہے۔ یونیورسٹی چھوڑو گھرداری کرو۔ ویسے بھی کچھ عرصے بعد تمہاری شادی ہو جانی ہے۔"

"باہر جیسے حالات ہیں اکیلی عورتوں کا جانا ٹھیک نہیں ورنہ میں ہی چلی چلتی تمہارے ساتھ۔"

آسیہ بیگم کو اس کا لٹکا ہوا منہ دیکھ کر ترس آ رہا تھا۔ کتنی ہی دیر یوں ہی خاموشی میں گزری۔ فرحین ناخن سے خالی گلاس بجاتی اور روشین کی شکل دیکھتی رہی۔ جواب روئی کہ تب روئی والی بنی ہوئی تھی

پھر گہری سانس لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہڑتال ہی ہے کرفیو تو نہیں لگا ہوا کہ باہر نکل ہی نہیں سکتے۔ ہاں ایک حل ہے اس مسئلے کا جو شاید تمہاری ناک گوارہ نہ کرے۔ اوپر ریان بھائی اپنے کمرے میں موجود ہیں۔ وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں۔"

وہ جتانے والے انداز میں کہہ کر گلاس رکھنے کچن میں چلی گئی۔ روشین نے ناگواری سے سر جھٹکا جب کہ آسیہ بیگم کا چہرہ چمک اٹھا۔

"ارے... ریان بھی تو گھر میں ہے آج۔ لو بھئی تمہارا مسئلہ تو حل ہوا۔"

"اس کے گھر میں ہونے سے میرے مسئلے کے حل کا کیا تعلق؟"

روشین نے توجہ نہیں دی تھی۔

"...لو۔ ابھی تو رو رہی تھیں نوٹس کے لیے اور اب"

انہوں نے تعجب سے اسے دیکھا تو اس نے نگاہ چرائی۔

"وہ تو مجھے ابھی بھی چاہیئں۔"

''تو پھر ریان سے کہو۔ وہ تمہارے ساتھ چلا جائے گا۔''

انہوں نے اطمینان سے کہتے ہوئے اسے بے اطمینان کر دیا۔

''ابو پسند نہیں کریں گے۔ میں خوامخواہ نیا مسئلہ کھڑا نہیں کرنا چاہتی۔''

اس نے گول مول انداز میں انکار کر دیا۔

جتنا وہ ریان کو پسند کرتے ہیں وہ تم سے مخفی نہیں ہے پھر بھی تم ایسی باتیں کر رہی ہو اور دوسرے یہ کہ وہ کون سا''

''تمہارے لیے انجان ہے۔ سکندر سے پہلے اسے ہم جانتے ہیں۔ روشن پیشانی والا شریف بچہ ہے۔

انہیں تو موقع چاہیے تھا اس کی مدح سرائی کا۔

روشین کا جی چاہا اس ''روشن پیشانی'' والے شریف بچے کی لان والی حرکت انہیں بتائے تاکہ اس کے کندھوں پہ دھرا ''شرافت'' کا بوجھ کچھ کم ہو مگر وہ ضبط کر گئی۔

''چلو اب اٹھ بھی جائو۔ اسے کہو گی تو وہ کبھی منع نہیں کرے گا۔''

آسیہ بیگم نے اصرار کیا تو مارے بندھے اسے اثبات میں سر ہلانا ہی پڑا۔

''اگر اپنا منگیتر قابل اعتبار ہوتا تو اسی کے ساتھ چلی جاتی ایک فون کال کی دیر تھی۔''

اس کے دل میں گہری اداسی پھیلنے لگی تو وہ خود کو متضاد سوچوں میں گھرنے سے بچانے کے لیے جلدی جلدی اوپری پورشن کی طرف بڑھ گئی۔

عادل کاروباری سلسلے میں اسلام آباد گیا تو تمکین اور حمزہ کو بھی تبدیلی آب و ہوا کی غرض سے ساتھ لے گیا تھا۔ ان کا ارادہ دو چار دن مزید رکنے کا تھا۔

ورنہ بھابی ہی میری کچھ مدد کر دیتیں کہ آسیہ بیگم تو سیڑھیاں چڑھنے سے لاچار تھیں۔

اس نے کمرے کے باہر رک کر اپنی سانس متوازن کی۔

"جتنی منہ ماری اس روز ہم کر چکے ہیں۔اس کے بعد کیا مجھے اس کا یہ احسان لینا چاہیے؟"

روشین نے ایک بار پھر غور کرنا چاہا۔

دل اور دماغ دونوں ہی کا جواب پر زور نفی میں تھا مگر روشین نے گہری سانس بھرتے ہوئے دروازے کی ناب پہ ہاتھ رکھ دیا۔

"اپنی انا کو پس پشت ڈالو روشین سکندر اور تھوڑی سی ڈھٹائی سے کام لو۔بس اپنا کام نکل جائے تو پھر دور سے سلام۔"

اس نے خود کو حوصلہ دیا پھر خیال آیا تو ناب چھوڑ کے دروازے پہ ہلکی سی دستک دی۔

جتنی دیر تک اندر سے کوئی جواب نہ آیا اس کا دل بے ترتیبی سے دھڑکتا رہا۔

پھر اس نے تیزی سے دستک دی اور اس کے بعد بد تمیزی سے۔

مگر اندر سے چلتی میوزک کی دھیمی سی آواز کے علاوہ اور کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔

"یہ تو طے ہے کہ وہ کمرے میں ہی ہے مگر شاید بہرے پن کی پریکٹس کر رہا ہے یا میری طرح ڈھٹائی کی۔"

اس نے جھنجھلا کر سوچتے ہوئے ناب گھمائی اور دروازے کو خفیف سا کھول کر اندر جھانکا۔

اندر ٹیوب لائٹ پورے طمطراق سے آن تھی۔اس نے تھوڑا سا اور دروازہ کھولا تو باقی کا منظر بھی واضح ہو گیا۔

روشین کو حیرت ہوئی۔

ریان کے آنے سے پہلے اس کمرے کی جو سیٹنگ کی گئی تھی۔اب وہ کلی طور پر تبدیل تھی۔بیڈ اٹھا کر اس کی جگہ زمین پر گدا بچھا دیا گیا تھا۔ایک سائیڈ پہ سی ڈی پلیئر رکھا بج رہا تھا تو ساتھ ہی ڈھیر ساری سی ڈیز کا ریک سجا ہوا تھا اور خود وہ اسی گدے پر اوندھا سیدھا پڑا پتہ نہیں دن کے بارہ بجے کون سے سکھوں والے خواب دیکھ رہا تھا۔

روشین نے کڑھ کر سوچا۔

بھلاایسی بھی کیامدہوشی کسی کو ضروری کام بھی ہوسکتاہے۔" بڑی ہمت کر کے وہ دروازہ یوں ہی کھلا چھوڑ کے آگے"

آئی۔اس نے جھک کے سی ڈی پلییئر آف کیا۔

بہت پہلے سے ان قدموں کی آہٹ ہم جان لیتے ہیں"

"تجھے اے زندگی، اے زندگی ہم دور سے پہچان لیتے ہیں

ریان کا چہرہ دوسری جانب تھا مگر زندگی سے بھرپور لب ولہجہ روشین کو اچھل جانے پر مجبور کر گیا۔

"...خبیث

پیچھے ہٹ کے کھڑے ہوتے ہوئے اس نے دانت پیسے۔وہ مسکراتا ہوا اٹھ بیٹھا تھا۔

"تم جاگ رہے تھے۔"

روشین نے اپنی شرمندگی دور کرنے کے لیے سوالیہ سے زیادہ شرم دلانے والا انداز اپنایا۔

ہاں..." وہ اپنی ازلی ڈھٹائی سے بولا۔"

بہت خوب۔تو یہ ہیں تمہاری اخلاقیات۔ تین بار میں نے دروازہ کھٹکھٹایا اور تم نے جاگتے ہونے کے باجود جواب نہیں"

"دیا۔

روشین نے طنز کیا تو وہ سیاہ آنکھوں میں حیرت سمو کر اسے دیکھنے لگا۔

پھر سادگی سے بولا۔

"میں تو تم سے اعلیٰ اخلاقیات کی پاسداری کی توقع کر رہا تھا کہ تین بار جواب نہ ملنے پر شاید آنے والا لوٹ جائے۔"

روشین کی پیشانی جل اٹھی۔

اور کتنی ڈھٹائی سے دروازہ کھول کے اندر چلی آئی تھی بلکہ دندناتے ہوئے۔

"چلو کوئی بات نہیں۔ حق بنتا ہے تمہارا۔"

وہ جیسے اس کی شرمندگی رفع کرنے کو پچکارتے ہوئے بولا تو روشین تلملا اٹھی۔

"کیا مطلب... کیسا حق...؟"

فوراً تیوری چڑھائی تو وہ کشن اٹھا کر گود میں رکھتے ہوئے اسی اطمینان سے بولا۔

"بھئی تمہارا گھر ہے جہاں چاہے آجا سکتی ہو۔"

روشین نے گہری سانس کھینچتے ہوئے دماغ کو پرسکون رکھنے کی سعی کی۔

فی الحال تو وہ کام ضروری تھا جس کے لیے وہ یہاں آئی تھی۔

"سوری۔ میں نے دھیان نہیں کیا۔ مجھے اجازت لینے تک باہر رکنا چاہیے تھا۔"

وہ سنجیدگی سے بولی تو ریان نے دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ ہلکے ہلکے اثبات میں سر ہلایا۔

وہی مسکراہٹ جو کبھی اس کی وجاہت کا سب سے بڑا حصہ ہوا کرتی تھی۔ اب کوئی روشین سے پوچھتا کہ کیسے دل جلاتی تھی۔ اسی چڑ میں وہ وہیں سے واپس پلٹی۔

تمہیں شاید مجھ سے کوئی بہت ضروری کام تھا۔" اس نے پوچھا نہیں بلکہ بڑے تیقن سے کہتے ہوئے روشین کے" قدموں کو جکڑ لیا۔

"تمہیں کیسے پتہ چلا...؟"

روشین نے فقط چہرہ موڑ کے اسے دیکھا تو وہ گہری سانس بھرتا اٹھ کھڑا ہوا۔

وہ کیا ہے کہ اب اتنا بھی خوب صورت نہیں ہوں کہ فقط مجھے دیکھنے کے لیے یوں افتاں وخیزاں میرے کمرے میں"

"چلی آئی ہو۔

دل تو اس کا بہت چاہا مگر بظاہر وہ بڑے آرام سے بولی۔

"یہ تو بالکل ٹھیک کہا تم نے۔"

تو پھر...؟" وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔"

امی کہہ رہی ہیں کہ میری دوست کے ہاں سے نوٹس لا دو۔" وہ لٹھ مار انداز میں بولی۔"

"یہ آنٹی نے کب سے پڑھائی شروع کر دی؟"

ریان نے بھنویں اچکا کر استفسار کیا۔

امی کی نہیں۔ میری دوست کے گھر سے نوٹس لانے ہیں۔ بس پاؤں پٹخنے کی کسر رہ گئی تھی ورنہ جھنجلاہٹ تھی کہ"
مسلسل بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

"تو یوں کہو ناں کہ اپنے کام سے آئی ہو۔"

وہ سادہ سے انداز میں کہتا اتنا بھی سادہ نہیں لگ رہا تھا کہ وہ اس کا لب و لہجہ ہضم کر جاتی۔

"اچھا جی۔ گناہ ہو گیا معافی چاہتی ہوں جو اپنے کام سے چلی آئی۔ دماغ خراب ہو گیا تھا میرا۔"

چڑ کر کہتے ہوئے اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر اپنے ماتھے سے لگائے۔ تو نہ نہ کرتے بھی آواز بھرّا گئی۔

وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی مگر اس سے زیادہ پھرتی سے ریان اس کی راہ میں ایستادہ ہوا۔ اسے اندازہ نہیں تھا۔ بری طرح سے ٹکرا جاتی مگر نے خود سے دو قدم دور ہی اسے شانوں سے تھام کر روک لیا۔

اس کے حواس چوکنا ہوئے تھے۔

"اب اگر غلطی کر ہی لی ہے تو اس کا خمیازہ بھی بھگتنا پڑے گا۔"

آرام سے اپنے ہاتھ اس کے شانوں پر سے ہٹاتے ہوئے وہ یوں بولا جیسے کچھ بات ہوئی ہی نہ ہو جب کہ اس اچانک حادثے پر اس کا پورا وجود سنسنا اٹھا تھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

روشین نے خود کو سنبھالتے ہوئے خونخوار انداز اپنایا۔

"یعنی کہ اب تمہیں میرے ساتھ چلنا پڑے گا۔ اپنی دوست کے گھر نوٹس لانے۔"

وہ اسی انداز میں بولا تو روشین کے دل میں قدر ٹھنڈک اتری۔

مجھے کوئی شوق نہیں ہے تمہارا احسان لینے کا۔ بس امی ہی مجھے کسی طور اکیلے بھیجنے کو راضی نہیں تھیں ورنہ میں"

"... کبھی

اس نے جتا دینا چاہا مگر آدھے "اعلانیے" کے بعد ہی اسے احساس ہو گیا کہ وہ کس قدر محظوظ کن نظروں سے اسے دیکھ رہا ہے تو وہ سٹپٹا کر چپ ہو گئی۔

میں نے کچھ کہا...؟" ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا تو روشین کا جی چاہا کوئی شے اٹھا کر اپنے ہی سر پہ دے مارے۔"

"اب اگر جانا ہو تو آجانا سمجھے۔"

وہ تنتنا کر کہتے ہوئے تیزی سے باہر نکل گئی تھی۔ اس کے باہر نکلتے ہی ریان کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔

کچھ بھی ہو... یہ حقیقت تو ایک پل کو بھی نہیں بھولتی تھی کہ وہ اس کی "زندگی میں" نہیں ہے۔

گہری سانس بھرتا وہ الماری میں سے کپڑے نکالنے کے لیے بڑھ گیا۔

☆☆☆☆

ابرار دروازہ کھول کر خود بھی گڑبڑا سا گیا۔

سامنے شازمہ کھڑی تھی۔

مگر ماضی کی جامہ زیب اور دلکش شخصیت کی مالک نہیں بلکہ یہ تو کوئی اور ہی شازمہ تھی۔

اجڑی ہوئی، بکھرے بال، متورم چہرہ اور آنکھیں جیسے ابھی ابھی کو کو "رو" کے آئی ہو۔

ایک ہاتھ سے ابرار کو پرے ہٹاتی وہ سیدھی اندر چلی آئی۔

ملگجا حلیہ اور شانے پر لٹکتا دوپٹہ جھاڑو کی مانند اس ک پیروں میں گھسیٹ رہا تھا مگر شاید اسے ذرا بھی احساس نہ تھا۔

ابرار عجیب سے احساس میں گھرا سر پر ہاتھ پھیرتا دروازہ بند کر کے لوٹا تو وہ رشیدہ بیگم سے لپٹی باآواز بلند رو رہی تھی اور وہ بوکھلا کر اسے تسلیاں دیتی ساتھ ساتھ پوچھتی جا رہی تھیں۔

"ہوا کیا ہے شازمہ... آخر بتاؤ تو سہی؟"

اس کی دگرگوں حالت دیکھتے ہوئے رانیہ دوڑ کر پانی کا گلاس بھر لائی اور زبردستی اس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔

تھوڑا سا پانی پی کر اس نے رانیہ کا ہاتھ ہٹا دیا۔ اس کی آنکھیں پھر سے ابل پڑیں۔

"... طلاق دلوا دی مجھے انہوں نے خالہ جان۔ بیٹے کے آتے ہی مجھے فارغ کروا دیا"

وہ بلک رہی تھی۔

اور سب نفوس پہ سکتہ طاری تھا۔

یہ سچ تھا کہ اس کی ساس اور نندیں خاصی تیز طرار سی تھیں مگر واقعی شازمہ کو طلاق دلوا دیں گی یہ کبھی کسی نے سوچا بھی نہ تھا۔

"صبر کرو میری بیٹی صبر کرو۔"

رشیدہ بیگم کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے اور رانیہ تو یوں بھی چڑیا سے دل کی مالک تھی۔ پہلے ہی چھما چھم آنسو بہا رہی تھی۔

کیسے صبر کروں خالہ جان... نہ ماں باپ نہ بھائی بہن۔ بس ایک خدا کا آسرا ہے۔ انہوں نے ایک پل کو نہیں سوا کہ "

نکال دیا تو کہاں جائے گی۔ باپ تھا شادی کے دو سال بعد وہ بھی نہ رہا۔ یتیم سمجھ کے ہی ترس نہ کھایا انہوں نے۔" وہ

صحیح رو رہی تھی۔

میکے کا سہارا نہیں تھا تب ہی تو سسرال والے شیر ہو رہے تھے۔

"ماں باپ کسی نے نہیں سمجھایا اسے؟"

رشیدہ بیگم کو خیال آیا۔

"انہوں نے جو سمجھایا اس نے وہی تو کیا ہے۔"

وہ زخمی لہجے میں بولیں تو رانیہ کا جی چاہا انہیں گلے سے لگا کر اتنی تسلی دے' اتنا پیار کرے کہ وہ پھر سے پہلے جیسی شازمہ بھابی بن جائیں۔ ہنس مکھ اور زندہ دل۔

"...ایسے ہی نکل پڑی ہو وہاں سے' خالی ہاتھ' نہ زیور نہ کپڑا لتا"

انہوں نے پوچھا تو وہ پھپھک کر رو دیں۔

جس کے دم سے یہ سب تھا وہی چلا گیا تو اس مال کا کیا کرنا خالہ جان۔ وہ ڈالر کما رہا تھا میں نے تب بھی ہوس نہیں کی اور "

نوکری کر کے اپنا پیٹ پالتی رہی۔ صرف اس کے نام کے سہارے اور اب جب وہ سہارا بھی نہیں رہا تو ان مصنوعی

" سہاروں کا کیا۔

سب خاموش ہو گئے تھے۔

...کمرے میں صرف شازمہ بھابی کے بلکنے کی آواز تھی اور بس

☆☆☆☆

وہ اس کے ساتھ پیدل ہی گھر سے نکلی تھی کیونکہ ہڑتال شام تک چلنے والی تھی اور وہ تب تک بیٹھ کر انتظار نہیں کر سکتی تھی کہ گاڑی یا موٹر سائیکل پر چلے۔

"گھر کا پتہ ہے نا اچھی طرح...؟"

ریان نے پانچویں مرتبہ پوچھا تو روشین نے تیز نظروں سے اسے دیکھا۔

"اب کیا اسٹامپ پہ لکھ کر دوں۔ کہا تو ہے کہ پتہ ہے۔"

"پہلے کبھی آئی ہو اس کے گھر؟"

وہ مسلسل تشویش میں مبتلا تھا بلکہ اسے بھی تشویش زدہ کر رہا تھا۔

اب کی بار وہ قدرے ہچکچائی۔

"گھر تو کبھی نہیں آئی مگر جب ہم کالج وین میں ایک ساتھ آتی تھیں تو وہ جہاں اترتی تھی وہ جگہ مجھے پتہ ہے۔"

"...ہیں"

ریان ٹھٹکا۔

پھر گھور کے اسے دیکھا۔

"وہ جگہ معلوم ہے یا اس کا گھر...؟"

ایک ہی بات ہے... کوئی زیادہ پرانی تو نہیں بس ڈیڑھ سال پہلے کی بات ہے۔ میں اس روڈ پہ جاؤں گی تو مجھے پتہ چل"

"جائے گا۔

وہ جلدی سے بولی۔

''اوراس روڈ پہ جنابہ کو کون لے کے جائے گا؟''

ریان نے طنزاً پوچھا تو وہ برا مان کر بولی۔

''تم لے جاؤ گے اور کون۔ تمہیں کیا میں واک کرانے ساتھ لائی ہوں۔''

شاباش...'' وہ متحیر سا وہیں کھڑا رہ گیا۔''

چند قدم آگے جا کے وہ پلٹی۔

''کیا ہے اب...؟''

''میں کیا تمہارا وین ڈرائیور ہوں جو تمہیں اس روڈ پہ لے جاؤں گا؟''

''تو میں کون سا خود سے جاتی تھی۔ وین والا ہی لے جاتا تھا۔ باقی کا پتہ مجھے معلوم ہے۔''

وہ اتنے آرام سے بولی کہ ضبط کرتے کرتے ریان کو ہنسی آگئی

...اور روشین کو اس کی ہنسی پر غصہ

''اس میں مذاق اڑانے والی کون سی بات ہے؟''

مذاق...؟'' ریان نے حیرت سے اسے دیکھا پھر بولا۔''

مذاق نہیں محترمہ! یہ حقیق ہے کہ ہم راستہ بھول چکے ہیں۔ یہ جن گلیوں بلکہ بھول بھلیوں میں تم مجھے آدھے گھنٹے''

''سے گھمار ہی ہو ان میں ہم چھ دفعہ چکر لگا چکے ہیں۔

یوں ہی۔'' اسے صدمہ لگا۔''

''محترمہ گلیوں سے باہر نکلیں تو سڑک آتی ہے۔''

ریان نے اسے باور کرایا تو اس کا طنز پا کر وہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''کیا ہے تمیز سے بات نہیں کر سکتے؟''

اس کا انداز بے حد کٹکھنا تھا۔

"نہیں۔ میں بد تمیزی سے بات کروں گا۔"

وہ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آرام سے بولا تو اسے ایک دم سے طرارہ آگیا۔

"...تم واپس چلے جائو اور خبر دار جو میرے پیچھے آئے تو"

وہ پائوں پٹختی ساتھ والی گلی میں گھسی توریان کی ہنسیں کانوں میں پڑی۔

"...یہ گلی آگے سے بند ہے"

شازمہ اگلے تین روز انہی کے ہاں ٹھہری۔ رشیدہ بیگم نے اسے رانیہ کے کمرے میں ہی ٹھہرایا تھا۔

"بیچاری پر وقت آن پڑا ہے اور تمہیں ہی دوسراہٹ ہو جائے گی۔"

شازمہ کے سسرال والے اس قدر گھٹیا نکلے کہ کسی نے بھی پتہ کرنے کی کوشش نہ کی تھی کہ وہ گھر سے نکل کے کہاں گئی ہے۔

اس موقع پر رانیہ نے پیار' ہمدردی اور تسلی کے پھاہے رکھ کے شازمہ کے زخموں کو مندمل کرنے کی اپنی سی کوشش کی تھی۔

رونا تو اس بات کا ہے رانیہ' اپنی زندگی کے خوبصورت سال خالص جذبات اور وفا اس شخص پر لٹادی میں نے ؟ جس" نے طلاق کے الفاظ منہ سے نکالتے ہوئے ایک سیکنڈ کو بھی نہیں سوچا کہ نکاح نامے پر اس کے ہی نہیں میرے بھی "دستخط تھے۔ پھر ایسا فیصلہ اس نے تنہا کیسے کر لیا؟

اس کا دکھ بہت عظیم تھا۔ رانیہ کو پتہ تھا کہ اس کے الفاظ شازمہ کی روح پر لگے گھائو تو نہیں بھر سکتے مگر وہ جانتی تھی کہ آہستہ آہستہ انہی ہمدردانہ لفظوں سے اس کی روتی' کرلاتی روح کو سکون ملے گا۔ سو وہ دلجمعی سے اسے دلاسے دیئے جاتی۔ اس کے آنسو پونچھتی' اسے پیار کرتی۔

وہ دوسرے دن کی شام تھی جب نگینہ شوہر اور بچوں کے ساتھ آپہنچی۔ رانیہ کا دل گھبرانے لگا۔

شازمہ کو گھر رکھ کے رشیدہ بیگم نے بہت نیکی کی تھی۔ مگر وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ نگینہ کی لچھے دار گفتگو اور دلائل رشیدہ بیگم کو اپنی اس نیکی کے غلط ہونے کا یقین دلا دیں گے۔ وہ ایسی ہی تھی۔

اپنی غلط بات کے حق میں بھی ایسے ایسے دلائل گھڑتی کہ اگلے ہی پل رشیدہ بیگم جیسی صاف دل سے فیصلہ کرنے والی عورت اسی کے رنگ میں رنگی، اسی کی ہاں میں ہاں ملا رہی ہوتیں۔

اس کا شوہر تو رات کے کھانے کے بعد رخصت ہوا۔ نگینہ اور دونوں بچے مہمان ٹھہرے۔

کتنی ہی دیر وہ شازمہ کے پاس بیٹھی اس کا دکھ بانٹتی رہی بلکہ دوسرے لفظوں میں کرید کرید کے "اصل" حقیقت جاننے کی کوشش کرتی رہی جبکہ رانیہ تاسف سے اس کی حرکتیں ملاحظہ کر رہی تھی۔ بجائے اس کے کہ وہ شازمہ کی دلجوئی کرتی اسے یہ دلدوز حادثہ بھلانے کی کوشش کرتی وہ تو برے محلے داروں کی طرح ایک ایک بات سے مزہ لینے کی کوشش کر رہی تھی اور پھر رشیدہ بیگم کے پاس جا کر وہی اپنا زورِ بیان۔

"ایسی آزاد خیال عورتوں کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے بالآخر۔"

ایسی آزاد خیال تو نہیں ہے وہ۔" رشیدہ بیگم نے کہا تو وہ تمسخرانہ انداز میں بولی۔"

نہ بھی ہو تو لوگ نوکری کرنے والی عورتوں کو آزاد خیال ہی سمجھتے ہیں۔ شوہر امریکہ سے دھڑا دھڑ ڈالر بھیج رہا ہے اور" ادھر محترمہ کے مزاج ہی نہیں ملتے۔ تین ہزار کی نوکری کے لیے خوار ہو رہی ہیں۔ بھئی کس کی ساس نندیں باتیں نہیں "سناتیں۔ مجھے دیکھ لیں۔ بتیس دانتوں کے درمیان دبی زبان جیسی زندگی گزار رہی ہوں مگر دم مارنے کی مجال نہیں۔

"تمہارا اور مسئلہ ہے۔"

رشیدہ بیگم اس کی بات سے متفق نہ تھیں۔

لو... تو خاوند کچھ دیکھتے ہی ہیں تو طلاق دیتے ہیں ناں۔ یا ویسے ہی شوقیہ تین لفظ کہہ کے گھر سے نکال باہر کرتے''

ہیں۔'' وہ بے پروائی سے یوں بولی جیسے شازمہ کو اتنے سالوں سے جانتی نہ ہو۔

بہر حال۔ بیچاری پر وقت تو آن ہی پڑا ہے۔'' رشیدہ بیگم نے تاسف سے کہا تو وہ تنکی۔''

بہت ہو گیا بیچاری' بیچاری۔ دو دن تو یہاں گزار ہی چکی ہے۔ اب رخصت کریں سے محلے والے بھی باتیں بناتے''

''ہوں گے۔ یہ کون سا اس کی خالہ کا گھر ہے جو طلاق لے کے یہاں آپڑی ہے۔

''خدا کا خوف کرو نگینہ۔ اب اپنے منہ اسے جانے کا کہوں بھی تو کہاں۔''

حد ہو گئی سیدھے پن کی امی۔ یعنی یہ طلاق اسے ہماری وجہ سے ہوئی ہے جو اب اس کا بار ہم اٹھائیں گے۔ اتنی ہی''

''ہمدردی بہت ہے۔

وہ اب ایک بات منہ سے نکال چکی تھی تو منوا کے ہی چھوڑنے والی تھی۔

ٹھیک تو کہہ رہی ہیں آپی۔'' شبینہ نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔''

''کیا خاک ٹھیک کہہ رہی ہے۔ کچھ انسانیت بھی ہے تم لوگوں میں کہ نہیں۔''

ابرار نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے لقمہ دیا۔ وہ یقیناً ان کی گفتگو سن چکا تھا۔

یہ لو... ایک اور ''انسان'' آ گیا۔'' نگینہ اس کی بے وجہ و بے تکی بحث سے بے زار ہوتی تھی۔''

پہلے تو بڑا دم بھرتی تھیں' شازمہ یہ شازمہ وہ۔ اب کیا ہوا؟'' وہ طنزیہ پوچھتے ہوئے وہیں بیٹھ گیا تھا۔''

پہلے تو مجھے تم بتاؤ کہ عورتوں کے مسائل میں تمہارا کیا دخل؟'' نگینہ چڑی۔''

انسانیت بھی کوئی چیز ہے آخر..." وہ سنجیدگی سے بولا۔"

ابھی تو لنڈورے ہو اس لیے یہ کہہ رہے ہو۔ابھی جو ہوتی نا تمہاری بیوی یہاں تو میں دیکھتی کیسے شازمہ بی بی کی حمایت"

"کا جھنڈا اٹھا کے نکلتے ہو۔

نگینہ نے اسے آئینہ دکھایا تو وہ ڈھٹائی سے بولا۔

مجبوری ہے۔اس کا شوہر تو شاید اندھا ہے۔اتنی حسین بیوی کو یوں بے یار و مددگار چھوڑ دینا کہاں کی انسانیت ہے"

"بھلا۔

نگینہ نے معنی خیز نظروں سے ماں کی طرف دیکھا۔بیٹے کی بات سن کے ان کا بھی ماتھا ٹھنکا تھا۔

تمہیں کس بات کی مجبوری ہے؟اسے یہاں میں نے پناہ دی ہے' تم نے نہیں۔" وہ بگڑ کے بولی تو وہ سکون سے"

انہیں دیکھنے لگا۔

"اس میں غلط بات کیا ہے۔خوبصورت تو وہ ہے ہی۔"

تمہیں کیا مطلب اس کی خوبصورتی سے؟" انہیں غصہ آنے لگا تھا۔"

خدا کی بنائی ہر خوبصورت شے کی تعریف کرنا فرض ہے۔" وہ بھی ایک نمبر کا ڈھیٹ تھا۔"

"دیکھ لیا آپ نے ہمدردی کا انجام۔ابھی تو دو ہی دن گزرے ہیں۔"

نگینہ کو اب سکون آیا۔اب شازمہ کی رخصتی یقینی تھی کہ کسی ایرے غیرے کو گھر میں برداشت کرنے کا اس میں مادہ ہی نہیں تھا۔مجال نہیں تھی کہ وہ ماں کی توجہ خود سے ادھر ادھر ہونے دیتی۔

بعض لوگوں کو خود کو اہم بنائے رکھنے کا ضبط ہوتا ہے۔نگینہ بھی اسی جنون میں مبتلا تھی۔

تمہیں کیا مسئلہ ہے آخر۔تمہارے اپنے گھر کے مسئلے ختم ہو گئے ہیں کیا؟" ابرار نے ناگواری سے اسے دیکھا۔"

دیکھ رہی ہیں امی اسے۔" نگینہ تو مانو پھٹ ہی پڑی۔"

ابرار! دماغ تو خراب نہیں ہوا تمہارا۔" انہوں نے خدشات سے بوجھل ہوتے دماغ کے ساتھ ابرار کو سمجھانا چاہا۔"

"تو میں کون سا شادی رچا رہا ہوں اس کے ساتھ۔ محض ہمدردی ہی کی بات کی ہے۔"

وہ لڑکا تھا منہ پھٹ۔ بات اپنے انداز میں کرتا تھا۔ ادھر ماں بہنوں کے کلیجے کیسے کانپے تھے اسے احساس نہیں تھا۔

بکواس بند کرو' ابرار۔ اس معاملے سے تمہارا کوئی تعلق واسطہ نہیں۔ جائو اپنے کمرے میں۔" انہوں نے اسے بری" طرح جھڑک دیا تو وہ نگینہ کو ناگواری سے دیکھتا اٹھ کے چلا گیا۔

"دیکھ لیا اپنی ہمدردی کا انجام۔ بات شادی تک لے آیا ہے' بیٹا۔"

نگینہ نئے سرے سے تیار ہوئی تھی مگر اب اسے اپنے دلائل ضائع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہی تھی کیونکہ رشیدہ بیگم ابرار کے تیور دیکھ کر پہلے ہی شازمہ کو وہاں سے رخصت کرنے کا سوچ چکی تھیں۔

☆☆☆☆

آئی ایم سوری..." وہ اس سے معذرت کر رہا تھا۔"

اٹس اوکے۔" وہ خفگی سے بولی تو ریان نے گہری سانس بھری۔ چند لمحے خاموشی کے تھے۔"

"کچھ یاد آیا کون سی روڈ تھی وہ؟"

خاموشی کے وقفے کے بعد ریان نے پوچھا تو وہ قدرے جوش سے بولی۔

"...ہاں۔ یاد آیا۔ اس روڈ پر علی ظفر کا ٹاک شاک والا بہت بڑا ایبل بورڈ لگا ہوا تھا۔ وہ جو نیا ایڈ آ رہا ہے نا اس کا جس میں"

یا اللہ!" ریان نے کراہ کے اسے دیکھا تو وہ خفیف سی ہو کے چپ ہو گئی۔"

یہ تم لڑکیاں بعض معاملات میں اتنی بیوقوف کیوں ہوتی ہو؟" وہ پوچھ رہا تھا۔"

دیکھو اگر تم میرے کام آ رہے ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ مجھے جو جی چاہے کہتے رہو۔" وہ احتجاجاً بولی۔"

"فون نمبر... فون نمبر بتاؤ اپنی دوست کا۔" ریان نے دانت پیستے ہوئے اپنا موبائل نکالا۔

"فون نمبر تو نہیں ہے میرے پاس۔" وہ اطمینان سے بولی۔

"...الٰہی"

ریان اسے دیکھتا رہ گیا۔

"اسے کیسے بتایا تھا کہ ہم نوٹس لینے آ رہے ہیں؟" بڑے تحمل سے پوچھا۔

"وہ... اس کا موبائل نمبر ہے۔" وہ عقلمندی سے بولی۔

"...شاباش"

ریان ایک پاؤں پر گھوم کے رہ گیا۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ وہ روشین کے ہاتھوں اس قدر زچ ہو سکتا ہے۔

"کیا نمبر ہے اس کا؟"

"وہ تو مجھے زبانی یاد نہیں۔ میرے موبائل میں فیڈ ہے جب کرنا ہو ایک بٹن پریس کرنا پڑتا ہے اور بس۔"

"اور موبائل کہاں ہے جنابہ کا؟" وہ جواب جانتا تھا پھر بھی تسلی کی خاطر پوچھا۔

"وہ تو گھر پر ہے۔ میں نے سوچا یہاں کہاں اس کی ضرورت پڑنے والی ہے۔"

وہ متاسفانہ انداز میں سر ہلاتے ہوئے اپنے موبائل فون پر کوئی نمبر ملانے لگا۔

"تمہیں کیسے پتہ چلا اس کے نمبر کا؟"

وہ تفتیشی بلکہ مشکوک انداز میں پوچھ رہی تھی۔

"ہاں... بے وقوفوں کی طرح سڑکوں سڑکوں گھوم رہے ہیں۔ گھر کا محترمہ کو علم نہیں۔ فون نمبر یاد نہیں اور اپنا موبائل گھر چھوڑ آئی ہیں، عقلمند صاحبہ۔ تم اس کے موبائل سے ذرا اس نادر و نایاب سہیلی صاحبہ کا نمبر دیکھ کے بتاؤ تو کچھ بات بنے۔"

وہ پتہ نہیں کون سے "دفترِ شکایات" میں شکایت داخل کر رہا تھا۔

پھر فرحین نے اسے رابعہ کا نمبر میسج کے ذریعے بھیجا جو ملا کے ریان نے موبائل اس کے حوالے کیا تھا۔

اب دھیان سے ایڈریس پوچھنا۔"

ہاں... اوفوہ رابی' کہاں گم ہوگئی ہو یار! پورا شہر چھان مارا ہے میں نے۔ ارے کہاں۔ ایک عقلمند صاحب کے ساتھ" نکلی تھی۔ اب تمہی بتاؤ تمہاری روڈ پر لگا ہے نا علی ظفر والا بورڈ' جسے ہم روز دیکھتے تھے۔ ہاں... اور یہ جناب... اسے "... کوئی نشانی

وہ تیکھی نظروں سے ریان کو دیکھ رہی تھی جو اس سے فون مانگ رہا تھا۔

"ہاں یار! مجھے تو پتہ ہی ہے۔ تم ذرا ان محترم کو ایڈریس سمجھا دو۔ میرا کہا تو ان کی سمجھ میں نہیں آرہا۔"

اسی تیکھے لہجے میں سارا ملبہ ریان پر گراتے ہوئے اس نے موبائل ریان کے ہاتھ پر پٹخا تو وہ تحمل سے ایڈریس سمجھنے لگا۔

یہ اگلی روڈ پر گھر ہے ان کا۔" فون بند کر کے رکھتے ہوئے وہ جتانے والے انداز میں بولا تو روشین بولی۔"

"... میں بھی تو یہی کہہ رہی تھی کہ یہیں کہیں ہے اور دیکھ لینا وہاں وہ اشتہار بھی ہوگا"

وہ گہری سانس بھرتے ہوئے بولا۔

"چلیں اب...؟"

اور اس نے رابعہ کے گھر کے سامنے بطورِ خاص اسے وہ اشتہار دکھایا تو ریان اسے گھور کے رہ گیا۔

بیل بجانے پر کسی نے آکر دروازہ تو کھول دیا مگر بیک گراؤنڈ سے آتی کتے کے بھونکنے کی آواز نے بالکل گیٹ کے سامنے کھڑی روشین کے اعصاب پر خاصا برا اثر ڈالا۔

"... جی فرمایئے"

کوئی نوجوان لڑکا تھا۔

بیک گراؤنڈ میں کتے کی آواز اور بلند ہوئی۔ وہ شاید گیٹ ہی کی طرف بھاگا آرہا تھا۔

ریان نے اسے تعارف کرانے کا اشارہ کیا۔

کیا یہاں کتے رہتے ہیں...؟" وہ نروس سی پوچھ رہی تھی۔ ..."

ریان کا جی چاہا اپنا سر پیٹ لے۔

لڑکے کے بھی تاثرات فوراً بدلے۔

ان کا مطلب ہے کیا آپ نے کتا پالا ہوا ہے؟" وہ فوراً مسکراتے ہوئے آگے ہوا اور مصافحے کے لیے ہاتھ آگے" بڑھایا۔ پھر اپنا تعارف کرایا۔

"میں رابعہ کی دوست ہوں۔"

روشین کو بالآخر یاد آہی گیا۔

"آجائیں۔ وہ آپ ہی کا انتظار کر رہی ہیں۔"

دوسری جانب سے بھی خیر سگالی کا مظاہرہ کیا گیا تو ریان نے اطمینان کی سانس لی۔

مگر وہ کتا؟" روشین متذبذب تھی۔"

"بندھا ہوا ہے۔ آپ اطمینان سے اندر آئیں۔"

رابعہ اس کی آمد کی خبر پاکر پورچ میں اس کے استقبال کو آئی۔

لمبی چوڑی بگھارنے مت بیٹھ جانا۔ بس نوٹس لو اور واپس چلو۔" ریان نے اسے اندر داخل ہوتے ہی کہہ دیا تھا۔"

ارادہ تو اس کا بھی یہی تھا مگر اب جبکہ یہ بات ریان نے کہی تو اس نے سوچ لیا کہ آدھا گھنٹہ تو ضرور بیٹھے گی۔

باتونی سی رابعہ انہیں سیدھا ڈرائنگ روم میں لے آئی۔

اف... میری کتنی خواہش تھی کہ روشی کبھی میرے گھر آئے مگر یہ کبھی مانی ہو تب نا مگر اللہ بھی کیسی کیسی سبیل"

بنا دیتا ہے۔ آج آنا ہی پڑا محترمہ کو۔ اور آپ سنائیں بھائی۔ ٹھیک ہیں بالکل...؟" وہ ریان سے پوچھ رہی تھی۔

وہ قصداً مسکرایا۔

"جی۔ الحمدللہ۔"

چلیں اسی بہانے آپ سے بھی ملاقات ہو گئی ورنہ اس سے کتنا کہا کہ منگنی میں تو بے مروت نے نہیں بلایا کم از کم"

"تصویریں ہی دکھا دو مگر اسے شاید نظر لگنے کا ڈر تھا۔ جوڑی تو واقعی "جوڑ" کی ہے۔

وہ کھلکھلائی۔

مخلص اور دل کے صاف لوگ بھی ایک امتحان ہوا کرتے ہیں۔ یہ اس دن روشین کو احساس ہوا۔

وہ ریان کو عمر سمجھ رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ اس کی یہ غلط فہمی دور کرتی رابعہ کی امی اپنے فربہی مائل جسم کے ساتھ

ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں۔

روشین اٹھ کے ان سے ملنے لگی۔

"یہ میری امی ہیں... اور یہ روشی ہے' امی۔ اسے تو آپ جانتی ہی ہیں اور یہ ساتھ اس کے فیانسی۔"

اب کے بار اس قدر کھلے ڈلے تعارف پر وہ اس کی امی کی بانہوں کے گھیرے میں کسمسا کر رہ گئی۔

بھئی تمہاری تعریفیں کر کر کے تو رابی نے کان کھا لیے ہمارے۔ روشین یہ' روشین وہ' مائنڈ نہ کرنا بیٹا اگر رابی کا"

"بھائی ہوتا تو میں ضرور اب تک اس کا رشتہ لینے پہنچ چکی ہوتی۔

خوش دلی سے کہتی آخر میں وہ ریان سے مخاطب ہوئیں تو روشین پر جیسے کسی نے گھڑوں پانی ڈال دیا۔

کیا کرے وہ' کیا کہے؟

آنٹی یہ میرا فیانسی نہیں' ہمارا کرایے دار ہے۔ یا پھر میری بھابی کا بھائی ہے یا پھر بھائی کا سالا... افوہ۔

وہ ریان سے نظریں ملائے بغیر رابعہ کے ساتھ بیٹھ گئی۔ رابعہ یونیورسٹی کی باتوں میں مگن' ٹیسٹ کی فکر' مگر ادھر وہ یونیورسٹی' ٹیسٹ سب کچھ بھولے آنٹی کی طرف متوجہ تھی جو ریان سے پورا انٹرویو لینے کے موڈ میں تھیں۔

روشین کو اپنی ضد پر افسوس ہوا۔ اچھے بھلے ریان نے نوٹس لے کر باہر ہی سے چلنے کی بات کی تھی۔

پھر ریان تو انتہائی اطمینان بلکہ بشاشت سے وہاں بیٹھا رہا مگر روشین کی سیٹ پر تو جیسے کانٹے اگ آئے تھے۔

''اب چلیں۔ باہر حالات پہلے ہی ٹھیک نہیں۔''

وہ تھک کے خود ہی بولی۔ ورنہ ریان تو جیسے بے حد فراغت سے اپنی ہونے والی نام نہاد سسرال میں بیٹھا تھا۔

نہ نہ کرتے بھی پر تکلف چائے کے ساتھ ان کی خاطر کی گئی تو روشین نے چائے کی شوقین ہونے کے باوجود صرف چائے لی جب کہ ریان نے ہر چیز کے ساتھ خوب انصاف کیا۔ روشین اس کی ایکٹنگ پر اندر ہی اندر تلملا رہی تھی۔ کس قدر خوش مزاجی کا مظاہرہ کر رہا تھا جیسے بر دکھوے کو آیا ہو۔

بہت خوش قسمت ہے روشین جو اسے اس قدر اچھا شخص ہمسفر کے طور پر ملا۔ لگتا ہی نہیں کہ اتنے سال امریکہ میں رہ کے آیا ہے۔''

رابعہ کی امی تو ریان کی شخصیت' اس کی خوش مزاجی اور فرمانبردارانہ انداز پر فدا ہی تو ہو گئی تھیں۔

بمشکل ان لوگوں سے اجازت لے کر وہ دونوں وہاں سے نکلے تو روشین کا منہ پھولا ہوا تھا۔

باہر ابھی تک ٹریفک کا نام و نشان تک نہ تھا۔ بس پیدل ہی اکا دکا لوگ جو انہی کی طرح مجبوراً گھروں سے نکلے ہوں۔

وہ بے حد خوشگوار موڈ میں تھا جس کا اندازہ روشین کو اس کی گنگناہٹ سے ہو رہا تھا۔ اس کا دل اور جلا۔ جانے وہ روشین کی وہاں خاموشی کو کیا سمجھ رہا تھا۔

یہی جلن اور کڑھن تھی جس نے مین روڈ سے گلی میں آتے ہی روشین کو بولنے پر مجبور کیا۔

تم تھوڑی دیر چپ نہیں رہ سکتے۔ وہاں بھی بول بول کے دماغ خراب کر دیا اور اب یہاں پتہ نہیں کون سے ماہیئے"

"گا رہے ہو۔

وہ بے حد اکتائے ہوئے انداز میں بولی جیسے ہاتھ جوڑنے ہی کی کسر باقی رہ گئی ہو۔

ریان کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

تم وہاں بھی ہماری گفتگو ہی سن رہی تھیں؟ پوز تو یوں کر رہی تھیں جیسے اپنی دوست کے ساتھ عالمی معاملات پر مباحثہ"

"کر رہی ہو۔

اس کے مذاق اڑانے والے انداز پر روشین کو سبکی کا احساس ہوا۔ جی تو چاہا نوٹس والا شاپر اس کے سر پر دے مارے پر پھر خیال آیا کہ نوٹس بہر حال زیادہ قیمتی تھے۔

"تم کون سا آہستہ بول رہے تھے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اپنے سسرال میں انٹرویو دے رہے ہو۔"

وہ تڑخی تو وہ مزید ہنسنے لگا۔

ریان کے انداز سے لگ رہا تھا کہ روشین کے اس جلنے کڑھنے کو وہ بہت انجوائے کر رہا ہے اور یہ بات روشین کو اندر ہی اندر سلگا رہی تھی۔ آخر وہ سمجھ کیا رہا تھا؟

سسرال کا تو نہیں، سسرالی عزیزوں کا انٹرویو لگ رہا تھا جس میں، میں بحیثیت داماد پاس بھی ہو گیا ہوں بفضلِ"

خدا۔" وہ اطمینان سے بولا۔

محض ایک غلط فہمی تھی۔'' روشین نے تیز قدموں سے اس کا ساتھ دیتے ہوئے اونچی آواز میں اسے باور کرایا پھر''
سارا ملبہ اسی پر گرادیا۔

''اور تم نے کہا کیوں نہیں کہ تم عمر نہیں ہو؟''

''تو انہوں نے کب کہا کہ میں عمر ہوں؟''

وہ حیران سا اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا تو روشین کو اس کی اداکاری پر غصہ آیا۔

اگر وہ مجھے عمر کے نام سے مخاطب کرتیں تو میں ان کی غلط فہمی ضرور دور کرتا۔ وہ تو صرف مجھے تمہارا منگیتر سمجھ رہی''
''تھیں۔

وہ شانے اچکا کر اس قدر بے نیازی سے بولا کہ حد نہیں۔ چند لمحے تو مارے غصے کے روشین سے کچھ بولا ہی نہ گیا

''یہ ''صرف'' ہے تمہارے نزدیک...؟''

کچھ دیر کے بعد وہ بہت متاسف اور شرم دلانے والے انداز میں بولی تو وہ دفعتاً سنجیدہ ہو گیا۔

''میرے نزدیک تو یہ پوری زندگی ہے اگر تم سمجھو تو۔''

مجھے کچھ فضول سمجھنے کی ضرورت نہیں۔ لے کے انسلٹ کرادی۔ کل کو جب اسے پتہ چلے گا کہ تم عمر نہیں ہو تو؟'' وہ''
اس کی بات نا سمجھنے کا تاثر دینے کی خاطر تیز لہجے میں کہنے لگی تھی کہ وہ اس کی بات مکمل کرتے ہوئے قدرے تاسف
سے بولا۔

تو اسے بہت افسوس ہو گا اور یہ افسوس اس وقت مستقل افسوس میں تبدیل ہو جائے گا جب تم اسے اپنی منگنی کی''
''تصویریں دکھاؤ گی۔

تمہیں اس پر افسوس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، سمجھے؟'' اس نے زچ آکر کہا۔ پھر اسے جتا بھی دیا۔''

''میاں وہاں خاموش تھی تو صرف اس لیے کہ وہاں تمہارے تعارف کے لیے مجھے کوئی موزوں الفاظ نہیں ملے۔''

شکریہ۔ مجھے نہیں پتہ تھا کہ تم مجھے اتنا اچھا سمجھتی ہو۔" وہ بات کو اور ہی رنگ میں لے گیا۔"

ایسے ہی کبھی وہ فرحین کے ساتھ مل کے اسے زچ کیا کرتا تھا۔ مجال تھی جو کسی بات کو سیدھے انداز میں لے جاتا۔

تب روشین کو ان دونوں کی ملی بھگت پر فوراً ہی رونا آجاتا تھا۔

مگر اب شاید دشمنی کا انداز بدل گیا تھا۔

وہ تنگ کرتا تو دل پر یوں چوٹ لگتی کہ وہ جواباً اسی طرح حملہ کرنے سے گریز نہ کرتی تھی۔

شاید اپنا آپ سمیٹے رکھنے کو یا شاید اپنا آپ چھپانے کو۔

یہ وہ خود بھی سمجھ نہیں پاتی تھی۔

اب بھی وہ اس قدر زچ ہوئی کہ حد نہیں۔

"میں وہاں تمہیں کوئی سپاسنامہ پیش نہیں کرنے والی تھی۔ ایسے ہی بھائی کا سالا کہنا ذرا معتبر نہیں لگا۔"

فوراً ہی بدلہ لے لیا۔

"تو جو سمجھ کے لے آئی تھیں وہی بتا دیا ہوتا۔"

وہ سادگی سے کہتا اتنا بھی سادہ نہیں لگ رہا تھا کہ روشین سمجھ نہ پاتی۔

"جو سمجھ کے لے کے آئی تھی وہ بتا دیا تو برداشت نہیں کر پاؤ گے۔"

اس کے ذہن میں "گدھے کو باپ" بنانے والا محاورہ لہرایا تو تنک کر بولی۔

خدا بھی اپنے نیک اور معصوم بندوں ہی کا ساتھ دیا کرتا ہے۔ اب دیکھ لو تم نے نہ جانے کیا برا بھلا سوچا ہو مگر وہاں اپنا"

"اتنا سنجیدہ تعارف ہو گیا۔

وہ کب متاثر ہونے والوں میں سے تھا۔ اسی لیے تو سب اس سے متاثر ہو جاتے تھے۔ حتیٰ کہ سکندر حیات تک۔

"... غلطی سے"

وہ پھر جتانے سے باز نہ آئی تھی اور اسی وقت گلی کی سائیڈ پر کیچڑ ہونے کی وجہ سے پاؤں پھسلا تو وہ بھی پھسلتی ہی چلی گئی۔ ریان نے بروقت اس کا بازو تھام کر اسے سنبھالا ورنہ وہ نالی میں گر کر کیچڑ سے لت پت ہو چکی ہوتی۔

"غلطی پہ غلطی کرنے والے کبھی کبھار پھسل بھی جایا کرتے ہیں... سنبھل کے۔"

وہ اسے فوراً ہی اس کے سہارے پر کھڑا کر کے ناصحانہ انداز میں کہتا پیچھے ہٹ گیا۔

وہ اپنا دھڑ دھڑاتا دل ہی قابو کرتی رہ گئی۔

... شرمندگی سی شرمندگی تھی۔ ابھی جو اس کے سامنے نالی میں گر گئی ہوتی تو

"بد دعا دے رہے ہو...؟"

وہ بے ساختہ شاکی ہو گئی۔ وہ دونوں ہی رک گئے تھے۔

ریان کے لبوں پر آزردہ سی مسکراہٹ پھیلی۔

مجھے تو خود کسی نے شاید بہت دکھی دل سے بد دعا دی تھی کبھی۔ شاید اسی لیے میری زندگی کے خواب کی تعبیر نمونہ"

"پا سکی۔

روشین کی دھڑکنیں سست پڑنے لگیں۔

یہ آزردگی اور یہ دکھ تو خود اس کے اندر کہیں گہرے پاتال میں سانس لے رہے تھے۔

جلدی چلو... دیر ہو رہی ہے۔ مجھے ٹیسٹ کی تیاری بھی کرنی ہے۔" کہتے ہوئے وہ دانستہ اس سے دو قدم آگے نکل" گئی تھی۔ وہ لب بھینچے ٹھوکر سے پتھر اڑاتا اس کا ہمسفر ہوا تھا۔

☆☆☆☆

"شاباش ہے' امی جی! ایک تو اس شازمہ کی بچی کو گھر میں پناہ دی اوپر سے اسے رکھا بھی تو کہاں۔ بہورانی کے کمرے میں۔ وہ جو پہلے ہی اڑنے کی تیاریوں میں ہے۔" نگینہ کو کسی پل چین قرار نہ تھا۔

اب تو شازمہ اس گھر سے نکلے تو اسے سکون آئے۔

اگلے روز بھی جب رشیدہ بیگم مروت کے مارے شازمہ کو وہاں سے جانے کا نہ کہہ سکیں تو اس نے پینترا بدلا۔

"اڑنے کی کیا' وہ تو بھائی جان کو فون پر فون کھڑکاتی ہیں کہ فوراً یہاں آ جائیں۔ یہاں کی دال روٹی وہاں کے مرغ مسلم سے اچھی ہے۔"

شبینہ نے رانیہ کے انداز کی نقل اتارتے ہوئے کہا تو کچن میں کام کرتی رانیہ کی سماعتیں چوکنی ہو گئیں۔

ڈرائنگ روم میں یہ مذاکرات ہو رہے تھے اور کچن سے ڈرائنگ روم کا فاصلہ ہی کتنا تھا یا پھر ان ماں بیٹیوں کو کسی کا ڈر یا لحاظ ہی کہاں تھا جو چوری چھپے بات کرتیں۔

"دیکھا۔ کہا تھا مخمل میں ٹاٹ کا پیوند نہ لگائیں۔ وہ تو کھاتی آئی ہے دال روٹی' اب بھی کھا لے گی۔ یہاں مرغ مسلم کے بغیر کس کا نوالہ اترے گا بھلا۔ مگر اس وقت تو آپ بس اپنی ہی کر رہی تھیں۔"

نگینہ کلس کر بولی۔ رانیہ کا دل مٹھی میں آ گیا۔

"میں نے تو یہی دیکھا تھا۔ غریبوں کی بیٹیاں قابو میں رہتی تھیں سسرال والوں کے۔ وہ چاہے انہیں جوتے کی نوک پر رکھیں۔"

انہوں نے کمزور لہجے میں کہا۔

"اب وہ زمانہ لد گیا۔ بتایا تو ہے آپ کو شبی نے کہ اپنے میاں کو فون پر کیا کیا پٹیاں پڑھاتی رہتی ہے۔ ایک بار تو اس کے پیچھے فلائٹ کینسل کرا چکے ہیں۔ کہیں اس کی چکنی چپڑی سن کے نوکری کو لات مار کے نہ آ جائیں۔" نگینہ کو دل دہلانے میں کمال حاصل تھا۔

دوسرا یہ کہ رشیدہ بیگم خود بھی اپنے کانوں سے رانیہ اور احراز کی گفتگو سن چکی تھیں۔

ادھر رانیہ کو کچن میں جو آدھی پونی بات سمجھ میں آرہی تھی وہی اس کے بدن میں سے جان نکال رہی تھی۔

میرے خدا... میں نے ایسا... کچھ بری نیت سے تو نہ کہا تھا۔ یاخدا رحم کرنا۔

اور اس شازمہ کی بچی کو تو رخصت کریں جتنی جلدی ہوسکے ورنہ مجھے کہیں میں اس سے بات کرتی ہوں۔" وہ اٹل" انداز میں کہہ رہی تھی۔

ساکت کھڑی رانیہ کے شانے پر کسی کے ہاتھ کا دباؤ پڑا تو وہ اچھل پڑی۔

مڑ کے دیکھا تو شازمہ کو زرد چہرہ لیے کھڑا پایا۔ وہ کون سا اونچا سنتی تھی جو "فرمانِ نگینہ" نہ سن پاتی مگر اس وقت رانیہ کی حالت بہر طور زیادہ خراب تھی۔ شازمہ اس کا ہاتھ تھامے اسے کمرے میں لے آئی۔

"...یہ دنیا ہے رانی... یہی دنیا ہے۔ منہ پر کچھ اور پیٹھ پیچھے کچھ اور"

اسے بیڈ پر بٹھانے کے بعد وہ ایک شاپنگ بیگ لے کر اس میں تین چار جوڑے تہہ کر کے رکھنے لگی جو رشیدہ بیگم نے ازراہِ ہمدردی شروع شروع میں اسے دیئے تھے تب ان کا جذبۂ ہمدردی خالص تھا۔

ملاوٹ تو غیبتوں کے بعد شروع ہوئی تھی۔

آپ... کیا کر رہی ہیں؟" رانیہ خوفزدہ ہوئی۔"

میں تمہاری زندگی خراب کرنا نہیں چاہتی ہوں اور ویسے بھی یہ کون سا میری خالہ کا گھر ہے کہ یہاں ڈیرے ڈال کے" ٹھنڈی ہو بیٹھوں۔ آج نہیں تو کل، کل نہ سہی پرسوں۔ کبھی تو جانا ہی ہے۔" وہ مسکرائی۔

وہ واقعی بہت بہادر تھی۔ ان تین دنوں میں وہ خود کو پوری طرح سنبھال چکی تھی۔

"جتنا میں نے اپنی قسمت پر، اس شخص پر، جس نے میرے ساتھ یہ سب کیا اور حالات پر رو سکتی تھی، رو چکی۔ اب میرا مذہب مجھے ایک نامحرم کے لیے آنسو بہانے کی اجازت نہیں دیتا اور وقت اور حالات کے لیے کیا رونا یہ تو بدلتے رہتے ہیں۔ آج دنیا ہے تو کل ہم اوپر ہوں گے۔"

آج صبح ہی وہ رانیہ کو مضبوط لہجے میں کہتی وہی پرانی والی شازمہ لگی۔ ہر دکھ سینے میں دبا کر ہنستے رہنے والی۔

"مگر... کہاں جائیں گی آپ؟"

وہ چاہے جتنی بھی بہادر سہی مگر رانیہ کے لیے اس کا یہ اقدام بہت ڈرائونا تھا۔

اتنی بڑی دنیا میں یوں تنہا نکل جانا... وہ تو بازار نہ جا پاتی تھی۔

"ایک ٹھکانہ بن گیا ہے، جانو... امی ابو والا گھر کرایے داروں سے خالی کرا لیا ہے۔ میں نے اپنے ہمسائے میں سلمان بھائی کو فون کر دیا تھا۔ ان کی مہربانی ہے۔"

وہ مطمئن تھی۔ پھر آزردگی سے بولی۔

"کسی طوفان کی چاپ تو میں پچھلے ایک ماہ سے سن رہی تھی، رانیہ۔ تبھی میں نے احتیاطاً ان سے کہہ دیا تھا کہ کرایے داروں کو گھر خالی کرنے کا نوٹس دے دیں۔"

"مگر آپ وہاں تنہا... پلیز بھابی، ایسا مت کریں۔" وہ گھگھیائی۔ تو وہ اسے تسلی دینے کو مسکرا دیں۔

"میرے محلے دار میرے رشتہ داروں سے زیادہ اچھے ہیں، رانیہ۔ وہیں پلی بڑھی ہوں میں۔ ایک ایک گھر سے گہری واقفیت ہے میری۔"

وہ شاپر تیار کر کے رانیہ کے پاس بیٹھی اور اس کا یخ ہوتا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔

"اس دنیا کا یہی دستور دیکھا ہے میں نے۔ جو مظلوم ہے، کمزور ہے اسے کچل کے آگے گزر جائو۔ گر جانے والوں کا

ہاتھ کوئی نہیں تھامتا۔ سو خود کو کبھی کسی کے سامنے کمزور ظاہر مت کرو۔ اندر سے چاہے کتنی بھی خوفزدہ کیوں نہ ہو اپنے ڈر کو دوسروں پر کبھی آشکار مت کرو ورنہ دوسرے اور ڈراتے ہیں۔ ناانصافی بہت بڑا ظلم ہے رانیہ' اس کے خلاف پہلی ہی بار میں آواز اٹھاؤ ورنہ تمہاری آواز تو کیا گلا بھی گھونٹ دیا جائے گا..."

وہ رندھے ہوئے لہجے میں اپنی زندگی سے پڑھا ہوا سبق اسے پڑھاتی گئیں۔ رانیہ کے وجود پر لرزہ طاری ہونے لگا۔

"شاباش... اچھا صلہ دے رہی ہیں ہماری ماں کی ہمدردی اور سادگی کا۔"

نگینہ کی آواز تھی کہ کوئی بم پھٹا تھا۔ وہ بہت تلخ و ترش لہجے میں کہتی ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی تو رانیہ کو یقین ہو چلا کہ اب اس کی بربادی میں کوئی شک باقی نہیں رہ گیا تھا۔

مگر شازمہ بھابی ویسے ہی پر سکون انداز میں نگینہ کو دیکھ رہی تھیں۔

رانیہ میں تو اتنی بھی ہمت نہ تھی کہ ان کے ہاتھوں سے اپنا ہاتھ ہی چھڑا لیتی۔

"ہر وقت بدگمانی کے گھوڑے پر سوار مت رہا کرو' نگینہ۔ کبھی کسی کی بات کو کھلے ذہن سے بھی سوچ لیتے ہیں۔"

انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔ مگر ادھر ذہن تھا ہی کہاں۔

"آپ نے سوچ لیا کھلے ذہن سے؟ ایک ہی مثال کافی ہے ہمارے لیے۔" وہ بدتمیزی سے بولی پھر خشمگیں نگاہوں سے رانیہ کو دیکھا۔

"تو تم کیا یہاں بیٹھی پٹیاں پڑھ رہی ہو... ابھی امی کو جا کر بتایا تو ہوش ٹھکانے آ جائیں گے تمہارے۔"

"...مم... میں تو... آپی ہم تو ایسے ہی باتیں"

وہ سپید رنگت لیے بے ربط سی ہونے لگی۔

"سنی ہیں میں نے تمہاری "ایسے ہی" والی باتیں۔ یہی باتیں ہوتی ہیں گھر اجاڑنے والی۔"

وہ ایک تیکھی نگاہ شازمہ بھابی پر ڈالتے ہوئے طنزیہ انداز میں بولی تو وہ ساکت سی اسے دیکھنے لگی۔

شازمہ بھابی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"بعض لوگوں کی سوچ پر ایسا پردہ اور دل پر ایسی مہر ہوتی ہے کہ کوئی بھی سچائی انہیں سچ نہیں لگتی۔ ان کے لیے صرف اپنے ہی دل ودماغ کا کہنا سچائی ہوتا ہے۔" وہ رک کر قدرے تاسف سے مسکرائیں' پھر بولیں۔

"مگر ایسے لوگ کبھی سچائی کی حقیقت کو نہیں پا سکتے۔"

"بس بھابی' رہنے دیں۔ سن لی میں نے آج سچائی اپنے کانوں سے۔ بغاوت کے جو سبق آپ اسے پڑھا رہی تھیں اچھی طرح سنے ہیں میں نے۔ مگر ہمیں تو آپ معاف ہی رکھیں' جیسی بربادی آپ کے گھرانے کی ہوئی ہے ہم اپنے بھائی کے گھر کی نہیں چاہتے۔"

نگینہ کو تو سنہری موقع ہاتھ لگا تھا شازمہ بھابی کو یہاں سے فارغ کرنے کا' سو اس نے ذرا بھی لگی لپٹی رکھے بغیر وہی انداز اپنایا جو وہ اپنے سسرال میں دکھایا کرتی تھی اور اپنی "صاف گوئی" کے خود ہی گن گایا کرتی تھی۔

"رانیہ' بہت اچھی ہے اور معصوم بھی۔ میں صرف اسے زندگی کی حقیقت بتا رہی تھی۔ خدا گواہ ہے کہ میں نے اسے کچھ الٹی سیدھی پٹی نہیں پڑھائی۔ باقی اب تم یقین کرو میری بات کا یا نہیں۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہوں گی۔

وہ بے حد سنجیدگی سے بولیں۔

"میں ذرا خالہ جی سے مل آئوں۔ پھر مجھے نکلنا ہے۔" وہ کہتی ہوئی کمرے سے نکل گئی تھیں۔"

"یہ اب کدھر نکل رہی ہیں...؟" وہ رانیہ کی طرف مڑ کر حیرت سے پوچھنے لگی۔"

"...وہ جا رہی ہیں یہاں سے"

وہ ابھی تک خوف کے حصار میں تھی بدقت تمام بولی۔ نگینہ نے ہاتھ جھاڑے۔

"چلو۔ سستے میں قصہ تمام ہوا۔ خس کم جہاں پاک۔" پھر وہ تیزی سے باہر کی جانب بڑھی۔ رشیدہ بیگم کے کمرے میں

جا کر وہ باقی کی سن گن بھی لینا چاہتی تھی۔

اور پھر اس روز شازمہ بھابی چلی گئیں۔ ان سے کوئی رشتہ نہ ہونے کے باوجود رانیہ کو لگا جیسے کوئی بے حد اپنا اس سے بچھڑ گیا ہو۔

"ایسے کیسے جانے دیا آپ لوگوں نے۔ روکا تو ہوتا۔ اکیلی عورت کہاں جائے گی بھلا؟"

رات کے کھانے پر ابرار کو پتہ چلا تو اس کا موڈ آف ہونے لگا۔

"تو یہ بات اس "اکیلی عورت" کو سوچنی چاہئے نہ کہ ہمیں۔ ہم نے کون سا خود سے نکالا ہے اسے۔"

نگینہ نے طنزیہ لہجے میں کہا تو وہ تلخی سے بولا۔

مجھے صبح ہی لگ رہا تھا کہ آج یہ گل کھل کے ہی رہے گا۔ تم سے اپنے علاوہ کوئی اور تو برداشت ہوتا ہی نہیں، کہیں "" بھی۔

"دیکھ رہی ہیں اس کی بدزبانی، امی۔"

وہ فوراً ہی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو بھر لائی۔

ادھر رانیہ جیسے اپنی پلیٹ میں گھسی ہوئی تھی۔ کیا خبر کب اس کی باری آ جائے۔ دل کی دھڑکیں کبھی مدھم تو کبھی تیز ہو رہی تھیں۔

ابرار! خاموشی سے کھانا کھاؤ اور یہ جو آج کل فضول خناس تمہارے دماغ میں بھر گیا ہے اسے نکال دو۔ خبردار جو "" کبھی بہن سے اس انداز میں بات کی ہو تو۔

انہیں تو پہلے ہی ابرار کی شازمیہ کے لیے وکالت کھل رہی تھی۔ سو اسے بری طرح جھڑک دیا۔

"تو پھر پہلے آپ کو ہمدردی جتانے کی ضرورت ہی کیا تھی اس سے۔ اگر یوں بے یار و مددگار ہی نکالنا تھا تو۔"

وہ نہ جانے اتنا ہی ہمدرد اور حساس تھا یا پھر شازمہ کو لے کر بنا ہوا تھا۔ رانیہ سمجھ نہیں پائی۔

ہاں' کہاں۔ کہہ دو کہ میرے آنے کے بعد یہ معرکہ سرانجام دیا گیا ہے۔" نگینہ نے دوپٹے کے پلو سے آنکھیں" خشک کرتے ہوئے طنز سے کہا۔

"اور وہ جو دو دن سے یہاں گل کھلا رہی تھی' وہ تمہیں نظر نہیں آئے...؟"

اس نے ترچھی نگاہوں سے رانیہ کو دیکھا تو اس کا دل اچھل کر حلق میں آن اٹکا۔

"...ہنہ"

ابرار نے کوفت سے سر جھٹکا تھا۔

سر جوڑ کے بیٹھی تھی اندر کمرے میں تمہاری بھاوج کے ساتھ۔ اسے زندگی کی "حقیقتیں" بتا رہی تھی۔ خود تو لمبی"

"اڑان بھر لی محترمہ نے ساتھ اسے بھی اڑنا سکھا رہی تھی جانے سے پہلے۔

نگینہ نے تلخی سے کہا تو رانیہ سے نوالا نگلنا دشوار ہو گیا۔

"ہاں... اُس نے سکھا دیا اور اِس نے سب سیکھ لیا۔"

ابرار متاثر ہوئے بغیر اب کھانا کھانے لگا تھا۔

"میری ہی غلطی تھی جو اسے اس کے کمرے میں ٹھہرا دیا۔"

رشیدہ بیگم نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔ پھر رانیہ کو مخاطب کر کے حقارت سے پوچھنے لگیں۔

"کیا کہہ رہی تھی تم سے وہ...؟"

رانیہ کی پیشانی عرق آلود ہونے لگی۔

''کچھ بھی نہیں امی... ایسے ہی اپنے تجربے کی باتیں۔''

''سن لی محترمہ کی بات۔ اس کا تجربہ تو شادی کے بعد طلاق لینے ہی کا تھا۔ اسے جانے کیا سمجھا گئی ہے۔''

نگینہ کی زبان کے آگے خندق تھی۔ ذرا سی بھی دیر کے لیے چپ رہنا یا ادھار رکھنا تو اس نے سیکھا ہی نہ تھا۔

اچھی لڑکیوں کے یہ لچھن نہیں ہوتے' بہورانی۔ اگر وہ کوئی فضول بات کر رہی تھی تو سیدھی آ کر مجھے بتاتیں۔ مجھ''

'' سے زیادہ تو دنیا نہیں دیکھی اس نے۔ اس سے زیادہ تجربے کی باتیں میں تمہیں بتاتی۔

انہوں نے تلخ لہجے میں کہا تو وہ ناحق شرمسار ہونے لگی۔

''سوری امی جی! آئندہ خیال رکھوں گی۔''

''...ہنہ۔ معصوم تو دیکھو''

نگینہ بڑبڑاتے ہوئے کھانے کی طرف متوجہ ہوئی۔

اور خبردار جو آئندہ کبھی احراز کو نوکری چھوڑ کے آنے کا مشورہ دیا ہو تو۔ وہ وہاں عیاشی کرنے نہیں بلکہ نوکری کرنے''

''گیا ہے۔

ساتھ ہی رشیدہ بیگم نے یہ حساب بھی چکتا کر دیا تو وہ جیسے یخ بستہ پانیوں میں ڈوبنے لگی۔

جوان نندوں اور دیور کے سامنے یہ بات اب جواب دینے والی تھی...؟

ابرار بھویں اچکا کر باری باری ان سب کو دیکھنے لگا۔

''اب اس کا پیچھا کیوں لے لیا ہے۔ جو بات میں کر رہا تھا اسے تو فوراً ہی دفنا دیا ہے۔''

اپنی حد میں رہو' ابرار۔'' رشیدہ بیگم کو غصہ آیا۔''

حد میں ہی ہوں اور آپ لوگ بھی اب یہ فضول باتیں چھوڑ کے کھانا کھائیں۔ خوامخواہ رزق کی بے حرمتی کر رہی''

ہیں۔" وہ اطمینان سے بولا۔

آج تو لگتا ہے کوئی اجتماعِ اسلامی اٹینڈ کر کے آئے ہو۔" نگینہ چوکی نہ تھی۔"

وہ متاسفانہ سر ہلاتے ہوئے اپنی پلیٹ میں چاول ڈال کر رائتے کا بائول لیے وہاں سے اٹھ ہی گیا تو نگینہ نے سکھ کا سانس لیا۔

پتہ نہیں کس کی نظر لگتی جا رہی ہے میرے گھر کو۔" رشیدہ بیگم سخت کبیدہ خاطر تھیں۔"

اسی کی لگے گی جسے یہ آرام یہ سکون چبھ رہا ہے۔" نگینہ استہزاء سے بولی تو اشارہ صاف طور پر رانیہ کی طرف تھا۔"

اسی وقت وہ بمشکل اپنی پلیٹ صاف کر کے اٹھ کھڑی ہوئی اور میٹھا لینے کے بہانے کچن میں آ گئی۔

"...یا خدا"

کب کے رکے آنسو بنا روک ٹوک کے بہہ نکلے۔

...یہ ہے زندگی... امتحان در امتحان

احراز کے ساتھ زندگی شروع کرنے کے بعد تو میں نے ان سب آزمائشوں کا کبھی نہ سوچا تھا۔

اور وہ... محبتوں میں شوریدہ سر... وہ کب زندگی کی تلخیوں کی جانب نگاہ کرنے دیتا تھا۔ہائے میرا محبوب شوہر۔

اس کا جی چاہ رہا تھا اڑ کے احراز کے پاس پہنچ جائے... مگر وہ ظالم بھی تو اپنے اور اس کے درمیان سات سمندر حائل کر گیا تھا۔

اس کی معصوم شکل پر مت جائیں اور طنابیں کھینچ کے رکھیں اس کی۔ذرا سی ڈھیل سے بہوئیں آگے لگا لیتی ہیں"

سسرال کو۔پھر نہ ادب رہتا ہے نہ لحاظ۔صرف یہ اور ان کے میاں۔اب سادگی کا زمانہ نہیں ہے' امی جان! اور نہ ہی

"بہو کو بہو رانی بنا کے رکھنے کا۔

وہ فروٹ کسٹرڈ لے کے ٹیبل پر پہنچی تو نگینہ کے افکار چند قدم دور ہی سے اس کے کانوں میں پہنچنا شروع ہو گئے۔ اس کا دل ہی نہیں قدم بھی بوجھل ہو گئے تھے۔

☆☆☆☆

رات احراز کا فون آیا تو ایک اور مشکل۔

اس سے بات کرنا دشوار ہو رہا تھا۔ جانے کون کس کونے میں کان لگائے باتیں سن رہا ہو۔

وہ توڈھنگ سے اس کا حال بھی نہ پوچھ سکی۔

"کیا بات ہے' جان! طبیعت تو ٹھیک ہے؟ بات کیوں نہیں کر رہیں؟"

وہ بے چین ہونے لگا۔

ٹھیک ہوں۔ بس ذرا تھکاوٹ سی تھی۔" اس نے سنبھلتے ہوئے بات بنائی۔"

تو کس نے کہا ہے سارے گھر کی ذمہ داری خود پر لادنے کو۔ کام والی ہے نا' اس کے سر پر ڈالو سب کچھ۔ میری رانی تو"

"صرف آرام کرنے والی ہے' کام کرنے والی نہیں۔

وہ اس قدر پیار سے بولا کہ رانیہ کی آنکھوں سے سیل رواں ہو گیا۔

وہ اسے نہ بتا سکی کہ اس کے جانے کے مہینہ بھر بعد ہی کام والی کو رخصت دے دی گئی تھی یہ کہہ کر کہ گھر میں جوان عورتوں کے ہوتے باہر والیوں سے کام کرانے کی کیا ضرورت ہے۔

شبینہ تو لڑکی تھی عورتوں میں صرف اسے ہی شمار کیا گیا تھا۔ سو تب سے سارے گھر کی ذمہ داری اس کے ناتواں وجود پر آپڑی تھی۔

اب کی بار کوئی یہاں سے پاکستان گیا تو بہترین سا موبائل بھیجوں گا تمہیں' بلکہ ابرار سے کہنا وہیں سے لے دے گا۔""

وہ کہہ رہا تھا۔

ن... نہیں۔ فون جو ہے۔ موبائل کی کیا ضرورت ہے۔" وہ جلدی سے بولی۔ مبادا وہ اپنے کہے پر عمل ہی کر دے۔"

وہ کوئی نیا فضیحتہ نہیں کھڑا کرنا چاہتی تھی۔

"... لگتا ہے میری جان کو اب بڑی اچھی نیند آنا شروع ہو گئی ہے میرے بغیر"

وہ شکووں پر اترا۔

"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟"

رانیہ نے پلکیں جھپکتے ہوئے آنسو اندر اتار لیے۔

"ابھی تک ایک بار بھی مجھے اپنے پاس آنے کو نہیں کہا تم نے' ظالم لڑکی۔"

احراز..." سسکی نے اس کے لبوں پر دم توڑ دیا۔"

اور ادھر ہم ہیں کہ کروٹوں پر کروٹیں۔ سارا دن ڈیوٹی کے بعد اتنی تھکاوٹ ہو رہی ہوتی ہے مگر جب تک تمہیں نہ"

"سوچ لوں نیند نہیں آتی۔ بلکہ سچ بتاؤں تو نیند اڑنے لگتی ہے تمہیں سوچ کے۔

اس کی پیار اور مدھ بھری سرگوشیاں رانیہ کی سماعتوں میں رس گھولنے لگیں۔

"...احراز"

اس کی باتیں سن کر اس کے گال دہک اٹھے تو وہ احتیاطاً بول اٹھی۔

وہ ہنسنے لگا۔ پھر محبت سے چور لہجے میں بولا۔

یہ تو محض باتیں ہیں' جان من! ابھی اگر پاس ہوتیں تو..." رانیہ کا دل گدگدا اٹھا۔"

کتنی ہی تشنہ آرزوئیں ٹھاٹھیں مارتی اسے بے قرار کرنے لگیں۔

اس کا روم روم احراز کو پکار رہا تھا مگر زبان پر سماج کا پہرہ ایسا کڑا تھا کہ وہ اسے ایک بھی لفظ نہیں کہہ پائی۔ وہی اپنی بے تابیاں اور بے قراریاں سناتا رہا اور وہ آنسو پیتی پیاسی ساعتوں کو اس کی پیار بھری باتوں سے سیراب کرتی رہی۔

☆☆☆☆

اس روز کے بعد سے اس کا دل نہیں چاہتا تھا کہ ریان کے سامنے بھی ہو۔

عادل اور تمکین اگلی شام اسلام آباد سے لوٹ آئے۔

ارادہ تو تھا رہنے کا مگر کام ختم ہو گیا تھا اور یہاں آفس میں حاضری لازمی تھی۔'' عادل نے بتایا تھا۔''

آج بھی روشین کا شاپنگ کے لیے آنے کا قطعی موڈ نہیں تھا مگر فرحین فارغ نہیں تھی اس لیے تمکین کے اصرار پر اسی کو ساتھ آنا پڑا۔

اور وہ آ بھی جاتی اگر ڈرائیور ریان عزیز نہ ہوتا۔ اب تو مارے بندھے ہی ساتھ آئی تھی۔

آج عمر کا بھی کافی دنوں کے بعد فون آیا تو وہ کافی اچھے موڈ میں اسے آئوٹنگ پر لے جانے پر بضد تھا۔ اس وقت تک وہ تمکین کو شاپنگ کے لیے ہامی بھر چکی تھی۔ بمشکل ضروری کام کا بہانہ کر کے عمر کو ٹالا۔ بدلے میں صرف گالیاں ہی نہیں سنائیں اس نے باقی سب کچھ کہہ کے فون بند کر دیا تھا۔

دکھ کا احساس ابھی تک اسے اپنے گھیرے میں لیے ہوئے تھا۔ وہ بس غائب دماغی کیفیت میں تمکین کے ساتھ ایک دکان سے دوسری دکان گھومتی پھر رہی تھی۔

اور اسی غائب دماغی کی وجہ سے اب تنہا کھڑی خود کو کوس رہی تھی کہ تمکین کا کہیں نام و نشان تک نہیں تھا۔

وہ الٹے قدموں دکان سے باہر نکل آئی۔

جانے وہ کون سی دکان میں داخل ہوئی تھی۔

یہ اچھی رہی... وہ کوفت کا شکار ہوئی۔ ایک تو موڈ پہلے ہی پژمردہ تھا اوپر سے یہ نئی مصیبت۔

...وہ بے وقوفوں کی طرح کبھی ادھر اور کبھی ادھر منہ اٹھائے آنے جانے والوں کو دیکھ رہی تھی۔ اتنا بڑا پلازہ دکانوں کی بھرمار اور لوگوں کا رش۔

شاپنگ بیگ ہاتھ میں تھامے وہ کھڑی تھک گئی۔

میں سدا جاہل کی جاہل ہی رہوں گی۔ موبائل کیوں نہیں رکھتی میں اپنے ساتھ۔

وہ جھنجلا رہی تھی۔ ٹانگیں الگ شل ہوئی جا رہی تھیں۔

"...السلام علیکم"

اچانک بھیجے جانے والی سلامتی پر وہ اچھل ہی تو پڑی۔

"یہاں کھڑے ہو کر کس کا انتظار ہو رہا ہے؟"

اس نے بمشکل اپنا دھڑ دھڑاتا دل قابو کیا۔

"توبہ ہے۔ ایسے بولتے ہیں آ کر۔ جان نکال دی۔"

روشین نے اسے گھورا۔ سن گلاسز بے پروائی سے سر پر ٹکائے وہ اسی کی طرف متوجہ تھا۔

"یہ تم اتنی حواس باختہ کیوں رہتی ہو' بائی داوے؟"

تم سے مطلب...؟" وہ چڑ گئی۔"

یعنی اس کے ہاتھ میں تھامے شاپنگ بیگز اسے دکھائی نہیں دے رہے تھے جو ایک سے دوسرے ہاتھ میں منتقل کرتی وہ ادھ موئی ہوئی جا رہی تھی۔

"اور تم جیسوں کے لیے بہت لازمی ہے مگر چھوٹی سی ہے تو۔ ہے سائنس نے کے لیے ہی جیسوں تم ہے کی ایجاد چیز ایک

"اسے کہتے ہیں' موبائل۔

بڑے ٹھنڈے میٹھے انداز میں طنز کرتا وہ روشین کو زہر لگ رہا تھا۔

"اور تم جیسوں کے لیے کچھ ایجاد نہیں ہوا۔ کوئی اخلاقیات وغیرہ...؟"

روشین نے اپنے ہاتھ میں تھامے شاپنگ بیگز کی طرف اس کی توجہ مبذول کرائی۔

"یہ تو تمہاری بے پروائی کی سزا ہے۔ ابھی موبائل فون پاس ہوتا تو تم آپی کو کال کر سکتی تھیں۔"

اس نے کہتے ہوئے سارے شاپرز اپنے ہاتھ میں منتقل کیے اور پھر اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ بولا تو روشین کا دل مزید جلا۔

"تم اس موبائل کو بیچ کر چنے یا گول گپے وغیرہ ہی کھالو تو بہتر ہے۔"

"مسٹر ریان عزیز! میں بہتر جانتی ہوں کہ کیا کرنا چاہئے اور کیا نہیں۔"

وہ ناگواری سے بولی مگر ادھر کہاں اثر۔

"تو پھر دماغ ہی لڑا لیتیں تھوڑا۔ اگر آپی سے بچھڑ ہی گئی تھیں تو گاڑی تک آجاتیں۔"

پھر طنز۔ مگر سامنے کی بات تھی۔ روشین کا جی چاہا سر پیٹ لے۔ کب سے بے وقوفوں کی طرح کھڑی تمکین بھابی کو ڈھونڈ رہی تھی۔

"اچھا' اچھا... ایک تمہی ہو یہاں دماغ والے۔ باقی تو سب بے وقوف ہی نظر آتے ہیں۔"

وہ بیرونی دروازے کی طرف چل دی۔

"خیر سب تو نہیں۔ بس "بے وقوف" ہی بے قوف نظر آتے ہیں مجھے۔"

وہ اطمینان سے بولا۔ سامنے سے بد تمیز لڑکوں کا ٹولہ ایک دم سے اندر آیا تو لمحے کے ہزارویں سیکنڈ میں ریان نے پھرتی سے اس کا ہاتھ تھام کر اپنی طرف کھینچتے ہوئے روشین کو ان سے ٹکرانے سے بچا لیا۔

اس اچانک حملے سے وہ بھی حواس باختہ ہو گئی تھی۔ وہ اس کا ہاتھ تھامے ننھی بچی کی طرح اسے یونہی پارکنگ لاٹ تک لایا۔

اسی وقت کسی نے سامنے آ کر ریان کے سامنے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

ریان کے ہاتھ میں روشین کا ہاتھ تھا۔

عمر نے ایک نظر ان دونوں کے ہاتھوں پر اور دوسری روشین کی اڑتی رنگت پر ڈالی اور سلگتے لہجے میں بولا۔

''بہت خوب۔ بہت اچھی مصروفیت ہے تمہاری۔''

روشین اس کا مطلب جان کر ساکت سی ہو گئی۔

روشین کی پیشانی چمک اٹھی۔ اسے اپنی فاش غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ سکندر حیات سمیت عمر کی فیملی بھی ریان کو محض سکندر حیات کا بزنس پارٹنر اور گھر میں کرایہ دار سمجھتے تھے۔ تمکین کے بھائی والا رشتہ تو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

اور بالفرض کسی کو پتہ بھی ہوتا تو یوں روشین کا اس کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر پھرنا کون برداشت کرتا؟

ریان نے عمر کو سامنے پا کر کوئی بھی رد عمل ظاہر نہیں کیا تھا جب کہ اس جملے کی کاٹ محسوس کرتے ہی روشین نے فوراً اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے کھینچ لیا تب شاید ریان کو احساس ہوا کہ یہ صورت حال روشین کے لیے کافی مشکل کا باعث بن سکتی تھی۔

''میں گاڑی میں ہوں، آپی بھی انتظار کر رہی ہیں۔''

وہ اچٹتی نگاہ عمر پر ڈال کر روشین سے کہتا لمبے ڈگ بھرتا گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

"آپی! تم اس کی فیملی کے ساتھ آوارہ گردی پہ نکلی ہوئی ہو۔"

عمر نے بے یقینی سے دہراتے ہوئے اپنے مخصوص بدتمیزانہ انداز میں پوچھا تو روشین بے عزتی کے شدید احساس میں گھرنے لگی۔

اس کی نہیں، میری فیملی، تمکین بھابی ہیں میرے ساتھ۔" وہ بمشکل کہہ پائی۔"

عمر کی کاٹ دار شکی نگاہیں اور بیہودہ انداز گفتگو برداشت کرنا ایک عذاب تھا۔

"ہنہ... تو وہ کون سا بڑی تہجد گزار بی بی رہی ہیں اپنے زمانے کی۔ یونہی نکل کے آگئی تھی تمہارے بھائی کے ساتھ۔"

وہ تحقیر آمیز انداز میں کہتا خود کو تو تعفن زدہ کر ہی رہا تھا' ساتھ رشتوں کے تقدس کو بھی پامال کر رہا تھا۔

"...عمر پلیز"

اس کی رنگت تپ اٹھی۔ سخت لہجے میں کہتے ہوئے اس کے ہونٹ کپکپا اٹھے تھے۔

اچھا' اچھا..." وہ ہاتھ ہلا کر اسی تنفر بھرے انداز میں بولا۔"

میں نہیں کہوں گا تو کیا کسی کو پتہ نہیں ہے اور تم... کوئی ضرورت نہیں تمہیں اپنی "بھابی صاحبہ" کے ساتھ یوں"

"ادھر ادھر پھرنے کی اور اسے کیا ڈرائیور بھی رکھ لیا ہے تم لوگوں نے۔

وہ ریان کے متعلق پوچھ رہا تھا۔

"ابو نے اجازت دی تھی اس کے ساتھ آنے کی۔"

وہ وضاحتیں دے دے کر تھکنے لگی۔

"...اور ہاتھ پکڑانے کی بھی"

یا خدا...روشین کا سر چکرانے لگا۔

پارکنگ لاٹ میں گاڑیوں کے درمیان سنگی فرش پر کھڑے کھڑے اب اس کے پیر جواب دینے لگے تھے۔

"...رش کی وجہ سے... اور وہاں کچھ بدتمیز لڑکے تھے ان سے"

اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔ عزت نفس بری طرح مجروح ہوئی مگر اس کے سامنے انسانیت سے گرا ہوا آدمی کھڑا تھا جسے نہ تو کسی کی عزت کی پروا تھی اور نہ ہی نفس کی۔

جانتا ہوں۔ سب جانتا ہوں میں۔ یہ افسانے کسی اور کو سنانا۔ مجھ سے بات کرتے ہوئے تمہیں شرم کے دورے پڑنے" "لگتے ہیں اور یہ کھلے عام جو کچھ ہو رہا ہے وہ برداشت ہے تمہیں۔

وہ اس کے قریب ہوتے ہوئے پھنکارا تھا۔

...اور بس

روشین کی قوت برداشت جواب دے گئی۔ منہ پر ہاتھ رکھے سسکیاں دباتی وہ اپنی گاڑی کی طرف بھاگ کھڑی ہوئی تھی۔ پیچھے سے شاید عمر نے اسے آواز دی ہو مگر جو کچھ وہ کہہ چکا تھا اس سے زیادہ سننے کی اس میں تاب ہی کہاں تھی۔

گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے ہاتھوں میں منہ چھپا کے دھواں دھار رونا شروع کر دیا۔

تمکین بوکھلا گئی۔

"ہائیں... تمہیں کیا ہوا... روشی...؟"

ریان نے لب بھینچتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی۔

دیکھو مانتی ہوں غلطی میری ہی ہے مگر یوں بچکانہ انداز میں بی ہیو کرنے کی کیا بات ہے۔ تم کون سا میلے میں گم ہو گئی" "تھیں۔ ذرا سا شاپنگ سینٹر ہی تو تھا۔

ریان نے شاید عمر کی وہاں ناگہانی آمد کے متعلق تمکین کو کچھ نہیں بتایا تھا تبھی وہ انجان تھی۔

''اچھا' سوری نا۔ میں تو سمجھی تھی تم گاڑی کے پاس پہنچ جائو گی۔''

تمکین مصالحانہ انداز میں بولی تھی۔

''پہلے کسی سے وجہ پوچھ لیتے ہیں نوحہ گری کی۔ یونہی بلاوجہ آپ خود کو موردالزام کیوں ٹھہرا رہی ہیں۔''

یہ کاٹ دار لہجہ ریان کا تھا۔

روشین کے آنسو یکلخت تھم گئے۔

کسی کو کچھ خبر نہ تھی اور وہ خود کو اشتہار بنا رہی تھی۔ فقط ریان ہی عمر کی وہاں موجودگی سے واقف تھا مگر یہ تو وہ بھی نہیں جانتا تھا کہ ان دونوں کے مابین کس نوعیت کی گفتگو ہوئی ہے۔

تو پھر یوں دھواں دھار رو کر کیا وہ خود کو ریان کے سامنے کمزور یا پھر ناخوش ظاہر نہیں کر رہی تھی؟

''تم تو چپ ہی رہو۔ کب سے کہہ رہی تھی جا کے اسے ڈھونڈو۔''

تمکین بھائی پر بگڑی تھی۔

''ڈھونڈنے والے خود ہی وہاں ڈھونڈتے ہوئے پہنچ گئے تھے۔ ذرا پوچھئے تو سہی اپنی نند صاحبہ سے۔''

وہ پھر سے ٹھنڈے ٹھار لہجے میں گویا ہوا۔ اتنی دیر میں روشین خود کو کسی حد تک سنبھال چکی تھی۔ جبکہ تمکین نے بھائی کو گھور کے دیکھا جو مسلسل طنز کی گولہ باری کرنے میں مصروف تھا۔

''تم خاموش ہو گے تو کوئی اور بولے گا نا۔''

اسے تو یونہی عادت ہے ہر کسی کے معاملے میں ٹانگ اڑانے کی۔'' روشین نے بھی طنز ہی کیا تھا۔''

ریان نے بے اختیار بیک ویو مرر میں اسے دیکھا۔

آنسوئوں سے دھلا چہرہ اور ہلکی سی لالی لیے آنکھیں۔

اس کے دل کو ملال نے گھیر لیا۔

جسے وہ ہمیشہ لازوال خوشیاں دینے کی سوچتا آیا تھا انجانے میں ہی اس کے لیے شاید دکھ کا باعث بن گیا تھا۔

اور یہ احساس ہی تھا جس میں گھر کر وہ مزید کچھ نہیں بولا تھا مگر عمر کے لیے اس کے دل میں ناپسندیدگی اور بڑھ گئی۔اس نے لب بھینچتے ہوئے ایکسیلیٹر پر دباؤ اور بڑھا دیا۔

روشین اب بھابی کو احساس ندامت سے نکالنے کی خاطر زبردستی مسکراتی ان کی باتوں کا جواب دے رہی تھی۔

☆☆☆☆

اور پھر شاید اس کے لیے ایک اور امتحان سر پر آ کھڑا ہوا۔

شروع کے دو ماہ تو احراز کا تنخواہ بھیجنے کا وہی طریقہ رہا مگر اب کی بار اس نے نہ صرف رانیہ کے لیے پانچ ہزار الگ سے بھجوائے بلکہ ابرار کو پیسوں کی تفصیل بتاتے ہوئے پانچ ہزار رانیہ کو دینے کی تاکید بھی کر ڈالی۔

میرا کام بھی کچھ کریں۔" ابرار نے اسے پھر سے یاد دلایا۔"

"امیگریشن کھلنے دو۔اس بار بھی کوشش کروں گا۔"

احراز نے اسے یقین دلایا مگر ہر بار کی طرح ابرار کو یہی لگا جیسے وہ اسے ٹال رہا ہو۔

"کوشش کرنے سے کیا ہوتا ہے۔وہ تو آپ پچھلے تین سال سے کر رہے ہیں۔"

وہ قدرے بگڑا تھا۔

دیکھو ماں باپ اور بیوی بچوں کو بلانا بے حد آسان ہے مگر دیگر رشتوں کے لیے جو قوانین بنے ہیں ان کی پاسداری کرنا" "پڑتی ہے۔

احراز نے تحمل سے اسے سمجھایا۔

مگر وہ یونہی اندر ہی اندر کڑھتا ہی رہا۔ایک تو خود اس کے سر میں باہر کا سودا سمایا ہوا تھا۔دوسرے اس کے دوستوں نے

اس کا دماغ خراب کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔

لوگ تو باہر جاتے ہی چار چار بھائیوں کو بلا لیتے ہیں۔ تمہارے بھائی کے دل میں خواہش ہی نہیں یا پھر ادھر ادھر پیسہ" لٹا تا رہا ہے۔ میمیں شیمیں تو بہت ہیں وہاں۔" اور وہ یہ سوچے بغیر کہ وہ ماہانہ کتنی رقم گھر بھیجتا ہے اور ہر تین ماہ بعد کتنی رقم بینک میں جمع ہوتی ہے' مزید متنفر ہوتا چلا گیا۔

اب تو اس کے ذہن میں بھی یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ احراز اسے اپنے پاس بلانا ہی نہیں چاہتا۔

اور اب یوں احراز کا الگ سے رانیہ کے لیے پانچ ہزار بھیجنا یقیناً ایک نیا فضیحتہ کھڑا ہوتا... اور وہی ہوا۔

ابرار نے ساری رقم لا کر ماں کے ہاتھ پر رکھی اور الگ سے پانچ ہزار کا نوٹ لہرا کر انہیں دکھایا۔

"کچھ خیال کرو۔ ابھی تو مہینہ اسٹارٹ ہوا ہے۔ ابھی سے ایک ہی بار میں اتنے روپے لے جاؤ گے۔"

انہوں نے فہمائشی انداز میں کہا تو وہ ان کی سادگی پر ہنسا۔

"یہ آپ کی بہو صاحبہ کا خرچہ ہے۔"

اس نے کہا تو وہ نا سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھنے لگیں۔

اس بار موصوف نے اپنی زوجہ محترمہ کا الگ سے جیب خرچ بھجوایا ہے۔ پانچ ہزار مبلغ۔" ابرار نے دھماکا کیا تھا۔"

"اور یہ... یہ کتنے ہیں؟"

رشیدہ بیگم نے ناگواری کے ساتھ اپنے ہاتھ میں موجود رقم لہرائی۔

"یہ تو اتنے ہی ہیں جتنے ہر ماہ ہوتے ہیں۔ زائد رقم بھیجی ہے انہوں نے۔"

ابرار نے کہا تو ان کے ذہن میں نگینہ کی کہی باتیں چکرانے لگیں۔

تو کیا وہ وقت آ گیا تھا؟

"کھانا' پینا اکٹھا' کپڑا لتا ہمارے ساتھ آتا ہے پھر اور کون سے اس کے زائد خرچے ہیں جنہیں پورا کرنے کے لیے اس نے یہ الگ سے رقم بھیجی ہے۔؟"

انہیں احراز کی یہ حرکت بالکل پسند نہیں آئی تھی۔

"یہ تو آپ اپنے لاڈلے بیٹے سے پوچھیں۔ اتنی بچت تھی تو پہلے کبھی ہمیں تو نہ بھیجی۔ اب ایک دم سے پانچ ہزار زائد بھیج دیئے۔"

ابرار نے بھی تلخی سے کہا تھا۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے اس کا اور کچھ نہیں۔" وہ بولیں۔

احراز کی خبر لینے کا وہ سوچ چکی تھیں۔ بھلا یوں بیوی کو "بگاڑنے" کی کیا تک بنتی ہے۔ بیوی بھی وہ جس نے اکٹھے پانچ ہزار کبھی زندگی میں نہ دیکھے ہوں۔ تو اسے خوامخواہ سر پر چڑھانے کا کیا مطلب تھا بھلا۔

رشیدہ بیگم کا دل بھی رانیہ کی طرف سے کھٹا پڑنے لگا۔

انہوں نے احراز کی خبر لینے کا سوچا تو تھا مگر شام کو جب احراز نے رقم ملنے کے بارے میں استفسار کیا اور صاف لفظوں میں جھجکے بغیر پانچ ہزار رانیہ کو دینے کا کہا تو وہ چپ کی چپ رہ گئیں۔

"میں نے گھر کا اتنا ہی خرچ بھیجا ہے جتنا پہلے تھا' امی۔ رانیہ کا الگ سے اس لیے بھیجا ہے تا کہ آپ پر بوجھ نہ پڑے۔ وہ اپنا ضروری خرچ الگ سے کر لے گی۔ اس طرح گھر کا بجٹ بھی ڈسٹرب نہیں ہو گا۔"

اس نے کہا تو انہوں نے گہری سانس بھری۔

کہہ تو وہ بالکل ٹھیک رہا تھا۔ ان کی پیشانی کے کچھ بل کم ہوئے۔

مگر یہ نگینہ۔

"بس۔اب سمجھیں بیٹا گیا ہاتھ سے' امی! ہاتھ جھاڑ لیں آپ۔"

"ٹھیک ہی تو کہہ رہا تھا وہ۔ اگر اس کا خرچ بھی میں گھر کے خرچے میں سے نکالوں تو بجٹ متاثر ہو گا ہی۔"

انہوں نے کہا تو نگینہ نے دوسری طرف ماتھا پیٹ لیا۔

"او میری بھولی ماں! انہوں نے جو تصویر آپ کو بنا کر دکھائی آپ نے دیکھ لی اور یقین کر لیا۔"

تو کیا غلط ہے اس میں۔" وہ حیرانی سے پوچھنے لگیں۔"

یہی پانچ ہزار وہ آپ کو گھر کے خرچے کے ساتھ زائد بھی تو بھیج سکتے تھے۔ آپ اپنے ہاتھ سے اس مہارانی کو جیب"

"خرچ دیتی رہتیں۔

نگینہ نے تصویر کا وہ رخ ان کے سامنے رکھا جو ابھی تک ان کی نگاہ سے اوجھل ہی تھا۔

مگر وہ تو اسے "خود مختار" بنا رہے ہیں۔ ہو نہ ہو یہ اسی پھاپھے کٹنی کی فرمائش ہو گی۔ اپنے پچھلوں کی جیبیں بھرے"

"گی اب۔

خیر وہاں تو نہیں جاتی وہ۔" رشیدہ بیگم کا دل پھر سے بجھ سا گیا۔ واقعی احراز اس معاملے میں ان پر تو اعتبار کر سکتا تھا۔"

آپ بھی نا بس یونہی ہیں۔ اتنا کچھ پہلے ہی سمجھا دیا تھا میں نے مگر آپ نے کچھ بھی یاد نہیں رکھا۔ اب بھگتیں ان کی"

"من مانیاں۔

نگینہ نے جیسے ناراض ہو کر فون بند کیا تھا۔

ادھر رشیدہ بیگم گہری سوچ میں ڈوب گئیں۔

رانیہ کی طبیعت بوجھل سی ہو رہی تھی۔ نہ کچھ کھانے کو جی چاہ رہا تھا نہ پینے کو۔ سر چکرا رہا تھا اور بس جلد از جلد بستر پر

جا لیٹنے کی خواہش تھی۔ ایسے میں کھانے کے برتن دھو کر کچن صاف کر کے وہ خدا کا شکر ادا کرتی اپنے کمرے کی طرف بڑھی تو رشیدہ بیگم نے بلا بھیجا۔

وہ بے حد تھکے ماندے قدموں کے ساتھ ان کے کمرے میں آئی تو وہ بڑے عجیب سے تاثرات لیے بیٹھی تھیں۔

"جی امی...؟"

وہ بالکل کسی ملازمہ کی طرح ان کے سامنے حاضر ہوتی تھی۔

شاید یہ ان کا روکھا پھیکا انداز ہی تھا جو اسے ابھی تک ایک فاصلے پر رکھے ہوئے تھا۔

حالانکہ یہی رشیدہ بیگم تھیں جو کبھی بڑے چائو سے اسے احراز کے لیے بیاہ کر لائی تھیں۔

"...یہ لو"

انہوں نے ایک کڑکڑاتا نوٹ اس کی طرف بڑھایا۔

"جی...؟"

وہ حیران سی نا سمجھی کی کیفیت میں انہیں دیکھنے لگی۔

"تمہارا خرچہ آیا ہے' بی بی۔"

وہ طنزاً بولیں۔ رانیہ کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ کیا بات ہے۔ اس کی حیرت میں مزید اضافہ ہوا۔

"کہاں سے...؟"

"اوفوہ... بھابی اب اتنی بھی نادان نہ بنیں جیسے کچھ پتہ ہی نہیں آپ کو۔"

شبینہ کے ہنستے لہجے میں ایک کاٹ سی تھی۔ وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ پھر یقین دلانے والے انداز میں بولی۔

"مجھے واقعی نہیں پتہ۔"

"احراز نے بھیجے ہیں تمہارے لیے۔ الگ سے۔"

رشیدہ بیگم نے جتانے والے انداز میں کہا تو رانیہ کا دل خوش ہونے کے بجائے سہم سا گیا۔

یعنی احراز کا یہ اقدام رشیدہ بیگم کو پسند نہیں آیا تھا تبھی تو یوں تنے ہوئے تاثرات لیے بیٹھی تھیں۔

"میں کیا کروں گی ان کا۔ آپ ہی رکھ لیں اپنے پاس۔ میری بھلا ضرورتیں ہی کیا ہیں۔"

وہ جلدی سے بولی۔

"یہ تو اسے سوچنا چاہئے تھا جس نے یہ حرکت کی ہے۔ بھلا ہم کیا تمہارا خرچہ نہیں اٹھا سکتے۔"

وہ اب قدرے نرم پڑی تھیں۔

"یہ آپ رکھیں اپنے پاس۔ میں خود ان سے کہہ دوں گی۔"

رانیہ نے بات ختم کرنی چاہی۔

"نہ بھئی۔ میں کوئی تماشا کھڑا نہیں ہونے دینا چاہتی۔ کل کو وہ مجھے الزام دے گا۔"

ان کے انداز میں اب وہ شدت نہیں تھی۔

"کچھ نہیں کہیں گے۔ جب میں ہی نہیں لینا چاہتی تو پھر ان کو کیا اعتراض ہو گا۔"

رانیہ نے انہیں اطمینان دلایا تو انہوں نے نوٹ اپنے تکیے کے نیچے کھسکا دیا۔

"اچھا بھئی ہم نے تو اپنا فرض نبھا دیا۔ اب آگے تم جانو اور تمہارا شوہر۔"

رانیہ نے اتنی جلدی بات ختم ہونے اور ان کا موڈ ٹھیک ہونے پر دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا اور ان سے اجازت لے کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

اس کے چہرے پر تھکان کے ساتھ ساتھ اب ہلکی سی مسکراہٹ بھی تھی۔

کوئی تھا اس دنیا میں جسے اس کا' اس کی ضروریات کا اتنا خیال تھا۔

"آئی لو یو احراز... لو یو سو مچ۔"

اس کا دل تشکر سے بھر گیا تھا۔

☆☆☆☆

کون ہے وہ' کہاں ہے وہ

کب آئے گا... آکے میرا بن جائے گا

اس شہزادے کی میں راہ تکوں

سامنے نظر کے نہیں آتا وہ کیوں؟

برتن دھوتے ہوئے فرحین باآواز بلند اپنا شوق گلوکاری بھی پورا کر رہی تھی۔

سب کے لیے چائے بناتی روشین اس کے انداز سے محظوظ ہو رہی تھی۔

"! شہزادہ حاضر ہے' مادام"

ریان کی آمد اور جملہ اس قدر اچانک تھا کہ "مادام" کے ہاتھوں سے صابن لگی پلیٹ پھسلتے پھسلتے بچی۔

"...اس قدر ناگہانی آمد"

فرحین نے اسے گھورتے ہوئے پلیٹ احتیاط سے سنک میں رکھی تھی۔

وہ ہنستا ہوا کیبنٹ کی ماربل ٹاپ پر آبیٹھا۔ روشین بے حد سنجیدہ سی چولہے پر پڑے ساس پین کی طرف متوجہ ہو گئی۔

چائے کو ابال آنے میں ابھی وقت تھا۔

"لائونج تک تمہاری "فریاد" جا رہی تھی۔ میں نے سوچا حاضری لگوا ہی دوں۔"

"ہنہ۔ آپ کو کیا پتہ سُر اور فریاد کا فرق۔"

فرحین نے اس کا مذاق اڑایا۔

اوفوہ... مطلب تو شہزادے کو بلانے سے تھا نا۔ وہ آچکا ہے۔" وہ مزے سے بولا۔"

"ہاں مگر کوہ قاف کا۔"

فرحین نے ہاتھ پونچھتے ہوئے گرہ لگائی۔

"بیوقوف۔ کوہ قاف کے جن ہوتے ہیں۔"

ریان نے تصحیح کی تو وہ ہنسی۔

"اور پرستان کے "پرے" ہوتے ہیں۔ پری تو آپ ہو نہیں سکتے۔"

"ہم دور دیس کے شہزادے ہیں' نادان لڑکی۔"

وہ رعب سے بولا۔

فرحین نے فریج کھول کر ایک سیب نکال کر ریان کی طرف اچھالا جسے وہ بمشکل کیچ کر پایا۔

دوسرا نکال کر وہ خود دانتوں سے کترنے لگی۔

"سیب کھانے کے بعد چائے پی جا سکتی ہے کیا؟"

وہ شرٹ سے سیب رگڑتے ہوئے تفکر سے پوچھنے لگا۔

"روشی کی بنائی ہوئی پی جا سکتی ہے۔"

فرحین ہنسی۔

"نہ بھئی۔ اسے کچھ مت کہو۔"

وہ فوراً بولا۔

"کیوں...؟"

فرحین نے بھویں اچکائیں۔

"یہ روپڑے گی۔ پھر مجھ سے لڑے گی۔"

وہ مزے سے بولا۔

روشین نے دانتوں پر دانت جمائے۔ وہ اس کے منہ نہیں لگنا چاہتی تھی۔

"ارے واہ... آپ تو شاعر ہو گئے۔"

فرحین فریج سے ٹیک لگائے کھڑی دلچسپ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

میں شاعر تو نہیں مگر اے حسین"

جب سے دیکھا تجھ کو، مجھ کو

"شاعری آگئی۔

وہ اچھے خاصے سر اور آواز میں گنگنایا۔

جواباً فرحین کی کھلکھلاتی ہنسی۔

روشین کا دل اتھاہ گہرائی میں ڈوب کر ابھرا تھا۔

پلٹ کر ایک نظر ریان کے مسکراتے چہرے کو دیکھنے کی خواہش کو اس نے بے دردی سے دل میں ہی دبا دیا تھا۔

"... بڑا رومینٹک موڈ ہو رہا ہے جناب کا

اسے فرحین سے اس قدر بے تکلفی بلکہ بے باکی کی امید نہ تھی۔ جواباً ریان نے گہری آہ بھری۔

"... بس، جب سے دیکھا تم کو"

وہ پھر سے ہلکے سے گنگنایا۔ روشین کا ضبط جواب دے گیا۔

یہ فضول گفتگو تم لوگ کہیں اور جا کے نہیں کر سکتے..." وہ پلٹ کر غصے سے بولی۔"

ان دونوں کی ہنسی کو ایک دم سے بریک لگی تھی۔

"یہ فضول گفتگو ہے؟"

فرحین نے مصنوعی حیرت کا مظاہرہ کیا۔ پھر بولی۔

"بڑی خشک مزاج ہو گئی ہو۔ منگنی کے بعد تو تمہیں اتنا رومینٹک ہو جانا چاہئے تھا کہ تمہیں شاعری آجاتی۔"

"مگر اسے تو شاید اپنے منگیتر کو دیکھ کر شاعری کی جگہ غصہ ہی آتا ہے۔"

ریان نے بظاہر سیب کھاتے ہوئے سرسری سا جملہ کسا۔

مگر روشین کو بہت زور کا لگا۔

"شٹ اپ۔ تم ہمارے بیچ مت بولو۔"

وہ خاصی بدتمیزی سے بولی۔

"...ایکسکیوزمی محترمہ"

وہ کود کر کیبنٹ ٹاپ پر سے اترا تو وہ بے اختیار ہی پیچھے ہٹی۔

"آپ ہم دونوں کے بیچ بولی ہیں نہ کہ ہم۔"

اس نے جتایا تو روشین کی پیشانی سلگ اٹھی۔

"مجھے تو شاید باہر کوئی بلا رہا ہے۔"

فرحین کھسک لی تھی۔

"کیونکہ تم مسلسل فضول گوئی کا مظاہرہ کر رہے ہو' وہ بھی میری بہن کے ساتھ۔"

وہ غصے سے بولی۔

"تمہیں اعتراض کس بات پر ہے۔ میری فضول گوئی پر یا مقابل تمہاری بہن ہونے پر؟"

وہ بات کو کہاں سے کہاں لے گیا۔

''میری بلا سے۔ چاہے وہ کوئی بھی ایکس وائی زیڈ ہو۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

وہ بھڑ کی۔

''مگر مجھے فرق پڑتا ہے۔''

وہ عجیب سے لہجے میں کہتا اس کے بالکل قریب... بالکل سامنے آ کھڑا ہوا۔

مجھے فرق پڑتا ہے روشنی... جب میں تمہارے نام کے ساتھ عمر کا نام سنتا ہوں۔ مجھے فرق پڑتا ہے جب وہ تم پر استحقاق'' جتاتا ہے اور مجھے بہت فرق پڑتا ہے روشنی... جب تمہاری آنکھوں میں میری بجائے اس کے لیے آنسو ہوتے ہیں۔ تمہاری ہنسی، تمہارے آنسو تو سب میرے لیے تھے... پھر ایک دم سے یوں پرائی کیوں ہو گئی ہو۔ کیا تمہیں اس سے ''فرق نہیں پڑتا...؟

وہ بے حد آزردگی سے دل کی کتاب کا ایک ایک ورق اس کے سامنے کھول گیا تھا۔

اور روشین۔

ایک قیامت تھی جس کا اس کے وجود کو سامنا تھا۔

تیز آندھیوں کا شور پل بھر میں اسے چھو کے گزرا تھا۔

''کیوں ہار گئی تھیں روشنی... کیوں؟ کیا میں اتنا ہی ارزاں تھا تمہاری نظروں میں؟''

اس نے اب روشین کے سامنے کبھی نہ ہارنے کی قسم کھائی تھی مگر، وہ ملا تو سب ارادے توڑنا اچھا لگا کے مصداق وہ سب کچھ بھول بھال کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

سوالوں کے نوکیلے بھالے لے کر۔

اس کی ذات کو چھیدنے کے لیے۔ یہ سمجھے بغیر کہ وہ کمزور سی لڑکی ذات خود کو کیسے سنبھال پائے گی۔

روشین کا جی چاہا بس ایک قدم آگے بڑھائے اور ہمیشہ کے لیے اس کی پناہوں میں آجائے۔

تم کو دیکھا تو یہ خیال آیا

زندگی دھوپ تم گھنا سایہ

کوئی اس سے پوچھتا کہ وہ اس کے لیے کیا تھا۔

مگر اس سے کسی نے پوچھا ہی کہاں تھا... ایک تلخ سی سوچ اس کے اندر ابھری تو گہری سانس بھرتی وہ چولہے کی طرف پلٹ گئی۔

ریان کا وجود جیسے کسی بھٹی میں جلنے لگا۔

یعنی اس کی اتنی جذباتیت کا اس کے پاس ایک لفظ کا بھی جواب نہیں تھا۔

...اور وہ

وہ پھر سے اس کے سامنے محبت کی بھیک کا کشکول تھامے آکھڑا ہوا تھا۔

اور اس نے ہمیشہ کی طرح کسی مغرور ملکہ کی مانند خیرات دیئے بنا کھڑکی بند کر دی تھی۔

ریان نے ایک جھٹکے سے اس کا بازو تھام کر کھینچا تو اس کے انداز میں شدید غصہ تھا۔ وہ جو اپنے دھیان میں کھڑی تھی ایک دم سے توازن کھو کر اس کے ساتھ آلگی۔

وقت جیسے ساکت سا ہو گیا تھا۔

☆☆☆☆

"یہ کیا ہر وقت سر پر چڑھی رہتی ہے۔ جب بھی آئو خاطر مدارت کے بہانے آس پاس منڈلاتی رہتی ہے۔"

نگینہ ہر ہفتے آتی تھی اور رانیہ پر وہی اعتراض برائے اعتراض۔

"اے لو۔ تو اور کون خاطر مدارت کرے گا تمہاری۔"

رشیدہ بیگم نے حیرت سے کہا۔

"اوہو۔ میرا مطلب ہے اسے میکے بھی بھیجا کریں۔"

وہ تنکی۔

"شکر نہیں کرتیں کہ وہاں نہیں جاتی۔ گھر سنبھالا ہوا ہے سارا اس نے۔"

"ہاں... اور آہستہ آہستہ گھر والے کو بھی سنبھالتی جارہی ہے۔"

وہ طنز سے بولی۔

"جب اپنا ہی کھوٹا مضبوط نہ ہو تو کسی سے کیا گلہ۔"

انہوں نے گہری سانس بھری۔

اسی لیے تو کہتی ہوں اسے ذرا میکے بھی بھیجا کریں تاکہ اس کا دھیان بٹے۔ یہاں رہ کے تو بس یہ میاں پر وظیفے ہی کرتی"

"رہے گی۔ آج الگ سے خرچہ آیا ہے کل کلاں کو ویزا بھی آجائے گا۔

نگینہ چمک کر بولی۔

"آپ کی تو زبان کالی لگتی ہے مجھے۔ جو کہتی ہیں فوراً ہی پورا ہو جاتا ہے۔"

شبینہ نے اسے ٹوکا تھا۔

"سچ کہتی ہوں اسی لیے سامنے آجاتا ہے۔ آخر کو میں نے بھی سسرال میں زندگی گزاری ہے۔"

وہ تفاخر سے بولی۔

اور کچھ کچھ تو رشیدہ بیگم بھی اب اس سے متفق ہونے لگی تھیں۔

احراز کے انداز میں واضح تبدیلی محسوس ہو رہی تھی۔

پیسے اس کے ہاتھ میں نہ پکڑا کے تو آپ نے عقلمندی ہی کی ہے۔ شوہر کے پیچھے اکیلی رہنے والی بیویاں انہی چونچلوں "
" سے بگڑ جاتی ہیں۔ اللہ معاف کرے الٹی سیدھی راہوں پر چل نکلتی ہیں پیسہ ہاتھ میں آتے ہی۔

نگینہ نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

مگر منہ سے نکلے ہر لفظ کو خدا معاف تو نہیں کر دیا کرتا۔ ہر عمل پر گرفت ہوتی ہے۔ یہ بات وہ نادان نہیں جانتی تھی۔

اوروں کی طرح۔

جو "اللہ معاف کرے" کہہ کر کسی کی غیبتیں کرتے ہیں اور مطمئن بھی رہتے ہیں کہ اللہ نے معاف کر دیا ہو گا۔

مگر غیبت کی معافی دینے کا اختیار اسی کے پاس ہے جس کی غیبت کی جا رہی ہے۔

سو کس کس سے معافی مانگی جائے گی اور کون اتنے صاف اور بڑے دل والا ہے کہ معاف کر بھی دے گا کہ ہم شاید خدا کے اتنے گناہ نہیں کرتے ہوں گے جتنے اس کے بندوں کے کرتے ہیں۔

جھوٹ بول کر، غیبت کر کے، بہتان لگا کر، یتیموں کا حق مار کر، چور بازاری کر کے۔

واقعی... اللہ معاف کرے۔

"وہ کیا عقلمندی کرتی۔ اسی نے نہیں لیے روپے ورنہ یہ تو دے رہی تھیں۔"

شبینہ نے ناگواری سے اصل بات بتائی۔

"تو کیا یونہی دبا لیتی روپے۔ کل کلاں کو بیٹا میرے خلاف ہو جاتا۔"

وہ چڑسی گئیں۔

بیٹے کی شادی کر کے تو وہ امتحان ہی میں پڑ گئی تھیں۔

کچھ بھی نہیں ہوتا۔ کون سا لاکھوں روپے تھے جو وہ پوچھ گچھ کرتے اور یوں بھی آپ ماں ہیں اس گھر کی بڑی اور اچھی "

"طرح جانتی ہیں کہ کیا کرنا چاہئے اور کیا نہیں۔

وہ بے پروائی سے بولی۔

"تو کیا یہ بات اسے خود سمجھ نہیں لینی چاہئے۔"

وہ کلسی۔

"وہ نہیں سمجھتے تو آپ اچھی طرح سمجھاتی ناں۔"

نگینہ نے کہا۔ پھر بولی۔

"اور آج ذرا بہورانی کو کہیں میکے کی بھی خیر خبر لے آئیں۔ یہیں کی ہو رہی ہیں۔"

اور یہی بات جب انہوں نے رانیہ کو بلا کر کہی تو وہ چپکی ہو رہی۔

میکے کا بڑا مان ہوتا ہے۔ یوں سسرال میں آکر میکے والوں کو بھول جانا کہاں کی دانشمندی ہے۔ وہ تو ہمیں ہی برا سمجھ"

"رہے ہوں گے نا۔

رانیہ کے حواس ٹھٹھرنے لگے۔

اس نے ان تینوں ماں بیٹیوں کے چہرے دیکھ کر گویا ان کے عزائم کا اندازہ لگانا چاہا۔

کیا وہ نہیں جانتی تھیں کہ وہاں اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے۔

کون سا میکہ' کہاں کا میکہ؟

میکہ تو ماں باپ سے ہوتا ہے... اور اس کا میکہ تو کب کا ختم ہو چکا۔ وہاں تو بس ایک بیگار کیمپ تھا جس میں وہ ایک قیدی

کی سی زندگی گزار رہی تھی۔

اور بالفرض یہ سب نہ بھی ہوتا تو واصف... ؟ اور احراز اسے جاتے ہوئے سختی سے منع کر کے گیا تھا کہ وہ میکے نہ جائے۔

اب وہ انہیں کیا کیا بتاتی۔

خاموش ہو رہی۔ البتہ رات احراز کا فون آیا تو اسے مناسب لفظوں میں بتا ڈالا۔

"نہیں۔ تم کبھی وہاں اکیلی مت جانا۔" وہ فوراً بولا۔ "امی سے میں خود بات کر لوں گا۔"

پھر اس سے روپوں کی بابت پوچھنے لگا۔

"مجھے الگ سے پیسوں کی کیا ضرورت ہے' احراز! میری ہر ضرورت پوری ہو جاتی ہے اور بس۔"

وہ سادگی سے کہتی اس کے دل میں اتر گئی۔

میری جان! سو ضرورتیں ہوتی ہیں انسان کی۔ خرچ نہیں کرنے تو جمع کرتی جاؤ۔ آج نہیں تو کل ہی کام آ جائیں "گے۔

وہ پیار سے بولا۔

اب وہ اسے کیا بتاتی کہ گھر والوں کا وہ منہ ہی نہیں رہا اس کا الگ خرچا دیکھ کر۔

"میں امی سے لے لیتی ہوں اپنی ضرورت کے مطابق۔ بس وہی کافی ہیں۔"

اس نے کوئی دلچسپی نہ لیتے ہوئے بات ختم کر دی تھی۔

"اف... پہلی بیوی دیکھ رہا ہوں جسے صرف شوہر سے غرض ہے اس کے بھیجے ہوئے روپوں سے نہیں۔"

وہ مسکراتے ہوئے لہجے میں بولا تو اس نے بے ساختہ کہا۔

"دیکھ کہاں' صرف سن رہے ہیں۔"

"ہاں بھئی... دیکھنے کو تو ترس رہا ہوں۔ بلکہ ملنے کو تڑپ رہا ہوں اور پتہ ہے ایک سرپرائز ہے تمہارے لیے۔"

وہ پیاسے لہجے میں کہتا ذرا رکا۔

''وہ کیا...؟''

رانیہ نے اشتیاق سے پوچھا۔

''وہ یہ کہ میں نے اپنی جان کے پیپرز جمع کرا دیئے ہیں اور بہت جلد میں تمہیں یہاں بلوائوں گا' اپنے پاس۔''

وہ خوشی بھرے لہجے میں تمنائیں سموئے کہہ رہا تھا۔

اور خوش ہونے کے بجائے نئے خدشات میں گھرا رانیہ کا دل اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبنے لگا۔

وہ لمحاتی قرب تھا۔ روشین تڑپ کر پیچھے ہٹی تو کم شرمندہ ریان بھی نہ تھا۔

نہ جانے وہ کیا کہنا چاہتا تھا مگر اس فضول سی صورت حال کے بعد وہ ایک لمحہ بھی وہاں ٹھہرے بغیر چلا گیا اور پیچھے چھوڑ گیا تپتی کلستی روشین کو جو مسلسل خود پر نفرین بھیج رہی تھی۔

''ایک تھپڑ کیوں نہ مار دیا میں نے اس کے منہ پر۔ اس کی اتنی جرأت کہ یوں مجھے ہاتھ لگائے۔''

حالانکہ ریان نے کسی ایسے ارادے سے اسے نہیں چھوا تھا۔ وہ تو اسے متوجہ کرنے کی ایک کوشش تھی اور بس۔ مگر وہ یوں اس کی طرف کھنچتی چلی آئے گی' اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

وہ چائے لے کر آئی تو ریان لائونج میں نہ تھا۔ وہ شکر کرتی سب کو چائے دے کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔ ذہن سخت پراگندگی کی زد میں تھا اور ایسے میں عمر کا فون... روشین کا جی چاہا کہ سارے کا سارا غصہ اسی پر نکال دے مگر اس کا ازلی ضبط اس کا دامن تھامے رہا۔

''کیا ہو رہا تھا...؟''

عمر کا لب و لہجہ پچھلی ملاقات سے بہت مختلف تھا۔ معتدل اور قدرے دوستانہ۔ مگر وہ خوش فہمی کا شکار نہ ہوئی کہ لمحوں

میں وہ روپ بدلتا تھا۔

کچھ نہیں بس ایسے ہی۔" وہ خود کو نارمل کرتے ہوئے آہستگی سے بولی۔"

کبھی مجھے بھی یاد کرلیا کرو۔ ہمیشہ "کچھ نہیں" کرتی ہوئی ملتی ہو۔" وہ ہلکے پھلکے انداز میں کہنے لگا۔"

اف یہ مرد..." روشین کا موڈ پھر سے خراب ہونے لگا۔"

ریان کی درازدستی پھر سے یاد آنے لگی۔ کچھ بھی تھا اس کی نظروں میں ریان کا امیج بہت خراب ہوا تھا۔ وہ اسے دوسرے ...مردوں سے بہت مختلف سمجھتی تھی۔ مگر

عمر کچھ کہہ رہا تھا شاید' مگر وہ اپنی سوچوں میں اس قدر گم تھی کہ سن نہیں پائی۔

تو پھر...؟" وہ پوچھ رہا تھا۔"

ہوں... کیا... کیا کہا آپ نے؟" وہ چونکی تو بے ساختہ ہی پوچھ بیٹھی۔"

"چند لمحوں کے لیے عمر خاموش ہو گیا۔ "تم مجھے کیا سمجھتی ہو' روشین...؟

اس نے بہت ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں پوچھا تو اس سوال کا ماخذ نہ جانتے ہوئے وہ گڑبڑا سی گئی۔

"کیا مطلب...؟"

اتنے مہینوں میں بھی تم مجھے سمجھ نہیں پائیں۔ میرے کیا مطالبے ہیں۔ میں کیا چاہتا ہوں...؟" اس کے انداز میں ہلکی" سی تلخی تھی۔

آئی ایم سوری۔ دراصل میں کسی اور خیال میں تھی۔" وہ معذرت خواہانہ انداز میں بولی تو اس نے اپنی بات پر زور" دیتے ہوئے کہا۔

وہی تو... وہی تو میں کہہ رہا ہوں۔ تم ویسے بھی کسی اور خیال میں ہوتی ہو اور مجھ سے بات کرتے ہوئے بھی کسی اور ہی" "خیال میں ہوتی ہو۔ مجھے وہ وقت بتاؤ جب کبھی تمہیں میرا خیال آتا ہے؟

وہ شاید اب صاف صاف بات کرنے پر اتر آیا تھا۔ روشین کا دل بجھنے لگا۔

''ایسی کوئی بات نہیں' عمر۔ میرا آپ کا جو رشتہ ہے وہ میں پوری وفاداری سے نبھا رہی ہوں۔''

اس نے تیقن سے کہتے ہوئے جانے اسے یقین دلانا چاہا یا خود کو۔ وہ خود بھی سمجھ نہیں پائی تھی۔

شٹ اپ' روشین' شٹ اپ۔'' وہ تلخی سے بولتا روشین کی زبان کو تالو سے چپکا گیا۔''

''میں بچہ نہیں ہوں کہ تمہاری بیزاری کو سمجھ نہ سکوں۔ سب جان رہا ہوں اور سمجھ رہا ہوں۔''

''یہ بیزاری نہیں ہے' عمر۔''

احتجاج تو اسے کرنا ہی تھا اور اپنا دفاع بھی۔

تو پھر کیا ہے یہ؟ دوسروں کے ساتھ تمہارے تعلقات بے مثال ہیں اور میں جو تمہارا شریک سفر' زندگی بھر کے سفر''

کا شریک بننے جا رہا ہوں' اس کے لیے تمہارے پاس نہ تو وقت ہے اور نہ ہی توجہ۔'' وہ بگڑنے لگا۔ لہجے کی تلخی ہنوز تھی۔

ایسی بات نہیں ہے' عمر۔ بس میں ذرا دوسری لڑکیوں کی طرح خوابوں کی دنیا میں نہیں رہتی۔ منگیتر مجھے دوسری دنیا''

''کی مخلوق نہیں لگتا۔ میں اسے بھی ایک انسان ہی سمجھ کر ٹریٹ کرتی ہوں۔ خوامخواہ کا پروٹوکول نہیں دے سکتی۔

وہ کہنا چاہتی تھی مگر جانتی تھی کہ عمر سے اس وقت یہ سب کہنا قیامت صغریٰ لانے کے برابر ہے۔

اور محرم و نامحرم کا فلسفہ اب کیا دہراتی۔ اگر وہ ریان عزیز کا اس کے گھر میں رہنا اور اس کے ساتھ یوں آزادانہ شاپنگ کے لیے جانا گنوا دیتا تو اس کے ہاتھ کیا آتا۔ سو معذرت خواہانہ لب و لہجہ اپنا لیا۔

''...ائی ایم سوری' عمر''

اٹس اوکے... بٹ لاسٹ ٹائم۔'' وہ اسے تنبیہہ کرتے ہوئے بولا تو بے حد سنجیدہ تھا۔''

"اس کے بعد جو ہوگا اس کی ذمہ دار صرف تم ہو گی' روشین۔"

"...جی"

اس نے آنسو اندر ہی اتار لیے۔

اور میں نے ایک بہت ضروری فیصلہ بھی کیا ہے۔ تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ تم سے ڈسکس کرنا ہے۔ اگر تم فارغ ہو تو؟" "

اس کے انداز میں مخصوص طنز اتر آیا۔

"...جی"

روشین نے ہاتھ جوڑ لیے۔ باپ کی عزت' بھائی کی محبت کی جگہ تھی۔ شاید پائوں بھی پڑ جاتی۔

پرسوں شام کو لینے آئوں گا۔ بالکل تیار رہنا اور پلیز یہ گھر والوں سے پرمیشن لینے والا ناٹک میرے سامنے مت کرنا۔"

"پہلے ہی سے بات کر لینا سب سے۔ ڈنر ہم باہر ہی کریں گے۔

وہ پہلے بھی کہاں اس کی سنتا تھا اور اب تو اس کے لب و لہجے کے رنگ پہچان گیا تھا۔ شکار بے دم پڑا تھا جیسے چاہے اسے دبوچ لیتا۔

"اور سنو..." فون بند کرنے سے ذرا پہلے وہ پتہ نہیں کس رو میں بولا۔ "ہنسا کرو۔ کبھی کبھی ہنستی ہو مگر اچھی لگتی ہو۔"

اور فون بند کر کے وہ رو پڑی۔

تم نے ہنسی چھوڑی ہی کہاں ہے عمر حیات' میری زندگی میں۔

☆☆☆☆

"احراز پلیز! میں یہیں پر ٹھیک ہوں۔ مجھے وہاں نہیں آنا۔"

رانیہ نے خود کو سنبھالتے ہوئے فوراً ہی اسے ٹوک دیا تو وہ حیران ہوا۔ وہ سمجھا شاید وہ ٹھیک سے سمجھی نہیں۔

"ارے بے وقوف! یہاں اٹلی بلوا رہا ہوں، تمہیں۔ اپنی جان کو اپنے پاس۔"

رانیہ کا دل مچل اٹھا۔ وہ کہاں ایک پل بھی اس سے دور رہنا چاہتی تھی مگر وہ یہ بات بھی اچھی طرح جانتی تھی کہ گھر والوں تک یہ خبر پہنچتے ہی وہ قابل گردن زدنی قرار دی جائے گی سو خود ہی سے انکار کر دینا بہتر لگا۔

نہیں، احراز... اب تو میرا دل یہاں لگ گیا ہے۔ سب کے ساتھ۔ وہاں تنہا رہ کے تو پتہ نہیں مر ہی جاؤں۔" وہ" گھبرا سی گئی۔

شاباش... جانِ احراز، میرے پاس کیسی تنہائی؟ میں ہوں گا ساتھ تمہارے، ہر پل ہر لمحہ۔" وہ شکوہ کناں انداز میں" گویا ہوا۔

رانیہ کا دل رو پڑا۔ اس کے روئیں روئیں نے ان مشفق بانہوں میں سمٹنے کی خواہش کی جو یہاں بھی ہمیشہ اس کے لیے وا رہی تھیں اور اب وہ سات سمندر پار سے بلا رہا تھا... اسی محبت، اسی وارفتگی کے ساتھ۔

مگر سب سے اتنی دور... کچھ دنوں نہ سہی، مہینوں بعد تو تنہائی محسوس ہو گی نا۔" اس سے بات سنبھالی نہیں جا رہی" تھی۔

وہ کیا کہے، کن الفاظ میں انکار کرے کہ احراز مان جائے اور خفا بھی نہ ہو۔

تم کہنا کیا چاہتی ہو، رانی...؟" وہ الجھا۔ وہ تو سمجھا تھا کہ یہ خبر سنتے ہی وہ خوشی سے پاگل ہو جائے گی۔"

اس کے ایک دوست نے اپنی بیوی کے پیپرز جمع کرائے تھے اور آٹھ ماہ کے اندر اس کے پیپرز نکل آئے تھے۔ اب کچھ عرصے تک جب پاکستان سے بھی اس کے پیپرز نکل آئے تو وہ وہاں پہنچنے والی تھی۔ اسی دوست نے احراز کو بھی مشورہ دیا تھا، رانیہ کے پیپرز جمع کروانے کا مگر ادھر تو کایا ہی پلٹ گئی تھی۔

وہ رانیہ جو اس کی جدائی میں آنکھ سے آنسو خشک نہیں ہونے دے رہی تھی اب اتنے آرام سے اس کے پاس آ کر دل نہ

لگنے اور تنہا ہو جانے کے غم میں مبتلا تھی... وجہ...؟

میرا مطلب ہے کہ کچھ عرصے تک تو آپ آ ہی جائیں گے۔ آپ نے کہا تھا کہ اس بار چھ ماہ بعد شاید..." وہ مصنوعی"

بشاشت سے بولی۔

"تین ماہ تو ہو چکے ہیں۔ بس اب تھوڑا عرصہ ہی ہے۔"

نہیں آسکتا۔ اسی لیے تو سوچ رہا ہوں کہ تمہارے پیپرز جمع کروا دوں۔ تم تو آسکتی ہو میرے پاس۔" وہ بولا تھا۔"

اچھا نہیں لگے گا' احراز..." وہ کہہ نہ سکی کہ تمہارے گھر والوں کو اچھا نہیں لگے گا مگر زبان نے ساتھ نہ دیا۔"

"احراز بہت بدمزہ ہوا۔" بات کیا ہے' رانیہ...؟

وہ گڑبڑائی۔" کوئی بات نہیں۔ بات کیا ہونی ہے۔ آپ ہی سمجھ نہیں رہے۔ اگر شبینہ کی بھی شادی ہو گئی تو امی اکیلی

"ہو جائیں گی۔

اور جو یہاں میں اکیلا ہوں' وہ...؟" وہ جدائی کی آگ میں سلگتے لہجے میں بولا تو اس کا بھی دل کدلانے لگا۔"

اور پھر وہاں کی فکر تو مجھے ہونی چاہئے۔ تمہیں کاہے کے تفکرات ہیں۔" اس کے لب و لہجے سے ناراضی جھلکنے لگی"

تھی۔

"...رانیہ بے بس ہونے لگی۔" افوہ... میں تو بس ایسے ہی

پہلی بار رانیہ... پہلی بار مجھے تمہارے انداز میں وہ محبت' وہ تڑپ محسوس نہیں ہوئی جو ہمیشہ ہوتی آئی ہے اور جس نے"

"مجھے یہ فیصلہ کرنے پر مجبور کیا ہے کہ میں اس جدائی کو پاٹ دوں۔

"احراز..." وہ رو دی۔ آپ کے بغیر میرا اور کون ہے اس دنیا میں۔"

تو اس لیے مجھے چاہنے پر مجبور ہو؟" وہ یکلخت ہی سفاکی و بے اعتنائی پر اتر آیا تھا۔"

رانیہ گھبرا گئی۔ یہ وہ کیا سوچ جا رہا تھا۔ ابھی تو اس نے محض بات کی تھی تو یہ حال تھا اور اگر وہ اس کے بلاوے پر نہ گئی تو؟

☆☆☆☆

اسے فرحین نے سفید لفافہ تھمایا تو وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

تمہارے لیے ہے۔" وہ مختصراً کہہ کر چلی گئی۔ چند ثانیے یونہی دروازے کو تکتے رہنے کے بعد سر جھٹکتے ہوئے وہ" لفافہ کھولنے لگی۔

سرخ گلابوں سے سجا' بہت نفیس سا کارڈ جس پر بڑا سا "سوری" لکھا ہوا تھا۔

وہ ذرا سا الجھی۔ سادہ کارڈ... اس نے آخر میں دیکھا۔

ریان عزیز۔

روشین نے لب بھینچے۔

خود اسے بھی پتہ ہے اپنی بد تمیزی کا۔" اسے پھر سے کل والی بات غصہ دلانے لگی۔ ایک دو بار کارڈ کو ہاتھوں میں" اضطرابی انداز میں الٹنے پلٹنے کے بعد اس نے کارڈ کے دو ٹکڑے کر کے ایک طرف ڈال دیا۔

شام کو اچھے موسم نے اسے ٹیرس پر کھینچ لیا۔ وہ چائے کا بڑا سا مگ لے کر اوپر چلی آئی۔

اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ریان بھی وہاں آسکتا ہے۔ آتو شاید جاتا مگر اسے وہاں دیکھ کر بھی وہ واپس نہیں پلٹا تھا۔

"ہیلو... موسم انجوائے کیا جا رہا ہے۔"

بہت دوستانہ انداز تھا مگر روشین نے شاید قسم کھالی تھی کہ اس سے نہیں بولنا سو خاموشی سے چائے کا گھونٹ بھرتے

ہوئے وہ ڈوبتے سورج کی لالی کو دیکھنے لگی۔

ابھی تک ناراض ہو۔'' وہ بے یقینی سے پوچھتا اس کے سامنے چلا آیا۔''

روشنی نے اچٹتی نگاہ اس پر ڈالی اور پھر چائے پینے لگی۔

تمہاری کیا زندگی کی آخری چائے ہے؟'' وہ چڑ سا گیا۔''

روشین پھر بھی نہیں بولی تو وہ جیسے ہار سا گیا۔

وہ سیڑھی پر ٹکی تھی۔ ریان اس کے عین سامنے پنجوں کے بل بیٹھ گیا۔

کیوں میرا امتحان لیتی ہو' روشنی۔ انکار کیوں نہیں کر دیتیں اس رشتے سے۔ انکل سے میں خود بات کر لوں گا اور تم''
یقین کرو وہ کبھی بھی مجھے نہیں ٹالیں گے۔ عمر' اُن کا بھتیجا ہی سہی مگر میں بھی ان کے لیے کم اہم نہیں ہوں۔ بس ایک
'' بار تم مجھے میرا ساتھ دینے کا اذن دو۔ میں پھر سے جی اٹھوں گا۔

روشین کو لگا اس کا وجود آنسو بن کے بہہ جائے گا۔ وہ جانتی تھی کہ کبھی ریان اس سے محبت کرتا تھا مگر یہ نہیں معلوم تھا کہ ابھی تک۔

اسے چٹکیوں میں اڑانے والا' خود کو جان بوجھ کر فرحین کے نام سے منسلک کرنے والا' اس وقت اپنی پوری دنیا لیے اس کے قدموں میں بیٹھا تھا۔

روشین کے ہاتھ کپکپانے لگے۔ اس نے پورے زور سے مگ کو تھام لیا۔ وہ اس پر اپنی کمزوری ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔
اس کے الفاظ' اس کا انداز بہت متاثر کن سہی مگر جتنا سکندر حیات کو وہ جانتی تھی اتنا ریان عزیز نہیں جانتا تھا۔
خود کو جتنا بھی مضبوط بنا لیتی مگر ان آنسوؤں کا کیا کرتی جن پر اسے کبھی بھی اختیار نہیں رہا تھا۔ انہیں بہنے کے لیے کون سا اس کی اجازت کی ضرورت تھی سو وہ بہہ نکلے۔ ریان الجھنے لگا۔

''تو پھر کیوں' روشین... اگر یہ دل پر جبر ہی ہے تو کیوں؟''

کچھ سمجھ میں نہ آتے ہوئے وہ جیسے پاگل ہونے کو تھا۔ اگر وہ خوش تھی تو لگتی کیوں نہیں تھی اور اگر وہ ناخوش تھی تو ایک بار عادل سے کہہ کر دیکھتی وہ کبھی بھی اس کا رشتہ عمر سے جڑنے نہ دیتا۔

یہ سب تو وہ بھی جانتی تھی پھر کیوں اس نے یہ فیصلہ کیا تھا؟ وہ کبھی سمجھ نہیں سکتا تھا۔

"ریان پلیز..." وہ پھپک کر رو دی۔ "خدا کے لیے... کیا تم مجھے میرے حال پر نہیں چھوڑ سکتے؟"

منگنی سے لے کر اب تک کے عرصے میں یہ پہلی بار تھا کہ جب اس موضوع پر بات کرتے ہوئے روشین کے لب و لہجے میں تندی کے بجائے منت تھی' سماجت تھی۔

"میں تمہاری زندگی برباد ہوتے نہیں دیکھ سکتا' روشین۔" وہ پر شدت لہجے میں کہتا روشین کی پوری ہستی کو ڈگمگا گیا۔

مگر وہ جانتی تھی کہ خرد کا دامن تھامے رکھنے ہی میں بھلائی تھی' اس کی بھی اور باقی سب کی بھی۔

"ہاہ..." مگ سیڑھی پر رکھتی دونوں ہتھیلیوں سے آنکھوں کو مسل کر صاف کرتی وہ استہزاء سے ہنس دی۔

"تمہیں کس نے کہا کہ میری زندگی برباد ہو رہی ہے؟"

"مت ہنسو ایسے..." ریان نے ملامتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"شاید تم اپنی ہنسی کے کھوکھلے پن سے واقف نہیں ہو۔"

پھر وہی اسے اندر تک جان لینے والا انداز۔ روشین کو خود کو سنبھالنا مشکل لگنے لگتا تھا۔

"ریان پلیز..." اس نے منت آمیز لہجے میں کہا تو یکلخت ہی وہ بھڑکا۔

"کیوں نہیں مان لیتیں اس حقیقت کو کہ میں اکیلا ہی اس راہِ محبت کا مسافر نہیں ہوں بلکہ تم ابھی تک اس پر میری ہمسفر ہو؟ کیوں انکاری ہو ان جذبوں سے؟ کیوں دھوکا دے رہی ہو خود کو بھی اور مجھے بھی؟ نہ صرف اپنی زندگی برباد کرنے پر تلی ہو بلکہ میری بھی۔"

روشین اس کی لال بھبوکا رنگت دیکھ کر دنگ سی بیٹھی تھی اوپر سے اس کے زخموں کو کریدتے الفاظ۔ وہ اتنی بہادر نہ تھی کہ بار بار ان زخموں کی پیوند کاری کرتی رہتی۔ تبھی تو ایک بار ہی ان پر راکھ ڈال کے انہیں بھولنے کی سعی میں مصروف تھی۔

مگر یہ ریان عزیز... یہ شخص کبھی بھی اسے چین سے نہیں رہنے دیتا تھا۔ پہلے زبردستی اس کی زندگی میں گھس آیا پھر جب وہ اپنے تئیں اسے اپنی زندگی سے نکال چکی تھی تو اتنی آسانی سے اس کے گھر میں گھس آیا کہ وہ متحیر رہ گئی... اور ...اب پھر اس کی زندگی میں

مگر اب وہ اسے اس بات کی اجازت نہیں دے سکتی تھی کہ وہ یوں اس کی زندگی کو ڈسٹرب کر دیتا۔ اس نے اگر عمر سے منسوب ہونے کا فیصلہ کیا تھا تو اس فیصلے سے کئی زندگیاں جڑی تھیں اور اس میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ ان سب کو پھر سے بکھرتے دیکھ سکتی۔ وہ عادل اور تمکین کا اس گھر سے نکالے جانا اور آسیہ بیگم کا ان کے لیے تڑپنا نہیں دیکھ سکتی تھی۔ ایک اس کے دل کی بربادی کا کیا... کچھ ہی عرصہ لگتا پھر وہ عمر کی سنگت میں سب بھول جاتی... تو پھر یہ ریان عزیز... یہ کون ہوتا تھا ان کی ہنستی مسکراتی زندگی کو بربادی کی طرف دھکیلنے والا۔ یہ کیوں

اس کی خرابی طبع کو مد نظر رکھتے ہوئے رشیدہ بیگم اسے ڈاکٹر کے پاس لے گئیں تو ان کا شک گویا یقین میں بدل گیا۔ وہ ماں بننے والی تھی۔

رانیہ پر تو اس خبر کو سن کر عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی۔ کچھ خوشی' کچھ ڈر۔ وہ خود بھی سمجھ نہ پائی تھی۔ البتہ رشیدہ بیگم بے حد خوش تھیں۔

مجھے پہلے ہی شک ہو رہا تھا تمہاری گری گری طبیعت دیکھ کر۔" واپسی پر وہ اسے کہہ رہی تھیں۔"

سب سے پہلے تو یہ خوشخبری احراز کو سنانی ہے۔" پھر وہ قدرے متفکر ہوئیں۔ "پہلے تو ہر دوسرے دن فون کرتا تھا۔ خدا خیر کرے' اس بار ہفتے سے اوپر ہو رہا ہے۔"

رانیہ نے ان کی بات سنی تو اپنی جگہ چور سی بن گئی۔ صاف ظاہر تھا کہ اس بار وجہ رانیہ ہی تھی۔ وہ سخت خفا تھا مگر یہ خفگی مہینوں چلے گی یہ ابھی رانیہ نے سوچا بھی نہیں تھا اور نہ پتہ نہیں اس کی کیا حالت ہوتی۔

ابھی تو فی الحال وہ یہی سوچ رہی تھی کہ احراز کو کیسے منانا ہے اور کس طرح یہ خوشخبری اسے سنانی ہے کہ وہ باپ بننے والا ہے۔

...اس کے ہونٹوں پر دھیمی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ مگر تقدیر

☆☆☆☆

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر آپ اپنی زندگی' ایک بیوقوف کے پیچھے کیوں ضائع کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔"

فرحین زچ آگئی تھی۔

پچھلے آدھے گھنٹے سے وہ خود بھی الجھ رہا تھا اور اسے بھی پاگل کیے دے رہا تھا۔

"وہ خوش نہیں ہے' فری۔ پتہ نہیں کون سی مجبوری ہے جو اسے یہ رشتہ نبھانے پر مجبور کر رہی ہے۔" وہ بار بار ایک ہی بات دہرا رہا تھا۔

"مجھے پتہ ہے۔ عمر اس کے مزاج کا بندہ نہیں ہے اور نہ ہی وہ اتنی بہادر بلکہ دیدہ دلیر ہے کہ ہم سب کی مخالفت کے باوجود اپنے فضول سے فیصلے پر ڈٹ جائے۔"

"تو پھر تم کیوں خاموشی سے تماشا دیکھ رہی ہو؟" وہ بھڑکا تھا۔

"آپ بھول رہے ہیں کہ سب سے پہلے اور سب سے زیادہ شور اس کے فیصلے پر میرا ہی تھا۔" وہ تحمل سے بولی۔

"کیا فائدہ۔ خودکشی تو وہ کر ہی رہی ہے۔" ریان نے طنز کیا۔

آپ کو پتہ ہے نا کہ خود کشی کرنے والا کسی کو بتا کر خود کشی نہیں کرتا۔اس نے کب کسی کے آگے رونا رویا ہے کہ یہ اس"
پر تھوپا جانے والا فیصلہ ہے۔اول روز سے وہ اپنی خوشی اور رضامندی ظاہر کرتی
"آرہی ہے۔

فرحین نے شانے اچکائے۔وہ ہر طرح سے روشین کے اس فیصلے کا ماخذ معلوم کرنے کی کوشش کر چکی تھی مگر ناکام رہی تھی۔ حتیٰ کہ آسیہ بیگم بھی چپ تھیں مگر اس خاموشی کے پیچھے چھپا حزن فرحین کو اچھی طرح محسوس ہو رہا تھا۔
لیکن مجبوری تھی کہ جب "بے بس" ہی مدد لینے کو تیار نہ تھا تو وہ کیا کرتی؟

اس نے نہیں بتایا مگر تم تو اچھی طرح جانتی ہو نا کہ وہ خود کشی ہی کر رہی ہے۔" ریان نے اس کے الفاظ پکڑے۔"

اوفوہ..." وہ زچ ہو گئی۔پھر فیصلہ کن انداز میں بولی۔"اچھا بتائیں' میں کیا کروں؟ کیسے انکار کہلواؤں اس کے منہ"
"سے؟

وہ چپ رہ گیا۔پھر تھکن زدہ لہجے میں کہنے لگا۔"یہی تو سمجھ نہیں آرہا مجھے بھی۔

فرحین کو اس پر ترس آنے لگا۔"اس نے جو فیصلہ کرنا تھا' کر چکی۔منگنی ہو چکی ہے' ریان بھائی! اب تو اگر وہ اپنا
"فیصلہ بدلنا بھی چاہے تو ابو اسے ایسا نہیں کرنے دیں گے۔

وہ ایک بار اپنا فیصلہ تو بدلے۔باقی سب میرا درد سر ہے۔" وہ تیقن بھرے لہجے میں بولا۔"

"فرحین نے مایوسی سے نفی میں سر ہلایا۔"اور یہ اس صدی کا شاید معجزہ ہی ہو گا۔

معجزے بھی اسی دنیا میں ہوتے ہیں۔" وہ پتہ نہیں کیوں اتنا پر یقین تھا۔"

روشین کا نام میرے ہاتھ کی لکیروں میں لکھا ہے' فری... اور تم دیکھنا میں اسے اپنا کر ہی دم لوں گا۔دنیا چاہے ادھر"

کی اُدھر ہی کیوں نہ ہو جائے۔" وہ بے حد جذباتی ہو رہا تھا۔

فرحین گہری سانس بھرتی چائے کے مگ اٹھانے لگی اور مذاقاً بولی۔"میں آپ دونوں کی شادی میں ضرور شامل ہوں گی۔ یہ میرا وعدہ ہے۔"

اور تمکین نے لائونج میں داخل ہوتے ہوئے چاہے ان کی گفتگو کا آخری حصہ ہی سنا ہو مگر وہ بھائی کا دکھ جان کر ساکت سی رہ گئی تھی۔

☆☆☆☆

آج بڑے دنوں کے بعد عمر اسے لے کر ڈرائیو پر نکلا تو اس کا موڈ کچھ بہتر ہی تھا۔

"کسی ریسٹورنٹ میں چلیں یا گھر لے چلوں؟" پہلی بار اس نے روشین کی مرضی معلوم کرنے کی "غلطی" کی تھی اور اسے غنیمت ہی لگا۔

"میرے خیال میں گھر ہی چلتے ہیں۔ چچا جان اور چچی جان سے بھی ملاقات ہو جائے گی اسی بہانے۔" وہ فوراً بولی کہ یوں ادھر اُدھر پھرنے سے بہتر تھا کہ گھر ہی چلا جاتا حالانکہ چچی جان سے بھی وہ

بہت اچھی طرح واقف تھی۔

مگر آگے کنواں اور پیچھے کھائی کے مصداق یہ فیصلہ اسے قدرے بہتر لگا تھا۔

"ہاں۔ بہانے ہی سے سہی۔ ویسے تو تمہیں کبھی خیال نہیں آیا کہ انہیں سلام ہی کر لو۔" وہ پھر سے طنز کے تیر چلاتے ہوئے بولا تو وہ غلطی نہ ہوتے ہوئے بھی شرمندہ سی ہو گئی۔

"فون پر کبھی کبھار بات ہو جاتی ہے ان سے۔" جواباً اُس نے ایسے ہنکارا بھرا کہ روشین میں مزید صفائی پیش کرنے کی ہمت باقی نہ رہی۔

"تم سے بہت ضروری باتیں کرنی ہیں آج مجھے۔"

گھر پہنچنے تک عمر کا موڈ ٹھیک ہو چکا تھا۔ وہ دل ہی دل میں جل تو جلال تو کا ورد کر کے رہ گئی۔

ویسے امی ابھی بازار گئی ہوئی ہیں۔" گاڑی کو پورچ میں روکتے ہوئے عمر نے اسے بتایا تو دروازے کو کھولتا اس کا ہاتھ" وہیں تھم گیا۔

دل پل بھر میں اتنے وسوسوں کا شکار ہوا کہ حد نہیں۔ وہ بے اختیار اس کی جانب پلٹی جو مطمئن سا گاڑی بند کر رہا تھا۔

"گھر میں کوئی بھی نہیں...؟"

ہم ہیں ناں۔ ویسے بھی امی آنے والی ہی ہوں گی۔ میں ابھی گھر میں ہی تھا جب وہ نوین کے ساتھ شاپنگ کے لیے گئی" تھیں۔" وہ کلائی الٹ کر گھڑی دیکھتے ہوئے آرام سے بولا' یوں جیسے اس میں کوئی خاص بات ہی نہ ہو مگر روشین کا دل تو وحشت کا شکار ہونے لگا۔

جب گھر میں کوئی بھی نہیں تو پھر گھر آنے کی کیا ضرورت تھی؟" وہ قدرے الجھ کر ناراضگی سے بولی تو عمر نے" ناگواری سے الٹا اسی پر الزام دھر دیا۔

"میں نے تمہیں دو آپشنز دیئے تھے۔ گھر آنے کا فیصلہ تمہارا تھا' میرا نہیں۔"

مگر آپ نے بتایا نہیں تھا کہ چچی جان گھر پر نہیں ہیں۔ ایسے تو میں کبھی نہ آتی۔" وہ صاف گوئی سے بولی۔ عمر کی" پیشانی پر بل پڑ گئے۔

میں کوئی سڑک چھاپ لفنگا نہیں' تمہارا کزن ہوں اور منگیتر بھی۔ کسی پلاننگ کے تحت تمہیں یہاں اکیلے میں لے" کر نہیں آیا۔ یہ جو خناس تمہارے دماغ میں بھرا ہے نا' وہ نکال دو' تم کوئی ایسی بھی حور پری نہیں ہو کہ میں ہر وقت "تمہیں پھانسنے کی پلاننگ کرتا رہوں۔

"...روشین کی پیشانی عرق آلود ہونے لگی۔ "میں نے یہ کب کہا

"تو پھر میرے ساتھ یوں گھر آنے میں کیا قباحت ہے؟" وہ بحث کرنے لگا۔

"میرا مطلب صرف یہ تھا کہ یوں اکیلے میں اچھا نہیں لگتا۔" روشین کو سمجھ میں نہیں آیا کہ اسے کیسے کھلے لفظوں میں سمجھائے۔ ایک مسلمان اور سب سے بڑھ کر ایک مرد ہونے کے باوجود جو ایک عورت سے اکیلے میں ملنے کی قباحت سے نابلد ہونے کی اداکاری کر رہا تھا۔

"فار گاڈ سیک' روشین۔ اب تم میری منگیتر ہو۔ عمر رضوان حیات کی منگیتر۔ اس شرم و حیا کی "بکل" کو اتار کے پھینک بھی دو۔ زہر لگتی ہیں مجھے منگیتروں کے ساتھ گاڑیوں میں تفریح کرتی بظاہر شرم و حیا کا رونا روتی لڑکیاں۔" وہ یوں پھنکارا کہ اس کے لفظوں کے زہر نے روشین کو سرتاپا نیلا کر دیا۔

کس قدر گھٹیا اور دو ٹکے کی لڑکی سمجھتا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا بھی تھا کہ کس دل اور مجبوری سے وہ اس کے ساتھ نکلتی ہے پھر بھی طنز کرتے وقت یوں لفظوں کے تیر پھینکتا کہ کچھ بھی دھیان میں نہیں رکھتا تھا۔

"میں آپ کی مرضی سے آپ کے ساتھ نکلتی ہوں' عمر! اور میں نے اول روز ہی سے آپ کو بتا دیا تھا کہ میں ایسی ہی لڑکی ہوں۔ اب آپ چاہے اسے میری فطرت سمجھیں یا ڈرامہ بازی۔" وہ آنسو پیتے ہوئے بولی تو عمر نے سر جھٹکا۔

"کم آن۔ اب موڈ خراب مت کرنا۔ چلو اترو۔" وہ کافی بہتر انداز میں گویا ہوا تو اس کا مدعا جان کر روشین کا دل سہم سا گیا۔ اب کچھ بھی ہو اس کی بات تو ماننی ہی تھی۔

وہ نیچے اتر کر اب اس کے انتظار میں کھڑا تھا۔ دل کو مضبوط کرتی روشین بھی نیچے اتر آئی۔

"موسم بہت اچھا ہو رہا ہے۔ یہیں لان میں بیٹھ جاتے ہیں۔" وہ اتنی نروس لگ رہی تھی کہ عمر بے اختیار ہنسنے لگا۔

""میری سمجھ میں نہیں آتا روشین سکندر' کہ میں تمہیں برداشت کیسے کر رہا ہوں۔"

لان میں پڑی کرسیوں کی طرف بڑھتے ہوئے وہ حیرت سے کہہ رہا تھا۔ روشین کے دل کو دھکا سا لگا۔

اس کا جی چاہا کہے برداشت تو میں کر رہی ہوں تمہیں' اپنی ماں' اپنے بھائی کی خاطر' اپنے پیاروں کی خاطر اور برداشت کرنے پر مجبور ہوں... اور زبان بندی بھی ایسی کہ چاہتے ہوئے بھی نہیں بول سکتی۔

آپ پر کوئی جبر تو نہیں۔ نہ برداشت کریں۔'' اتنا تو وہ کہہ ہی سکتی تھی' سو کہہ دیا۔ شاید یونہی میرا پیچھا چھوڑ دو۔''

مگر کوئی تو وجہ ہے اس برداشت کرنے کے پیچھے۔'' وہ اس کے بالمقابل لان چیئر پر بیٹھا مسکرا رہا تھا۔ روشین کا دل'' اوبنے لگا۔

موسم تو واقعی اچھا ہو رہا ہے۔ کیا پیو گی' ٹھنڈا یا گرم...'' وہ پوچھ رہا تھا۔''

ان کے بیٹھتے ہی ملازمہ ان کے سر پر آکھڑی ہوئی تھی۔ پھر اس کے کچھ بولنے سے پہلے ہی کہنے لگا۔

'' موسم کے مطابق تو چائے ہی ٹھیک رہے گی۔ کھانے وغیرہ کا امی کے آنے پر دیکھا جائے گا۔''

وہ خاموش رہی۔ وہ ملازمہ کو ہدایات دینے لگا پھر ملازمہ کے جانے کے بعد اس کی طرف متوجہ ہوا۔

لان کی خوبصورتی اور پھولوں پر غور کرتی وہ مگن سی تھی۔ عمر کی موجودگی سے قطعی بے پروا۔

اس نے گہری نگاہ سے روشین کا جائزہ لیا۔ یہ اس کی نگاہوں کی تپش ہی تھی جس نے روشین کو پہلے چونکنے اور پھر خود میں سمٹنے پر مجبور کر دیا۔

ذرا سی خود پر توجہ دو تو اچھی خاصی لگ سکتی ہو۔ بالکل میرے مطابق۔'' وہ لو دیتے لہجے میں کہہ رہا تھا مگر اس کی نگاہ' '' اس قدر بیباک اور چبھتی ہوئی تھی کہ روشین کا وجود سنسنا اٹھا۔

عورت تو مرد کی نگاہ کا ہر انداز پہچان جاتی ہے۔ روشین کو بھی ایک سیکنڈ ہی لگا تھا۔ لاشعوری طور پر اس نے پہلے سے اچھی طرح پھیلا کر اوڑھے ہوئے دوپٹے کو پھر سے ٹھیک کیا تھا۔

"مگر خود کو ضائع کر رہی ہو اور ان خوبصورت دنوں کو' ان انمول لمحات کو بھی۔"

وہ کہنیاں میز پر ٹکا کر آگے کو جھکا۔ روشین کو اس موضوع سے وحشت ہونے لگی۔

تم چاہو تو یہ ماحول بدل بھی سکتا ہے۔" وہ اب ذو معنی انداز پر اتر آیا۔"

روشین نے نہ سمجھنے والی نظروں سے اسے دیکھا۔

منگیتر ہو تم میری۔ آج کل تو لڑکیاں محض دوستی میں اتنا آگے نکل جاتی ہیں کہ... پھر ایسے گولڈن پیریڈ کو یوں گنوانا"

"تو کفرانِ نعمت ہے۔

وہ جو کہہ رہا تھا اور جو کچھ روشین کی سمجھ میں آ رہا تھا وہ اس کو ساکت کرنے کو کافی تھا۔

عمر کے لبوں کی مسکراہٹ اسے کسی شکاری درندے کی اس مسکراہٹ کی مانند لگ رہی تھی جو خون آلود ہو۔ پھر اس کی تحیر آمیز صدمے سے پھیلی آنکھوں کو دیکھ کر جانے اسے کیا خیال آیا۔

"اینی ویز... فار گیٹ اٹ۔" گہری سانس بھرتے ہوئے وہ بولا۔" ورنہ پھر سے کوئی اسلامی واعظ سنا دو گی۔"

آپ نماز پڑھتے ہیں' عمر؟" روشین نے بدقت تمام پوچھا تو عمر کے ہونٹوں پر استہزائیہ سی مسکراہٹ آ گئی۔'

"مجھے ایسے موسم میں تم سے ایسے ہی کسی سوال کی توقع تھی۔ موقع اور ماحول دیکھنا تو دور کی بات ہے۔"

روشین کا دل ڈوب سا گیا۔ وہ کسی مسلمان کو کافر کہنے کی حقدار نہ تھی۔ مگر یہ کیسا لادین شخص اس کی قسمت میں تھا۔

میں بہت نیک نہ سہی اے خدا! مگر میرا یہ نصیب؟

پندرہ دنوں کے بعد میں امریکہ واپس جا رہا ہوں۔" وہ کہہ رہا تھا۔ روشین ہر بات بھول کر پوری جان سے اس کی"

جانب متوجہ ہوئی۔

''میں نے سوچا سب سے پہلے تمہیں بتائوں۔''

کام کے لیے جا رہے ہیں...؟'' اس نے یونہی اپنی ''آزادی'' کا انداز لگانے کو سوال کر دیا۔''

ظاہر ہے۔ مگر اب ہو سکتا ہے کہ ٹائم زیادہ لگ جائے واپسی میں۔'' وہ شانے اچکاتا کہنے لگا۔''

روشین کا دل خدا کے حضور سجدۂ شکر بجالایا۔ وہ لاکھ ایمانداری سے اس شخص سے منسلک رشتے کو نبھانے کی کوشش کرتی مگر اس کی گندی سوچ دوبارہ اسے پہلی سیڑھی پر لا کھڑا کرتی تھی جہاں وہ روشین کو قطعی متاثر نہیں کر پاتا تھا اور دل عمر حیات کے بالمقابل ریان عزیز کو لا کھڑا کرتا۔

مگر اب کی بار میں جانے سے پہلے ایک اور کام بھی کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ کہتے ہوئے ڈرامائی انداز میں رکا۔ ''

''روشین کو مجبوراً پوچھنا پڑا۔'' وہ کیا...؟

وہ یہ کہ... کچھ ایسا کر جائوں جو تمہیں میرے متعلق سوچنے بلکہ سوچتے رہنے پر مجبور کر دے۔ ویسے تو شاید شریعت''

''تمہیں اجازت نہ دے۔

وہ عادتاً طنز سے بات کر رہا تھا۔ روشین نے دل ہی دل میں لاحول پڑھی۔ تب وہ خود ہی فخریہ بتانے لگا۔

''میں چاہتا ہوں کہ اب ہمارا نکاح ہو جائے۔''

روشین نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ آس پاس جیسے کوئی دھماکا ہوا تھا۔ کانوں میں سائیں سائیں گونجنے لگی تھی۔

منگنی کے بعد سے تو میرے متعلق سوچنا شروع نہیں کیا تم نے۔ نکاح کے بعد تو محرم ہو جائوں گا۔ تب شاید ہم دونوں''

''ہی کے حالات اچھے ہو جائیں۔

مگر اس کی کیا ضرورت ہے۔ شادی میں تو ویسے بھی بہت ٹائم نہیں رکھا گیا۔'' وہ جیسے کسی کنویں سے بول رہی تھی۔ '

شٹ اپ...'' عمر نے ہاتھ ہلا کر گویا مکھی اڑاتے ہوئے قدرے حقارت سے اپنے مخصوص لہجے میں کہا۔''

''میں نے محض تمہیں اپنا فیصلہ سنایا ہے' تم سے مشورہ نہیں مانگا۔''

ابو سے، گھر والوں سے پوچھا آپ نے...؟'' وہ صدمے کی کیفیت میں تھی۔ چڑیا بس صیاد کے پنجرے میں آنے ہی''
والی تھی۔
''میرا فیصلہ ہی کافی ہے، بس...'' وہ تفاخر سے گویا ہوا۔ ''بہر حال میں نے بات کرلی ہے سب سے۔ اٹس نو پرابلم۔''
ملازمہ چائے اور اسنیکس سے بھری ٹرالی گھسیٹتی ہوئی آگئی تو اس نے بات ختم کردی۔
اسی وقت گاڑی کا ہارن بجا تو چوکیدار نے بھاگ کر گیٹ وا کردیا۔ روشین کا اندازہ درست نکلا۔ ڈرائیور کے ساتھ پچھلی
نشست پر چچی جان اور نوین براجمان تھیں۔ اس کا دل ڈوبنے لگا۔
ملازمہ کے ہاتھ تمام شاپنگ بیگز اندر بھجوا کر وہ ان کی جانب بڑھیں تو روشین کا دل ڈوبنے لگا۔
☆☆☆☆
رانیہ کی تو جیسے جان پر بن آئی تھی۔
ہر جانب فون کر کے پتہ کرلیا ہے۔ حتیٰ کہ ان کے اسپین والے دوستوں سے بھی پوچھ چکا ہوں مگر کسی کو کچھ خبر نہیں''
ان کی۔'' ابرار نے سنجیدگی سے بتایا۔ رشیدہ بیگم تو وہیں ڈھے گئیں۔ رانیہ کا بھی دل ڈوبنے لگا۔
یہ کیسی سزا دے رہا تھا وہ۔ ہوتے ہوئے بھی نہ ہونے کا ڈرامہ۔ مجھ سے ناراضگی سہی مگر باقی سب سے بھی یوں قطع
تعلق کرلینا؟
ان کا دوست ہے، رضی! وہ بتا رہا تھا کہ پچھلے کچھ دنوں سے وہ ایلزبتھ کے ساتھ دکھائی دے رہے تھے۔ اب ہو سکتا''
...ہے شاید''
ابرار کی آواز دھیمی ہوگئی تھی۔ رانیہ کا خدشات سے بوجھل ہوتا دل و دماغ اور کچھ سن نہ پایا تھا۔
خدا خیر کرے تمہاری، احراز۔'' اس کا دل محو مناجات تھا۔''
ایک نہ دو دن، ہفتہ دو ہفتے اور پھر مہینہ گزر گیا مگر احراز کی جانب سے کوئی خیر کی خبر نہ آئی تھی۔

"آخری بار جب بات ہوئی مجھ سے تو بتا رہے تھے کہ رانیہ کے پیپرز جمع کروا رہا ہوں' اسے وہاں بلانے کے لیے۔"

ابرار نے صرف ماں اور بہنوں کی موجودگی میں انکشاف کیا۔ رشیدہ بیگم تو بس صدمے کی سی کیفیت میں تھیں' ان پر اس خبر کا کیا اثر ہوتا۔

"منحوس۔ یہیں سے لے بیٹھی ہمارے بھائی کو۔ وہاں جاتی تو پتہ نہیں کیا عذاب نازل ہوتا۔"

نگینہ منہ پر دوپٹہ رکھ کر پھپک کر رو دی۔

اور رانیہ... اس کی تو دنیا ہی جیسے ویران ہو گئی تھی۔ ایک سکتہ سا تھا جو ٹوٹ ہی نہ رہا تھا۔ نہ ماں باپ' نہ بھائی بہن۔ دکھ کہتی بھی تو کس سے اور اب اس حالت میں جب ایک نئی زندگی اس کی کوکھ میں پروان چڑھنے لگی تھی۔

"اور آنے والا اس سے بڑھ کے منحوس۔ ابھی خبر ملی نہیں کہ ادھر سے بری خبر آ گئی۔"

نگینہ مسلسل رانیہ ہی کو کوسے جا رہی تھی... اور اب ساتھ اس معصوم فرشتے کو بھی جس نے ابھی سانس لینا بھی شروع نہ کیا تھا۔

ابرار عجیب سے احساس میں گھرنے لگا تو گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

اچھا اب یہ فضول گفتگو بند کرو اور صرف دعا کرو بھائی جان کے لیے۔" پھر وہ چپ چاپ بیٹھی شبینہ کی طرف پلٹا۔" اور تم ذرا بھابی کا خیال رکھو۔ یہ نہ ہو دل پر ہی اثر لے لے۔" شبینہ نے تو خاموشی سے اثبات میں سر ہلا دیا جب کہ نگینہ کڑھ کے رہ گئی۔

...رانیہ کی زندگی ایک بار پھر طوفان کی زد میں گھر گئی تھی اور پہلے تو احراز کی شکل میں ایک نجات دہندہ مل گیا تھا' اب تو

"...میرے خدا... میں تجھ سے کچھ نہیں مانگتی، بس میرا احراز"

وہ راتوں کو طویل سجدوں میں گری آنسو بہا سکتی تھی، سو بہائے جاتی۔

☆☆☆☆

"اوہو... ادھر تو تنہائی میں سر گوشیاں ہو رہی ہیں۔"

وہ انہیں اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی جب نوین نے گھٹیا سا جملہ کسا۔ روشین نے اتنے خوشگوار موسم میں بھی اپنے آپ کو پسینے میں ڈوبتے پایا۔

اس نے سلام کیا جس کا چچی جان نے بڑی نخوت سے جواب دیا۔ ہونے والی بہو کو نہ پیار، نہ گلے لگایا۔ بیٹھتے ہی شکوے، شکایات۔

چلو ہمارے باہر جانے کے بعد ہی سہی، اسے ادھر آنا یاد تو آیا۔" چچی جان نے تنقیدی نظروں سے اس کا جائزہ لیا جو" گھبرائی ہوئی بیٹھی تھی۔

کیا مجال تھی جو عمر نے ایک لفظ بھی منہ سے پھوٹا ہو۔ آرام سے بیٹھا کھانے پینے کی چیزوں سے انصاف کر رہا تھا جیسے وہ اس کی کچھ لگتی ہی نہ ہو یا پھر وہ اپنی صفائی جیسے جی چاہے پیش کرے۔

پھر تو روشین کو ایسے مواقع کبھی کبھار دے ہی دینے چاہئیں۔ کیوں روشین؟" نوین نے بظاہر مسکراتے ہوئے" چوٹ کی تو وہ سنجیدگی سے بولی۔

"مجھے یہاں آنے تک علم نہیں تھا کہ آپ لوگ گھر پر نہیں ہیں۔"

چلو... اسی بہانے ملاقات ہو گئی۔ ابھی شام کو میں بھی واپس چلی جاؤں گی۔" نوین کو پرانی دوستی کا لحاظ کسی وقت" آ ہی جاتا تھا چاہے تھوڑی دیر ہی کو سہی۔

خیر۔ میں توان باتوں کو پسند نہیں کرتی۔ شادی سے پہلے یوں ملنے ملانے میں بہت سی قباحتیں ہوتی ہیں۔'' چچی جان''
بڑی صاف گوئی کا مظاہرہ کررہی تھیں۔ روشین پانی پانی ہو گئی۔

آپ بے فکر رہیں۔ آپ کی بہورانی اس معاملے میں بہت ''پکی'' ہے۔ یہ کسی قباحت کو پیدا ہی نہیں ہونے دیتی۔'' ''
یہ عمر کا بے پرواسا جواب تھا۔ روشین کا جی چاہا وہاں سے کہیں بھاگ جائے۔ آنسوؤں سے حلق نمکین ہوا جارہا تھا مگر
وائے قسمت۔

میں نے سوچا کہ اسے بھی بتادوں نکاح والی بات۔'' وہ ماں سے مخاطب تھا۔''

بکواس مت کرو۔ اتنا بڑا فیصلہ صرف تمہاری مرضی سے تو نہیں ہو سکتا۔'' انہوں نے بیٹے کو مشکوک نظروں سے''
دیکھتے ہوئے لتاڑا تو وہ ڈھٹائی سے ہنسنے لگا' بنا کچھ وضاحت کیے۔ جیسے انہوں نے صحیح چوری پکڑی ہو۔

روشین کو اپنا آپ بے حد چھوٹا اور کمتر لگنے لگا۔ کوئی بھی خطا نہ ہوتے ہوئے بھی۔

ایسے ہی لمبے چوڑے کھڑاگ کیوں پال رہے ہیں۔ ڈائریکٹ شادی کرلیں' یہاں کون سے مسئلے مسائل ہیں۔'' ''
نوین کو تو عمر کا یہ فیصلہ عجیب ہی لگا تھا۔

بس کچھ عرصے ہی کی بات ہے۔ پھر آ کے رخصتی کروالوں گا۔ ایسے ہی میں نے سوچا کہ تم لوگوں کو ایک زائد فنکشن''
اٹینڈ کرنے کو مل جائے۔'' وہ اطمینان سے کہہ رہا تھا اور یوں سامنے بیٹھ کے اپنے نکاح اور رخصتی کی باتیں سن کر وہ
زمین میں دھنس رہی تھی۔

مگر یہاں ایک لفظ بھی بولنا توہین کے زمرے میں آتا سو بے غیرت بنی چائے پیتی رہی اور ساتھ ساتھ آنسوؤں کو اندر
دھکیلتی رہی۔

کھانے کا بھی انتظام دیکھ لیجئے گا۔ روشین کو میں نے ڈنر پر انوائٹ کیا تھا۔'' وہ اپنا مسلسل بجتا موبائل اٹھا کر کان سے''
لگاتے ہوئے ہدایت جاری کر گیا۔ خود تو وہ اندرونی حصے کی طرف بڑھ گیا۔ پیچھے آزمائش میں گھری روشین رہ گئی۔

گھر بتا کے آئی ہو؟" چچی جان نے ناقدانہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔ روشین کا"
رواں رواں سلگ اٹھا۔
گھر ہی سے لائے ہیں مجھے۔ امی ابو کی اجازت لے کر۔" اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے کو تھا۔"
ہاہ... بس زمانہ بدل گیا ہے۔ ورنہ ماں باپ ایسے کب اجازت دیا کرتے تھے لڑکیوں کو یوں منگیتروں کے ساتھ"
پھرنے کی۔" وہ بظاہر عام سے انداز میں کہہ رہی تھیں۔
مجھے بھی یہ بات پسند نہیں' چچی جان! مگر عمر اس بات کو نہیں سمجھتے۔" اس نے بالآخر بے بسی سے کہہ ہی دیا کہ"
شاید وہ ایک عورت ہو کر عورت کی مجبوری کو سمجھ جائیں مگر ادھر الٹا ہی اثر ہوا۔
ایسی باتوں کا خیال خود لڑکیوں کو رکھنا پڑتا ہے۔ مرد کا کیا' وہ تو ہوتے ہی آزاد خیال ہیں۔ اپنی عزت کی حفاظت خود"
عورت کا کام ہے۔" وہ ناگواری سے بولیں۔
وہ ڈائریکٹ ابو سے اجازت لے لیتے ہیں۔ پھر بھلا میں کیسے انکار کر سکتی ہوں۔" وہ کمزور لہجے میں اپنی صفائی پیش"
کرنے لگی مگر ادھر خیال کرنے والا کون بیٹھا تھا۔
پھر یہ تو تمہارے باپ کا قصور ہوا۔ لڑکے تو ایسی ضدیں کرتے ہی رہتے ہیں۔" وہ بے نیازی سے گویا ہوئیں۔"
روشین خون کے گھونٹ پی کے رہ گئی۔
چلو کوئی بات نہیں۔ چار دن عیش کر لو۔ یہاں کون سے ایسے دقیانوسی سسرال والے بیٹھے ہیں تم پر روک ٹوک کرنے"
کے لیے۔" نوین نے شاہانہ انداز میں کہا۔
یونہی تو نہیں پہلے منگنی اور اب نکاح کی ضد لگائے بیٹھا۔ ایک سے ایک لڑکی والے محوِ انتظار تھے۔ یہ پتہ نہیں..." "
کہتے کہتے چچی جان منہ میں بدبدائے گئیں مگر جس کو سنانا مقصود تھا اس کا تو ہر عضو کان بنا ہوا تھا۔
پھر وہ دونوں ماں بیٹی اپنی شاپنگ کی باتیں کرنے لگیں۔ خوش گپیاں' مزاح۔ وہ والی چچی جان اور نوین تو جیسے وہاں

تھیں، ہی نہیں جو ابھی روشین پر جملے کس رہی تھیں۔ اسے مکمل طور پر نظر انداز کیے۔
وہ دونوں شاید نوین کو ٹھکرا کر' عادل کی تمکین سے شادی کر لینے کو ابھی تک دل پر لیے ہوئے تھیں تبھی روشین کے ساتھ اس قدر گھٹیا رویہ برتا جا رہا تھا ورنہ چچی جان پہلے بھی اتنی ہی سرد مزاج تھیں مگر یہ گھٹیا اندازِ گفتگو تو اب روشین اور عمر کی منگنی کے بعد انہوں نے اپنا لیا تھا۔
عمر کافی دیر کے بعد باہر آیا تو وہ بعجلت اٹھ کھڑی ہوئی۔
"مجھے گھر چھوڑ دیں' پلیز۔"

تم ڈنر پر انوائیٹڈ ہو۔" عمر نے اسے یاد دلایا۔"
اس کی مرضی تو پوچھ لو۔ شاید ہوٹل میں ڈنر کرنا چاہے۔" چچی جان نے نرمی سے کہا مگر ان کے لب و لہجے سے جھلکتا"
استہزاء اور طنز وہ صاف طور پر پا گئی۔
کیا خیال ہے؟" عمر نے استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔"
نہیں۔ مجھے گھر جانا ہے۔ کافی دیر ہو گئی ہے۔" وہ بدقت خود کو کنٹرول کیے ہوئے تھی۔"
عادل نے بتایا تھا ان سب کی ذہنیت کے متعلق مگر وہ کیا کرتی۔ اس کی قسمت میں یہ گڑھا لکھا تھا سو گرنا تو تھا۔
جاؤ بھئی۔ ہمارے آتے ہی اسے دیر سویر کی فکر ہونے لگی ہے۔" چچی جان لگی لپٹی رکھنے کی عادی نہیں تھیں بلکہ اب"
روشین کو شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ عمر نے یہ عادات کہاں سے پائی تھیں۔ اگلے بندے کا دل چھلنی کر دینا مگر ذرہ برابر بھی احساس نہ کرنا۔
وہ عمر کے ساتھ وہاں سے نکلی تو دل کو قدرے سکون ہوا۔ مگر عمر نے آج جو فیصلہ اسے سنایا تھا اب وہ تلوار بن کر سر پر لٹکنے لگا تھا۔ جانے اس نے اب کیا سوچ رکھا تھا۔

وہ حد درجہ مایوس اور دلگرفتہ تھی۔

☆☆☆☆

احراز کا کوئی فون کوئی اتہ پتہ نہیں تھا۔ اب تو گھر پر سوگ کا عالم طاری تھا۔ رو رو کر رانیہ بے حال تھی تو رشیدہ بیگم اور دونوں بہنیں بھی کم صدمے کا شکار نہ تھیں۔

جانے والا کچھ کہے سنے بغیر یوں چلا گیا تھا کہ ہر دل میں اک حسرت سی رہ گئی تھی۔

ابرار اپنے تیئں بہت بھاگ دوڑ کر رہا تھا مگر کہیں سے کوئی آس امید بندھتی دکھائی نہ دیتی تھی۔ اب تو لوگوں نے باقاعدہ گھر میں ہمدردی اور افسوس کے لیے آنا شروع کر دیا تھا۔

پہلے تو رانیہ پر سکتہ سا طاری ہوا پھر وہ بلک اٹھی۔

انہیں منع کرو۔ خدا کے لیے شبینہ ان لوگوں کو روکو۔ مت آنے دو گھر میں۔ وہ کہیں چلے گئے ہیں۔ آجائیں گے کچھ "

" دنوں میں۔ یہ سب کیا سمجھ رہے ہیں۔

چچا کو بھی پتہ چلا تو وہ چچی کو ساتھ لے کر آئے۔ رانیہ کو بڑے عرصے کے بعد جیسے کوئی اپنا ملا۔ وہ چچا سے لپٹ کر رو دی۔

" دعا کریں میرے لیے' چچا جان۔ "

چچی البتہ سرد مہر سی لگیں۔ شاید انہیں پھر سے یہ وہم لاحق ہونے لگا تھا کہ کہیں یہ ذمہ داری دوبارہ انہی پر نہ آپڑے۔

اک عذاب مسلسل تھا جس کا رانیہ کو سامنا تھا۔ یوں تو سب گھر والے ہی بے حد پریشان تھے مگر رانیہ کی تو کل کائنات ہی وہ تھا جو دنیا کی بھیڑ میں جانے کہاں کھو گیا تھا۔

ایمبسی والوں سے رابطہ کرو۔ وہ وہاں سے پتہ کروا سکتے ہیں۔" کسی نے مشورہ دیا۔ "

کسی دوسری عورت کے چکر میں تو نہیں تھا؟" ہمسائی کو خدشہ لاحق ہوا۔ "

رانیہ کو غصہ تو شدید آیا مگر ساتھ ہی لزا کا ان دیکھا سراپا بھی نظروں میں گھوم گیا۔

کہیں...؟" خدانہ کرے۔اس نے خود ہی دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے نفی کی تھی۔"

اب ان کا فون آئے تو میں فوراً ان کے پاس جانے کی ہامی بھر لوں گی۔اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

کوئی یوں بھی ناراض ہوا کرتا ہے احراز' کہ جن آنکھوں میں کبھی دو بوند آنسوئوں کے نہ دیکھنے کے دعوے کرتے تھے' انہیں یوں سمندر کر گئے ہو۔ کبھی نہ ختم ہونے والے آنسو دے گئے ہو۔

اسے جینے کا ہر جواز ختم ہوتا محسوس ہوا تھا۔بہت بوجھل اور خدشات بھرا دن چیونٹی کی رفتار سے گزر رہا تھا۔

اب زندہ رہنا تھا تو کھانا پینا بھی تھا۔ابھی وہ سب بھی کھانا زہر مار کر کے فارغ ہوئے تھے۔ابرار جانے کہاں کی خاک چھاننے نکلا ہوا تھا تبھی باہر دروازے کی بیل بجی۔کسی کے اٹھ جانے تک ابرار آگیا۔ہاتھ میں لفافہ تھامے اسے الٹ پلٹ کر دیکھتا۔پھر قدرے جوش سے بولا۔

اٹلی سے ہی۔مگر رانیہ کے نام ہے۔" وہ کسی کا خیال کیے بغیر بے تابی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔"

کھول کے دیکھو تو سہی۔نام اس کا ہے تو کیا ہوا۔" نگینہ کو غصہ آیا مگر ابرار نے سمجھ داری سے کام لیتے ہوئے وہ لفافہ" رانیہ کو تھما دیا جسے بے صبری سے اس نے وہیں کھڑے کھڑے چاک کر دیا۔

سفید صفحے کی تین تہیں کھولتے اس کا دل دھڑک سا گیا۔

...وقفے وقفے سے لکھی گئی تین مختصر سطور

ایک بار' دو بار' سہ بار

وہ ساکت سی کتنی ہی بار دہرا گئی۔

مگر ہر بار ایک ہی مطلب نکلا۔

طلاق... طلاق نامہ۔

وہ احراز کی طرف سے آزادی کا پروانہ تھا۔ وہ وہاں جانا نہیں چاہتی تھی اور وہ اسے ہمیشہ کے لیے وہاں بلانا نہیں چاہتا تھا۔

...نیچے اس ظالم کے سائن تھے اور بس

رانیہ کو لگا اس کے وجود میں جان باقی نہ رہی ہو۔ بہت ہمت کر کے اس نے کسی چیز کا سہارا لینے کی کوشش کی مگر اس کے ہاتھ ہوا میں لہرا کر رہ گئے۔ وہ چکرا کر گری تو پاس کھڑا ابرار بھی ڈھنگ سے اسے سنبھال نہیں پایا۔

نگینہ نے جھپٹ کر اس کے حواس کھوتے وجود سے صفحہ چھینا اور پڑھتے ہی جیسے وہ بھی ساکت سی ہو گئی۔

عادل نے عمر کے نکاح والے مطالبے کی شدید مخالفت کی تو یہ پہلی بار تھا کہ جب پتہ نہیں کیا سوچ کر سکندر حیات نے بھی اس کی تائید کی۔

آپ کو عمر کا اعتبار نہیں ہے کیا؟" چچا جان خفا ہونے لگے۔"

اعتبار ہے تو بیٹی دے رہا ہوں' رضوان! اور کون سے دور کے رشتے ہیں جو اس طرح کے لمبے چکروں میں پڑا" جائے۔ عمر' سالوں کے لیے تھوڑی جا رہا ہے۔ چند ماہ کی تو بات ہے۔ پھر دھوم دھام سے شادی کر دیں گے۔" سکندر حیات نے متحمل انداز میں کہا تھا۔

اس طرح کی پیش بندیاں تو غیروں میں ہوتی ہیں جہاں کچھ تحفظات ہوں۔" عادل نے بھی شائستگی کا مظاہرہ کیا تھا۔"

اس نے بھی تو کچھ سوچ کر ہی کہا ہو گا۔ آج کل کے لڑکے لڑکیوں کو تو آپ جانتے ہی ہیں۔" چچا جان نے لگی لپٹی" رکھے بغیر روشین کو بھی معاملے میں گھسیٹا تو عادل کا خون کھول سا گیا۔

وہ آزاد فضائوں میں پلا بڑھا ہے تو اس کی سوچ بھی ویسی ہی بے باک ہے۔ مگر آپ اسے بتا دیں کہ اگر وہ نکاح چاہتا ہے" "تو ساتھ ہی رخصتی بھی ہو گی۔

اس کے بے حد سنجیدہ لہجے میں کچھ تھا کہ جواب میں چچا جان محض سکندر حیات کی شکل دیکھ کر رہ گئے مگر وہ بھی شاید مصلحتاً خاموش تھے۔ سو بات عادل ہی کے فیصلے پر ختم ہوئی مگر فضا میں پھیلی بدمزگی سبھی کو اچھی طرح محسوس ہو رہی

تھی۔

☆☆☆☆

تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں' ریان ؟ اتنی خاموشی سے تماشا دیکھتے رہے۔ اسے کسی اور کا ہو جانے دیا؟" تمکین کے تو"
آنسو ہی نہیں تھم رہے تھے۔ بھائی کا دکھ دل چیرے دے رہا تھا۔ ریان ساکت و خاموش بیٹھا تھا۔
وہ کیا کہتا۔ اسے تو خود بھی پتہ نہیں چلا کہ کب' کہاں' کس موڑ پر وہ بے وفا ہو گئی تھی۔ اسے تو زندگی سے ناراض ہونا
بھی یاد نہیں رہا تھا کہ حیرت ہی اتنی شدید تھی۔ یقین ہی نہ آتا تھا کہ وہ اب اس کی نہیں ہو سکتی۔ اسے پانے کا یقین کامل
تھا۔

"ایک بار تو مجھ سے کہتے۔"

کوئی فائدہ نہیں تھا۔ جب اس نے کسی کی مانی' سنی ہی نہیں تو آپ کو بتانے سے کیا حاصل۔" وہ معتدل لہجے میں بولا تو"
تمکین مچل اٹھی۔

"کوشش کرنے میں کیا حرج تھا۔ میں عادل سے کہتی' ہم دونوں مل کر روشی کو سمجھاتے۔"

آپ کا کیا خیال ہے' میں نے کوشش نہیں کی ہو گی؟ سب نے اسے سمجھایا ہے لیکن اس بے وقوف کا دل چاہ رہا ہے"
"خودکشی کرنے کو تو کوئی کیا کر سکتا ہے۔

وہ اسے اس صدمے سے نکالنا چاہ رہا تھا جس کا وہ شکار تھی۔

تم اس سے پوچھتے تو سہی۔ مگر تم ہو ہی فضول' تمہاری الٹی سیدھی حرکتوں سے تنگ آکر ہی اس نے یہ غلط فیصلہ کر لیا"
ہو گا۔" وہ اب اسے موردِ الزام ٹھہرانے لگی۔

اوفوہ... آپ کو بھی تو پتہ ہے۔ کس کس نے اسے نہیں سمجھایا۔ سب سے بڑھ کے عادل بھائی نے۔ مگر اس نے کسی کی"

''نہیں مانی۔

''پھر بھی ریان' مجھے پتہ ہوتا تو میں کسی قیمت پر اسے ایسا فیصلہ نہ کرنے دیتی۔''

ابھی تک خیریت اسی لیے ہے کہ سکندر انکل کو معلوم نہیں میں آپ کا بھائی ہوں۔'' ریان نے اسے یاد دلایا۔''

لیکن یہ بات بھی کون سا صحیح رخ پر جا رہی ہے۔ وہ تمہیں فرحین کے ساتھ سوچے ہوئے ہیں۔ اگر روشین ایسا فیصلہ''

''نہ کرتی تو یقیناً فرحین کی جگہ وہی ہوتی۔ ابو کو تم بحیثیت داماد قبول ہو۔

وہ نئی فکر میں گھلنے لگی۔ اسے تو خیر فرحین بھی اتنی ہی عزیز تھی جتنی کہ روشین مگر معاملہ تو ریان کے دل' اس کی پسند کا تھا۔

اور معاملے کی سنگینی کو تو وہ بھی جانتا سمجھتا تھا مگر فی الحال تو دل کی لگی کسی اور طرف سوچنے نہیں دے رہی تھی سو وہ اس فکر کو پس پشت ڈالے ہوئے تھا مگر اسی شام سب کو یہ خبر مل گئی کہ عمر شادی کے لیے تیار ہے اور اس ایک ماہ کے اندر اندر وہ روشین کو رخصت کرا کے گھر لے جانا چاہتا ہے۔

ریان ساکت رہ گیا۔

☆☆☆☆

پورے گھر پر میت کے اٹھ جانے کے بعد والا سکوت طاری تھا۔ رونا' پیٹنا' چیخنا' چلانا۔ رانیہ نے کیا کچھ نہ کر ڈالا تھا مگر حقیقت وہی رہی جو اس لفافے میں بند ہو کے سات سمندر پار سے اس کے لیے تحفتاً آئی تھی۔ اس کی ذہنی حالت بگڑ کے رہ گئی تو پورے چار دن وہ اسپتال میں ایڈمٹ رہی۔ سب گھر والوں کی ہمدردی' دلجوئی اور توجہ کا مرکز اس وقت صرف اور صرف رانیہ ہی تھی۔

آج بھی جب اسے اسپتال سے گھر لایا گیا تو گھر میں داخل ہوتے ہی اس نے رونا شروع کر دیا۔ شبینہ نے ہی بہلا پھسلا کر

دیگر میڈیسن کے ساتھ ہی نیند کی گولی بھی کھلادی تو اب وہ پر سکون نیند سو رہی تھی۔

''میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ بیوی کا اس قدر حالہ وشیدا اور ایسا فیصلہ ؟''

نگینہ کا تو قیافہ لگالگا کے دماغ تھک گیا تھا مگر بات کسی بھی رخ سے سمجھ نہ آتی تھی۔

اس ایلزبتھ نے ہی پھانس لیا ہو گا جاتے ہی۔'' شبینہ نے خیال ظاہر کیا۔''

لوگ کون سا وہاں' یہاں اکٹھی بیویاں نہیں رکھتے مگر ایسا فیصلہ اور وہ بھی ہم لوگوں کو اطلاع دیئے بغیر۔'' نگینہ نے''

اس کی نفی کرتے ہوئے کہا تو رشیدہ بیگم نے دکھتے سر کو دباتے ہوئے بھرائے لہجے میں جواب دیا۔

میں ہی نہ سمجھ پائی ٹھیک طرح اپنی اولاد کو۔ ایک چھوڑ وہاں دو تین شادیاں کر لیتا مگر اس بے چاری کی زندگی تباہ کیوں''

''کی اور اب خود بزدلوں کی طرح چھپا بیٹھا ہے۔ نہ خیر نہ خبر۔

بھیجی تو ہے خیر خبر انہوں نے۔'' نگینہ نے کڑوے لہجے میں طنز کیا۔''

مجھے تو بھابی پر ترس آتا ہے۔ وہ بے چاری اب کہاں جائے گی۔ اس کے گھر کے حالات تو سبھی کو معلوم ہیں۔ وہاں بھلا''

کون گھسنے دے گا اسے۔'' شبینہ نے تاسف سے کہا تو رشیدہ بیگم ایک نئی فکر میں گھلنے لگیں۔ ابھی تک کسی کو بھی اس معاملے کی خبر نہ ہوئی تھی سوائے نگینہ کی سسرال کے۔ بلکہ شوہر کے سوا اور کسی کو اس نے بھنک بھی نہیں پڑنے دی تھی۔

کتنے دعوے اور مان سے بیاہ کے لائی تھی میں اسے اور اب وہ لوگ کتنے بھی گھٹیا سہی مگر کس منہ سے انہیں یہ خبر''

دوں کہ میرے بیٹے کو اب کوئی اور پسند آگئی ہے۔'' رشیدہ بیگم رونے لگیں۔

اور وہ ننھا فرشتہ جس کے آنے کی ابھی صرف نوید ہی ملی ہے' باپ ہوتے ہوئے بھی بنا باپ کا کہلائے گا۔'' اندر''

آتے ابرار کے تاثرات عجیب سے ہو گئے۔

"اب بس بھی کریں۔ کیاہر وقت اسی موضوع کو گھسیٹتی رہتی ہیں آپ لوگ۔" وہ کمرے میں داخل ہوتا بگڑے لہجے میں بولا تھا۔

"تو اور کیا کریں۔ ڈھولک رکھ کے بیٹھ جائیں۔ دنیا کو خوشی کی نوید دیتے پھریں۔" وہ بھڑکیں۔

"اب جو ہو گیا سو ہو گیا۔ مگر ہر وقت لکیر پیٹنے سے صدمے میں کمی تو نہیں آنے والی۔" وہ مرد ذات' جذباتیت سے کوسوں دور' کہتے ہوئے ان تینوں کو سخت سنگ دل لگا۔

"ایسے ہی احراز نے بھی فیصلہ کر لیا ہو گا۔"

"مجھے تو رانیہ کی فکر ہو رہی ہے۔ عدت گزارنے کے بعد تو وہ یہاں نہیں رہ سکے گی اور اس کے گھر بھیجنے کا کوئی حال نہیں۔ پتہ نہیں کیا بنے گا اس کا؟"

نگینہ کے تفکر اور ہمدردی پر ابرار نے بھویں اچکائیں۔ یہی نگینہ تھی جو پہلے ہر وقت رانیہ کے پیچھے ہاتھ دھو کے پڑی رہتی تھی۔

"ہمیں اس سے کیا' جس کا اس سے رشتہ تھا یہ سب تو اسے سوچنا چاہئے تھا۔"

ابرار کی سفاکی کو سبھی نے محسوس کیا۔

"اچھا' پہلے تو سب سے بڑے تمہی ہمدرد تھے اس کے۔" نگینہ رہ نہ سکی تھی۔

"تب کی بات اور تھی۔ تب تو آپ لوگوں کو بھی اس کی اتنی فکریں نہیں تھیں۔" اس نے بے پروائی سے کہتے ہوئے آخر میں چبھتا ہوا طنز کیا تو نگینہ تلملا اٹھی۔

"اللہ کا شکر ہے جب وہ ہمدردی کے قابل ہے تب ہمدردی ہی کر رہی ہوں۔ تمہاری طرح وقتی ابال نہیں تھا جو حالات بدلتے اتر جائے۔"

احراز کا کچھ پتہ چلا؟'' رشیدہ بیگم نے بڑی آس اور حسرت سے پوچھا تو وہ اکھڑے لہجے میں بولا۔''

''اب پتہ چل بھی گیا تو کیا کورٹ مارشل کریں گی ان کا۔ جو کرنا تھا وہ تو کر چکے۔''

ارے پوچھوں تو سہی اس بدبخت سے' کیوں اپنا گھر برباد کر بیٹھا۔ ایسا کون سا خزانہ مل گیا ہے جو اپنی پسند کی بیوی''

چھوڑ دی اس نے اور ساتھ ہی ہمیں بھی۔'' وہ غصے سے کہتی آبدیدہ ہو گئیں۔

طلاق نامے نے ایک بات تو ثابت کر دی تھی کہ احراز جہاں کہیں بھی تھا خیریت سے تھا۔ یہ الگ بات تھی کہ گھر والوں سے رابطے میں نہ تھا۔

کوشش تو کر رہا ہوں میں۔ وہاں پاکستانی سفارت خانے سے رابطہ کیا تھا۔ کل شاید کچھ خبر مل جائے۔'' ابرار نے''

مختصراً ہی بات کی۔ بڑا ہی جان چھڑانے والا انداز تھا۔ نگینہ نے اسے بغور دیکھا۔

سفارت خانے سے تو رابطہ تب کیا جاتا جب ان کی گمشدگی طے ہو گی۔ یہ طلاق نامہ تو بین ثبوت ہے ان کی موجودگی''

کا۔ اب وہ ہم سے رابطہ نہیں کر رہے تو اس میں سفارت خانہ کیا کر سکتا ہے؟'' نگینہ

نے زندگی میں پہلی بار کوئی بہت عقل کی بات کی تھی۔ شاید ابرار بھی لاجواب ہو گیا تبھی تو چند لمحے جیسے جواب دینے کو الفاظ تلاشنے کے بعد پیر پٹختا بڑبڑاتا وہاں سے چلا گیا۔

ایک تو یہاں ہر کوئی عقلِ کل ہے۔'' نگینہ اسے گھور کے رہ گئی۔''

☆☆☆☆

اب چاہے کوئی خوش ہوتا یا نہیں' دل سے راضی ہوتا یا نہیں چونکہ ایک ماہ ہی پاس تھا سو روشین کی شادی کی تیاری بھی شروع کر دی گئی۔ سب سے پہلے ریان نے رختِ سفر باندھا۔

کہاں' تم کہاں جا رہے ہو؟'' سکندر حیات تو اسے دل سے بیٹا مان چکے تھے بلکہ ہونے والے داماد کا سا پروٹوکول دیتے''

تھے۔ ابھی ریان نے ان کے سامنے اپنا ارادہ ہی ظاہر کیا تھا۔ وہ پریشان سے ہو گئے۔

"بس یونہی' سوچا اپنا بھی ایک مکان ہے۔ وہاں چل کر رہوں' اسے گھر بنانے کی سعی کروں۔" وہ آزردگی سے مسکرایا۔

"کسی نے کچھ کہا ہے' فرحین سے تو جھگڑا نہیں ہو گیا؟ یا عادل کی کوئی بات بری لگی ہو۔ اسے عادت ہے ہر کسی سے جھگڑا کرنے کی۔" وہ بے چین سے تھے۔

ریان نے نفی میں سر ہلایا۔

"کچھ بھی نہیں۔ جو وجہ میں نے آپ کو بتائی ہے صرف اور صرف وہی سچ ہے۔"

"لیکن تم مجھے ہمیشہ کی طرح ریلیکسڈ نہیں لگ رہے۔' سکندر حیات نے کھوجتی نظروں سے اس کا مرجھایا ہوا چہرہ دیکھا۔ اب کی بار وہ خاموش رہا تھا۔

"ریان! مجھے بتاؤ پلیز' یہاں کیا مسئلہ ہے تمہیں؟"

دل تو چاہا دل کھول کے ان کے سامنے رکھ دے اور پھر دیکھے کہ وہ کیا فیصلہ کرتے ہیں۔ مگر وہ ان سے ڈرتا نہیں' ان کا احترام کرتا تھا اور سب سے بڑھ کر وہ روشین کو کسی بھی امتحان سے دوچار نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"میں یہاں سے بہت خوش جا رہا ہوں۔ یہاں میرا اتنا ہی خیال رکھا گیا جتنا کہ کوئی اپنے فیملی ممبر کا رکھ سکتا ہے لیکن پھر "وہی بات کہ کب تک؟ ایک نہ ایک دن تو مجھے اپنے گھر لوٹنا ہی تھا۔

"مگر کرائے کے مکان میں رہنا بھی تو تمہاری ہی خواہش تھی۔" انہوں نے یاد دلایا تو وہ مسکرا دیا۔

"کرائے دار ہمیشہ کے لیے تو نہیں ہوتے۔ کبھی نہ کبھی اپنے گھر لوٹتے ہی ہیں اور ویسے بھی میری سسٹر کا خیال ہے کہ اب مجھے اپنے مکان کو گھر بنانا چاہئے۔ سو اس کے لیے سب سے پہلے تو مجھے وہاں

شفٹ ہونا پڑے گا۔" وہ مصنوعی بشاشت کا لبادہ اوڑھے کہہ رہا تھا۔

"اکیلے...؟" سکندر حیات اسے ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہتے تھے۔ عمر چاہے ان کا سگا بھتیجا تھا مگر جو صفات انہوں نے ریان میں پائی تھیں وہ اس میں عنقا تھیں۔ عمر کو صرف اپنی کہی بات منوانا آتی تھی جس کا انہیں روشین کے معاملے میں شدت سے احساس ہوا تھا۔ اس لیے فرحین کے لیے وہ کوئی بہترین فیصلہ کرنا چاہتے تھے۔

"اکیلا ہوں تو اکیلے ہی جاؤں گا۔"

"میرا مطلب ہے شادی وغیرہ کا کوئی سلسلہ؟" انہوں نے پوچھا۔

ریان کے چہرے پر دکھ کا تاثر پھیلنے کو تھا مگر وہ اسے مسکراہٹ کے پردے میں چھپا گیا۔

"اپنے ایسے نصیب کہاں؟"

"ایسے مت کہو۔ تم ابھی اپنی شخصیت سے واقف نہیں ہو۔" وہ بے اختیار اسے ٹوک گئے۔

"ہونہہ..." وہ بے ساختہ ہلکے سے ہنسا۔ "مگر قسمت سے خوب اچھی طرح واقف ہو چکا ہوں۔"

"وہاں جا کر تمہیں اکیلے میں بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اتنے بڑے گھر کو کسی عورت کے بغیر چلانا اسی طرح ہے جس طرح کوئی فیکٹری بغیر ورکرز کے' بغیر ہیڈ کے۔"

"وہ تو ہے۔" ریان نے اعتراف کیا۔ پھر مسکرایا۔ "مگر پھر وہی بات کہ آج نہیں تو کل' کل نہیں تو پرسوں' جب ایک فیکٹری بغیر ورکرز کے اسٹارٹ ہونی ہی ہے تو آج ہی سے کیوں نہیں۔"

"ہوں۔" انہوں نے ہنکارا بھرا۔

"تو تم نے پکا ارادہ کر لیا ہے یہاں سے جانے کا؟" ریان نے سر جھکا لیا۔

"اور اگر میں تم سے ایک خواہش بیان کروں تو...؟" وہ کسی فیصلے پر پہنچتے ہوئے بولے۔ پھر دانستہ رک کر اسے دیکھنے لگے۔

سر آنکھوں پر، آپ حکم کریں۔" وہ احتراماً بولا۔"

تم ہمیشہ کے لیے اس گھر میں میرے بیٹے کی حیثیت سے رہ سکتے ہو۔ فرحین سے تو ویسے بھی اب تم اچھی طرح واقف" ہو چکے ہو۔" انہوں نے اسے بہت مان دے دیا تھا۔ اتنا کہ اس کے بوجھ تلے ریان کا سانس گھٹنے لگا۔

"میں آپ کا بیٹا ہی ہوں، انکل۔"

اگر تم چاہو تو روشین کے ساتھ تم دونوں کا فرض بھی ادا ہو جائے۔" انہوں نے تمام تکلفات کو بالائے طاق رکھتے" ہوئے اس کے سرپرست کی سی دھونس کا مظاہرہ کیا تو وہ گھبرا کے اٹھ کھڑا ہوا۔

ایسا سوچیں بھی مت انکل، خدا گواہ ہے میں نے فرحین کو ہمیشہ اپنی چھوٹی بہن سمجھا ہے۔" اس کے الفاظ اس قدر" غیر متوقع تھے کہ سکندر حیات اگلی بات بھول کر اس کی شکل دیکھنے لگے۔

مگر یقین کریں کہ میں نے ہمیشہ آپ کو اپنے والد جیسی عزت اور احترام دیا ہے۔ ہمارے درمیان صرف کاروبار کا" نہیں، جذبات کا بھی رشتہ ہے۔" وہ پورے تیقن سے بولا۔

اور یہ بات تو سکندر حیات بھی اچھی طرح جانتے تھے۔ گزشتہ تمام عرصے میں ریان نے کبھی بھی ان سے بزنس پارٹنر والا رویہ روا نہیں رکھا تھا بلکہ بزنس کے سلسلے میں کوئی بھی فیصلہ لینے کا حق اس نے انہی کو دے رکھا تھا۔ اس کی یہی باتیں اور اعتبار سکندر حیات کو اس کے مزید قریب لے آیا تھا۔

میں جانتا ہوں۔" انہوں نے اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ پھر بولے۔ "تم نے یقیناً" "یہ فیصلہ کچھ سوچ سمجھ کر ہی کیا ہو گا۔ میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔

"بہت شکریہ، انکل۔" وہ ممنون ہوا تو وہ بے اختیار ہنسے۔

"شکریہ تو مجھے تمہارا ادا کرنا چاہئے کہ تمہارے اس گھر میں آنے سے بہت کچھ تبدیل ہوا ہے۔ سب سے بڑھ کر میرا رویہ، میری سوچ۔" وہ واقعی سچ کہہ رہے تھے۔ کچھ کاروباری مصروفیات اور کچھ ریان کی موجودگی کا ہمہ وقت احساس انہیں کسی سے بھی الجھنے سے باز رکھتا تھا۔ ویسے بھی اب الجھنے کو باقی رہا ہی کیا تھا۔

عادل نے جو من مانی کرنا تھی کرلی۔ اب تو تمکین بھی آہستہ آہستہ ان سے مخاطب ہونا شروع ہو گئی تھی۔ روشین نے ان کی مرضی کے مطابق رشتے کو قبول کرلیا تھا۔ کاروبار بالکل ٹھیک پوزیشن پر جا رہا تھا۔ پھر ان کا دماغ کیوں نہ ٹھکانے پر آتا۔

"اور آج میں آپ سے ایک اور سچ شیئر کرنا چاہتا ہوں۔" وہ قدرے جھجکتے ہوئے بولا تو سکندر حیات نے حیرانگی سے اسے دیکھا۔

"شاید آپ مجھ سے ناراض ہو جائیں یا پھر میرے متعلق آپ کی سوچ کا انداز بدل جائے۔" وہ آج یہ معاملہ بھی صاف کر دینا چاہتا تھا۔

"ایسا کون سا سچ ہے جو میں نہیں جانتا۔" وہ واقعی حیران تھے۔

"لیکن آپ یہ بات ذہن میں ضرور رکھئے گا کہ اس سچ کو چھپانے کا مقصد آپ کو دھوکا دینا قطعی نہیں تھا۔ بس آپ نے زیادہ گہرائی سے پوچھا نہیں اور میں نے زیادہ گہرائی میں جانے کی جان بوجھ کر کوشش نہیں کی۔ شاید آپ بزنس کے معاملے میں کبھی میری ہیلپ نہ لیتے یہ جان کر کہ..." وہ لب بھینچ کر خاموش ہو گیا۔ سکندر حیات متجسس نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ تب وہ مجرمانہ انداز میں

آہستگی سے بولا۔

''یہ جان کر کہ میں آپ کی بہو کا بھائی ہوں۔''

سکندر حیات کو واقعی بے یقینی کا جھٹکا سا لگا۔

''لیکن آپ یقین کریں کہ اس سے میرا مقصد آپ کو ہرٹ کرنا بالکل نہیں تھا۔ بزنس تو مجھے کسی کے بھی ساتھ مل کے کرنا ہی تھا۔ عادل بھائی نے کہا کہ آپ کو آزمالوں کیونکہ آپ یہاں کی کاروباری فضا سے بہت اچھی طرح واقف ہیں۔ اگر آپ کو ذرا سا بھی اندازہ ہو جاتا تو میں یہ حقیقت آپ سے کبھی نہ چھپاتا لیکن جب حالات بالکل نارمل جا رہے تھے تو میں نے بھی چائے کے کپ میں ہلچل مچانے کی کوشش نہیں کی۔'' وہ ان کے مزید پوچھنے سے پہلے ہی صاف گوئی سے بتاتا چلا گیا۔

سکندر بخت کے تاثرات سے ان کی دلی کیفیت کا بالکل بھی اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ بہر حال انہیں غصہ تو ضرور آ رہا ہو گا۔ اس دھوکا آمیز لاعلمی پر مگر اب کیا فائدہ؟ وہ بالکل خاموش تھے جیسے کوئی بات نہ کرنا چاہ رہے ہوں۔ چند ثانیوں کے انتظار کے بعد وہ خود ہی بولا۔

''اوکے! پھر میں چلتا ہوں۔ آفس میں تو انشاءاللہ ملاقات ہوتی ہی رہے گی۔'' وہ پھر بھی کچھ نہیں بولے تھے البتہ اس کا مصافحے کے لیے بڑھایا ہاتھ ضرور لمحہ بھر کو تھام کر چھوڑ دیا۔

ریان پھیکی مسکراہٹ لیے پلٹ گیا۔

سکندر حیات صوفے پر ڈھے سے گئے۔ کیسے یہ کل کا نوجوان' ان کی تجربہ کار نگاہوں کو دھوکا دے گیا تھا۔ مگر دھوکا کہاں' سب کچھ تو اس نے بتا دیا تھا اور واقعی سب کچھ واضح بھی تھا۔ عادل محض دوستی میں تو یوں کسی کو گھر میں گھسنے نہ دیتا اور میں' انہوں نے اپنا تجزیہ کرنا چاہا۔ میں اسے اتنا پسند کرنے لگا کہ اسے اپنا داماد تک بنانے کی سوچ ڈالی۔

وہ متحیر تھے۔

انہیں اب احساس ہوا کہ تمکین کیسے اس گھر تک پہنچی۔ ان دونوں بہن بھائیوں کو دوسروں کے دلوں میں اترنے کا گر آتا

تھا۔ ٹھنڈی میٹھی سی شخصیت اور خوش مزاجی' بے ریا انداز کہ جیسے کسی سے کوئی طلب نہ ہو۔

وہ سوچوں میں گم بیٹھے تھے۔

☆☆☆☆

ابھی تک رانیہ کے میکے میں کسی کو بھی اس سانحے کے متعلق نہیں بتایا گیا تھا اور ادھر رانیہ تھی کہ بے یقینی اور سکتہ ختم ہونے ہی میں نہیں آتا تھا۔ کبھی جو ہوش آتا بھی تو اس قدر ٹوٹ کر کہ اس کا رونا تھمتا ہی نہ تھا۔

"اسے اس کے گھر کیوں نہیں بھجواتے آپ لو؟" ابرار ایک روز جھنجلا ہی تو گیا تھا۔

رشیدہ بیگم نے متحیر نظروں سے اسے دیکھا۔ پھر ملامتی انداز میں بولیں۔

"شرم کرو کچھ' ابرار! ایک تو اس بے چاری پر قیامت ٹوٹ پڑی ہے اوپر سے ہم یوں شقی القلب بن کر گھر سے دھکا دے دیں۔"

"مگر اب وہ ہماری ذمہ داری تو نہیں۔" وہ بدلحاظی کے سارے ریکارڈ توڑ رہا تھا۔

"اور جو اس کی کوکھ میں پل رہا ہے؟" وہ غصے میں آ گئیں۔ "کہہ دو کہ اس سے بھی ہمارا کوئی تعلق نہیں۔"

وہ گڑبڑا سا گیا۔

"میں نے یہ نہیں کہا۔"

"شرم کرو ابرار' میکے میں کون سا اس کی جنت اس کا انتظار کر رہی ہے اور اگر ایسا ہوتا بھی تو میں اسے یوں گھر سے نہ نکالتی۔ کم از کم طلاق کی عدت تو اسے شوہر کے گھر میں ہی پوری کرنے دیتی۔ اس بدبخت نے کون سا اچھا کیا ہے اس کے ساتھ جواب ہم بھی اس سے آنکھیں پھیر لیں۔" ان کی آواز رندھ گئی تو ان کی جذباتیت سے گھبرا کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"آپ جانیں اور آپ کا کام۔ میں تو اس کی بری حالت دیکھ کر کہہ رہا تھا۔ شاید اپنوں میں جا کر کچھ سنبھل جائے۔"

"اس کے اپنوں سے تم کون سا ناواقف ہو۔ لالچی' ظالم اور بے حس انسان۔ جنہوں نے پلٹ کر کبھی اس کی خبر نہیں

لی کہ زندہ بھی ہے یا نہیں۔ ان رشتہ داروں کی بات کرتے ہو۔" انہوں نے تلخی سے کہا تو وہ زچ ہو گیا۔

"بھئی جو جی میں آئے کریں۔ میں تو یونہی بول کے برا بن گیا ہوں۔ آپ جانیں اور آپ کا کام۔"

وہ اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔

اور اب جب رانیہ سے تمام رشتے ختم ہو رہے تھے تو انہیں احساس ہو رہا تھا کہ وہ کس قدر خدمت گزار اور بے لوث شخصیت کی مالک تھی۔ بنا کچھ طلب کیے بس اس گھر کی خدمت کیے جاتی۔ نہ بولنے

میں بدتمیزی نہ تیز طراری۔

احراز! تمہیں تو خدا ہی سمجھے، یہ تم نے کیا کیا؟" وہ پھر سے سر تھام کے رونے لگیں۔ ایک تو کمبخت یقین بھی نہیں" آ رہا تھا کہ احراز یہ قدم بھی اٹھا سکتا ہے۔ اپنی خواہش، اپنی چاہت کو زندگی سے خارج کر دینا کیا اسی قدر آسان ہوتا ہے؟

وہ لڑکی، چند ماہ پہلے جس کی خاطر اس نے اپنی فلائٹ کی بھی پروا نہ کی تھی اور نہ ہی پیسے کی۔ وہ کیا اب اتنی ہی بے قیمت، بے مول ہو گئی تھی اس کی نظروں میں کہ اسے محض تین سطریں لکھ کر وہ اپنی زندگی سے الگ کر گیا تھا؟

بہت سے سوالیہ نشان رشیدہ بیگم کی نگاہوں کے آگے ناچ رہے تھے مگر وہ ان میں سے کسی ایک کا بھی تسلی بخش جواب ڈھونڈ نہ پا رہی تھیں۔ تھک ہار کے پھر سے احراز کو کوسنے لگیں جس نے ابھی تک ان سے کوئی رابطہ نہ کیا تھا۔

☆☆☆☆

شادی کی تاریخ طے ہوتے ہی عمر کی طبیعت میں بڑی خوشگوار سی تبدیلی در آئی۔

میں شادی کی تمام شاپنگ تمہیں، تمہاری پسند سے کرانا چاہتا ہوں۔" اس نے فون پر روشین سے کہا تو وہ محتاط انداز" میں بولی۔

''چچی جان اور نوین کی چوائس بھی اچھی ہے۔''

''مگر پہننا تو سب کچھ تمہیں ہے نا۔ اس لیے چوائس بھی صرف تمہاری ہی ہو گی۔ میں نے امی سے کہہ دیا ہے۔'' وہ بڑے موڈ میں تھا۔ مگر روشین کو یہ نیا خیال بالکل بھی پسند نہیں آیا۔ چچی جان تو ویسے بھی اس سے خار کھانے لگی تھیں۔ عمر کے ان چونچلوں پر تو جانے وہ کتنا پیچ و تاب کھا رہی ہوں۔ خمیازہ تو بہر حال روشین ہی کو بھگتنا تھا۔

''اس تکلف کی کیا ضرورت ہے' عمر۔ ادھر سے تو میں اپنی پسند ہی کی شاپنگ کر رہی ہوں۔ ادھر سے آپ اپنی پسند کی کر لیں۔ مجھے ضرور پسند آئے گی۔'' اس نے ٹالنا چاہا۔ ان دنوں تو دل و ذہن کو قابو کرنا اس قدر مشکل ہو رہا تھا۔ وہ عمر کے ساتھ بازاروں کی خاک کیا چھانتی۔

ابھی تو پرانی یادوں سے دامن چھڑانا تھا' ابھی تو اس ستم گر کو بھول جانا تھا' ابھی تو جدائی کی کچھ رسمیں نبھانی تھیں کہ اتنی افراتفری میں عمر نے شادی کا شوشا چھوڑ دیا تھا اور اب یہ شاپنگ کا شوشا۔

پہلی بار وہ رعب کی بجائے پیار سے دھونس جما رہا تھا۔ روشین کو مرتے کیا نہ کرتے کے مصداق ہاں کرتے ہی بنی۔

''یاخدا! مجھے ہمت دے۔ میرے دل و ذہن کو موڑ دے کہ میں پوری ایمانداری سے اس رشتے کو نبھاؤں۔ پوری آمادگی سے عمر کی زندگی میں جاؤں اور کبھی مڑ کے اپنے دل کے رشتے کی جانب نہ دیکھوں۔''

وہ محوِ مناجات تھی۔

''لو جی... یہ تو ابھی سے پیا جی کے سپنوں میں گم ہو گئیں۔'' یہ دھاوا فرحین کے ساتھ رابعہ نے بولا تھا۔ اس قدر غیر متوقع طور پر اسے سامنے پا کر روشین خوش ہو گئی۔

''بہت بے وفا ہو۔ اس قدر ارجنٹ شادی کروا رہی ہو اور دوستوں کو بتایا تک نہیں۔ وہ تو میں نے پی ٹی سی ایل نمبر پر ٹرائی کیا تو فرحین نے بتایا۔ میں تو اڑتی ہوئی آئی ہوں۔'' وہ اپنے مخصوص تیز لب و لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''اچھا' اب سانس تو لے لو۔''

''روشین نے اسے پکڑ کر بٹھانا چاہا تو وہ واقعی بیٹھ کے یوں لمبے سانس لینے لگی جیسے پتہ نہیں کب سے سانس نہ لی ہو۔

میں کچھ کھانے پینے کا بندوبست کرتی ہوں۔'' فرحین نے مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا۔''

اور بھئی یہ کیا زبردستی کی شادی ہے۔نہ ڈھولک' نہ سکھیاں' نہ شور شرابا۔'' رابعہ کو اعتراض ہوا۔''

ابھی تو پورے اٹھائیس دن پڑے ہیں شادی میں۔ایک ہفتہ پہلے رکھیں گے ڈھولک۔'' فرحین نے بتایا۔''

ارے واہ... وہی روایتی شادی۔ بھئی کچھ تو ہٹ کے ہو۔ مہینہ پہلے ڈھولک رکھو اور ایک ہفتہ رہ جائے تو شادی کے''

فنکشن شروع کرو۔پہلے ابٹن پھر تیل اور پھر مہندی۔'' وہ لہک کر بولی۔روشین کو اس کی باتیں سن کے ہنسی آ رہی

تھی۔ جیسے سہیلی کی نہیں بلکہ اکلوتے بھائی کی شادی کی پلاننگ کر رہی ہو۔

ہمارے ہاں تو ایسے ''ٹوٹوں'' میں شادیاں نہیں ہوتیں۔'' فرحین نے مسکراہٹ دبائی۔''

ارے اسی کا تو مزہ ہے۔ کبھی کبھار تو ایسے من پسند فنکشنز آتے ہیں تو انہیں خوب گھسیٹ گھسیٹ کر گزارنا چاہئے۔'' ''

رابعہ نے سنہری اصول پیش کیا۔

فرحین کو تسلی ہوئی۔اس کے آنے سے روشین کی طبیعت ضرور بہل جاتی۔کچھ بھی تھا' وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ

روشین کتنے دل سے اس شادی پر راضی تھی۔

عمر کا فون آیا تھا۔'' روشین نے اجازت لینے کی غرض سے فرحین کو مطلع کیا کہ وہی گھر والوں سے بات کرتی۔وہ''

استفہامیہ نظروں سے روشین کو دیکھنے لگی۔

وہ مجھے شادی کی شاپنگ خود کرانا چاہتے ہیں۔میری پسند سے۔'' روشین نے بادل نخواستہ بتایا۔''

یہ کون حضرت ہیں جو تمہیں' تمہاری شادی کی شاپنگ کرانا چاہتے ہیں؟'' رابعہ سیدھی ہو بیٹھی۔''

"عمر بھائی، یعنی ہمارے دولہا بھائی۔" فرحین نے خوش دلی سے کہا۔

"ہیں... یہ عمر بھائی کہاں سے آ گئے۔ اس کی شادی تو ریان بھائی سے ہو رہی تھی؟" رابعہ نے حیرت سے آنکھیں پٹپٹائیں۔

"کوشش تو سبھی کی یہی تھی بشمول ریان بھائی کے، مگر آپ کی یہ دوست جانے کس کے لیے قربانی کی بکری بن گئی۔" فرحین نے تاسف سے کہتے ہوئے گہری سانس بھری تو جہاں رابعہ کو افسوس ہوا وہیں عرصے بعد روشین کے کمرے کی طرف آتے سکندر حیات ٹھٹک کر وہیں منجمد سے ہو گئے۔

"یہ سب قسمت کے کھیل ہیں۔ میرے نصیب میں جو ہے وہی مجھے مل رہا ہے۔ تم بتاؤ کیا کھاؤ گی؟" روشین نے بدقت تمام سنبھلتے ہوئے اس کا دھیان بٹایا۔

"آپ ذرا غور و فکر کر کے سوچیں۔ میں پہلے کچھ ڈرنکس وغیرہ لے آئوں۔" فرحین نے خوشدلی سے کہا تو اس کے باہر نکلنے سے پہلے ہی سکندر حیات تیزی سے واپس پلٹ گئے۔

☆☆☆☆

احراز کے متعلق گھر والوں کی فکر اب غم و غصے اور رانیہ سے دلی ہمدردی میں تبدیل ہو چکی تھی۔

ابرار کو تو کسی قسم کی کوئی پریشانی نہ تھی کہ بینک میں اتنا لمبا چوڑا اماؤنٹ موجود تھا کہ وہ لمبا عرصہ آرام سے گزار سکتے تھے۔ سو فی الحال تو اس کی فراغت میں بھی دن اچھے ہی کٹ رہے تھے۔

"رانیہ کی عدت ختم ہو رہی ہے۔" رشیدہ بیگم نے آج بطور خاص نگینہ کو بلوایا تھا۔ تھوڑی سی بات کر کے وہ خاموش ہو گئیں۔ مگر یہ تھوڑی سی بات ہی بہت مکمل تھی۔ نگینہ نے دیکھا ماں کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔ اس کا دل بھی غم اور اداسی سے بھرنے لگا۔

"میری مانیں تو ان لوگوں کو بتا ہی دیں۔"

"اور وہ جو اسے بادل نخواستہ لے ہی گئے پھر سے اپنی نوکرانی بنانے کے لیے تو اس کی کوکھ میں پلتی جان کا کیا ہو گا، جو نشانی تو ہماری ہی ہے۔" انہوں نے سب سے بڑے مسئلے کی طرف توجہ دلائی تو وہ بھی چپ کی چپ رہ گئی۔

رانیہ سے پوچھا ہے آپ نے' وہ کیا چاہتی ہے؟'' کچھ توقف کے بعد نگینہ نے استفسار کیا تو انہوں نے نفی میں سر''
ہلایا۔ پھر بولیں۔

ویسے ابھی میں نے شبینہ کو کہا تھا' تھوڑی دیر کے بعد اسے میرے کمرے میں لے آنا۔ ایسی بات تو اس کی حالت دیکھ
''کر ہی کی جاسکتی ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد رانیہ واقعی شبینہ کے ساتھ چلی آئی تو اس کے کمزور سراپا اور آنکھوں کے گرد پڑ جانے والے حلقوں
... کو دیکھ کر وہ تاسف کا شکار ہونے لگی۔ یہی رانیہ پہلے کندن کی مانند دمکتی ہوئی دکھائی دیتی تھی اور اب
سچ ہے کہ عورت کا سارا سنگھار' ساری خوبصورتی اس کے شوہر کے دم سے ہوتی ہے۔ سر تاج' سر کا تاج سر پر ہو تو ماسی
بھی ملکہ دکھائی دیتی ہے اور رانیہ' اس کی حالت تو کسی معزول اور قید بندی ملکہ کی سی تھی جسے نہ کھانے کو پورا مل رہا ہو
اور نہ سونے دیا جا رہا ہو۔

وہ آکر خاموشی سے رشیدہ بیگم کے پاس ٹک گئی۔ ساکت و جامد۔ کسی بت کی مانند۔ پہلے بھی وہ اتنی شوخ و چنچل نہ تھی مگر
یہ موت کی سی خاموشی۔ نگینہ کے اعصاب ہل گئے۔

کیسی ہو رانیہ؟'' اس نے اس بھیانک خاموشی سے گھبرا کر بے معنی سا سوال کیا۔''

''جی۔ ٹھیک۔''

نگینہ بمشکل اس کی آواز سن پائی۔

میں جانتی ہوں تم پر بہت کڑا وقت آن پڑا ہے' رانیہ۔ مگر یہ بھی سمجھو کہ اب تمہیں اس صدمے سے سنبھلنا اور نکلنا''
ہی پڑے گا۔ اپنے لیے اور اپنے لیے نہ سہی تو اپنے آنے والے بچے ہی کے لیے۔'' نگینہ نے تمہید باندھی۔

ہائے' میرا اتنا فرمانبردار' ساری اولاد میں سے ہیرا بچہ۔ جانے کس کی نظر کھا گئی۔ کیسے دماغ الٹ گیا اس کا۔'' ''

رشیدہ بیگم واقعی سچ کہہ رہی تھیں۔

اب بس بھی کریں' امی۔'' نگینہ نے تیز لہجے میں انہیں ٹوک دیا۔''

''آپ ابھی بھی اسی اولاد کے قصیدے پڑھ رہی ہیں۔''

تو کیا جھوٹ ہے۔ اتنے سالوں سے کیا تم لوگوں کو کسی موقع پر باپ کی کمی محسوس ہونے دی اس نے؟ ہر موڑ پر بڑا''

بھائی نہیں باپ بن کر سر پر ہاتھ رکھتا تھا تم لوگوں کے۔ جانے کس نے کیا پٹی پڑھا دی۔'' وہ رو دی تھیں۔

ان کی سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ ایسا سچا موتی ایک دم سے پتھر کیسے نکل آیا؟

آدمی کا دماغ بدلتے دیر نہیں لگتی۔ بس جب تک انہوں نے ذمہ داری نبھانی تھی' نبھالی۔ اب تو دوسری عورت کے''

ساتھ عیش کر رہے ہوں گے۔ اب انہیں ہمارا باپ بننا یاد نہیں بلکہ وہ تو بھائی ہونے کا رشتہ بھی بھول گئے ہیں۔'' نگینہ کی فطرت میں تیز طراری تھی۔ اب بھی وہ رانیہ کی حالت کی پرواکیے بغیر ماں سے بحث کرنے لگی مگر وہ ان کے صدمے کو کیا خاطر میں لاتی۔ اس کی تو اپنی دنیا ویران ہو گئی تھی۔ اب تو ہر غم ہیچ لگنے لگا تھا۔

میں تو ہمیشہ آپ کو کہتی آئی ہوں اپنے اپنے ہوتے ہیں اور پرائے ہمیشہ پرائے ہی رہتے ہیں۔ وہ ہمارے کبھی بنے ہی''

نہیں۔ ابو کی وفات کے بعد تو شاید زبردستی کی ذمہ داریاں نبھائیں انہوں نے۔ سچ کہتا ہے ابرار۔ ورنہ وہ یہاں سڑکوں پر رل نہ رہا ہوتا۔ اب تک اسے بھی باہر بلوا چکے ہوتے۔'' وہ بے دھڑک ہو کر کہہ رہی تھی۔

اچھا بس' چپ ہو جاؤ۔'' رشیدہ بیگم نہ جانے کیوں گھبرا سی گئیں۔ پھر کچھ سوچ کر رانیہ سے مخاطب ہوئیں۔''

جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا بیٹا' تقدیر پر آدمی کا بس نہیں۔ مگر آگے کی سوچنا تو فطری تقاضا ہے۔ اب تم ہی بتاؤ تمہارے گھر''

''والوں کو یہ خبر دے دیں؟

رانیہ نے وحشت زدہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

''ہاں رانیہ۔ یہ فیصلہ تمہی کرو گی کہ تمہیں وہاں جانا ہے یا یہیں رہنا ہے۔ کوئی بھی تمہیں مجبور نہیں کرے گا۔''

نگینہ نے اس کا حوصلہ بڑھایا تو وہ رشیدہ بیگم کا ہاتھ اپنے لرزیدہ ہاتھوں میں جکڑتی رو دی۔

"میں واپس نہیں جائوں گی۔ وہاں میرا کوئی نہیں ہے۔" کہنے والی پگلی یہ نہیں جانتی کہ اب یہاں بھی کون رہا تھا۔ یہ وقتی رشتے، جس کے ساتھ اٹوٹ بندھن بندھا تھا وہ پنچھی تو پنجرہ توڑ کے اڑ گیا۔

نگینہ نے گہری سانس بھری۔

مگر یہی بات ابرار کو بعد میں بتائی گئی تو وہ بھڑک اٹھا۔

"کیا بکواس ہے یہ؟"

"ایک تو تمہیں اس معاملے میں بڑا غصہ آنے لگا ہے جیسے بھائی نے نہیں، رانیہ نے انہیں طلاق دی ہو۔" نگینہ نے چبھنے والے انداز میں طنز کیا تو وہ کھسیانا ہو کر بولا۔

"کیونکہ میرا ذہن ابھی تک کام کر رہا ہے۔ تم لوگوں کی طرح عقل سے فارغ نہیں ہو گیا۔ بس ہمدردی کا بخار چڑھا کے بیٹھ گئے ہو تم سب۔"

"اب تم دونوں بھائیوں جیسی بربریت تو دکھانے سے رہے ہم۔" رشیدہ بیگم نے تلخی سے جواب دیا۔

"اوہ میری اماں جان! جذباتی فیصلے مت کریں۔ کل کو اگر بھائی جان لوٹ آتے ہیں تو اس کا کیا ہو گا؟ تب اس کے گھر والوں کو بتائیں گے کہ ہمارے بیٹے نے کافی عرصہ پہلے ہی اسے طلاق دے کے فارغ کر دیا تھا مگر چونکہ وہ ابھی لوٹا ہے تو ہم اسے بھی ابھی واپس بھجوا رہے ہیں؟"

ابرار کی بات میں اتنا دم تھا کہ لحظہ بھر کو دونوں ماں بیٹی چپ رہ گئیں۔

"اب اس کے لیے اس گھر کے دروازے ہمیشہ کے لیے بند ہیں۔"

چند لمحوں کے بعد رشیدہ بیگم نے مضبوط لہجے میں کہا تو وہ استہزائیہ انداز میں بولا۔

بہت خوب۔ اور جو یورو آنے بند ہوں گے ان کا کیا؟" اس کی بات سن کر انہیں اشتعال نے لیا۔"

لعنت بھیجتی ہوں میں ایسی کمائی پر... اور تم' کیا ساری زندگی بے غیرت بن کے اسی کے روپوں پہ پلتے رہو گے۔ ماں"

"بہن کا خرچ نہیں اٹھا سکتے؟

خوامخواہ کی فضول بحث مت کریں۔ بھلا اس لڑکی کے پیچھے ہم لوگ اپنی زندگی کو کیوں مشکل بنائیں۔ جو لڑکے اپنی"

بیویوں کو طلاق دیتے ہیں انہیں ماں باپ گھروں سے باہر تو نہیں نکال دیتے؟" اس نے مضبوط دلیل دی تھی۔

تم شاید بھول رہے ہو کہ وہ ہم سے بھی لاتعلق ہے۔" رشیدہ بیگم نے تلخی سے کہا۔"

ہو سکتا ہے یہ ان کا وقتی اقدام ہو۔ سب کا غصہ ٹھنڈا ہونے کے بعد وہ رابطہ کر لیں۔" وہ معاندانہ انداز میں بولا۔"

اب باتیں تو اس کی بھی اپنی جگہ صحیح تھیں مگر مسئلہ آنے والی نسل کا بھی تھا۔

رشیدہ بیگم سر تھام کے نڈھال سی بیٹھ رہیں۔ کسی بھی مسئلے کا کوئی حل نہیں نکل رہا تھا مگر ابرار نے کچھ سوچ لیا تھا۔

☆☆☆☆

تمکین نے عادل کو بھی ریان کی روشین سے دلی وابستگی کے متعلق بتایا تو وہ خاموش رہ گیا۔

"کیوں ایسا فیصلہ کیا اس نے' عادی۔ ریان اور وہ بہت خوش رہتے۔"

وہ بہن تھی۔ بھائی کا دکھ سینے پر ہاتھ مارتا تو اسے رونا آجاتا تھا۔

اب کیا فائدہ ان سب باتوں کا۔ شادی کے کارڈ چھپنے جا چکے ہیں۔ گھر میں ڈھولک رکھی جا چکی ہے۔ محض ایک ہفتہ باقی"

"ہے اور تمہیں اب یہ سوجھ رہی ہے۔

عادل نے دل پر پتھر رکھتے ہوئے اسے ڈانٹا۔ کیا اس سے بڑھ کے عمر کی بدفطرت سے کوئی واقف تھا۔ مگر یہ

روشین...پیسہ توریان کے پاس بھی تھااور روشین اتنی مادیت پسند کبھی بھی نہ رہی تھی کہ محض روپے کی خاطر عمر سے شادی کے لیے ہامی بھر لیتی۔

امی! آپ کو میری قسم ہے۔ میں اچھی طرح جانتاہوں کہ آپ سب جانتی ہیں۔روشین نے عمر سے شادی کے لیے" ہامی کیوں بھری؟" وہ آسیہ بیگم کے سر ہو گیاتووہ گھبرا گئیں۔

"خوشی کاموقع ہے' عادل۔یہ کیسی فضول باتیں لے بیٹھے ہو تم؟"

میرے دل میں جو پھانس سی ہے وہ تو نکل جائے کم از کم۔ایسی کون سی مجبوری آن پڑی تھی کہ ریان کے ہوتے ہوئے" اس نے عمر کو چنا؟" عادل بضد تھا مگر آسیہ بیگم کچھ بتانے کو تیار نہ تھیں۔

ایک ہفتہ رہ گیاہے شادی میں اور تم یہ شوشے چھوڑ رہے ہو۔کل سے کارڈ بانٹنے جائیں گے۔خوامخواہ باپ کے غضب" کو آواز مت دینا کوئی شوشا چھوڑ کر۔" ان کے یوں نظریں چرانے اور پھیکے لہجے میں کہنے پر عادل کھٹک گیا۔

"میں کچھ نہیں کروں گا۔ابو سے بھی نہیں پوچھوں گا کچھ۔وعدہ رہا۔مگر میں حقیقت جاننا چاہتاہوں۔"

راکھ کو کرید کر پھر سے چنگاری مت ڈھونڈو' عادل۔ بعض اوقات اس سے دوبارہ شعلے بلند ہو جاتے ہیں۔" وہ" تکلیف کا شکار ہونے لگیں۔

خدا کے لیے امی' مجھ سے تو نہ چھپائیں۔مرا ہوامنہ دیکھیں گی میرا اگر..." وہ حسبِ عادت بھڑک اٹھاتو آسیہ بیگم کا" جیسے کسی نے کلیجہ چیر دیاہو۔بے اختیار ہی انہوں نے عادل کے منہ پر تھپڑ دے مارا۔

"شرم کرو۔حد ہوتی ہے بے حیائی کی۔ایسی منحوس باتیں منہ سے نکال رہے ہو۔"

توآپ سچ کیوں چھپارہی ہیں۔" وہ ڈھٹائی سے بولا۔اتنے نرم ہاتھ کا تھپڑ کھا کر بھلااس کا کیا بگڑنا تھا۔"

وہ رو دیں۔

اتنے دنوں کی وحشت' پریشانی اور کرب آنسو بن کر بہہ نکلا۔

تمہاری یہی شکل مجھے دکھانے کو' تم لوگوں کو اس گھر میں لانے کو وہ سولی پر چڑھ گئی۔ باپ کا مان نہ توڑ سکی اور تم اتنی "
" آسانی سے یہ منحوس باتیں منہ سے نکال رہے ہو۔

عادل اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔

امی!" تنبیہی انداز میں کہتی تیزی سے روشین اندر داخل ہوئی مگر تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ "

عادل کے کان اس سچ کو سن چکے تھے جسے وہ مہینوں سے اندر چھپائے کینسر بنا رہی تھی۔

روشی!" عادل نے بے حد کرب اور دکھ کے احساس میں گھر کے اسے دیکھا تو وہ بے اختیار رو دی۔ "

" کیا فرق پڑتا ہے' بھائی۔ سبھی لڑکیوں کی شادی ہوتی ہے۔ میری بھی کہیں نہ کہیں تو ہونا ہی تھی۔ "

سب لڑکیوں کی شادیاں ہوتی ہیں' وہ یوں بھینٹ نہیں چڑھائی جاتیں۔" وہ مشتعل ہو اٹھا تو روشین نے گھبرا کے "
آنسو پونچھے۔

" خدا کے لیے بھائی' کوئی سیچویشن کری ایٹ نہ کیجئے گا۔ جب میں مطمئن ہوں تو پھر کس بات کا مسئلہ ہے۔ "

بکواس بند کرو' روشین۔ کیا سمجھتی ہو تم خود کو۔ یوں اپنی زندگی برباد کر کے تم ہمیں خوش کر دو گی؟ ہم سب اکٹھے رہ "
کر بھی تمہاری بربادی ہی دیکھیں تو تف ہے اس اکٹھے رہنے پر۔ اس سے لاکھ درجہ بہتر تھا کہ میں اس گھر سے دور ہی
رہتا۔ تم اپنے گھر میں خوش ہوتیں تو ہم تمہیں دیکھ دیکھ کے جیتے۔ اب اس قربانی کے بعد ہم تمہیں دیکھ کے کڑھیں'
ہر وقت پریشان رہیں تو اس کا کیا حل ہو گا تمہارے پاس؟ کوئی اور قربانی؟" عادل کا بس نہیں چل رہا تھا کیا کر ڈالتا۔
اس کے پیچھے سکندر حیات نے روشین کو بلیک میل کیا تھا اور وہ بے وقوف ہو بھی گئی تھی۔

" تجھے میری قسم ہے' عادل! اب کوئی تماشا مت کھڑا کرنا۔ شادی کا گھر ہے' مہمان آرہے ہیں۔ "

آسیہ بیگم نے بیٹے کو ساتھ کھڑے دیکھا تو احساس ہوا کہ واقعی جذباتیت میں ان سے بہت بڑی غلطی ہو گئی تھی۔ عادل

سے تو وہ دورہ کے بھی کبھی کبھار مل سکتی تھیں مگر روشین کی طرف سے جو غم انہیں ملنے والے تھے' ان کی دستک وہ ابھی سے سن رہی تھیں۔

اب میں کیا تماشا کروں گا۔ جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا۔ جس نے فیصلہ کیا وہ ہم سب سے زیادہ عقلمند ہے اور آپ نے بھی اسی" کا ساتھ دیا۔" وہ پتھریلے لہجے میں بولا تو روشین اس کے شانے سے لگ گئی اور رندھے لہجے میں کہا۔

مت کریں ایسی باتیں۔ بس دعا کریں میری خوشیوں کے لیے۔" اس کا دھیان بٹانا چاہا۔"

اگر مجھے تمہارے خوش رہنے کا ذرہ برابر بھی یقین ہوتا تو ضرور دعا کرتا۔ تمہارے اس فیصلے نے مجھے بھر عمر کے لیے" اپنی نگاہوں میں مجرم بنا دیا ہے۔" وہ سلگتے لہجے میں کہتا پل بھر کو اس کے سر پر ہاتھ رکھنے کے بعد جلتی آنکھیں لیے پلٹ گیا تھا۔ روشین ماں سے لپٹ کر رو دی۔

☆☆☆☆

دنیا اس پر تنگ ہو گئی تھی یا تنگ کر دی گئی تھی۔ رانیہ سمجھ نہیں پائی۔ رات کے اندھیرے میں ایک سفری بیگ میں اپنی اشد ضرورت کی چیزیں لے کر اس گھر سے نکلنے کے بعد وہ چڑیا کے سے دل کی مالک لڑکی جانے کتنے حوصلے اور ہمت سے پیدل ہی ٹھوکریں کھاتی ایدھی سینٹر پہنچی تھی کہ وہاں جا کر اندر داخل ہوتے ہی حواس کھو بیٹھی۔ رکشہ یا ٹیکسی کرنے کی بھی ہمت نہ ہوئی تھی کہ جانے کیسی نیت والے سے ٹکراؤ ہو جاتا۔

سات بجے وہ گھر سے نکلی۔ شبینہ اپنے کمرے میں تھی۔ رشیدہ بیگم واش روم میں اور ابرار حسبِ عادت آوارہ گردی کرنے نکلا ہوا تھا۔ موقع غنیمت جان کر اس نے چادر اوڑھ کر بیگ اٹھایا اور وحشت زدہ سی وہاں سے نکل آئی۔ گلیوں میں جانے کی حماقت اس نے نہیں کی اور روشن سڑکوں پر مسلسل ڈیڑھ دو گھنٹے چلتے رہنے کے بعد بالآخر وہ اپنی منزل مقصود پر پہنچ ہی گئی۔ اپنی اسکول میں ملازمت کے دوران ایدھی سینٹر کی یہ برانچ اکثر اس کی توجہ کھینچتی تھی مگر اسے خبر نہ تھی کہ ایک روز یہی اس کے لیے آغوشِ مادر بن جائے گی۔

☆☆☆☆

آج وہ عمر کے ساتھ فائنل شاپنگ کے لیے آئی تھی۔ ویسے لاہنگا' جسے روشین کے خیال میں وہ باقی شاپنگ کے دوران بھی لے سکتے تھے مگر عمر نے جانے کیوں اسے ابھی تک کے لیے اٹھا رکھا تھا۔ بے حد قیمتی اور خوبصورت اسٹونز کے کام سے سجا لہنگا خریدنے کے بعد وہ اسے عالیشان سے ہوٹل میں لنچ کے لیے لے آیا۔

''عمر پلیز! شادی میں چھ دن ہیں فقط۔ میں تو یوں بھی آنا نہیں چاہ رہی تھی' کجا ہوٹلنگ۔''

اس کے تمام تر احتجاج کو عمر نے یکسر نظر انداز کر دیا تھا۔ وہ ڈٹ کے کھانا کھا رہا تھا جب کہ روشین نے بے دلی سے چند نوالے لیے۔

شادی سے چند روز پہلے عمر کے ساتھ یوں پھرنا اسے قطعاً اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ مگر مجبوری یہ تھی کہ ان دنوں وہ اس قدر اچھے موڈ میں تھا کہ وہ اسے ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ہو سکتا ہے قدرت اسے میرے حق میں بہتر کر دے۔

اچھی لگ رہی ہو۔'' ویٹر برتن اٹھالے گیا تو وہ تسلی سے اس کی طرف متوجہ ہوا۔''

اب چلیں۔'' وہ مسکرادی۔ یہ مفاہمت کی سیڑھی پر اس کا اگلا ایماندارانہ قدم تھا۔''

کارڈز چھپ کے آگئے؟'' وہ پوچھنے لگا۔ روشین جھینپ سی گئی۔''

''کل شام ہی آگئے تھے۔ آج تو بانٹ بھی دیئے گئے ہوں گے۔''

اس کے چہرے پر بکھرتی حیا کی لالی نے عمر کی نگاہ کو مزید خمار بخشا۔ یہ حسن وہاں کی غیر مذہب کی عورتوں میں کہاں تھا۔

اسے غرور کا احساس ہونے لگا۔

اور یہ ان چھوا وجود فقط میری ملکیت ہے۔

یعنی ہمارے ملن میں فقط پانچ روز ہیں۔ چھٹی رات ہماری گولڈن نائٹ ہوگی۔" وہ بے باکانہ انداز میں کہتا روشین کو" خجالت و شرم میں مبتلا کر گیا۔

عمر! اب واپس چلیں!" وہ بمشکل کہہ پائی مگر نگاہ ملانا دشوار ہو گیا تھا۔"

"یاد ہے تم نے کہا تھا کہ میری برتھ ڈے کا گفٹ تم پر ادھار ہے ؟"

وہ پتہ نہیں کس رو میں تھا۔ عمر نے انگلیوں سے اپنا گال سہلایا۔ جیسے اس روز کے تھپڑ کا ذائقہ یاد کر رہا ہو۔ روشین نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ عمر کے چہرے پر عجیب سے تاثرات' عجیب سی مسکراہٹ تھی۔ روشین کا دل گھبرانے لگا۔

یہ میری خوش قسمتی ہے روشین کہ تم جیسی باکردار لڑکی میری بیوی بن رہی ہے۔" وہ غیر متوقع الفاظ کہہ رہا تھا۔"

"مگر تم نے منگنی کے اس پیریڈ کو مجھ جیسے آزاد منش آدمی کے لیے ایک مسئلہ' ایک حسرت بنا دیا ہے۔"

روشین کو کسی خوفناک سی حقیقت کا ادراک ہونے لگا۔ اسے یوں لگ رہا تھا عمر اپنے ہوش میں نہ ہو۔ وہ یکلخت پریشان سی اٹھ کھڑی ہوئی۔

اب مذاق ختم کریں۔ سب گھر میں انتظار کر رہے ہوں گے۔ فری تو سرِ شام ہی سب کو اکٹھا کر کے ڈھولک رکھ لیتی" ہے۔" اس نے بات بدلنا چاہی۔

بیٹھ جائو روشین اور اطمینان سے میری پوری بات سنو۔" وہ تحکمانہ لہجے میں گویا ہوا۔"

عمر دیر ہو رہی ہے۔" وہ بے بسی سے بولی۔"

بیٹھ جائو۔" اب کی بار وہ قدرے بدلحاظی سے بولا تو مرتے کیا نہ کرتے کے مصداق اسے بیٹھنا ہی پڑا۔"

وہ مسکرا دیا اور اس کی یہ مسکراہٹ روشین کو بالکل اچھی نہیں لگ رہی تھی۔

تو روشین سکندر... بات یہ ہے کہ میں نے کبھی بھی زندگی میں حسرت کا ناسور نہیں پالا۔'' وہ عجیب سے انداز میں''
کہتا ٹیبل پر اس کی طرف جھکا۔
ہماری گولڈن نائٹ ٹھیک پانچ روز بعد سہی مگر میں اس ہوٹل میں ایک گھنٹہ تمہارے ساتھ تنہا گزارنا چاہتا ہوں۔''
''شادی سے پہلے۔

وہ کتنے بھی اندازے لگالیتی مگر اس قدر شیطانیت بھری گراوٹ اس کی سوچ سے پرے تھی۔

وہ اس قدر آرام سے ڈیمانڈ کر رہا تھا جب کہ روشین کو لگا غیرت کے مارے وہ زمین میں دھنس گئی ہو۔

تم کو دیکھا تو یہ خیال آیا
زندگی دھوپ تم گھنا سایہ

کبھی احراز کے سنگ اس کا یہ گیت گنگنانے کو جی چاہتا تھا۔ واقعی' زندگی کی تپتی دھوپ میں وہ اس کے لیے گھنا سایہ ہی تو بن کے آیا تھا۔ اچانک' ایک دم سے۔

اس کی راہوں کے سارے کانٹے اپنی پلکوں سے چُن کے اسے ماسی سے ملکہ بنایا اور اس کی زندگی کو پھولوں سے بھر دیا۔

مگر پھر وقت کی کیسی آندھی چلی تھی کہ تنکا تنکا کر کے جوڑا اس کا آشیانہ بکھر کے رہ گیا۔

وہ چھتنار درخت اپنی چھائوں سمیٹ کے اسی آندھی میں کہیں کا کہیں پہنچ گیا اور وہ تپتی دھوپ میں بے اماں' بے سائباں رہ گئی۔

آج اسے ایدھی سینٹر میں آئے دو ہفتے ہو چکے تھے۔ مرتے کیا نہ کرتے کے مصداق اس نے خود کو سنبھال ہی لیا تھا۔ خود کے لیے نہیں' اس آنے والی زندگی کے لیے جو اس کی کوکھ میں پل رہی تھی اور اب پانچویں مہینے میں جس کی ہر حرکت کو وہ محسوس کر سکتی تھی۔

گہری سانس بھرتے ہوئے اس نے فائل کھولی۔

اس کی کل متاع اور شاید آگے جینے کا سہارا۔

میٹرک' ایف اے اور بی اے کی اسناد۔

احراز سے شادی کے بعد وہ چچا کے گھر سے جہیز میں یہ واحد شے لائی تھی اور جنہیں اس کے احراز کی زندگی میں آنے کے بعد بیکار شے جان کر الماری کے پچھلے کونے میں گھسا دیا تھا۔ مگر اس رات جب وہ چند جوڑے کپڑوں کے ساتھ اس گھر سے نکلنے لگی تو سب سے پہلا خیال اسے اسی متاع کا آیا کہ جس کے بغیر اب شاید زندگی بہت مشکل ہو جاتی۔

وہ سینٹر کی ہیڈ سے اجازت لے چکی تھی اور اب زندگی میں اس کا کڑا امتحان شروع ہونے والا تھا۔ یعنی پھر سے کسی اسکول میں جاب کی تلاش۔

خدا تمہارا بھلا کرے احراز۔ جہاں رہو' جس کے بھی ساتھ رہو ہمیشہ خوش رہو۔ خدا تمہاری مشکلیں آسان کرے کہ زندگی میں تم نے مجھے کچھ بہت اچھے دن' بہت اچھی یادیں دے دیں اور ایک ننھی سی جان کو میری جان کے ساتھ جوڑ دیا تاکہ میں مر بھی نہ سکوں۔

اس کی آنکھیں بھر آئیں تو اس نے انہیں بے دردی سے رگڑ ڈالا۔

وہ اب کبھی رونا نہیں چاہتی تھی۔

آفس میں اطلاع کر کے وہ سینٹر کے گیٹ کو پار کر کے باہر نکلی تو باہر کا شور' ہنگامہ' ٹریفک' لوگ... اس نے گھبرا کے چادر کو اپنے گرد مضبوطی سے لپیٹا جیسے وہ اس دنیا میں پہلی بار آئی ہو۔

مگر اس نے سوچ لیا تھا کہ اب اس چیختی چلاتی' بھاگتی دوڑتی زندگی سے ڈرنے کے بجائے اس کا مقابلہ کرنا ہے۔ سو وہ خود

کو مضبوط بناتی تیزی سے قدم اٹھاتی فٹ پاتھ پر چلتے اپنے جیسے بہت سے لوگوں میں مدغم ہو گئی۔

☆☆☆☆

وہ اس کی "شاندار آفر" کا جواب تو کیا دیتی' عمر کے سنجیدہ پتھریلے تاثرات دیکھ کر اس کی حالت غیر ہونے لگی۔ تب وہ اسے بازو سے تھام کر باہر گاڑی تک لایا۔ روشین اپنے حواس ہی میں کب تھی۔

اتنی ذلت' اتنا گھٹیا پن۔

گاڑی اس کے گھر کے سامنے رکی تھی۔

میں نے جو کچھ تم سے کہا وہ جھوٹ یا مذاق مت سمجھنا۔ ابھی ہماری شادی میں چھ دن باقی ہیں۔ یعنی تمہارے پاس فیصلے" کے صرف پانچ دن ہیں' روشین۔ دن یا رات جس وقت تم کہو میں ملنے کو تیار

ہوں مگر یہ طے ہے کہ شادی سے پہلے میں تم سے... ریلیشن چاہتا ہوں ورنہ پچیس تاریخ کو بارات نہیں آئے گی۔ یہ بات لکھ کے رکھ لو' روشین سکندر۔" وہ بے حد حقارت سے کہہ رہا تھا۔

کیا تھی وہ اس کے نزدیک؟ کوئی طوائف یا پھر کوئی رکھیل کہ جس کے ساتھ وہ شادی سے پہلے جسمانی تعلقات استوار کرنے کی بات کر رہا تھا۔ وہ چیخنا چاہتی تھی۔ اسے بتا دینا چاہتی تھی کہ اس کے الفاظ سماعتوں میں تیزاب بن کے اتر رہے ہیں۔ اس کی نسوانیت ان عریاں لفظوں کو سننے کی متحمل نہ تھی مگر بالمقابل عمر رضوان حیات تھا جس کے لیے عزت' غیرت یا انسانیت محض الفاظ تھے۔

اسے گیٹ کے باہر اتار کے طمانیت سے مسکراتا وہ گاڑی اڑا لے گیا۔ وہ خود کو گھسیٹتی ہوئی اندر لائی۔

شکر تھا کہ فرحین روزانہ کی طرح سب کو اکٹھا کیے ڈھولک رکھے شور و غل مچائے بیٹھی تھی سو وہ تیزی سے وہاں سے نکلتی چلی گئی۔ آسیہ بیگم نے اشارے سے بلایا بھی تو اس نے ہاتھ ہلا کر ٹال دیا۔

اس کی حالت ہی کہاں تھی کسی کا سامنا کرنے کی۔ کمرے میں جاتے ہی اس نے دروازہ لاک کیا اور جیسے ضبط کی طنابیں

ہاتھ سے چھوٹ گئیں۔

وہ پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔ زور زور سے مگر باہر ڈھولک کا شور اس قدر زیادہ تھا کہ اس کے ماتم کو کوئی سن نہیں پایا۔

یا خدا! میرا کیا قصور ہے۔ یہی کہ میں نے اپنے باپ کا کہا نبھایا یا پھر یہ کہ اپنی ماں کے جذبات کا خیال کرتے ہوئے خود کو سولی پر چڑھنے کے لیے پیش کر دیا۔ کیا یہی غلطی تھی میری۔ مگر اتنی بڑی سزا؟؟

اس کی روح تک لرز کے رہ گئی۔

عمر حیات انسان نہیں بلکہ انسانی روپ میں کوئی شیطان تھا۔ خون چوسنے والا درندہ۔

اسے یاد آیا عادل نے کہا تھا کہ عمر کو وہ بے حد اچھی طرح جانتا ہے۔ وہ نہ تو انسانیت کو مانتا ہے اور نہ ہی اسے رشتوں کی حمیت کا کوئی احساس ہے۔ مگر تب وہ اس کی بات کو نہیں سمجھی تھی۔ مگر اتنی گہرائی سے عادل بھی اسے کہاں جانتا ہو گا۔

اور اگر... اگر واقعی وہ بارات لے کر نہ آیا تو؟؟ روشین کے حواس ٹھٹھرنے لگے۔

عمر کی باتیں' اس کے الفاظ بار بار اس کے کانوں میں گونجتے تو اسے اپنا وجود گھٹیا' کسی پستہ قامت بونے جیسا محسوس ہونے لگتا۔ ایسی لڑکی سمجھتا تھا وہ اسے جو شادی سے پہلے اس کے ساتھ رات گزارنے پر تیار ہو جائے گی۔ یہ سوچ کر کہ ایک آدھ دن بعد نکاح بھی تو اسی کے ساتھ ہونا ہے' روشین کی یہ سوچ سوچ کر اور رو رو کر حالت غیر ہو رہی تھی۔

مگر اس مسئلے کا کوئی حل نہ تھا۔ ماسوائے عمر کی شرط ماننے کے۔ ورنہ وہ بارات نہیں لانے والا تھا اور روشین نہیں سوچ پا رہی تھی کہ گھر میں کسی کو بھی کیسے یہ ساری تفصیل بتائے۔ شاید اس کا ایک اور بھی حل تھا... اس کی موت!

☆☆☆☆

اس نے بیسیوں اسکولز میں جا کر ویکنسی کا پتہ کیا مگر قدرت نے شاید اس کے امتحان ابھی ختم نہ کیے تھے تبھی تو کسی جگہ ویکنسی نہ ملی اور کہیں اس کا محض بی اے (پرائیویٹ) ہونا آڑے آیا۔

ایک ماہ ہی میں وہ تھکنے لگی۔ مگر اندر ہلچل مچاتا وجود اسے احساس دلاتا کہ اسے تھکنا نہیں۔ چلنا' چلتے رہنا زندگی اور رک جانا موت ہے اور ماں! میں بھی اس دنیا میں آنا' جینا اور اس زندگی کے رنگ دیکھنا چاہتا ہوں۔ تو پھر وہ کون ہوتی تھی کسی زندگی کو نمو پانے سے روکنے والی۔ سو ہر روز کمر کس کے میدان میں اترتی۔ تلخ و شیریں جملے' طنزیہ نگاہیں سب برداشت کر کے بھی زندہ تھی کہ جو کچھ جھیل چکی تھی اس کے آگے تو یہ سب کچھ بھی نہ تھا۔

ایک چھوٹے سے پرائیویٹ اسکول میں اسے نوکری مل جانے کا مژدہ سنایا گیا تھا اور بے حد احسان کرتے ہوئے تنخواہ پورے پندرہ سو بتائی گئی۔ پورے مہینے کی محنت اور خجل خواری کے بعد محض پندرہ سو۔

وہ تھکے تھکے انداز میں وہاں سے اٹھ آئی۔

پندرہ سو میں بھلا کیا ہو سکتا تھا۔ باہر نکل کے اسے احساس ہوا کہ ٹھنڈ بہت بڑھ گئی تھی اور اس کے پاس کوئی گرم کپڑا تھا نہ سویٹر۔ ایسے میں کسی کی گرم سانسوں نے اس کے رخساروں کو چھوا۔

چلتے چلتے اس کی آنکھوں سے آنسو ابلنے لگے۔

... جس شخص نے اسے زندگی سے محبت کرنا سکھایا آج وہی اس کے لیے شجرِ ممنوعہ ہو چکا تھا۔ کجا اس کی یادیں اسے راستے میں پڑا پتھر دکھائی نہیں دیا تو زوردار ٹھوکر نے منہ کے بل گرا دیا۔ اس کی فائل ہاتھوں سے چھوٹ کے دور جا گری۔ اسی وقت دو مہربان ہاتھوں نے شانوں سے تھام کے اسے سہارا دیا تو وہ ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھتی ساکت رہ گئی۔ یہی حال مقابل شخصیت کا بھی تھا۔

☆☆☆☆

فرحین دروازہ کھٹکھٹا رہی تھی اور اندر وہ شامِ غریباں منا رہی تھی۔ خود کو جتنا بھی سنبھال لیتی مگر اس کا حلیہ تو ایسا ہی ہو رہا

تھا جیسے آج بابل کی عزت سر راہ لٹا آئی ہو۔ مگر فرحین کو ٹالنا بھی تو ضروری تھا۔

کیا ہے ؟"" تیز لہجے میں پوچھا۔ اس نے دروازہ کھولنے کی حماقت نہ کی تھی۔ ایسے تو شاید وہ دھوکا کھا ہی جاتی مگر اس کی"

لٹی پٹی حالت دیکھ کر تو کسی بھی جھوٹ کا اعتبار نہ کرتی۔

تم کیوں آتے ہی کمرہ نشین ہو گئی ہو۔ باہر سب بیٹھے ہیں تمہارے انتظار میں۔" وہ واقعی اندازہ نہیں کر پائی کہ"

روشین کس قیامت کا شکار ہے۔

""میں بہت تھکی ہوئی ہوں۔ ابھی نماز پڑھ کے بس سونے لگی ہوں۔"

یہ کون سا وقت ہے سونے کا اور یوں بھی کس نے کہا تھا اتنے گھنٹے بازاروں میں خوار ہونے کا۔ گھر میں آکر یوں نخرے"

"" دکھائے جا رہے ہیں۔

ابھی دروازہ کھلا ہوتا تو وہ اسے زبردستی ساتھ لے جاتی۔

'اب جاؤ بھی فری۔ میرے سر میں درد ہے' پلیز۔"

اس کا دل تو چاہ رہا تھا دروازہ کھولے اور اپنی ماں جائی سے لپٹ کے دھاڑیں مار کے روئے اور اسے بتائے کہ اس گھر میں

بارات نہیں آرہی بلکہ ان کی عزت کا جنازہ نکلنے والا ہے۔

... مگر کن الفاظ میں۔ کیا بتائے اسے کہ اس کا ہونے والا شوہر شادی سے پہلے اس کے ساتھ رات

""اور کھانا...؟"

کھا آئی ہوں۔ اب سوئوں گی بس۔" اس نے بات ختم کر دی۔"

آج پھر کوئی مزاج دکھایا ہو گا موصوف نے۔ ایسے ہی چھوٹی چھوٹی باتیں دل پر لیتی رہو گی تو نہ دل رہے گا نہ دماغ۔ خدا"

"" نے دو' کان اسی لیے دیئے ہیں کہ ایک میں سے سنو اور دوسرے میں سے نکال دو۔

وہ جاتے ہوئے بھی با آواز بلند بڑبڑانے سے باز نہیں آئی تھی۔ روشین آنسو بہاتی باوضو ہو کر مصلے پر آکھڑی ہوئی تو وہ

سراپا آنسو تھی اور دل محوِ مناجات۔

☆☆☆☆

اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ اب کبھی زندگی میں اس کا شازمہ بھابی سے سامنا ہوگا۔ وہ بھی اس صورت حال میں

"سنبھل کے بھئی۔ کیا حال ہیں جنابہ کے؟" اسے سہارا دے کر کھڑا کرتے ہوئے انہوں نے شگفتگی سے پوچھا تو وہ

اتنے عرصے کے بعد ایک مہربان چہرے کو سامنے دیکھ کر خود پر قابو نہ رکھ پائی۔

"بھابی..." ان سے لپٹ کے وہ موقع اور ماحول کی پروا کیے بغیر پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔

"رانیہ..." وہ ششدر تھیں۔ سراپا سوال بن گئیں۔ "کیا ہوا...؟"

مگر اس کا رونا کسی کو اچانک سامنے پا کر خوشی کے مارے رونے والا نہیں تھا۔ وہ اسے لیے اس کی فائل اور اپنا بیگ

سنبھالتی اسے قدرے کنارے پر لے آئیں۔

"کیا ہو گیا ہے' رانیہ! گھر میں سب خیریت تو ہے؟ اور تم اکیلی یہاں کیا کر رہی ہو؟"

انہیں سوال کرتے ہوئے دفعتاً دھیان آیا۔ کہاں اس کا گھر اور کہاں یہ علاقہ۔

"سب ختم ہو گیا بھابی... سب کچھ۔" وہ بلک رہی تھی۔ ان کا دل دھک سے رہ گیا۔ بغور اسے دیکھا تو پیلی رنگت اور

آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے۔ انہوں نے محبت سے اسے تھپتھپاتے ہوئے فی الفور رکشہ روکا اور اسے ایڈریس بتاتے

ہوئے رانیہ کو بھی ساتھ سوار کر لیا۔

وہ ابھی بھی روئے چلی جا رہی تھی اور شازمہ بھابی کا دل اوہام کا شکار ہو رہا تھا۔ وہ اسے اپنے ساتھ اپنے گھر لے آئیں۔

اپنے والدین کے گھر جس کا اوپری پورشن ابھی بھی کرائے پر تھا۔ نچلے پورشن میں وہ خود رہائش پذیر تھیں اور اب پہلے

سے اچھی زندگی گزار رہی تھیں۔

اس کے فربہی مائل وجود نے شازمہ بھابی کو اس کی حالت کا اندازہ فراہم کر دیا تھا۔ سو انہوں نے نڈھال ہوتی رانیہ کو

سہارا دے کر بیڈ پر بٹھایا بلکہ تکیہ کمر کے پیچھے رکھ کے زبردستی ٹیک لگوا دی۔

ابھی جی بھر کے باتیں کریں گے مگر پہلے میں تمہارے اور اپنے لیے کچھ کھانے پینے کو لے آئوں۔" وہ بے حد" اپنائیت سے کہتی اسے پیار سے تھپکتی چلی گئیں۔ رانیہ تشکر سے اوپر دیکھنے لگی۔ ابھی خدا کی زمین اچھے لوگوں سے خالی نہ ہوئی تھی۔

شازمہ بھابی جلد ہی ٹرے ہاتھوں میں لیے لوٹیں تو اس میں چائے کے دو مگ تھے اور ایک پلیٹ میں فرائیڈ رول موجود تھے اور دوسری میں بسکٹ۔

جلدی میں بس یہی ہو سکا۔ مگر پیٹ بھرنے کو کافی ہیں۔" وہ مسکرائیں۔ مقصد اس کی ذہنی حالت کو اعتدال پر لانا تھا" وگرنہ اس کی ظاہری حالت دیکھ کر تو ان کا دل بھی دھک سے رہ گیا تھا۔ مگر فی الحال انہوں نے اس سے ایک بھی لفظ پوچھے بغیر اسے زبردستی چائے پلائی اور دو چار بسکٹ بھی کسی طور کھلا ہی دیئے۔ فرائیڈ چکن رولز کو اس نے ہاتھ بھی نہ لگایا۔

چلو کچھ تو پیٹ میں گیا۔" وہ اتنے پر بھی مطمئن ہو گئیں اور اپنا چائے کا مگ خالی کر کے برتن کچن میں رکھ آئیں۔"

اب تھوڑا سا آرام کر لو' رانیہ۔" انہوں نے کہا تو اس کی آنکھیں بھر آئیں۔"

"کچھ پوچھیں گی نہیں مجھ بدنصیب سے؟"

کیا ہوا ہے' رانیہ۔ گھر میں سب خیریت ہے نا؟" وہ تو خود سارے حالات جاننے کو بے تاب تھیں اب جب کہ اس" نے خود ہی بات شروع کی تو پریشانی سے پوچھنے لگیں۔

میری قسمت میں شاید گھر اور گھر کا سکون نہیں ہے' بھابی۔" وہ دلگرفتہ تھی۔"

"ساری بات کھل کے بتائو' رانیہ۔ میرا دل گھبرا رہا ہے۔ احراز کہاں ہوتا ہے آج کل؟"

شازمہ بھابی نے بے چینی سے پوچھاتواس نے روتے ہوئے ساری الف لیلیٰ سنادی۔

شازمہ بھابی نے دل پرہاتھ رکھ لیا۔

میرے خدا۔احراز کادماغ خراب ہواتھاکیا؟" وہ بے یقین تھیں۔"

میری قسمت ہی خراب ہے' بھابی۔ کسی سے کیاگلہ۔" اتنے مہینوں میں بھی وہ سنبھل نہ پائی تھی۔آنکھیں تھیں کہ"
کسی پل خشک ہی نہ ہوتی تھیں۔

"اورگھر والوں نے کچھ نہیں کہااسے ؟"

کسی کوانہوں نے اپنی خبر دی ہوتوپتہ ہوتا۔" وہ تلخی سے بولی۔"

اور تمہیں نکال دیاوہاں سے ؟" وہ تاسف سے بولیں تورانیہ نے نفی میں سرہلایا۔"

"بلکہ اب توسب کومجھ سے ہمدردی تھی۔میں نے کون ساکبھی کسی کابراچاہایابراسوچاتھا' بھابی۔"

توپھر تم کیوں یتیم خانے میں پڑی ہو؟" وہ متعجب تھیں۔"

حالات شازمہ بھابی' حالات۔" اس نے گہری سانس بھرتے ہوئے خود کوسنبھالنے کی کوشش کی۔پھر آزردگی"
سے بولی۔"ماں باپ توتھے نہیں جن کے پاس چلی جاتی۔ساس نے میرابھلاہی سوچا

کہ چچاچچی کومیری طلاق کی خبر نہ ہونے دی ورنہ اس بارمیری واپسی میرے لیے اور بھی امتحان بن جاتی۔میرے لیے
" بھی اوران کے لیے بھی۔

مگر پھر تم ایدھی سینٹر کیوں چلی آئیں' رانیہ ؟تمہاری کوکھ میں بچہ تھااحراز کا۔وہیں رہتیں اور حق وصول کرتیں اس"
"کا۔

لحظہ بھر خاموش رہتے ہوئے رانیہ نے جیسے الفاظ جمع کیے تھے۔ یا پھر ہمت۔ پھر بھیگے لہجے میں بولی۔

''ابرار کی وجہ سے۔ وہ ایک رات اکیلے میرے کمرے میں آیا تھا۔''

شازمہ بھابی نے بے یقینی بھرے خوف سے اسے دیکھا۔ رانیہ کی آنکھوں میں ستارے چمک اٹھے تھے۔ پانی کے ستارے جنہیں دنیا آنسو کہتی ہے۔

☆☆☆☆

کیا کروں، کس سے کہوں اور کن الفاظ میں کہوں ؟ کتنے ہی سوال تھے جو اسے بن موت مار رہے تھے مگر کسی ایک کا بھی تسلی بخش جواب نہ مل رہا تھا۔

گھر والے اس کی دن بدن مرجھاتی شکل دیکھ کر پریشان تھے۔ شادی میں چار دن رہ گئے تھے اور وہ مرجھائی ہوئی کلی لگ رہی تھی۔

کیا ہے اب۔ خوش کیوں نہیں ہوتیں تم ؟'' فرحین کو غصہ آتا۔ وہ گھسیٹ گھسیٹ کر اسے پارلر لے جاتی۔ کبھی فیشل، '' کبھی پیڈی کیور و مینی کیور اور کبھی نئے ہیئر کٹ کے لیے۔ شاید اسی سے فرق پڑے۔ وہ سوچتی مگر جب اندر ہی رونقوں کے پھول نہیں کھل رہے تھے تو باہر تک مہک کیسے پہنچتی ؟

تب فرحین اس پر الٹ پڑی۔

''...فری''

آسیہ بیگم نے خفگی سے اسے دیکھا۔

اوفوہ امی ! اب اگر بندہ اپنی مرضی سے کنویں میں چھلانگ لگائے تو کم از کم بہادری سے تو لگائے۔ اپنے ساتھ'' دوسروں کو بھی ادھ موا کرنا' دیکھنے والے الگ باتیں بناتے ہیں کہ عمر جیسے امریکہ پلٹ ''شاندار'' شخص سے شادی ''ہو رہی ہے مگر روشین کے چہرے پر وہ چمک نہیں جو ہونے والی دلہن کے چہرے پر ہوتی ہے۔

وہ بھی اپنی جگہ سچی تھی۔ روشین دل مسوس کے رہ گئی۔ بھلا اس شخص کے نام سے منسوب ہونا خوشی کا باعث ہو سکتا ہے؟ اس نے تلخی سے سوچا۔ کیا اس شیطان کا نام چہرے کی چمک بننے کے قابل ہے؟

وہ جو خود سراپا تاریکی ہے وہ دوسروں کو بھلا کیا روشنی دے سکتا ہے۔ وہ تو خود اندھیرا تھا۔ بدی کا گہرا عمیق اندھیرا۔

کوئی نہیں۔ لوگوں کو تو یوں بھی باتیں بنانے کی عادت ہوتی ہے۔ ماں باپ سے بچھڑنا بھلا آسان ہوتا ہے۔" آسیہ بیگم نے سب جانتے ہوئے روشین کی حمایت کی تو ان کا لہجہ آپوں آپ بھیگ سا گیا تھا۔

"تمہاری شادی ہو پھر دیکھوں گی کتنا چمکتی ہو۔ گھر والوں کی جدائی کا اثر ہوتا ہے کہ نہیں۔"

"پھر بھی امی۔ اب بندہ ہر وقت خود کو قربانی کا بکرا سمجھے' بلبلاتا اور ہراساں ہو کر تو نہ پھرے۔"

اس کے اعتراضات بجا تھے۔ روشین بیچارگی سے اسے دیکھ کے رہ گئی۔

کل مہندی کا مشترکہ فنکشن تھا۔ عمر کی فرمائش پر مرغزار کے لان میں دلہا' دلہن کی طرف سے اکٹھا پروگرام رکھا گیا تھا۔

گھر میں تیاریاں زوروں پر تھیں اور روشین کے حواس ٹھٹھر رہے تھے۔ وہ ساکت سی سب کی تیاریاں دیکھ رہی تھی۔

سمجھ نہیں آتا روشی کیا کروں۔ تمہیں برا بھلا کہوں یا پھر اس قربانی پر گولڈ میڈل پہناؤں؟ بہت اونچی مسند پر براجمان ہو گئی ہو۔ دل نہیں چاہتا اس شادی کو شادی کہنے پر مگر صرف تمہاری محبت کی خاطر..." عادل ضبط سے لہو رنگ آنکھیں لیے اس سے کہہ کر گیا تھا اور وہ بے اختیار اس سے لپٹ کر رو دی۔

کیوں قربان ہو گئیں روشی۔ اس قدر فضول انداز میں کیوں بلیک میل ہو گئیں؟ ایک بار بس ایک بار مجھے تو کہتیں۔ کیا" سمجھتی ہو۔ خود مر کے تم ہمیں زندگی دے رہی ہو۔ جانتی نہیں ہو کہ اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچی تو ہم سب ہزار بار مریں "گے۔

مگر اب وہ کیا کرتی۔ اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا مگر وقت گزر جانے کے بعد۔ اب تو سر پر آن پڑی تھی۔

رات ابھی فرحین کمرے میں نہیں آئی تھی جب اس نے لرزتے دل کے ساتھ عمر کا موبائل نمبر ملایا۔

جواباً اُس کا بہت خوشگوار لہجہ۔

تو کیا وہ واقعی مذاق کر رہا تھا؟

پل بھر کو روشین کا دل خوش فہمی کا شکار ہوا۔

''کیسی ہو' کیا ہو رہا ہے؟''

اس طرف بھی ڈھولک بج رہی تھی' خوشیاں منائی جا رہی تھیں۔

کیا وہ یہ سب تباہ کرنے کی ہمت رکھتا ہے؟ روشین نے تیزی سے سوچا۔

اگر وہ واقعی اپنے بیہودہ مطالبے پر ڈٹا رہے اور وہ اس کی بات نہ مانے تو وہ گھر والوں کو کیا کہہ کر بارات لے جانے سے منع کر سکتا ہے؟ اس کا ذہن سرعت سے کام کر رہا تھا۔

واقعی! یہ تو اس نے سوچا ہی نہ تھا۔ اس سے منسلک روشین کا بہت بڑا رشتہ بھی تھا۔

اس کے چچا کا۔ رضوان حیات کا۔

مگر عمر کا اگلا سوال' گویا تیزاب کی صورت اس کی سماعت سے ٹکرایا۔

''خود آ رہی ہو یا میں لینے آئوں؟ ہوٹل کے کمرے کی ریزرویشن کل تک کے لیے ہے' ڈارلنگ۔''

وہ شاید ہلا گلا کرنے والوں سے ہٹ گیا تھا۔ اب پس منظر سے ابھرنے والی ڈھولک کی آواز معدوم تھی اور عمر کا لہجہ لطف اٹھانے والا۔

روشین کا دل کسی شکنجے میں کسا جانے لگا۔

شادی میں محض ایک روز باقی ہے' عمر۔ ایسے فضول مذاق مت کریں۔'' اس کا لہجہ منت بھرا تھا۔''

کون مذاق کر رہا ہے؟'' دوسری جانب سے اس کی غراہٹ ابھری تو روشین کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑ''

اٹھی۔

عمر فقط دو روز تو ہیں ہماری شادی میں۔ پھر اس فضول مطالبے کا کیا مطلب...؟'' وہ بے بسی کے مارے اس کے سامنے''
گھگھیانے لگی۔

مگر ترس تو شاید انسان کھایا کرتے ہیں۔

اس سے تم پر اچھی طرح واضح ہو گا کہ میں جو چاہتا ہوں وہ پا کر رہتا ہوں۔ تم نے میرے منہ پر تھپڑ مار کر میری غیرت''
''کو للکارا تھا' روشین سکندر۔ اب مزہ چکھو اس نافرمانی کا۔

وہ حقارت سے کہتا اپنی نام نہاد'' غیرت'' کا انوکھا پرچار کر رہا تھا۔ روشین کو دکھ کے مارے رونا آ گیا۔

یاالٰہی' یہ اس شخص کی غیرت ہے کہ میں نے اس کے ایک بے غیرتی کے پیغام کو قبول نہیں کیا؟

خدا کے لیے عمر!'' وہ منت وسماجت پر اتر آئی۔''

ایک دفعہ تو یہ نیا پار لگے۔ باپ بھائی کی عزت کا جنازہ اسی دہلیز پر نہ نکل جائے۔

خدا کو درمیان میں مت لائو۔ نفرت ہے مجھے بار بار خدا کا واسطہ دینے والوں سے۔ کرنا کرانا خود کچھ نہیں اور نام خدا''
کا۔'' وہ لرزنے لگی۔

کیسا لادین شخص تھا۔ کوئی رشتہ' کوئی روحانیت جس میں نام کو نہ تھی۔

مم... میں نہیں آسکتی' عمر۔ شادی کے بعد جیسے آپ چاہیں گے معافی مانگ لوں گی مگر میں مر کے بھی شادی سے''
''...پہلے یوں آپ کے ساتھ

اس کی آواز گھٹ سی گئی مگر وہ اس کا سارا مطلب سمجھ کر وحشیانہ انداز میں قہقہہ لگا کے ہنسا۔

میں تو چاہتا ہوں روشین سکندرِ' نہ تم آئو اور نہ بدلے میں پرسوں میں آئوں۔ بیٹھی رہو ایک کونے میں اپنے خدا کو''
لے کر۔'' وہ کفر بک رہا تھا۔

اور خدا کی لاٹھی بے آواز ہوا کرتی ہے۔ کب کہاں سر پر پڑے اور ساری فرعونیت ہوا ہو جائے کوئی نہیں جانتا۔ عمر بھی نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا کھونے اور کیا پانے جا رہا ہے۔

وہ بڑے تنفر سے اسے جتا رہا تھا۔

میری پرسوں کی امریکہ واپسی کا ٹکٹ کنفرم ہے' روشین۔ سو کل رات تک کا وقت ہے تمہارے پاس۔ آجائو تو میں"

"تمہاری خاطر چند ہزار کا نقصان برداشت کر لوں گا ورنہ تم اور تمہارا باپ ہاتھ ملو گے رشتہ ہاتھ سے نکلنے پر۔

اور میں...؟" وہ پھٹ سی پڑی۔ "آپ کا تو فقط چند ہزار ہی کا نقصان ہو گا عمر اور چند دن بعد کی سیٹ دوبارہ مل جائے" گی۔ مگر میں بہت زیادہ دیندار نہ ہوتے ہوئے بھی جانتی ہوں کہ میرے پلے کیا رہ جائے گا اس ذلت کے پل پر سے گزرنے کے بعد۔ میری تو ایک عمر کی ریاضت اکارت جائے گی۔ آئینے سے نظریں نہیں ملا پائوں گی اور آپ... ایک "آبروباختہ سے زیادہ عزت دے پائیں گے مجھے؟

سکندر حیات کے لیے عزت کوئی مسئلہ نہیں۔ تم لوگ شاید بھول گئے ہو کہ میری بہن کا رشتہ کیسے چھوڑا تھا عادل" "نے۔ اس کا رونا دیکھا ہے میں نے۔ وہ کانٹا بھی لگے ہاتھوں دل سے نکل جائے گا۔

"تمہیں بدلہ تو مجھ سے لینا ہے' عمر۔ باقی تمام کی عزت کو یوں دائو پر لگانے سے کیا حاصل۔"

اسے خدا پر بھروسہ تھا سو آخری حد تک اس کے بندے کو آزما لینا چاہتی تھی۔ اپنی طرف سے کوئی کسر نہ اٹھا رکھنا چاہتی تھی۔ نادان اور کم فہم جو تھی۔ جانتی نہیں تھی کہ اس کے بندے ایسی آزمائشوں کی نوبت ہی نہیں آنے دیتے۔

اگر وہ یوں اڑیل پن پر اتر آیا تھا تو روشین کو سمجھ لینا چاہئے تھا کہ وہ بھی مٹی کا ایک پتلا تھا۔ محض مٹی کا پتلا۔ جو کہیں سے بھی اٹھا کے گوندھا جا سکتا ہے۔

"ہنہ۔ اتنی ہی عزت کی پاسداری ہوتی تو تمہارا باپ تمہیں ہمارے آگے پیش نہ کر دیتا۔"

وہی حقارت' وہی فرعونیت۔

روشین کے وجود کے اتنے ٹکڑے ہو گئے تھے کہ خود اس سے سنبھالے نہ جا رہے تھے۔

آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھانے لگا تو وہ بیٹھی بیٹھی ایک طرف کو لڑھک گئی۔ اس کے حواس کام کرنا چھوڑ گئے تھے۔

شاید یہی انت تھا اس رشتے کا۔

"...اور شاید کہ روشین سکندر حیات کا بھی

☆☆☆☆

وہ بے خیالی میں آنسو بہاتی اپنی اور احراز کی ہنی مون کے دوران کھینچی گئی تصویروں کی البم کھولے اپنی دنیا کے لٹ جانے کا ماتم منا رہی تھی۔

فقط ایک بار ہلکے سے دروازہ کھٹکھٹا کر کھنکارتا ہوا ابرار یوں اس کے کمرے میں داخل ہوا جیسے اجازت کے تمام ضوابط پورے کر لیے ہوں۔ اس قدر اچانک آمد پر وہ نہ تو چہرے سے شکستگی کے نشان مٹا پائی اور نہ ہی اس البم کو چھپا پائی جسے چھونا اب تو اس کے لیے جرم بلکہ گناہ ہی تھا شاید۔

ابرار نے اچٹتی نگاہ البم پر ڈالی۔ تب وہ حواس میں لوٹی اور البم بند کر کے پرے دھکیل دیا اور گڑبڑا کر اپنا دوپٹہ درست کرنے لگی۔

میں نے دروازہ کھٹکھٹایا تھا۔" وہ اسے بتا رہا تھا۔"

جی... شاید مجھے آواز نہیں آئی۔" وہ ہکلا کر رہ گئی۔"

ابرار نے ثانیہ بھر اس کی شکل دیکھ کر تاسف سے کہا۔

""کیا حالت بنالی ہے تم نے اپنی۔ کیوں اپنی زندگی یوں برباد کرنے پر تلی ہو۔"

وہ آج اچانک ہی اس کے سامنے "تم" پر اترا تو رانیہ کو احساس ہوا کہ وہ کون کون سا رشتہ کھو چکی ہے۔ مگر اب وہ اسے کیا سمجھانے آیا تھا۔

وہ منہ اٹھا کے اسے دیکھنے لگی۔

جس سے تمہارا شرعی رشتہ تھا وہ ختم ہو چکا۔ اب یہاں اپنی عمر کاہے کو برباد کرتی ہو۔ جاؤ واپس لوٹ جاؤ اور اپنی"

زندگی نئے سرے سے گزارو۔'' وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔
رانیہ کو سمجھنے میں مشکل پیش آئی کہ اس کے لب و لہجے میں ہمدردی کا عنصر تھا بھی یا نہیں۔
میں کہاں لوٹ کے واپس جائوں' ابرار بھائی۔ واپس تو وہ لوٹتی ہیں جو وداع ہوتے ہوئے باپ بھائی کا مان ساتھ لاتی''
ہیں۔ میرا تو پیچھے کوئی نہیں۔ آپ تو سب جانتے ہیں اچھی طرح۔''اس کی آواز بھرا گئی تھی۔
مگراب یہاں بھی کون رہ گیا ہے تمہارا؟'' وہ یوں ایک دم سے جھنجلا گیا جیسے رانیہ کی بحث پسند نہ آئی ہو۔''
امی نے خود سے مجھے کہا ہے کہ میں یہاں رہ سکتی ہوں۔'' وہ آنے والے وقت کی چاپ سن کر خوفزدہ سی ہو گئی۔ پیٹ''
پر ہاتھ رکھ کر یہ نہ کہہ سکتی تھی کہ میرے نہ سہی اس کے تو بہت سے رشتے ہیں یہاں۔ میں تو چلی ہی جائوں مگر یہ...
''اس کا ٹھکانا کیا؟

جب کوئی جانتے بوجھتے اندھا بن رہا ہو تو اسے راہ دکھانے سے کیا حاصل۔
''وہ بھی مجبور ہیں انسانیت سے اور بس۔ ورنہ تمہیں دیکھ کے بس ان کے غم ہی میں اضافہ ہوتا ہے اور کچھ نہیں۔''
وہ اپنے مخصوص اکھڑ لہجے میں لگی لپٹی رکھے بغیر بولا تو رانیہ کے پاس جیسے الفاظ ختم ہو گئے۔ شرمندگی کا ان دیکھا حصار
اسے اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھا۔

اس نے تو سوچا تھا کہ باقی کی زندگی اب اسی گھر کے کسی کونے میں خاموشی سے گزار دے گی مگر اس طرح کی صورت
حال کا بھی سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ ابرار یوں اٹھ کر اس کے سامنے آ کھڑا ہو گا یہ اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ چند لمحوں کی
خاموشی سے وہ اس کی شکست کا راز پا گیا۔ وہ خاموش بیٹھی محض آنسو بہا رہی تھی اور کچھ نہیں۔ تب وہ خود ہی گویا ہوا۔
''کل کو جب بھائی لوٹے تب بھی یہی ہونا ہے' رانیہ۔ سو کٹھن ہی سہی مگر کوئی نہ کوئی فیصلہ تو تمہیں کرنا ہی ہے۔''
رانیہ کے آنسو اور تیز ہوئے۔
اب بھلا وہ کیوں لوٹنے لگا جو زنجیر تھی پائوں کی وہ تو کاٹ دی ہے اس نے۔
ہاں' ایک حل ہو سکتا ہے جو میں نے سوچا ہے۔'' اس کے بعد نہ صرف تم پہلے کی طرح سر اٹھا کے یہاں رہ سکتی''

ہو بلکہ تمہاری حیثیت پر بھی کوئی انگلی نہیں اٹھا سکے گا۔" ابرار نے یکلخت ہی امید کا سرا پھر سے اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا تو وہ بے اختیار ہی اسے دیکھنے لگی۔

وہ کھنکھارا۔"اگر تم اس گھر میں رہنا ہی چاہتی ہو تو اس بے نام اور بے مقصد تعلق سے بہتر ہے کہ اسے کوئی واضح نام اور حیثیت دے دی جائے۔ آج گھر والوں کو تم سے ہمدردی ہے تو محض اس لیے کہ سبھی کا دکھ تازہ ہے۔ کل کو جب بات ذرا پرانی ہو گی تو سب کو احساس ہو گا کہ اب تم بوجھ بن گئی ہو۔ تمہارا خرچہ کون اٹھائے گا۔ بچے کی ضروریات اور اخراجات..."

وہ کہہ رہا تھا اور شاید غلط نہیں کہہ رہا تھا۔ مگر رانیہ کو ان الفاظ اور اس تمہید کے در پردہ مطلب کو سمجھنے میں دشواری پیش آ رہی تھی۔ وہ بھی شاید اس کی مشکل کو سمجھ گیا تھا۔ تبھی قدرے توقف کے بعد سپاٹ لہجے میں بولا۔

"اس گھر میں باعزت طریقے سے رہنے کا ایک ہی حل ہے تمہارے پاس۔ مجھ سے شادی کر لو۔"

ابرار کی آفر نہیں' ایک دھماکا تھا جو رانیہ کے آس پاس کہیں ہوا اور تمام رشتوں اور ان کے مان کے پرخچے اڑا گیا۔ رانیہ سکتے میں تھی اور ابرار لوٹ گیا تھا۔

"اب آپ ہی بتائیں بھابی' اس گھر میں رہنے کی کوئی صورت بنتی تھی۔ خدا معاف کرے۔ ابرار بھائی کو ہمیشہ میں نے دل سے بھائی مانا ہے۔ بھلا اس بارے میں سوچ سکتی تھی میں۔ اس لیے بہتر سمجھا کہ کسی شیطانی شر کے پھیلنے سے پہلے ہی وہاں سے نکل آؤں۔"

وہ آنسو بہاتی انہیں اپنی داستان غم سنا رہی تھی۔ انہیں ابرار کی پیشکش یا اس کی سوچ میں کوئی عظمت دکھائی نہیں دی۔

پل بھر کو روشین کا دل خوش فہمی کا شکار ہوا۔

"کیسی ہو' کیا ہو رہا ہے؟"

اس طرف بھی ڈھولک بج رہی تھی' خوشیاں منائی جا رہی تھیں۔

کیا وہ یہ سب تباہ کرنے کی ہمت رکھتا ہے؟ روشین نے تیزی سے سوچا۔

اگر وہ واقعی اپنے بیہودہ مطالبے پر ڈٹا رہے اور وہ اس کی بات نہ مانے تو وہ گھر والوں کو کیا کہہ کر بارات لے جانے سے منع کر سکتا ہے؟ اس کا ذہن سرعت سے کام کر رہا تھا۔

واقعی! یہ تو اس نے سوچا ہی نہ تھا۔ اس سے منسلک روشین کا بہت بڑا رشتہ بھی تھا۔

اس کے چچا کا۔ رضوان حیات کا۔

مگر عمر کا اگلا سوال، گویا تیزاب کی صورت اس کی سماعت سے ٹکرایا۔

"خود آرہی ہو یا میں لینے آئوں؟ ہوٹل کے کمرے کی ریزرویشن کل تک کے لیے ہے، ڈارلنگ۔"

وہ شاید ہلا گلا کرنے والوں سے ہٹ گیا تھا۔ اب پس منظر سے ابھرنے والی ڈھولک کی آواز معدوم تھی اور عمر کا لہجہ لطف اٹھانے والا۔

روشین کا دل کسی شکنجے میں کسا جانے لگا۔

"شادی میں محض ایک روز باقی ہے، عمر۔ ایسے فضول مذاق مت کریں۔" اس کا لہجہ منت بھرا تھا۔

"کون مذاق کر رہا ہے؟" دوسری جانب سے اس کی غراہٹ ابھری تو روشین کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑ اٹھی۔

"عمر فقط دو روز تو ہیں ہماری شادی میں۔ پھر اس فضول مطالبے کا کیا مطلب...؟" وہ بے بسی کے مارے اس کے سامنے گھگھیانے لگی۔

مگر ترس تو شاید انسان کھایا کرتے ہیں۔

"اس سے تم پر اچھی طرح واضح ہو گا کہ میں جو چاہتا ہوں وہ پا کر رہتا ہوں۔ تم نے میرے منہ پر تھپڑ مار کر میری غیرت کو للکارا تھا، روشین سکندر۔ اب مزہ چکھو اس نافرمانی کا۔"

وہ حقارت سے کہتا اپنی نام نہاد ''غیرت'' کا انوکھا پرچار کر رہا تھا۔ روشین کو دکھ کے مارے رونا آگیا۔

یاالٰہی' یہ اس شخص کی غیرت ہے کہ میں نے اس کے ایک بے غیرتی کے پیغام کو قبول نہیں کیا؟

خدا کے لیے عمر!'' وہ منت وسماجت پر اتر آئی۔ ''

ایک دفعہ تو یہ نیا پار لگے۔ باپ بھائی کی عزت کا جنازہ اسی دہلیز پر نہ نکل جائے۔

خدا کو درمیان میں مت لائو۔ نفرت ہے مجھے بار بار خدا کا واسطہ دینے والوں سے۔ کرنا کرانا خود کچھ نہیں اور نام خدا''

کا۔'' وہ لرزنے لگی۔

کیسا لادین شخص تھا۔ کوئی رشتہ' کوئی روحانیت جس میں نام کو نہ تھی۔

مم... میں نہیں آسکتی' عمر۔ شادی کے بعد جیسے آپ چاہیں گے معافی مانگ لوں گی مگر میں مر کے بھی شادی سے''

''...پہلے یوں آپ کے ساتھ

اس کی آواز گھٹ سی گئی مگر وہ اس کا سارا مطلب سمجھ کر وحشیانہ انداز میں قہقہہ لگا کے ہنسا۔

میں تو چاہتا ہوں روشین سکندرِ' نہ تم آئو اور نہ بدلے میں پرسوں میں آئوں۔ بیٹھی رہو ایک کونے میں اپنے خدا کو''

لے کر۔'' وہ کفر بک رہا تھا۔

اور خدا کی لاٹھی بے آواز ہوا کرتی ہے۔ کب کہاں سر پر پڑے اور ساری فرعونیت ہوا ہو جائے کوئی نہیں جانتا۔ عمر بھی

نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا کھونے اور کیا پانے جا رہا ہے۔

وہ بڑے تنفر سے اسے جتا رہا تھا۔

میری پرسوں کی امریکہ واپسی کا ٹکٹ کنفرم ہے' روشین۔ سو کل رات تک کا وقت ہے تمہارے پاس۔ آجائو تو میں''

''تمہاری خاطر چند ہزار کا نقصان برداشت کر لوں گا ورنہ تم اور تمہارا باپ ہاتھ ملو گے رشتہ ہاتھ سے نکلنے پر۔

اور میں...؟'' وہ پھٹ سی پڑی۔ ''آپ کا تو فقط چند ہزار ہی کا نقصان ہو گا عمر اور چند دن بعد کی سیٹ دوبارہ مل جائے''

گی۔ مگر میں بہت زیادہ دیندار نہ ہوتے ہوئے بھی جانتی ہوں کہ میرے پلے کیا رہ جائے گا اس ذلت کے پل پر سے گزرنے کے بعد۔ میری تو ایک عمر کی ریاضت اکارت جائے گی۔ آئینے سے نظریں نہیں ملا پاؤں گی اور آپ... ایک آبرو باختہ سے زیادہ عزت دے پائیں گے مجھے؟"

"سکندر حیات کے لیے عزت کوئی مسئلہ نہیں۔ تم لوگ شاید بھول گئے ہو کہ میری بہن کا رشتہ کیسے چھوڑا تھا عادل نے۔ اس کا رونا دیکھا ہے میں نے۔ وہ کانٹا بھی لگے ہاتھوں دل سے نکل جائے گا۔"

"تمہیں بدلہ تو مجھ سے لینا ہے' عمر۔ باقی تمام کی عزت کو یوں داؤ پر لگانے سے کیا حاصل۔"

اسے خدا پر بھروسہ تھا سو آخری حد تک اس کے بندے کو آزما لینا چاہتی تھی۔ اپنی طرف سے کوئی کسر نہ اٹھا رکھنا چاہتی تھی۔ نادان اور کم فہم جو تھی۔ جانتی نہیں تھی کہ اس کے بندے ایسی آزمائشوں کی نوبت ہی نہیں آنے دیتے۔

اگر وہ یوں اڑیل پن پر اتر آیا تھا تو روشین کو سمجھ لینا چاہئے تھا کہ وہ بھی مٹی کا ایک پتلا تھا۔ محض مٹی کا پتلا۔ جو کہیں سے بھی اٹھا کے گوندھا جا سکتا ہے۔

"ہنہ۔ اتنی ہی عزت کی پاسداری ہوتی تو تمہارا باپ تمہیں ہمارے آگے پیش نہ کر دیتا۔"

وہی حقارت' وہی فرعونیت۔

روشین کے وجود کے اتنے ٹکڑے ہو گئے تھے کہ خود اس سے سنبھالے نہ جا رہے تھے۔

آنکھوں کے آگے اندھیرا سا چھانے لگا تو وہ بیٹھی بیٹھی ایک طرف کو لڑھک گئی۔ اس کے حواس کام کرنا چھوڑ گئے تھے۔

شاید یہی انت تھا اس رشتے کا۔

"...اور شاید کہ روشین سکندر حیات کا بھی"

☆☆☆☆

وہ بے خیالی میں آنسو بہاتی اپنی اور احراز کی ہنی مون کے دوران کھینچی گئی تصویروں کی البم کھولے اپنی دنیا کے لٹ جانے کا ماتم منا رہی تھی۔

فقط ایک بار ہلکے سے دروازہ کھٹکھٹا کر کھنکارتا ہوا ابرار یوں اس کے کمرے میں داخل ہوا جیسے اجازت کے تمام ضوابط پورے کر لیے ہوں۔ اس قدر اچانک آمد پر وہ نہ تو چہرے سے شکستگی کے نشان مٹا پائی اور نہ ہی اس البم کو چھپا پائی جسے چھونا اب تو اس کے لیے جرم بلکہ گناہ ہی تھا شاید۔

ابرار نے اچٹتی نگاہ البم پر ڈالی۔ تب وہ حواس میں لوٹی اور البم بند کر کے پرے دھکیل دیا اور گڑبڑا کر اپنا دوپٹہ درست کرنے لگی۔

میں نے دروازہ کھٹکھٹایا تھا۔'' وہ اسے بتا رہا تھا۔ ''جی... شاید مجھے آواز نہیں آئی۔'' وہ ہکلا کر رہ گئی۔ ابرار نے ثانیہ'' بھر اس کی شکل دیکھ کر تاسف سے کہا۔ ''کیا حالت بنالی ہے تم نے اپنی۔ کیوں اپنی زندگی یوں برباد کرنے پر تلی ہو۔'' وہ آج اچانک ہی اس کے سامنے ''تم'' پر اترا تو رانیہ کو احساس ہوا کہ وہ کون کون سا رشتہ کھو چکی ہے۔ مگر اب وہ اسے کیا سمجھانے آیا تھا۔ وہ منہ اٹھا کے اسے دیکھنے لگی۔ ''جس سے تمہارا شرعی رشتہ تھا وہ ختم ہو چکا۔ اب یہاں اپنی عمر کاہے کو برباد کرتی ہو۔ جاؤ واپس لوٹ جاؤ اور اپنی زندگی نئے سرے سے گزارو۔'' وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ رانیہ کو سمجھنے میں مشکل پیش آئی کہ اس کے لب و لہجے میں ہمدردی کا عنصر تھا بھی یا نہیں۔ ''میں کہاں لوٹ کے واپس جاؤں' ابرار بھائی۔ واپس تو وہ لوٹتی ہیں جو وداع ہوتے ہوئے باپ بھائی کا مان ساتھ لاتی ہیں۔ میرا تو پیچھے کوئی نہیں۔ آپ تو سب جانتے ہیں اچھی طرح۔'' اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ ''مگر اب یہاں بھی کون رہ گیا ہے تمہارا؟'' وہ یوں ایک دم سے جھنجلا گیا جیسے رانیہ کی بحث پسند نہ آئی ہو۔ ''امی نے خود سے مجھے کہا ہے کہ میں یہاں رہ سکتی ہوں۔'' وہ آنے والے وقت کی چاپ سن کر خوفزدہ سی ہو گئی۔ پیٹ پر ہاتھ رکھ کر یہ نہ کہہ سکتی تھی کہ میرے نہ سہی اس کے تو بہت سے رشتے ہیں یہاں۔ میں تو چلی ہی جاؤں مگر یہ... اس کا ٹھکانا کیا؟'' جب کوئی جانتے بوجھتے اندھا بن رہا ہو تو اسے راہ دکھانے سے کیا حاصل۔ ''وہ بھی مجبور ہیں انسانیت سے اور بس۔ ورنہ تمہیں دیکھ کے بس ان کے غم ہی میں اضافہ ہوتا ہے اور کچھ نہیں۔'' وہ اپنے مخصوص اکھڑ لہجے میں لگی لپٹی رکھے بغیر بولا تو رانیہ کے پاس جیسے الفاظ ختم ہو گئے۔

شرمندگی کا ان دیکھا حصار اسے اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھا۔

اس نے تو سوچا تھا کہ باقی کی زندگی اب اسی گھر کے کسی کونے میں خاموشی سے گزار دے گی مگر اس طرح کی صورت حال کا بھی سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ ابرار یوں اٹھ کر اس کے سامنے آ کھڑا ہو گا یہ اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ چند لمحوں کی خاموشی سے وہ اس کی شکست کا راز پا گیا۔ وہ خاموش بیٹھی محض آنسو بہا رہی تھی اور کچھ نہیں۔ تب وہ خود ہی گویا ہوا۔

''کل کو جب بھائی لوٹے تب بھی یہی ہونا ہے' رانیہ۔ سو کٹھن ہی سہی مگر کوئی نہ کوئی فیصلہ تو تمہیں کرنا ہی ہے۔''

رانیہ کے آنسو اور تیز ہوئے۔

اب بھلا وہ کیوں لوٹنے لگا جو زنجیر تھی پاؤں کی وہ تو کاٹ دی ہے اس نے۔

ہاں' ایک حل ہو سکتا ہے جو میں نے سوچا ہے۔'' اس کے بعد نہ صرف تم پہلے کی طرح سر اٹھا کے یہاں رہ سکتی'' ہو بلکہ تمہاری حیثیت پر بھی کوئی انگلی نہیں اٹھا سکے گا۔'' ابرار نے یکلخت ہی امید کا سرا پھر سے اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا تو وہ بے اختیار ہی اسے دیکھنے لگی۔

وہ کھنکھارا۔'' اگر تم اس گھر میں رہنا ہی چاہتی ہو تو اس بے نام اور بے مقصد تعلق سے بہتر ہے کہ اسے کوئی واضح نام اور حیثیت دے دی جائے۔ آج گھر والوں کو تم سے ہمدردی ہے تو محض اس لیے کہ سبھی کا دکھ تازہ ہے۔ کل کو جب بات ذرا پرانی ہو گی تو سب کو احساس ہو گا کہ اب تم بوجھ بن گئی ہو۔ تمہارا خرچہ کون اٹھائے گا۔ بچے کی ضروریات اور اخراجات...''

وہ کہہ رہا تھا اور شاید غلط نہیں کہہ رہا تھا۔ مگر رانیہ کو ان الفاظ اور اس تمہید کے درپردہ مطلب کو سمجھنے میں دشواری پیش آ رہی تھی۔ وہ بھی شاید اس کی مشکل کو سمجھ گیا تھا۔ تبھی قدرے توقف کے بعد سپاٹ لہجے میں بولا۔

''اس گھر میں باعزت طریقے سے رہنے کا ایک ہی حل ہے تمہارے پاس۔ مجھ سے شادی کر لو۔''

ابرار کی آفر نہیں' ایک دھماکا تھا جو رانیہ کے آس پاس کہیں ہوا اور تمام رشتوں اور ان کے مان کے پرخچے اڑ گیا۔ رانیہ

سکتے میں تھی اور ابرار لوٹ گیا تھا۔

"اب آپ ہی بتائیں بھابی' اس گھر میں رہنے کی کوئی صورت بنتی تھی۔ خدا معاف کرے۔ ابرار بھائی کو ہمیشہ میں نے دل سے بھائی مانا ہے۔ بھلا اس بارے میں سوچ سکتی تھی میں۔ اس لیے بہتر سمجھا کہ کسی شیطانی شر کے پھیلنے سے پہلے ہی وہاں سے نکل آئوں۔"

وہ آنسو بہاتی انہیں اپنی داستان غم سنا رہی تھی۔ انہیں ابرار کی پیشکش یا اس کی سوچ میں کوئی عظمت دکھائی نہیں دی۔ یہ تو دیوار گرتے ہی رستہ بنانے والی بات کی تھی اس نے۔ ایک لڑکی جسے حمل کی حالت میں اس کے شوہر نے طلاق دے دی ہو۔ اس پر اسے ہمدردی کے طور پر گھر میں پناہ دینا بلکہ اپنی آنے والی نسل سے ہمدردی رکھنے کی بجائے اسے ایسی آفر کرنا کہیں سے بھی انسانیت نہیں کہلاتا تھا اور کیسا گناہ عظیم سرزد ہوا تھا ابرار سے کہ اس کی عدت کی پروا کیے بغیر وہ اسے شادی کا پیغام دے رہا تھا۔

مذہب سے دوری بھی بعض اوقات کیسے کیسے گناہ سرزد کرا دیتی ہے کہ انسان کو اپنی جذباتیت میں پتہ بھی نہیں چلتا۔

"تم گھر میں بات تو کرتیں۔ یوں خدانخواستہ کہیں غلط ہاتھوں میں پڑ جاتیں تو؟" انہوں نے سوچوں میں الجھتے ہوئے ذہن کو جھٹک کر اسے سرزنش کی تھی۔

"میں وہاں کا ماحول یا ان کے آپس کے رشتے کو خراب نہیں کرنا چاہتی تھی بھابی اور ایک بار ابرار بھائی کے منہ سے ایسی بات نکل جاتی تو پھر اس بات کے پھیلاوے کو سمیٹنا کتنا مشکل ہو جاتا۔ چاہے میں اس پر متفق نہ ہوتی مگر پھر ان کا بار بار سامنا کرنا پہلے جیسی سوچ نہ رکھتا۔ بس کسی طوفان کے آنے سے پہلے میں نے جو مناسب سمجھا اپنے رب کی مدد سے فیصلہ کر لیا۔"

اپنی جگہ وہ بھی سچی تھی۔ ایک دفعہ اگر ابرار نے یہ بات کر ہی دی تھی تو اس کے پیچھے اس کی سوچ کارفرما تھی اور جب سوچ میں موجود رشتے میں روحانیت نہ رہی تھی تو وہ بار بار کس ہمت سے اس کا سامنا کرتی۔ سو وہاں سے نکل کر زندگی

کو خود پر آزما لینے ہی میں بھلائی سمجھی۔

احراز کو میں ان سب سے بہت الگ سمجھتی تھی مگر وہ تو بہت ہی گھٹیا نکلا۔ اتنی چھوٹی سی بات کو انا کا مسئلہ بنا کر طلاق" جیسا فعل۔" شازمہ بھابی نے تاسف سے کہا۔

ابرار بھائی نے بتایا کہ وہاں وہ ایلزبتھ کے ساتھ دیکھے گئے تھے اور شروع میں مجھے شبینہ نے بھی بتایا تھا اس کے بارے" میں۔" وہ رندھے لہجے میں بولی تو انہوں نے اسے ٹوک دیا۔

لوگ وہاں یہاں دو دو بیویاں بھی تو رکھتے ہیں۔ رانیہ وہ چاہتا تو ایلزبتھ کو رکھنے کے ساتھ ساتھ یہاں تم سے بھی نباہ" "کر سکتا تھا مگر اس نے تو یوں دھاگے تڑوائے ہیں کہ کچھ سمجھ ہی نہیں آتی۔

میری قسمت۔" اس کا حلق آنسوئوں سے نمکین ہونے لگا۔ "اور آنے والا بھی شاید میری ہی قسمت لے کر آرہا" "ہے۔

اچھا اب کفر مت بولو۔ آنے والے وقت کی پیشن گوئی ہم نہیں کر سکتے۔ جو ہونا تھا ہو چکا۔ باقی خدا جانتا ہے کیا ہونے" والا ہے۔" وہ اسے ٹوک گئیں۔

مگر میرا کیا قصور تھا بھابی۔ زندگی کی کڑی دھوپ میں احراز کو گھنا سایہ سمجھ لینا۔ یہ قصور تھا میرا؟ میں نے خدا سے کہا" تھا مجھے فقط احراز دے دے۔ میں اس سے اور کچھ نہیں مانگوں گی اور واقعی میں نے اور کچھ نہیں مانگا۔ اس کے خزانے "میں کس بات کی کمی تھی۔

کتنے بھولے ہیں ہم لوگ۔" اس کی بات سن کر شازمہ بھابی افسوس سے ہاتھ ملنے لگیں۔"

ارے جب جانتی ہو اس کی سلطنت لازوال اور اس کے خزانے بے پایاں ہیں تو مانگنے میں اتنی اکڑ کیوں؟ فقط یہ دے" دو' وہ نہیں مانگوں گی۔ یا وہ دے دو تو آئندہ کچھ طلب نہیں کروں گی۔ اس کی رحمت سے مایوسی کیوں؟ مانگتے ہوئے

اس کی رحمانیت' اس کی کریمی پر شک کیوں؟ کیا وہ تمہیں فقط احراز ہی دے سکتا تھا؟(نعوذ باللہ) اگر احراز کے ساتھ ساتھ تم اپنی دائمی خوشیوں کی بھیک مانگتی رہتیں تو کیا اس کے خزانے میں کمی آجاتی؟ اس کی رحمت کو ہمیشہ بے پایاں جان کر اور حق دعوے کے ساتھ مانگنا چاہئے کہ اے رب تجھ سے نہ مانگوں تو اور کون ہے میری جھولی بھرنے والا۔ تجھی سے مانگا ہے اور تجھی دو گے۔ مگر تم فقط احراز کو مانگ کے مطمئن تھیں کہ اب باقی سب خوشیاں' سکھ فقط وہی تمہیں دے گا۔"

وہ گرم و خشک لہجے میں تاسف سموئے اسے اس کی غلطی کا احساس دلا رہی تھیں۔

اور رانیہ احساسِ ندامت کا شکار' پشیمانی میں مبتلا مگر فقط ہاتھ ملنے پر مجبور۔ کیسی غلطی ہوئی تھی اس سے۔

واقعی۔ خدا سے یہی دعا تو کی تھی اس نے کہ اے رب میں تجھ سے فقط احراز مانگتی ہوں اور کچھ نہ مانگوں گی۔

"اسی لیے تو انسان خسارے میں ہے' رانیہ۔ بندوں کو خدا بنائے ان سے امیدیں لگا بیٹھتا ہے۔ خدا سے مانگو۔ بار بار مانگو۔ ڈھیٹ بن کے اس مان کے ساتھ مانگو کہ میں لے کے ہی تیری بارگاہ سے اٹھوں گی تو مانگنے کا بھی مزہ ہے اور مانگنے والے کی عاجزی دیکھ کر دینے کا بھی۔"

رانیہ کو اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا۔ مگر شاید اب بہت دیر ہو چکی تھی۔

وہ خاموشی سے بیٹھی آنسو بہا رہی تھی۔ شازمہ بھابی نے اپنی جذباتیت پر قابو پاتے ہوئے اسے ساتھ لگا کر تھپکا۔

"چلو جو ہوا سو ہوا۔ جب زندگی یوں مقابلے پر اتر آئے تو اس کا سامنا بہادری سے کرنا چاہئے ورنہ آنے جانے والے تو کچل کر گزر جاتے ہیں۔"

"میں اتنی بہادر کہاں ہوں بھابی۔ خدا سے بڑھ کے میرا کون واقفِ حال ہے۔"

"یہ اس کی آزمائش سمجھو اور وہ تم پر تمہاری استطاعت سے بڑھ کے آزمائش نہ ڈالے گا۔ وہ تم سے بہتر واقف حال ہے بہر حال۔" انہوں نے سنجیدگی سے مختصراً کہتے ہوئے بات ختم کر دی تھی۔

پھر یونہی تبصرہ کرنے لگیں۔ ''میں بھی کافی عرصے سے احراز کی فیملی سے واقف ہوں۔ چند بار ہی سہی مگر احراز سے ہونے والی ہر ملاقات نے مجھ پر اسے ہمیشہ ایک مخلص اور عزت کرنے والے شخص کے روپ ہی میں آشکار کیا۔ بلکہ اس کی نسبت ابرار مجھے ہلکی شخصیت کا مالک لگتا تھا۔ باہر بھی اس کا اٹھنا بیٹھنا سنا ہے اچھے لڑکوں کے ساتھ نہیں تھا۔ روز روز نئے کاروبار کے نام پر پیسے لینا اور ڈبونا۔ یہ دو ہی

کام تھے اس کے یا پھر باہر جانے کا جنون سر پر اس بری طرح سوار تھا کہ گھر والے بھی تنگ آئے رہتے تھے۔ ہر بار احراز کے آنے پر یہ لڑائی تو ضرور ہی ہوتی کہ وہ ابرار کو وہاں کیوں نہیں بلا لیتا۔ اس کے برعکس اس گھر میں احراز کی تو میں نے تعریفیں ہی سنی تھیں۔ سوتیلا ہونے کے باوجود باپ کے مرنے کے بعد سے اس نے سب کو سگوں سے بڑھ کے سمیٹ کے رکھا ہوا تھا۔ پھر اچانک یہ سب کیا ہو گیا۔ تمہیں تو چھوڑا ہی' گھر والوں سے بھی ناتے توڑ لیے۔ یہ بہت حیرت کی بات ہے۔''

وہ کہہ رہی تھیں اور رانیہ کا ذہن جیسے ایک ہی بات پر اٹک گیا۔

''سوتیلا؟ کون۔ کس کی بات کر رہی ہیں آپ؟''

انہوں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ''احراز' تمہیں نہیں پتہ؟'' انہوں نے تحیر سے پوچھا۔ پھر خود ہی بتانے لگیں۔

''واقعی۔ جب تک کسی کو بتایا نہ جائے پتہ ہی کہاں چلتا ہے۔ رشیدہ بیگم احراز کی ماں نہیں ہیں۔ وہ ان کے شوہر کی پہلی بیوی کی اولاد تھا۔ ابرار' نگینہ اور شبینہ البتہ سگے بہن بھائی ہیں۔ مگر پیار سب میں سگوں سے بڑھ کے ہے۔ احراز نے کسی کو کبھی سوتیلے پن کا احساس نہیں دلایا کہ مائیں نہ سہی باپ تو سبھی کا ایک ہی تھا۔''

رانیہ متحیر تھی۔ اتنے مہینوں میں اسے تو ایک پل کو بھی احساس نہ ہوا تھا کہ وہاں سگے سوتیلے کا بھی کوئی چکر ہے۔

"بہر حال۔ تمہارا تو مسئلہ ہی دوسرا ہے۔ گھر والوں کو سوتیلا پن دکھانے کی نوبت ہی نہیں آئی۔" شازمہ بھابی نے گہری سانس بھر کے کہا تھا۔ وہ چپ کی چادر تانے بیٹھی رہی۔

"تھوڑی دیر آرام کر لو۔ پھر میں تمہارے ساتھ چلوں گی اور سینٹر والوں کی اجازت سے اگر تمہارا کچھ ضروری سامان ہے تو لے کر میرے ساتھ آ جائو۔ ایک سے دو بھلے۔" وہ اطمینان سے بولیں۔

رانیہ شرمندہ سی ہونے لگی۔ "نہیں بھابی۔ آپ نے اتنی ہمدردی کر لی۔ زخموں پر پھاہے رکھ دیئے اتنا ہی کافی ہے۔" ویسے بھی میں نوکری ڈھونڈ رہی ہوں۔

"نوکری کون سا یہاں رہ کے نہیں ڈھونڈی جا سکتی اور یہ تم زیادہ سیانی بننے کی کوشش مت کرو۔ جو میں نے کہا ہے یعنی" "تمہاری آپا نے وہ کرو۔

وہ اس کے اعتراض کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے رعب سے بولیں۔

"آج وہاں جگہ مل گئی ہے۔ کل وہاں بھی نہ ملی تو کہاں جائوں گی میں؟"

وہ آنسو پیتے ہوئے بولی تو انہوں نے افسوس بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

"میری محبت اور بے غرضی پہ شک کر رہی ہو؟ اور کل کس نے دیکھی ہے۔ جب آئے گی تو دیکھا جائے گا۔ فی الحال تو وہی کرو جو میں کہہ رہی ہوں۔ نہیں تو آرام سے یہاں بیٹھی رہو واپس جانے اور تکلفات میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہاں تو روزانہ پتہ نہیں کتنے لوگ آتے اور جاتے رہتے ہیں۔" وہ بے پروائی سے بولیں تو اس نے خاموشی سے ان کی بے غرض محبت کے آگے ہتھیار ڈال دیئے۔

رانیہ کے ساتھ جا کر وہ واقعی تمام فارملیٹیز نبھا کر اس کا مختصر سا سامان لیے اسے اپنے ساتھ لے آئیں۔

زندگی اب کے جانے کیسی کروٹ لینے والی تھی۔

☆☆☆☆

روشین کی بیہوشی اور نروس بریک ڈاؤن ہوتے ہوتے رہ جانا سبھی کے لیے دھچکا ثابت ہوا تھا۔

جسے کل مایوں کی دلہن بننا تھا وہ رات اسپتال میں ایڈمٹ رہی۔

سب کی دوڑ ہی تو لگ گئی۔ فرحین کمرے میں آئی تو پہلے یہی سمجھی کہ وہ بیٹھے بیٹھے سو گئی ہے مگر پھر اس کا غیر فطری سا انداز فرحین کو متوحش کر گیا۔ جھنجوڑنے پر بھی وہ نہیں اٹھی تو فرحین نے چیخ چیخ کر سب کو اکٹھا کر لیا۔ عادل فوراً گاڑی نکالنے بھاگا۔ منٹوں میں میں وہ اسپتال پہنچ گئی تھی۔

رات بھر انڈر ٹریٹمنٹ رہنے کے بعد صبح تک وہ کافی بہتر حالت میں تھی۔ مگر بے حد خاموش۔ ساکت و جامد' کسی بت کی مانند۔

خود سکندر حیات جیسے پتھر دل آدمی کا دل اسے دیکھ کر پہلی بار ایک باپ کے دل کی طرح پگھلنے لگا۔

ان کی ایک فضول سی ضد نے ان کی بیٹی کو کس حال میں پہنچا دیا تھا۔ بھائی اور اس کی فیملی کے تیور تو ان کے سامنے ہی تھے مگر اب پچھتائے کیا ہوت۔

چچا کی فیملی کو اطلاع تو رات ہی کو کر دی گئی تھی مگر وہ لوگ پہنچے صبح ہی تھے۔

عمر ندارد۔

وہ شادی کی تیاریوں میں مصروف ہے۔" چچی جان نے اطمینان سے بتایا۔"

سبحان اللہ۔" عادل لب بھینچ کر وہاں سے ہٹ گیا۔ خوامخواہ فشار خون بلند کرنے سے کیا حاصل۔"

آج کل کی لڑکیوں کو تو شوق ہے فاقے کرنے کا۔ بھئی جنہوں نے پسند کر لیا وہ رخصت کرا کے لے بھی جائیں گے' "

"مگر نہ جی۔ ڈائٹنگ کر کر کے اسپتال میں آ پڑتی ہیں۔

چچی جان ناگواری سے اپنی کہے جا رہی ہیں۔ آسیہ بیگم نم آنکھیں لیے تسبیح پڑھتی جا رہی تھیں۔ اب ان فضول باتوں کے

جواب میں کچھ کہتیں بھی تو وہ گستاخی کے مترادف ہوتا۔

فرحین اندر مسلسل روشین کی دلجوئی میں مصروف تھی۔

آئم سوری روشی۔ بہت بری ہوں نا میں۔ ایسے ہی اپنی اکڑ میں تمہیں اکیلا چھوڑ دیا حالانکہ مجھے پتہ بھی ہے کہ تمہیں "
اپنا دھیان رکھنا بالکل بھی نہیں آتا۔ یہ میری ہی غلطی تھی۔ مجھے معاف کر دو پلیز' اب میری توبہ جو تمہیں کچھ غلط
"کہوں یا ڈانٹوں۔ مگر یار ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر کوئی ناراض ہو کر اسپتال میں آ کر تھوڑی لیٹ جاتا ہے۔

وہ اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لیے ہلکے پھلکے انداز میں معذرت خواہ تھی۔

مگر اس کی آنکھوں میں اجنبیت کی دھند اس قدر گہری تھی کہ چھٹنے ہی میں نہ آتی تھی۔

چچا اور چچی جان بھی تھوڑی دیر کو اندر آئے مگر وہ یونہی خاموش لیٹی چھت کو گھورتی رہی۔ تنگ آ کر چچی جان ہی نے چچا
کو اشارہ کیا۔

اب تو ٹھیک ہے طبیعت اس کی۔ گھر لے جائیں' شام کو فنکشن تو لازمی ہے نا۔ کارڈ بانٹے ہوئے ہیں۔ ہم بھی چلیں "
اب۔ ساری تیاری پیچھے پڑی ہے۔ میں تو سب کچھ عمر اور نوین پر چھوڑ کے آئی ہوں۔ عمیر تو ان کاموں میں نالائق ہے
"نرا۔

سکندر حیات نے ان لوگوں کے اوپری پن کو شدت سے محسوس کیا۔

! یا خدا

وہ اپنے بدلتے احساسات و جذبات پر حیران تھے۔ یہ کب اور کن حالات میں میرے دل کو بدل رہا تھا جب میں کچھ نہیں
کر سکتا۔

وہ بے بسی سے سوچنے پر مجبور ہو گئے۔

مگر خاکی خطاکار نے یہ نہ سوچنے کی زحمت کی کہ جس سے وہ شکوہ کناں ہے وہ کیا کچھ نہیں کر سکتا۔ حالات چاہے کیسے بھی کیوں نہ ہوں۔

ذہن نہیں چاہ رہا تھا مگر یہ دل تھا جو اسے مجبور کر کے اسپتال کے اس کمرے تک لے آیا جہاں دروازے کے اس پار وہ ہستی تھی جسے ریان عزیز نے زمانے سے بڑھ کے عزیز رکھا تھا۔

ذہن نے تو بہت سمجھایا مگر یہ دل نادان ہی تھا جس نے کہا کہ آج آخری بار ایک نظر کی گستاخی کر لو پھر تو وہ ہمیشہ کے لیے پرائی ہونے جا رہی تھی۔

اور وہ بے حد بے بس و مجبور سا فرحین کی ایک ہی کال پر اڑتا چلا آیا۔

ایک آدھ گھنٹے تک اسے چھٹی ملنے والی تھی۔ سکندر حیات اور آسیہ بیگم کے ساتھ تمکین بھی گھر جا چکی تھی۔ فقط عادل اور فرحین ہی اسپتال میں تھے۔ عادل تو ابھی ڈاکٹر سے مشورہ کے لیے گیا تھا جبکہ فرحین، ریان کو آتے دیکھ کر چائے پینے کینٹین کی طرف بھاگی۔

وہ گہری سانس بھرتا دروازے کی ناب گھما کر اندر داخل ہوا تو اس دشمنِ جان کو سامنے بیڈ پر تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھا پایا۔

ریان تو پہلی نگاہ ہی میں ششدر رہ گیا۔

اِس روشین اور اُس روشین میں زمین آسمان کا فرق تھا جسے وہ عادل اور تمکین کے فلیٹ میں ملا تھا۔ خود سے بے پرواہ معصوم سا حسن۔

اور یہ پیلی رنگت اور آنکھوں کے گرد حلقے لیے۔مایوں کی دلہن بننے والی روشین۔

وہ آہستہ روی سے چلتا اس کے پاس آیا تو روشین نے نگاہ پھیر کر اسے دیکھا۔

بہت افسوس کی بات ہے روشنی۔ تمہیں تو خوشی منانا بھی نہیں آتی۔" وہ پھیکے انداز میں مسکرا کر گویا ہوا۔"

میں نے تو سوچا تھا کہ اب "مسز عمر" کو دیکھوں گا تو وہ خوشیوں سے رنگوں سے اتنی بھرپور ہو گی کہ میں پہچان ہی نہ"

پائوں گا مگر... پہچان تو میں واقعی نہیں پایا۔یہ کیا حالت بنالی ہے تم نے اپنی؟" وہ اس کے قریب جا کے رکا۔

اجنبیت کی برف پگھل رہی تھی۔وہ ایک ٹک ریان کو دیکھ رہی تھی۔اس کے لب ہی نہیں پورا وجود جیسے کچھ کہنے کی بے قراری میں لرز رہا تھا۔

اور پھر خاموشی اور اجنبیت کی وہ برف پگھل کر بالآخر اس کی آنکھوں سے بہہ نکلی۔

اس نے تڑپ کر' بے ساختگی و بے اختیاری میں ریان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں کی نم گرفت میں جکڑ لیا۔

مجھے بچالو' ریان پلیز۔خدا کے لیے مجھے بچالو۔میں یہ شادی نہیں کرنا چاہتی۔مجھے یہاں سے کہیں لے جائو۔چھپادو"
"مجھے۔

وہ ششدر سا اس کے ہذیانی انداز کو دیکھ کر رہ گیا۔

ریان اپنی جگہ ششدر تھا تو روشین اپنی جگہ بے اختیار' اس نے کبھی خواب و خیال میں بھی نہ سوچا تھا کہ ضبط کا بند حسن ٹوٹے گا بھی تو کہاں؟

وہ ریان عزیز جس کے سامنے اس نے عمر حیات کے کردار کو ڈھانپ کر رکھا اور خود کو دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی قرار دیا تھا۔آج اسی کے سامنے سارے ضبط کھو کر وہ ایک قیامت ڈھانے کے درپے تھی۔

"روشین! ریلیکس۔میں تمہارے ساتھ ہوں ہر پل' ہر موڑ پر۔کیا ہوا مجھے بتائو؟"

وہ نرمی سے اس کے ہاتھوں کو پکڑے پوچھ رہا تھا۔

سچ اُبل اُبل کر روشین کے ہونٹوں تک آرہا تھا مگر جو زبان ماں اور بہن کے سامنے عمر کا مکروہ تقاضانہ دہرا سکی تھی۔ وہ ریان کے سامنے کیا کھلتی۔

وہ روئی اور روتی ہی چلی گئی۔

ہاں، مگر اس کے مہربان شانے پر سر رکھ کے ریان نے کئی اندازے لگائے۔ مگر چپ ہی رہا کہ وہ اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہونے دینا چاہتا تھا۔ اسے خبر تھی کہ سیلاب اتر جانے کے بعد نفع و نقصان خود ہی ظاہر ہو جائیں گے۔ سو وہ صبر سے انتظار کر رہا تھا۔

شازمہ بھابی نے صحیح معنوں میں سگوں سے بڑھ کر اس کا خیال رکھا تھا۔ وہ خود بھی اسکول میں جاب کرتی تھیں، بڑی آسانی سے رانیہ کو بھی وہاں جگہ مل گئی۔ حالانکہ شازمہ بھابی قطعاً اُس کی اس جاب کے حق میں نہ تھیں۔

بھابی پلیز... میں اس طرح بوجھ بن کے نہیں رہ سکتی۔" رانیہ نے لجاجت سے کہا تو اتنے دنوں میں پہلی بار وہ اسے" ٹوک گئیں۔

"بھابی نہیں، آپا۔ اب میں کسی کے نکاح میں نہیں ہوں۔"

سوری۔" وہ شرمندہ سی ہوئی۔ پھر دفاعی انداز میں بولی۔"

آپا! میں اپنے پیروں پہ کھڑی ہونا چاہتی ہوں۔ آج نہیں تو کل بھی مجھے یہی کرنا ہے۔ اپنی، اپنے بچے کی بقاء کی" خاطر۔ تو پھر میں آپ پہ بوجھ کیوں بنوں۔ آپ بھی تو یہی جنگ لڑ رہی ہیں۔

وہ سب تو ٹھیک ہے۔ مگر "فارغ" ہو جاتیں تو پھر یہ سب سوچتیں۔"

انہوں نے اس کی بات سے متفق نہ ہوتے ہوئے اس کی حالت کی طرف اشارہ کیا تھا۔

گھر بیٹھی رہی تو سوچیں مجھے پاگل کر دیں گی۔ زندگی کو اگر جینا ہے تو اس کا واحد حل مصروفیت ہے آپا۔" وہ پھیکے" انداز میں بولی تب وہ اس کی ذہنی کیفیت کو سمجھتے ہوئے خاموش ہو گئیں۔

اور اب وہ باقاعدہ ان کے ساتھ اسکول جارہی تھی اور زندگی بظاہر بہت سبک روی سے گزرنا شروع ہوگئی تھی۔ احراز کے بغیر جینا بہت مشکل سہی مگر ناممکن نہ تھا' وہ بھی اس صورت میں کہ تمام عمر وہ رشتوں کو کھوتی اور ان کے بنا جیتی اور صبر کرتی چلی آئی تھی۔

مگر یہ ایک رشتہ۔

اس کا ہاتھ اپنے پیٹ پر ٹھہر سا جاتا تو آنکھوں میں سائے بھر آتے۔

"رشتہ توڑ کے بھی یہ کیسا رشتہ رکھے ہوئے ہو میرے ساتھ کہ بھولنا بھی چاہوں تو نہ بھول پاؤں۔"

ایسے میں شازمہ بھابی کا وجود غنیمت لگتا جو اسے شور' ہنگامے میں کھینچ لیتیں۔ کبھی کوئی اچھی سی فلم' کبھی ڈرامہ اور کبھی کوئی نئی کھانے کی ترکیب آزمانے کچن میں لے گھستیں۔

دل ہی تو تھا کبھی بہل جاتا اور کبھی بس مجبوری کا راگ الاپے صرف ان کا ساتھ دیئے جاتا۔

دن رات آگے پیچھے بھاگتے جارہے تھے۔

وہ دوائیوں کے زیر اثر تھی' یونہی روتے روتے اس کے شانے سے لگی سوگئی تو ریان نے اس کی بے خبری بھانپتے ہوئے اسے احتیاط کے ساتھ شانوں سے تھام کر اس کے تکیے پر لٹا دیا۔

اندر داخل ہوتی فرحین نے اس منظر سے بہت کچھ اخذ کیا اور ٹھٹک سی گئی۔

دروازے کے کھٹکے پر وہ متوجہ ہوا۔ پھر گہری سانس بھری۔

"ابھی بھی بہت ڈسٹرب ہے۔"

ریان کے ماتھے پر شکن نمودار ہوئیں۔ روشین کی یہ بے اختیاری خطرے کا الارم تھی۔ وہ تو اپنی پرچھائیں کو نہ چھونے دیتی کُجا اس طرح اس کے شانے پر سر رکھ کے دل کا بوجھ ہلکا کرنا۔

"ڈاکٹر نے دو گھنٹے کے بعد چھٹی کا کہا ہے۔ ابھی میڈیسن اور انجکشن کا اثر ہو گا۔" فرحین نے اسے بتایا۔

"کہیں کچھ بہت سیریس بات ہے فری۔ جو یہ ہم سے شیئر نہیں کر رہی۔ خود پہ اسٹریس لے رہی ہے تبھی اس حال کو پہنچ گئی ہے۔"

قدرے توقف کے بعد ریان نے پریشانی سے کہا تو فرحین نے سر ہلایا۔

"یہی میں بھی سوچ رہی ہوں۔ ورنہ ابھی کل تک تو عمر کے ساتھ شاپنگ کر رہی تھی۔ دل سے نہ سہی مارے بندھے ہی سہی۔ مگر میں روشنی کو جانتی ہوں۔ اتنی کمزور نہیں کہ محض اپنے فیصلے پر پچھتا کر اس حال کو پہنچ جائے۔ اس میں حوصلہ ہے ہر قربانی کو نبھانے کا۔ پس منظر کچھ اور ہی ہے۔"

فرحین کا تجزیہ بے حد سنجیدہ اور سوچ میں مبتلا کرنے والا تھا۔ ان دونوں کی متفکر نگاہیں روشین کے زرد چہرے پر ٹکی ہوئی تھیں۔

☆☆☆☆

عادل نے سکندر حیات کی اجازت سے عمر کو فون کھڑکا دیا تھا۔

"روشین کی طبیعت ٹھیک نہیں۔" "شاید" تمہیں خبر مل گئی ہو۔ اس لیے آج کے فنکشن میں وہ شریک نہیں ہو سکتی۔ آج تم مینج کر لینا۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا۔ میں اکیلے فنکشن سنبھالوں۔ دلہن کے بغیر؟"

دوسری طرف سے وہ اکھڑ لہجے میں بولا تو عادل نے غصہ دباتے ہوئے نرمی کا مظاہرہ کیا۔

"وہ ابھی ٹھیک نہیں ہے۔ مزید دو گھنٹے کا بیڈ ریسٹ بتایا ہے ڈاکٹر نے۔ شام کو کیسے وہ اتنا ہنگامہ فیس کر سکتی ہے۔"

"ڈونٹ ویری۔ اسے کہو اتنی نازک مت بنے۔ ساری لڑکیاں اس دور سے گزرتی ہیں۔ وہ ہے کہ اسپتال کے بیڈ پہ جا لیٹی ہے۔" وہ تمسخر اڑاتے انداز میں گویا ہوا۔

عادل کو اس کی بات اور انداز دونوں ہی ناگوار گزرے مگر اس نازک موقع پر وہ اپنی طرف سے کوئی بدمزگی پیدا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ سو بڑے ضبط سے بولا۔

"وہ حقیقت میں بیمار ہے۔ تم اپنی والدہ سے دریافت کر سکتے ہو۔"

"...انہوں نے بتایا ہے مجھے' اور تم کیا وکیل صفائی بنے ہوئے ہو۔ ابھی میں خود روشین سے بات کروں گا۔ تم دیکھنا"

وہ پھر سے استہزائیہ اور تمسخر سے بھرپور لہجے میں ہمکلام تھا۔ عادل نے دانت پیستے ہوئے بہت کچھ اپنے اندر دبایا۔

میں نے کہانا' وہ اس فنکشن میں شامل نہیں ہو سکتی۔ ڈاکٹر نے فی الحال سے مکمل بیڈ ریسٹ بتایا ہے اور پہلے دو گھنٹے وہ" ہاسپٹلائزڈ رہے گی۔

اب کی بار وہ قدرے تیز لب ولہجے میں بولا پھر اس کے مزید کچھ بکواس کرنے سے پہلے اضافہ کیا۔

"اور یہ میں نہیں ابو کہہ رہے ہیں۔"

دوسری طرف سے مزید کوئی بات کیئے بغیر فون بند کر دیا گیا۔ عادل نے اپنے اندر شدید نفرت اٹھتی محسوس کی۔ یہ شخص اپنے اطوار کی وجہ سے اسے کبھی بھی پسند نہیں رہا تھا۔ اخلاقیات تو اسے چھو کر بھی نہ گزری تھیں۔ روشین جس تباہی کا شکار ہونے جارہی تھی اس کا کوئی بھی اندازہ لگا سکتا تھا۔

"روشین تک کوئی بھی فون کال مت پہنچانا۔ چاہے وہ کسی کی بھی ہو۔"

اس نے فرحین کو سختی سے تلقین کی تو اس نے بھائی کا چہرہ کھوجتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

ریان ان کے ساتھ ہی اسپتال سے گھر آیا تھا۔ اس دوران وہ ہوش میں تو تھی مگر اس قدر خاموش اور ساکت کہ کسی بت کا گمان ہو۔

سکندر حیات نے ریان کو دیکھا تو خوشدلی سے ملے۔

"... میں چلوں اب"

وہ تذبذب کا شکار تھا۔ ویسے بھی وہ اپنی گاڑی میں آیا تھا۔

"اتنے دنوں بعد آئے ہو اندر چلو۔" عادل نے دوسری طرف سے روشین کو سہارا دیتے ہوئے اسے ڈپٹا تو سکندر حیات نے بھی اصرار کیا۔

"ویسے بھی تم انوائیٹڈ ہو اور اب تو رشتہ بھی طے شدہ ہے تمہارا اس گھر سے۔"

ان کے الفاظ بے اختیار تھے۔ سبھی کو حیرانی ہوئی مگر فی الحال تو ان کی توجہ کا مرکز صرف اور صرف روشین کی ذات تھی۔ فرحین اور عادل اسے سہارا دے کر اندر لے چلے۔ ریان لائونج میں آسیہ بیگم اور

تمکین کے پاس ہی ٹھہر گیا۔

اتنے دنوں کے بعد ریان کو دیکھ کر بہن کے زخم پھر سے ہرے ہوئے اوپر سے روشین کی حالت، تمکین کی آنکھیں بھر بھر آ رہی تھیں۔

"یہ سب ہماری وجہ سے ہوا۔ شاید ہم نے فقط اپنی خوشی کو ہی مقدم جانا اور اس کے نتیجے میں کس کس کی خوشیاں رہن رکھی گئیں، یہ سوچا ہی نہیں۔"

وہ سکندر حیات کی موجودگی کی پروا کیے بغیر روتے ہوئے بولی تو ریان نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے، اسے روکنا چاہا۔

"مجھے کہہ لینے دو ریان۔ جب غلطی ہماری تھی تو سزا بھی فقط ہم ہی سہتے۔ وہ بے چاری کیوں سولی چڑھ رہی ہے اور ہم لوگ اپنی من مانی کر لینے کے باوجود سکھی ہیں۔ اس گھر میں واپس لوٹ چکے ہیں۔"

وہ بے حد جذباتیت کا شکار ہو رہی تھی۔

"کاش، اے کاش! عادل کبھی بھی یہاں واپسی پر راضی نہ ہوتے۔ کم از کم اس قیمت پر، تو میرا بھائی اسے اپنی پلکوں پہ بٹھا کے رکھتا اور سونے کے نوالے کھلاتا۔"

"آپی پلیز۔"

ریان نے تیز لہجے میں اسے ٹوک دیا۔ وہ شکوہ کناں نظروں سے اسے دیکھتی آنکھیں پونچھنے لگی۔

"وقت پر نہ بولنا ہی انسان کی اصل کمزوری ہے بھائی۔" سکندر حیات چپ چاپ اپنے کمرے میں لوٹ گئے تو۔ آسیہ بیگم کی سانس بھی بحال ہوئی۔ ورنہ ان انکشافات پر تو وہ کسی بھی وقت ان کی گرج کی منتظر اندر ہی اندر کپکپا رہی تھیں۔ مگر لگ رہا تھا جیسے وقت نے سکندر حیات کو کافی کچھ سکھا دیا ہے۔

"بیٹھو بیٹا۔"

انہوں نے پیار سے ریان کی طرف دیکھا۔ عادل بھی وہیں چلا آیا۔

"میں اب چلوں گا۔"

وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا تو عادل نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

"آرام سے بیٹھو۔ ابھی چائے پی کے جانا۔ چلو تمکین۔" اس نے برادرانہ رعب کا مظاہرہ کرنے کے بعد تمکین کو بھی اشارہ کیا تو وہ سر ہلاتی پلٹ گئی۔

"شام کا کیا بنے گا؟"

آسیہ بیگم نے بیٹھتے ہی متفکرانہ انداز میں پوچھا تو عادل کے ہونٹوں پر تلخ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"فقط یہی شام کیا۔ اب تو ہر صبح، ہر شام ایک امتحان ہے امی جان۔ یہ شام تو کسی طور گزر ہی جائے گی اور شاید آئندہ سے اچھے طریقے سے گزرے۔ فکر تو آئندہ کی ہے۔"

"خدا خیر کرے گا عادل۔ اچھا سوچو اور اچھا ہی بولو۔"

آسیہ بیگم جانے کسی معجزے کے انتظار میں تھیں۔

کیا اچھا سوچوں امی۔ اب تک تو آپ لوگوں پر بھی پھر سے ان کی اصلیت اچھی طرح کھل گئی ہے۔ وہ فقط اپنی ہتک کا"

"بدلہ لینے کے لیے اس رشتہ کے متمنی تھے۔

عادل ناراض تھا۔

آسیہ بیگم نے ہاتھ ملے۔

"اس بے چاری نے تو ہم سے محبت کی سزا پائی۔ ماں کا دل ٹھنڈا رکھنے کو اپنی زندگی تپتے صحرا کی نذر کر دی۔"

"جو ہوا سو ہوا آنٹی۔ دعا کریں کہ وہ آئندہ زندگی میں کسی امتحان کا شکار نہ ہو۔"

ریان نے دل کے اٹھتے طوفان کو دباتے ہوئے دعا کی تو عادل مزید تلخ ہونے لگا۔

پہلے ہی ہلّے میں وہ اسپتال جا پہنچی ہے۔ اس سے بڑھ کے اور کیا امتحان سہے گی وہ اور یہ سب جانتے ہیں کہ کون سا"

"اسٹریس (دباؤ) لے رہی ہے وہ ذہن پر۔

آسیہ بیگم نے آنکھوں کے گوشے دوپٹے سے صاف کیے۔

ریان لب بھینچ کے رہ گیا۔

☆☆☆☆

اس نے کتنی ہی بار روشین کا موبائل ٹرائی کیا اور ہر بار سوئچ آف ہی ملا۔ تو اس نے گھر کے نمبر پر کال کر دی۔

"وہ ابھی بات کرنے کی پوزیشن میں نہیں۔"

فرحین نے عمر کو صفاچٹ انداز میں بتایا۔ نہ سالیوں والی چھیڑ چھاڑ اور نہ ہی دوسری طرف سے بہنوئی والا انداز۔
اور تایا جان کیا فقط شکلیں ہی دیکھ رہے ہیں تم لوگوں کی؟ ان سے کہو اپنی کمٹ منٹ نبھائیں۔ ورنہ شاید باقی کی عمر بھی"
"بات کرنے کی پوزیشن میں نہ رہیں۔
فرحین نے دانت پیستے ہوئے مزید کوئی بات کیے بغیر فون پٹخ دیا اور ادھر عمر تلملا اٹھا اس کے ہونٹوں سے غلیظ گالیاں
پھوٹ پڑی تھیں۔ اس کی حالت اس شکاری کے جیسی تھی اتنے دنوں مچان لگائے بیٹھے رہنے کے بعد بھی جس کا شکار
بے حد آسانی سے اس کے شکنجے سے نکل گیا ہو۔
"ذلت تمہارا مقدر ہے روشین حیات۔"
وہ فرعون بنا ہوا تھا۔
مگر اس کا ایمان نہیں تھا اس بات پر کہ عزت اور ذلت دینے والی ذات انسان کی نہیں' اس خاکی خطاکار کی نہیں۔ یہ تو
فقط کھلونے ہیں۔ زندگی کے اسٹیج پر تماشے کرنے اور دھاگے سے بندھے اعضا ہلانے والی پتلیاں۔
ان دھاگوں کو ہلانے والی ذات ہی تو اصل میں عزت و ذلت دینے پر قادر ہے۔ جس کو وہ عزت دے' مجال ہے اسے
کوئی ذلیل کر سکے اور جسے وہ ذلیل و خوار کرنا چاہے وہ چاہے بادشاہت کا تاج ہی کیوں نہ سر پر سجائے ہو۔
اور عمر کی قسمت کا فیصلہ تو ہو چکا تھا۔
بجز اس کے کہ ابھی وہ بہت سے فیصلے کر رہا تھا۔ مجبوراً مہندی کا فنکشن اسے اکیلے ہی نمٹانا پڑا۔
"ابھی کل کے چند گھنٹے باقی ہیں روشین سکندر۔ میں دیکھتا ہوں کون بچاتا ہے تمہیں۔"

وہ اندر ہی اندر لاوا پال رہا تھا۔

☆☆☆☆

"کیا خیال ہے رانیہ۔ تمہاری سسرال نہ چلیں۔ آنٹی ہی سے مل آئیں۔"

یونہی بیٹھے بٹھائے اب شازمہ بھابی کے ذہن میں جانے کون سا کیڑا کلبلا رہا تھا۔

ٹی وی دیکھتے دیکھتے رانیہ نے بے یقینی سے ان کو دیکھا۔

"وہ میری سسرال نہیں ہے اور ویسے اب وہاں کیا رکھا ہے؟"

"یونہی' ذرا حالات کا پتا تو چلے۔"

انہوں نے شانے اچکائے۔

اونہوں... " رانیہ نے شدت سے نفی میں سر ہلایا پھر بولی۔ "میں وہاں سے دل کی مرضی سے نہیں بلکہ کسی وجہ سے" نکلی تھی آپا اور دوبارہ میں کوئی پنڈورا باکس کھولنا نہیں چاہتی۔ آپ کو پتا ہے ناوہاں جانا تو شاید آسان ہی ہے مگر وہاں جا کر سب کے سوالوں کے جواب دینا۔ یوں رات کے اندھیرے میں گھر سے نکل آنے کی وضاحت کرنا بہت مشکل ہے۔"

ہوں..." انہوں نے اس کی باتوں سے متفق ہوتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر بولیں۔"

"جانے ابرار نے گھر میں کسی سے ذکر کیا ہو یا نہیں اپنے پروپوزل کا۔"

وہ چپ ہی رہی۔ تو انہوں نے موضوع بدلا۔

اچھا موسم بدل رہا ہے۔ شاپنگ نہیں کرنی اس ننھے مہمان کے لیے۔ تم تو ٹھس بیٹھی ہو جیسے پانچ بچے پہلے سے موجود"

"ہوں انہی کے کپڑوں سے گزارا کر لو گی۔

ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ جھینپی تو شازمہ بھابی فوراً اٹھ گئیں اور جوشیلے انداز میں بولیں۔"

"چلو پھر ابھی کی ابھی اٹھو۔ میں تو پتا نہیں ننھے شہزادے کے لیے کیا کچھ لینے کا سوچ چکی ہوں۔"

الٹراساؤنڈ سے ڈاکٹر انہیں بتا چکی تھی کہ رانیہ بیٹے کو جنم دینے والی ہے۔
رانیہ بھی اٹھ کر تیار ہونے لگی۔
اب دونوں ہی کو اس شاپنگ کا تجربہ نہ تھا۔ مگر پھر بھی اتنا کچھ الم غلم خرید ڈالا۔ بعد میں شازمہ بھابی خوب ہنسیں۔
''کم از کم اگلے سال تک تو کچھ خریدنے کی ضرورت نہیں پڑے گی ہمیں۔''
اور یہ جو کھلونے لیے ہیں آپ نے۔ پیدا ہوتے ہی وہ چابی اور بیٹری والے کھلونوں سے کھیلنا تھوڑی شروع کر دے''
گا۔''
رانیہ نے ان کا مذاق اڑایا۔
وہ دونوں تھک کر ایک اوسط درجے کے اوپن ایئر ریسٹورینٹ میں قدرے کونے میں آ بیٹھیں اور ساری شاپنگ سمیٹ کر ساتھ والی کرسیوں پر رکھی۔
چائے پینے کے دوران بھی وہ شاپنگ کی اشیاء ہی کو ڈسکس کرتی رہیں۔ واقعی انہوں نے بہت سی اشیاء محض شوق ہی شوق میں خرید لی تھیں اور اس میں زیادہ ہاتھ شازمہ بھابی کا تھا۔ رانیہ نے انہیں موردِ الزام ٹھہرایا تو وہ محبت بھرے لہجے میں بولیں۔
''میں چاہتی ہوں ہمارے شہزادے کی زندگی میں کسی شے کی کمی نہ ہو۔''
رانیہ کے دل میں تیر سا کھب گیا۔ خوشی اس قدر تیزی سے آزردگی میں بدلی کہ شازمہ بھابی اس کا چہرہ دیکھنے لگیں۔
پیدا ہونے سے پہلے ہی اس کی زندگی میں جو کمی آ چکی ہے آپا! اس سے بڑھ کر اب شاید ہی کوئی کمی وہ محسوس کرے۔''''
اس کی آنکھوں میں نمی پھیلنے لگی۔
وہ مشّیت ایزدی تھی رانیہ۔ مگر جو کچھ ہم اس کے لیے کر سکیں وہ کریں گی۔ باقی تو جو ہونا ہے وہ خدا کی مرضی ہی سے''
''ہونا ہے۔
انہوں نے اسے تسلی دی۔

ہوں..." اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے آنکھیں پونچھ ڈالیں۔"

"شام ہونے کو ہے۔ میرے خیال میں اب گھر چلیں۔ ٹھنڈ بڑھ رہی ہے۔"

شازمہ بھابی کے کہنے پر وہ چیزیں سمیٹنے لگی۔

اور جو زندگی بکھر گئی ہے وہ...؟

جانے والا تو ایک ہی ہلّے میں اس کی زندگی بکھیر کے چلا گیا تھا۔ اب وہ کیسے اسے سمیٹتی اور جینے کا سامان کرتی ہے یہ تو اس کا دل ہی جانتا تھا۔

احراز کی یاد میں رونے کو جی چاہتا مگر وہ فقط اس کا ظلم یاد کر کے روتی کہ اب کسی نامحرم کو یاد کر کے رونا شرعاً جائز نہ تھا۔

یہ شازمہ بھابی کی سختی سے ہدایت تھی۔

وہ دونوں اٹھیں شازمہ بھابی آگے بڑھ گئیں۔ رانیہ ہاتھوں میں شاپر زاٹھائے ان سے چند قدم پیچھے اپنے خیالوں میں گم۔ دھول میں اٹی راہ کی مانند چل رہی تھی۔

ایسے میں اس نے اس شخص کو تیزی سے اپنی جانب بڑھتے دیکھا ہی نہیں جس کی نیت کا اسے ذرّہ برابر بھی علم نہ تھا۔

بالکل پاس آکر اس نے ایک جھٹکے سے رانیہ کا بازو تھاما تو بے اختیار اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ پھر تڑپ کر اس نے بالمقابل شخص کو دیکھا تو نا صرف اس کے ہاتھوں سے سارا سامان پھسل گیا بلکہ وہ خود بھی ساکت و جامد رہ گئی۔

☆☆☆☆

فری..." وہ اسے ڈھونڈتا کچن میں چلا آیا۔ بالکل پہلے کی سی بے تکلفی کے ساتھ۔ فرحین اسے دیکھ کر مسکرادی۔"

"شکر ہے۔ میں تو سوچ رہی تھی کہ آپ اب کبھی شاید ہی ادھر دکھائی دیں اب تو شاید جوگ لے کے بیٹھ جائیں۔"

تمہارے منہ میں خاک لڑکی۔" وہ مصنوعی غصے سے کہتا کچن میں اس کی کارکردگی کا جائزہ لینے لگا۔ وہ گھر میں موجود"
مہمانوں کے لیے چائے بنانے میں مگن تھی۔
"روشین اب کیسی ہے؟"
چند ثانیوں کے بعد اس نے قدرے بے پروائی کا تاثر دیتے ہوئے پوچھا تو فرحین نے گہری سانس بھری۔
"پہلے سے بہتر۔ مگر ویسے ہی خاموش اور پتا نہیں عجیب سی ہو رہی ہے۔"
"میں اس سے مل سکتا ہوں؟"

ریان نے ملتجی انداز میں پوچھا تو وہ اسے دیکھنے لگی۔
مگر فقط اثبات میں سر ہلا کے بولی۔
"میرے چائے سرو کرنے اور برتن دھونے تک اس کے بعد میں اسے پارلر لے کے جانے والی ہوں۔"
ریان کے اندر ایک تکلیف دہ سا احساس امڈنے لگا۔ اس کی پور پور کسی اور کے لیے سجائی جانے والی تھی۔
اور میں... میں نجانے کس آس' کس امید میں ابھی بھی اس سے ملنے چلا آیا ہوں؟
وہ اس کے کمرے کی طرف بڑھتا خود سے الجھ رہا تھا۔
☆☆☆☆
عمر کا اس سے ہر رابطہ بے کار جا رہا تھا۔ موبائل ابھی تک آف تھا اور ٹیلیفون پر وہ آئی ہی نہ تھی۔ کہ طبیعت ٹھیک نہیں۔
"ویسے بھی اب چند ہی گھنٹے باقی ہیں۔ سامنے بیٹھ کے طبیعت پوچھ لیجئے گا۔"
تمکین نے رسانیت بھرے لہجے میں کہا تو اس نے تلملا کر رابطہ منقطع کر دیا۔

سب بہانے ہیں۔اس طرح کیا سمجھتی ہے کہ وہ بچ جائے گی۔ساری عمر مجھ پر ہنسنے کے لیے۔نو' نیور۔جو میں سوچ "
"لوں۔اسے کوئی بھی بدل نہیں سکتا۔لگا کے پھرنا سینے سے اپنی اس عزت کو روشین سکندر۔

وہ بپھرے سانڈ کی مانند ادھر ادھر پھر رہا تھا اور اس کے بعد جب اس نے فون کیا تب فرحین نے بتایا کہ وہ اسے پارلر لے کے جا رہی ہے اور عجلت میں فون بند کر دیا۔

عمر کے غضب کی کوئی حد نہ تھی۔ایک لاوا تھا جو اندر ہی اندر بڑھتا ہوا اب پھٹ پڑنے کے قریب تھا۔

عمر دروازہ کھٹکھٹا کے اندر داخل ہوا تو اسے اپنے مخصوص سفری سوٹ کیس میں اپنی ضروری چیزیں رکھتے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

آپ تیار نہیں ہو رہے۔باہر سب انتظار میں ہیں؟"

عمر نے کوئی جواب نہیں دیا وہ بدستور اپنے کام میں مصروف رہا۔

عمر کو کچھ عجیب سا احساس ہوا۔سرد مہری اور یخ بستگی کا احساس۔

"کیا بات ہے۔رخصتی کراتے ہی سیدھا ہنی مون پر جانے کا تو پروگرام نہیں بن گیا؟"

اور خوش دلانہ انداز میں کہتا آگے بڑھا۔عمر اپنی پیکنگ سے مطمئن ہو کر سیدھا ہوا۔

اس نے اب بھی عمیر کی بات کا جواب دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

"کیا بات ہے بھائی...؟"

عمر پریشان ہونے لگا۔

کوئی بات نہیں ہے اور یہ تم کیا بیوقوفوں کی طرح سوال پہ سوال کیے جا رہے ہو۔اتنا پریشان تو مجھے ہونا چاہیے شادی"
"میری ہونے جا رہی ہے کہ تمہاری؟

وہ ایک دم کاٹ کھانے والے انداز میں بولا تو عمر نے ناگواری سے کہا۔

میں آپ تک صرف ابو کا پیغام پہنچانے آیا تھا۔ باہر سب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ تیار ہو کے آجائیں۔ پھر سلامیوں کا"

"سلسلہ شروع ہو جائے گا اور اس کے بعد بارات روانگی ہے۔

وہ کہنے کے بعد کا نہیں۔ عمر کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

"سب کا انتظار' انتظار ہی رہے گا اور رہی روانگی کی بات تو وہ ضرور ہو گی۔"

اس نے اپنے بند سوٹ کیس پر نگاہ ڈالنے کے بعد اسے ایک جھٹکے سے سیدھا کھڑا کیا تھا۔

☆☆☆☆

ہلکے سے دروازہ کھٹکھٹا کر وہ لمحہ بھر رکا۔ جواب میں روشین کی جائیں بھی اتنی ہی مدھم تھی۔

وہ اندر داخل ہوا تو دوپٹہ صحیح کرتے روشین کے ہاتھ ساکت رہ گئے۔

ریان خجل سا ہوا۔

"اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟"

رواداری میں پوچھا۔ جبکہ اندر ہی اندر وہ اس پل خود کو کوس رہا تھا۔

بھلا اسے کیا حق پہنچتا تھا اس معصوم لڑکی کے حوصلے کو آزمانے کا؟ ایسے ہی بے سوچے سمجھے چلا آیا۔

تف ہے تم پر ریان عزیز۔ ذرہ برابر جو اپنے جذبات و احساسات پر قابو ہو۔

روشین بھرائے دل کے ساتھ یونہی رخ موڑ کر اپنا بیگ ٹٹولنے لگی۔

"ٹھیک ہوں۔"

ریان کو لگا اب آگے کچھ کہنے کو بچا ہی نہیں۔

ہاں' مگر وہ کل کی بے اختیاری۔

اسی بے اختیاری کی ڈور سے بندھا تو آج وہ چلا آیا تھا۔

شاید وہ دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہے۔

"خوش ہو روشین؟"

ریان کے سوال نے اسے ساکت سا کر دیا۔ آنکھوں میں اس تیزی سے آنسو بھرے کہ وہ خود پر قابو نہ رکھ پائی۔ فقط اثبات میں سر ہلایا۔

"میں بس... ایسے ہی تمہاری طبیعت معلوم کرنے چلا آیا۔"

اس نے کہتے ہوئے کلائی پر بندھی گھڑی پر ایک نگاہ ڈالی۔

بارات آنے میں تھوڑا ہی ٹائم تھا۔ بس دو تین گھنٹے اور پھر... پھر وہ یکسر پرائی ہو جانے والی تھی۔

خدا تمہیں ہمیشہ خوش ہی رکھے۔ میں سچے دل سے دعا کرتا ہوں روشین۔ اگر تم خوش رہو گی تو یقین کرو اس دل میں"

"کوئی ملال کوئی دکھ نہیں ہو گا۔ تمہیں ہمیشہ کے لیے کھو کر بھی۔

وہ بے حد سچائی سے کہتا خود پر قابو پاتا پلٹ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ جبکہ وہ خود پر سے ضبط کھو کر پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔

☆☆☆☆

"...احراز"

اس کی آنکھیں یوں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں جیسے احراز کی جگہ اس کا بھوت دیکھ لیا ہو۔

شازمہ بھابی نے یونہی پلٹ کے دیکھا تو ایک مرد کو یوں اس کا ہاتھ تھامے دیکھ کر وہ چیل کی سی تیزی سے لپک کے آئیں

۔

"اے مسٹر... حواس میں تو ہو؟"

انہوں نے غصے سے کہا اور پھر احراز کے چہرے پر نظر پڑتے ہی تمام غصہ تمام سوال وجواب بھول گئیں۔

احراز کے چہرے کا تناؤ کچھ ڈھیلا پڑا۔

"تو یہ آپ کے ساتھ ہے۔"

"تم نے چھوڑ دیا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ خدا نے بھی اسے بے یار و مددگار کر دیا تھا۔"

تلخی سے کہتے ہوئے انہوں نے رانیہ کا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑانے کی کوشش کی۔ مگر ناکام رہیں۔

وہ خود تو ٹھٹھرے ہوئے حواس لیے کھڑی تھی۔

"احراز! یہاں تماشامت لگاؤ۔ اب پیچھے باقی ہی کیا ہے جس کا تماشا دیکھنے آئے ہو۔ چھوڑو اسے۔"

انہوں نے سختی سے کہا تو وہ متحیر سا انہیں دیکھنے لگا۔

"حواس میں تو ہیں آپ۔ جانتی نہیں ہیں کہ ہمارا آپسی رشتہ کیا ہے؟"

ہنہ... ہے نہیں۔ کبھی تھا۔" انہوں نے تصحیح کی۔"

احراز نے انہیں گھور کے دیکھا۔ ابھی شاید ان کی کھٹ پٹ مزید چلتی۔ مگر احراز کی تمام تر توجہ حواس کھو کر گرتی رانیہ کی طرف ہو گئی۔ اس نے بڑی پھرتی سے اسے سنبھالا تھا۔

"آپ کوئی ٹیکسی روکیں جلدی سے۔"

اس نے حواس باختہ کھڑی شازمہ بھابی سے کہاشاید وہ گاڑی میں نہیں آیا تھا۔ وہ سارا سامان چھوڑ چھاڑ سڑک کی طرف لپکیں۔

☆☆☆☆

دلہن بنی روشین پہ اس سوگواریت میں بھی اس قدر ٹوٹ کے روپ آیا کہ فرحین حیران ہو گئی۔

"میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ اس شخص کے لیے تم پر اتنا روپ آسکتا ہے۔"

وہ بے اختیار کہہ کر پچھتائی۔ روشین کے چہرے پر چھائی تکلیف وہ اچھی طرح محسوس کر سکتی تھی اور واقعی، اس کی مہندی کا کلر شاندار آیا تھا اور پارلر میں موجود تمام دلہنوں سے زیادہ روپ بھی۔ یا شاید اس کی سوچ کی پاکیزگی کی جھلک۔

عادل انہیں پک کرنے آیا تھا۔

وہ دونوں اس کے ساتھ سیدھی میرج ہال پہنچیں۔ جہاں تقریباً تمام ہی مہمان جمع ہو چکے تھے اور فقط بارات کا انتظار تھا۔

"تم یہیں رہو میرے پاس۔"

روشین نے برائیڈل روم میں اپنی کسی کزن یا دوست کو ٹھہرانے کی بجائے فرحین کو ٹھہرایا تھا۔

"فوٹو گرافر سے کہنا یونہی چند ایک تصویریں بنا لے میں کوئی فوٹو سیشن نہیں کراؤں گی۔"

فوٹو گرافر اور مووی والے کی آمد کا سن کر روشین نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

اس کا انداز اس قدر بدل گیا تھا کہ حد نہیں، بے حد مطمئن اور پُر سکون۔

یا ربّ! میں تیری راہ پر چلی ہوں اور اب صلہ بھی تجھ سے چاہتی ہوں۔ میں عمر کے کیئے پہ نہیں روئوں گی۔ بلکہ تیری رضا پر راضی ہو جائوں گی۔

اس نے دل کو ٹھہرا سا لیا تھا۔ پارلر سے نکلتے ہوئے اس نے اپنا موبائل فون آن کر لیا تھا۔

اور اب اسے کسی کی کال کا انتظار تھا۔ شاید آخری کال کا۔

☆☆☆☆

وہ اسے ڈاکٹر کے پاس لیکر گیا پھر سہارا دے کر واپس ٹیکسی تک لایا۔ شازمہ بھابی تلملاتی ہوئی بڑبڑا رہی تھی۔

'بھلا اب یہ ہمدردی کس کام کی۔ مرنے دو اسے' اور تماشا دیکھو۔"

ان کا بس نہیں چل رہا تھا پکڑ کے احراز کو پیچھے کرتیں اور خود رانیہ کو سنبھال کے چل پڑتیں۔ مگر وہ اتنا موقع ہی نہ دے رہا تھا۔

وہ گھر تک ان کے ساتھ آیا۔

اب آپ جا سکتے ہیں۔ مہربانی آپ کی۔" اس نے سارے شاپنگ بیگز بھی اندر پہنچا دیئے تو شازمہ بھابی نے بے رخی" سے کہا۔

"مان لیا کہ ہمارا کوئی رشتہ نہ سہی۔ انسانیت کے ناتے ہی تھوڑی دیر بیٹھنے تو دیں۔"

وہ لجاجت سے بولا۔

"کیا فائدہ؟"

چند لمحے اسے دیکھنے کے بعد وہ یاسیت اور آزردگی سے بولیں مگر ساتھ ہی اس کی راہ چھوڑ کر پرے ہٹ گئیں تو وہ قدرے سکون کا سانس لیتا ان کی معیّت میں اندر کی جانب بڑھا

"اب کیا بتاؤں۔ شاید کوئی فائدہ ہو ہی جائے۔"

"شرم کرو۔ اسی معصوم کی بربادی کا تماشا دیکھنے آئے ہو۔"

وہ پھنکاریں۔

اوہو۔ آپ تو سچ میں باڈی گارڈ ثابت ہو رہی ہیں۔'' احراز نے ڈرنے کی اداکاری کی۔''

رانیہ بیڈ پر نیم دراز تھی انہیں آتے دیکھ کے اٹھ بیٹھی۔ آنکھوں سے جاری آنسوئوں پر اس کا قابو نہیں تھا۔ جی چاہ رہا تھا دوڑ کے اس ظالم شخص کے گلے لگ جائے' اس سے لپٹ لپٹ کے روئے۔ اس سے پوچھے کہ کیوں چھوڑ دیا اسے۔ اتنا چاہنے کے بعد کیوں یہ ظلم کیا اس پر۔

یہ صاحب شاید تم سے کوئی بات کرنا چاہتے ہیں...'' شازمہ بھابی نہ اٹھنے کے ارادے سے وہاں بیٹھ گئیں۔''

''آپ کے سامنے ہی۔''

وہ معصوم بنا۔ ان دیکھی اور نہ سمجھ میں آنے والی خوشی اس کے تاثرات سے چھلکی جا رہی تھی۔

جو کہنا ہے کہو اور یہاں سے چلتے بنو میاں۔ اب تم اس کے محرم نہیں ہو جو میں تمہیں اس کے ساتھ یہاں اکیلے میں''

''گفتگو کی اجازت دے دوں۔

شازمہ بھابی کے کڑے لہجے نے اسے سنجیدہ کر دیا۔ وہ روتی ہوئی رانیہ کو دیکھتے ہوئے اسے کوئی عہد یاد کرانے لگا۔

''میں نے تم سے کہا تھا کہ اب کبھی مت رونا رانی۔''

رانیہ کو لگا اس کا دل پھٹ گیا ہو۔

اگر شازمہ بھابی وہاں موجود نہ ہوتیں تو وہ واقعی اٹھ کر احراز سے لپٹ ہی گئی ہوتی۔

اور شازمہ بھابی' ان کا بس نہیں چل رہا تھا احراز کو کیسے باہر کا رستہ دکھائیں۔

''طلاق دیتے ہوئے سوچتے نا یہ سب۔ کون سا ایسا ایوارڈ تھا جس پہ بے چاری ساری عمر قہقہے لگاتی۔''

وہ تلخی سے بولیں۔

احراز سر جھکا کر بیٹھا رہا۔

کئی لمحے اسی خاموشی میں گزرے۔ عجیب بھید بھری خاموشی۔

پھر اس نے چہرہ اٹھایا تو شازمہ بھابی بھی دنگ رہ گئیں۔

احراز کی آنکھوں میں بھی نمی جھلملا رہی تھی۔

''میں کیا کہوں آپ سے۔ میں تو خود حالات کا شکار ہوا ہوں اور رشتوں پر سے بھروسہ اٹھا سوالگ۔''

''بس میاں اب ہمیں چکمے دینے کی کوشش مت کرو۔''

شازمہ بھابی نے اسے جھاڑا۔

چکمہ تو مجھے دیا ہے قسمت نے۔ وقت اور حالات نے۔ اپنی زندگی کھو بیٹھا تھا میں۔ چند ہی دن تھے کہ میں شاید خود''

''کشی ہی کر لیتا۔ مگر آج تو میں نے جیسے زندگی پالی۔

وہ چاہت سے رانیہ کو دیکھ رہا تھا۔

وہ بلک اٹھی، مگر ایک بھی لفظ نہ کہہ سکی اب اس اجنبی سے کیا شکوہ کرتی۔

''جو کہنا ہے صاف لفظوں میں کہو۔ تم کیا کرتے ہو یا کیا کرنے والے تھے، اس سے ہمیں کوئی سروکار نہیں۔''

شازمہ بھابی نے اسے گھورا۔

جب میں یہاں سے گیا تو پتا چلا کہ میرے اطالوی مالک نے میری جگہ کسی اور کو ملازمت دے دی ہے۔ نوکری تو گئی''

اور ساتھ ہی رہنے کا ٹھکانہ بھی گیا۔ وہاں سے جلد بازی میں سستی جگہ شفٹ ہوئے۔ میرے ساتھ وہاں اور بھی کئی

پاکستانی لڑکے تھے۔ خدا مہربان تھا دوسری نوکری مل تو گئی مگر کہیں اچھی جگہ رہنے کا بندوبست نہیں ہو پا رہا تھا۔ نیپولی

وہاں کا بدنام علاقہ ہے۔ مجھے نہیں خبر تھی کہ جس بلڈنگ میں میں شفٹ ہوا ہوں وہ مافیا والوں کی ہے۔ ہیروئن اور دیگر

ڈرگز کے دھندے میں ملوث لوگ وہاں پناہ گزین تھے۔

اسی اثنا میں میں رانیہ کو وہاں بلوانے کا ارادہ کر بیٹھا۔ مگر مجھے قدرت کے لکھے کا علم نہیں تھا کہ ایک آزمائش۔ بلکہ سخت

ترین آزمائش مجھے درپیش تھی۔

پولیس کا چھاپہ پڑا اور گناہ گاروں کے ساتھ بے گناہوں کو بھی گھسیٹ کر جیل میں ڈال دیا گیا۔ نہ کوئی تفتیش نہ کوئی مقدمہ۔ مافیا کے لوگ تو ہفتہ ایک ماہ میں شاید چھوٹ بھی گئے ہوں۔ مگر میرا اور تین دیگر لڑکوں کا پاکستانی' بالخصوص مسلمان ہونا ہماری آزادی کی راہ میں رکاوٹ بن گیا۔ مہینوں ہم نے بے گناہی کی سزا کاٹی ہے۔ باہر کی دنیا سے کوئی رابطہ نہ تھا۔ ہاں البتہ ایک بار میں نے منت کر کے وہاں

"سے آزاد ہونے والے اطالوی لڑکے کو ابرار کا رابطہ نمبر دیا تھا اور اسے تمام حالات بتانے کا کہا تھا اور ابرار جانتا بھی تھا۔

وہ جیسے اس مشکل مقام تک پہنچ کر رک سا گیا۔

شازمہ بھابی اور رانیہ دم سادھے ہوئے تھیں۔ وہ تھکے ہوئے انداز میں پھر سے گویا ہوا۔

میں نہیں جانتا تھا کہ رشتے یوں بھی دھوکا دیتے ہیں۔ یا گناہوں کی سیاہی سے لتھڑ سکتے ہیں۔ ابرار کے دل میں میرے"

لیے نفرت اور سوتیلا پن اس قدر بڑھ چکا تھا۔ مجھے کبھی احساس ہی نہیں ہوا۔ میں نے ہمیشہ اسے چھوٹا بھائی نہیں بلکہ بیٹا

"سمجھا اور اس نے۔ اس نے میری ساری زندگی ہی تلپٹ کر دی۔

احراز کی آواز کہتے کہتے بھرا گئی تو وہ خاموش ہو گیا۔

"اور وہ طلاق؟"

شازمہ بھابی کی سرسراتی آواز کمرے میں گونجی' احراز نے نفی میں سر ہلایا۔

سب بکواس تھا۔ میں کیوں اور کس وجہ سے رانیہ کو چھوڑتا۔ جبکہ اسے اپنے دل کی رضا سے پایا تھا۔ یہ جانتی ہے میں تو"

"اسے وہاں بلانے کے چکروں میں تھا۔ وہ سب... ابرار کا ڈرامہ تھا۔

رانیہ پر جیسے شادیٔ مرگ طاری ہونے لگا۔

مگر شازمہ بھابی کسی دھوکے میں آنے کو تیار نہ تھیں۔

"بیوقوف مت بناؤ ہمیں۔ جلد یا بدیر تمہارے لوٹنے پر ابرار کا پول کھل جانا تھا۔ پھر ابرار ہی کی شامت آتی کیا اسے یہ معلوم نہیں تھا؟"

"میری رہائی کی خبر ملتے ہی وہ بینک سے تمام روپیہ نکلوا کر جانے کہاں بھاگ گیا۔ شاید کسی دوسرے ملک۔ مہینہ ہو گیا مجھے سڑکوں پر مارے مارے پھرتے۔"

رانیہ زور زور سے رونے لگی۔

شازمہ بھابی متذبذب سی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"میں کچھ پینے کو لاتی ہوں۔"

"بے فکر ہو کے جائیں۔ ابھی آئیں گی تو وہ نقلی طلاق نامہ اور اس پر موجود نقلی سائن دکھاتا ہوں آپ کو۔ شکر ہے بیڈ کے گدے کے نیچے سے مل گیا۔ محترمہ جذباتی ہو کے پھاڑ دیتیں تو آج شاید میرے پاس محض اپنی سچائی بیان کرنے کو لفاظی ہی ہوتی۔"

وہ اپنی آزردگی کو بشاشت کے پردے میں چھپاتے ہوئے بولا۔ تو شازمہ بھابی کا دل بھی کچھ ہلکا ہوا۔ وہ مسکراتی ہوئی کمرے سے نکل گئیں۔

احراز اٹھ کھڑا ہوا۔

"اور اب جو سزا تم تجویز کرو۔"

"احراز۔"

وہ تڑپ کر اٹھی اور اس کے سینے سے آ لگی۔

"جان احراز۔"

احراز کی بانہوں کا گھیرا اس کے گرد تنگ ہوا تھا۔

رانیہ پر خوشیٔ مرگ طاری ہونے لگی۔

''کتنا ترسی ہوں میں اس لمس کے لیے۔ اس قرب اور اس خوشبو کے لیے۔ مجھے تو جیتے جی مار ہی ڈالا تھا اس نے۔''

وہ بے اختیار ہو رہی تھی۔

''مگر اب جینا ہے۔ ہم دونوں بلکہ تینوں کو ایک ساتھ۔''

احراز نے اس کے چہرے پر جھکتے ہوئے شرارت سے کہا۔

اس کے بے ڈول سراپا سے وہ ساری بات سمجھ چکا تھا۔

رانیہ کا چہرہ رنگین ہو گیا۔

باقی سب کو گھر میں تمہارا انتظار ہے رانیہ۔ جو قصوروار تھا وہ تو بھاگ نکلا مگر وہاں سب کی دعائیں تمہاری آمد کی منتظر''

''ہیں۔

وہ کہہ رہا تھا اور رانیہ کا دل اس کی ہر بات پر لبیک کی صدا لگا رہا تھا۔

اے خدا۔ تو رحیم ہے کریم ہے۔ تیری رحمتوں کی کوئی حد نہیں۔ میں نے واقعی تجھ سے ایک حد میں رہ کے مانگا۔ شکر تیرا میرے ربّ۔ تا عمر میرے اوپر۔ سجدہ شکر واجب ہوا۔

وہ احراز کی بانہوں کے گھیرے میں پر سکون سی محوِ مناجات تھی۔

اور احراز نے بھی گویا دوبارہ اپنی زندگی پا لی تھی۔

☆☆☆☆

سکندر حیات کا دل بے حد پریشان ہو رہا تھا۔ مقررہ وقت سے ایک گھنٹا اوپر ہو چلا تھا۔ مگر بارات کی آمد کا کہیں نام و نشان تک نہ تھا۔ زیادہ پریشانی اس بات کی تھی کہ رضوان حیات کوئی کال بھی اٹینڈ نہیں کر رہے تھے۔

"ریان' یار ذرا پھولوں کی پتیاں اٹھالینا دکان سے۔ آرڈر بک تھا مگر یاد ہی نہیں رہا۔"

عادل نے اپنی یادداشت کو کوستے ہوئے ریان کو کال ملائی۔ وہ اس کی گاڑی لے کر کہیں نکلا ہوا تھا۔

"اوکے' دکان کا ایڈریس بتادیں۔"

وہ گاڑی کی رفتار کم کرتے ہوئے بولا اور پھر بغور سننے لگا۔

"چلیں بس میں دس منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔

ریان نے اسے تسلی دلائی اور ادھر سے ہی گاڑی موڑ کر عادل کے بتائے ایڈریس کی طرف رخ کر لیا۔

ذرا دیر بعد اسے لگا جیسے اس کا موبائل بج رہا ہو۔ اس نے سامنے پڑا موبائل اٹھایا۔ مگر وہ اسی طرح خاموش تھا۔

مگر موبائل بجنے کی آواز ابھی بھی آرہی تھی۔ شانے اچکا کر اپنا موبائل وہیں ڈالنے کے بعد اس نے گاڑی قدرے ایک سائیڈ پر روکی۔

موبائل بجنے کی آواز پچھلی نشست سے آرہی تھی یعنی کسی کا موبائل وہاں دھرا تھا مگر اٹھانا یاد نہیں رہا تھا۔

ریان نے پیچھے مڑ کر متلاشی نظروں سے دیکھا تو پیچھے مسلسل بجتا موبائل فون اس کی نظر میں آگیا۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ موبائل فون کس کا تھا ہاں مگر اسکرین پر مسلسل جگمگاتا عمر کا نام بتا رہا تھا کہ گھر ہی کے کسی فرد کا تھا۔

گہری سانس بھرتے ہوئے ریان نے کال ریسیو کرتے ہوئے موبائل کان سے لگایا۔

"بس روشین سکندر حیات۔ بہت ہوا۔ تم نے اپنی سی کر لی اب میں اپنی کروں گا۔ شادی سے پہلے ہوٹل میں میرے ساتھ ایک گھنٹہ گزارنا تمہیں ذلت لگ رہا تھا۔ مگر اب میں جو ذلت تمہارے لیے چھوڑے جا رہا ہوں اسے مٹانے کے لیے تمہاری پوری ایک زندگی بھی ناکافی ہے۔ سنبھال کے رکھو اپنی اس عزت کو اللہ اور اس کے کسی خاص بندے کے لیے۔ تم جیسوں کے نصیب ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔ گڈ بائے فار ایور۔"

وہ بات نہیں کر رہا بلکہ پھنکار رہا تھا۔ اس کے لب و لہجے سے ہزاروں اژدھوں کا ساز ہر ٹپک کر ریان کی سماعتوں کو زہریلا

بنا رہا تھا۔

بڑی ٹون آ رہی تھی مگر مارے دکھ اور بے یقینی کے ریان کو موبائل کان سے ہٹانے کا خیال تک نہ تھا۔ جو کچھ عمر نے ابھی کہا اور جو اس کے ذہن نے سمجھا اگر وہ واقعی ویسے تھا پھر تو ایک قیامت صغریٰ ان لوگوں کی منتظر تھی۔

اس کا ذہن سنسنا رہا تھا۔

تو یہ پس منظر ہے روشین کی اچانک بیماری کا۔ وہ نازک سی لڑکی واقعی یہ ذلت کیسے سہار پاتی۔ اس قدر ذلت بھر امطالبہ۔

ریان کو تو یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ عمر نے انسانیت کا بھرم تو توڑا ہی تھا۔ مگر سکندر حیات سے خاندانی رشتے کو بھی پس پشت ڈال کر شیطانیت پر اترا ہوا تھا۔ وہ اچانک جھرجھری سی لے کر حواس میں لوٹا اپنا موبائل اٹھاتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کی اور عادل کا نمبر پریس کرنے لگا۔

بارات آگئی ہے؟" چھوٹتے ہی اس نے پوچھا۔ عادل کا جواب نفی میں تھا۔ "

""کسی سے رابطہ کر کے پوچھتے تو سہی۔""

ریان نے محتاط لفظوں میں کہا تو وہ جھلانے لگا۔

""ابھی میں خود جا رہا ہوں۔ کوئی بھی کال اٹینڈ نہیں کر رہا۔""

""...اوکے""

ریان نے فون آف کر کے ڈال دیا۔

یا خدا۔ اس کے نازک دل و ذہن کو اور کوئی جھٹکا نہ دینا۔

ریان نے اچٹتی نگاہ روشین کے موبائل فون پر ڈالی اور اسے اپنی جیب میں ڈال لیا۔ وہ پارلر سے اسی گاڑی میں میرج ہال

تک گئی تھی شاید نیچے اترتے ہوئے موبائل کا دھیان نہیں کر پائی تھی۔

☆☆☆☆

دونوں طرف کے مہمان رشتہ داروں ہی پر مشتمل تھے اور اب ادھر کے مہمانوں میں چہ مہ گوئیاں شروع ہو چکی تھیں۔ جو مہمان عمر حیات کی طرف سے شامل ہونے والے تھے ان میں سے کئی ایک نے ادھر سے شامل ہونے والے مہمان رشتہ داروں سے رابطہ کر کے بعض نے افسوس سے اور بعض نے چٹخارے لیتے ہوئے یہ خبر دی کہ بارات تیار ہے اور عین وقت پر دولہا اپنے سامان سمیت غائب تھا۔

اور اب سبھی بہانے بہانے سے سکندر حیات کو پوچھ رہے تھے۔ جن کی رنگت زرد پڑ رہی تھی اور اس ٹھنڈ میں بھی پیشانی عرق آلود تھی۔ کس کو کیا کہتے جب خود ہی کسی بات اور حالات کی خبر نہ تھی۔

مگر جو خبر عادل لے کے آیا اسے سن کے تو وہ ڈھے ہی گئے۔

"...عادل"

انہوں نے بے یقینی سے بیٹے کو دیکھا تو اس نے باپ کو یکلخت بوڑھے ہوتے دیکھ کر کسی خوف میں گھرتے ہوئے اپنے جوان بازوئوں کا سہارا دیا۔

چچا جان نے بتایا ہے کہ وہ کسی کو بتائے بغیر سامان لے کر گھر سے نکل گیا تھا اور پھر فون کال کر کے بتایا کہ اس کی" امریکہ کی فلائٹ ہے اور یہ کہ وہ بارات لے کر نہیں جائے گا۔

وہ دکھ میں گھرے ٹوٹے ہوئے لہجے میں آہستگی سے بتا رہا تھا۔

"...اوہ خدایا"

سکندر حیات کے لبوں سے سسکی بر آمد ہوئی۔

بہت کچھ عادل کے ہونٹوں تک آ کے لوٹ رہا تھا۔ مگر وہ ایک بھی لفظ کہہ کے باپ کی جان نہیں لے سکتا تھا سو انہیں ایک طرف آرام سے بٹھانے لگا۔

"مجھے روشین کے پاس لے چلو۔ میرا دل گھبرا رہا ہے۔ معافی مانگوں میں اس سے اپنے ناکردہ گناہوں کی... اس کی ماں کے قدموں میں گر جاؤں۔"

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

وہاں موجود تقریباً سبھی رشتہ داروں کو حقیقت کا جلد یا بدیر پتا لگ چکا تھا اور اب عمر حیات اور اس کی فیملی کے لیے لعن طعن کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

ایسے میں تمکین تیزی سے مردانے میں داخل ہوئی تو عادل اس کی جانب بڑھا۔

"عادی..."

وہ اپنے محبوب شوہر کو ضبط کے دہانے پر دیکھ کر بے چین ہو اٹھی۔

"فکر مت کریں..."

"بارات نہیں آ رہی تمکین۔"

عادل کا دل پھٹنے کو تھا۔ عمر سے ہزار ہا نفرت سہی مگر وہ یوں عین وقت پر پیٹھ میں چھری گھونپے گا یہ بھی کسی کے وہم و گمان میں نہیں تھا۔

"بارات آ گئی ہے عادی اور دولہا بھی۔"

تمکین کی آنسوؤں بھری آنکھیں میرج ہال کے داخلی دروازے پر تھیں، اور لہجہ جوشیلا۔

عادل نے بے اختیار ادھر دیکھا۔

پھولوں کی پتیوں سے بھرے دو شاپرز اٹھائے متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھتا ریان عزیز۔

یا ربّ! میں تیری راہ پر چلی ہوں اور اب صلہ بھی تجھ سے چاہتی ہوں۔ میں عمر کے کیئے پہ نہیں روئوں گی۔ بلکہ تیری رضا پر راضی ہو جائوں گی۔

اس نے دل کو ٹھہرا سا لیا تھا۔ پارلر سے نکلتے ہوئے اس نے اپنا موبائل فون آن کر لیا تھا۔

اور اب اسے کسی کی کال کا انتظار تھا۔ شاید آخری کال کا۔

☆☆☆☆

وہ اسے ڈاکٹر کے پاس لیکر گیا پھر سہارا دے کر واپس ٹیکسی تک لایا۔ شازمہ بھابی تلملاتی ہوئی بڑبڑا رہی تھی۔

'بھلا اب یہ ہمدردی کس کام کی۔ مرنے دو اسے' اور تماشا دیکھو۔''

ان کا بس نہیں چل رہا تھا پکڑ کے احراز کو پیچھے کرتیں اور خود رانیہ کو سنبھال کے چل پڑتیں۔ مگر وہ اتنا موقع ہی نہ دے رہا تھا۔

وہ گھر تک ان کے ساتھ آیا۔

اب آپ جا سکتے ہیں۔ مہربانی آپ کی۔'' اس نے سارے شاپنگ بیگز بھی اندر پہنچا دیے تو شازمہ بھابی نے بے رخی'' سے کہا۔

''مان لیا کہ ہمارا کوئی رشتہ نہ سہی۔ انسانیت کے ناتے ہی تھوڑی دیر بیٹھنے تو دیں۔''

وہ لجاجت سے بولا۔

''کیا فائدہ؟''

چند لمحے اسے دیکھنے کے بعد وہ یاسیت اور آزردگی سے بولیں مگر ساتھ ہی اس کی راہ چھوڑ کر پرے ہٹ گئیں تو وہ قدرے سکون کا سانس لیتا ان کی معیّت میں اندر کی جانب بڑھا

''اب کیا بتائوں۔ شاید کوئی فائدہ ہو ہی جائے۔''

"شرم کرو۔اسی معصوم کی بربادی کا تماشا دیکھنے آئے ہو۔"

وہ پھنکاریں۔

اوہو۔آپ تو سچ میں باڈی گارڈ ثابت ہو رہی ہیں۔' ' احراز نے ڈرنے کی اداکاری کی۔رانیہ بیڈ پر نیم دراز تھی انہیں" آتے دیکھ کے اٹھ بیٹھی۔آنکھوں سے جاری آنسوئوں پر اس کا قابو نہیں تھا۔جی چاہ رہا تھا دوڑ کے اس ظالم شخص کے گلے لگ جائے' اس سے لپٹ لپٹ کے روئے۔اس سے پوچھے کہ کیوں چھوڑ دیا اسے۔اتنا چاہنے کے بعد کیوں یہ ظلم کیا اس پر۔" یہ صاحب شاید تم سے کوئی بات کرنا چاہتے ہیں..." شازمہ بھابی نہ اٹھنے کے ارادے سے وہاں بیٹھ گئیں۔ "آپ کے سامنے ہی۔" وہ معصوم بنا۔ان دیکھی اور نہ سمجھ میں آنے والی خوشی اس کے تاثرات سے چھلکی جا رہی تھی۔" جو کہنا ہے کہو اور یہاں سے چلتے بنو میاں۔اب تم اس کے محرم نہیں ہو جو میں تمہیں اس کے ساتھ یہاں اکیلے میں گفتگو کی اجازت دے دوں۔" شازمہ بھابی کے کڑے لہجے نے اسے سنجیدہ کر دیا۔وہ روتی ہوئی رانیہ کو دیکھتے ہوئے اسے کوئی عہد یاد کرانے لگا۔" میں نے تم سے کہا تھا کہ اب کبھی مت رونا رانی۔" رانیہ کو لگا اس کا دل پھٹ گیا ہو۔اگر شازمہ بھابی وہاں موجود نہ ہوتیں تو وہ واقعی اٹھ کر احراز سے لپٹ ہی گئی ہوتی۔اور شازمہ بھابی' ان کا بس نہیں چل رہا تھا احراز کو کیسے باہر کا رستہ دکھائیں۔" طلاق دیتے ہوئے سوچتے نا یہ سب۔کون سا ایسا ایوارڈ تھا جس پہ بے چاری ساری عمر قہقہے لگاتی۔" وہ تلخی سے بولیں۔احراز سر جھکا کر بیٹھا رہا۔کئی لمحے اسی خاموشی میں گزرے۔عجیب بھید بھری خاموشی۔

پھر اس نے چہرہ اٹھایا تو شازمہ بھابی بھی دنگ رہ گئیں۔

احراز کی آنکھوں میں بھی نمی جھلملا رہی تھی۔

''میں کیا کہوں آپ سے۔ میں تو خود حالات کا شکار ہوا ہوں اور رشتوں پر سے بھروسہ اٹھا سو الگ۔''

''بس میاں اب ہمیں چکمے دینے کی کوشش مت کرو۔''

شازمہ بھابی نے اسے جھاڑا۔

چکمہ تو مجھے دیا ہے قسمت نے۔ وقت اور حالات نے۔ اپنی زندگی کھو بیٹھا تھا میں۔ چند ہی دن تھے کہ میں شاید خود''

''کشی ہی کر لیتا۔ مگر آج تو میں نے جیسے زندگی پا لی۔

وہ چاہت سے رانیہ کو دیکھ رہا تھا۔

وہ بلک اٹھی، مگر ایک بھی لفظ نہ کہہ سکی اب اس اجنبی سے کیا شکوہ کرتی۔

''جو کہنا ہے صاف لفظوں میں کہو۔ تم کیا کرتے ہو یا کیا کرنے والے تھے، اس سے ہمیں کوئی سروکار نہیں۔''

شازمہ بھابی نے اسے گھورا۔

جب میں یہاں سے گیا تو پتا چلا کہ میرے اطالوی مالک نے میری جگہ کسی اور کو ملازمت دے دی ہے۔ نوکری تو گئی''

اور ساتھ ہی رہنے کا ٹھکانہ بھی گیا۔ وہاں سے جلد بازی میں سستی جگہ شفٹ ہوئے۔ میرے ساتھ وہاں اور بھی کئی پاکستانی لڑکے تھے۔ خدا مہربان تھا دوسری نوکری مل تو گئی مگر کہیں اچھی جگہ رہنے کا بندوبست نہیں ہو پا رہا تھا۔ نیپولی وہاں کا بدنام علاقہ ہے۔ مجھے نہیں خبر تھی کہ جس بلڈنگ میں میں شفٹ ہوا ہوں وہ مافیا والوں کی ہے۔ ہیروئن اور دیگر ڈرگز کے دھندے میں ملوث لوگ وہاں پناہ گزین تھے۔

اسی اثنا میں میں رانیہ کو وہاں بلوانے کا ارادہ کر بیٹھا۔ مگر مجھے قدرت کے لکھے کا علم نہیں تھا کہ ایک آزمائش۔ بلکہ سخت ترین آزمائش مجھے درپیش تھی۔

پولیس کا چھاپہ پڑا اور گناہ گاروں کے ساتھ بے گناہوں کو بھی گھسیٹ کر جیل میں ڈال دیا گیا۔ نہ کوئی تفتیش نہ کوئی مقدمہ۔ مافیا کے لوگ تو ہفتہ ایک ماہ میں شاید چھوٹ بھی گئے ہوں۔ مگر میرا اور تین دیگر لڑکوں کا پاکستانی، بالخصوص

مسلمان ہونا ہماری آزادی کی راہ میں رکاوٹ بن گیا۔ مہینوں ہم نے بے گناہی کی سزا کاٹی ہے۔ باہر کی دنیا سے کوئی رابطہ نہ تھا۔ ہاں البتہ ایک بار میں نے منت کر کے وہاں

"سے آزاد ہونے والے اطالوی لڑکے کو ابرار کا رابطہ نمبر دیا تھا اور اسے تمام حالات بتانے کا کہا تھا اور ابرار جانتا بھی تھا۔

وہ جیسے اس مشکل مقام تک پہنچ کر رک سا گیا۔

شازمہ بھابی اور رانیہ دم سادھے ہوئے تھیں۔ وہ تھکے ہوئے انداز میں پھر سے گویا ہوا۔

میں نہیں جانتا تھا کہ رشتے یوں بھی دھوکا دیتے ہیں۔ یا گناہوں کی سیاہی سے لتھڑ سکتے ہیں۔ ابرار کے دل میں میرے" لیے نفرت اور سوتیلا پن اس قدر بڑھ چکا تھا۔ مجھے کبھی احساس ہی نہیں ہوا۔ میں نے ہمیشہ اسے چھوٹا بھائی نہیں بلکہ بیٹا

"سمجھا اور اس نے۔ اس نے میری ساری زندگی ہی تلپٹ کر دی۔

احراز کی آواز کہتے کہتے بھرا گئی تو وہ خاموش ہو گیا۔

"اور وہ طلاق؟"

شازمہ بھابی کی سرسراتی آواز کمرے میں گونجی' احراز نے نفی میں سر ہلایا۔

سب بکواس تھا۔ میں کیوں اور کس وجہ سے رانیہ کو چھوڑتا۔ جبکہ اسے اپنے دل کی رضا سے پایا تھا۔ یہ جانتی ہے میں تو"

"اسے وہاں بلانے کے چکروں میں تھا۔ وہ سب... ابرار کا ڈرامہ تھا۔

رانیہ پر جیسے شادیٔ مرگ طاری ہونے لگا۔

مگر شازمہ بھابی کسی دھوکے میں آنے کو تیار نہ تھیں۔

بیوقوف مت بنائو ہمیں۔ جلد یا بدیر تمہارے لوٹنے پر ابرار کا پول کھل جانا تھا۔ پھر ابرار ہی کی شامت آتی کیا اسے یہ"

"معلوم نہیں تھا؟

میری رہائی کی خبر ملتے ہی وہ بینک سے تمام روپیہ نکلوا کر جانے کہاں بھاگ گیا۔ شاید کسی دوسرے ملک۔ مہینہ ہو گیا"

"مجھے سڑکوں پر مارے مارے پھرتے۔

رانیہ زور زور سے رونے لگی۔

شازمہ بھابی متذبذب سی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"میں کچھ پینے کو لاتی ہوں۔"

"بے فکر ہو کے جائیں۔ ابھی آئیں گی تو وہ نقلی طلاق نامہ اور اس پر موجود نقلی سائن دکھاتا ہوں آپ کو۔ شکر ہے بیڈ کے گدے کے نیچے سے مل گیا۔ محترمہ جذباتی ہو کے پھاڑ دیتیں تو آج شاید میرے پاس محض اپنی سچائی بیان کرنے کو لفاظی ہی ہوتی۔"

وہ اپنی آزردگی کو بشاشت کے پردے میں چھپاتے ہوئے بولا۔ تو شازمہ بھابی کا دل بھی کچھ ہلکا ہوا۔ وہ مسکراتی ہوئی کمرے سے نکل گئیں۔

احراز اٹھ کھڑا ہوا۔

"اور اب جو سزا تم تجویز کرو۔"

"احراز۔"

وہ تڑپ کر اٹھی اور اس کے سینے سے آلگی۔

"جان احراز۔"

احراز کی بانہوں کا گھیرا اس کے گرد تنگ ہوا تھا۔

رانیہ پر خوشیٔ مرگ طاری ہونے لگی۔

"کتنا ترسی ہوں میں اس لمس کے لیے۔ اس قرب اور اس خوشبو کے لیے۔ مجھے تو جیتے جی مار ہی ڈالا تھا اس نے۔"

وہ بے اختیار ہو رہی تھی۔

"مگر اب جینا ہے۔ ہم دونوں بلکہ تینوں کو ایک ساتھ۔"

احراز نے اس کے چہرے پر جھکتے ہوئے شرارت سے کہا۔

اس کے بے ڈول سراپا سے وہ ساری بات سمجھ چکا تھا۔

رانیہ کا چہرہ رنگین ہو گیا۔

باقی سب کو گھر میں تمہارا انتظار ہے رانیہ۔ جو قصوروار تھا وہ تو بھاگ نکلا مگر وہاں سب کی دعائیں تمہاری آمد کی منتظر ہیں۔" وہ کہہ رہا تھا اور رانیہ کا دل اس کی ہر بات پر لبیک کی صدا لگا رہا تھا۔ اے خدا۔ تو رحیم ہے کریم ہے۔ تیری رحمتوں کی کوئی حد نہیں۔ میں نے واقعی تجھ سے ایک حد میں رہ کے مانگا۔ شکر تیرا میرے ربّ۔ تاعمر میرے اوپر۔ سجدہ شکر واجب ہوا۔ وہ احراز کی بانہوں کے گھیرے میں پرسکون سی محوِ مناجات تھی۔ اور احراز نے بھی گویا دوبارہ اپنی زندگی پالی تھی۔ ☆☆☆☆ سکندر حیات کا دل بے حد پریشان ہو رہا تھا۔ مقررہ وقت سے ایک گھنٹا اوپر ہو چلا تھا۔ مگر بارات کی آمد کا کہیں نام و نشان تک نہ تھا۔ زیادہ پریشانی اس بات کی تھی کہ رضوان حیات کوئی کال بھی اٹینڈ نہیں کر رہے تھے۔ "ریان' یار ذرا پھولوں کی پتیاں اٹھا لینا دکان سے۔ آرڈر بک تھا مگر یاد ہی نہیں رہا۔" عادل نے اپنی یادداشت کو کوستے ہوئے ریان کو کال ملائی۔ وہ اس کی گاڑی لے کر کہیں نکلا ہوا تھا۔ "اوکے' دکان کا ایڈریس بتا دیں۔" وہ گاڑی کی رفتار کم کرتے ہوئے بولا اور پھر بغور سننے لگا۔ چلیں بس میں دس منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔" ریان نے اسے تسلی دلائی اور ادھر سے ہی گاڑی موڑ کر عادل کے بتائے ایڈریس کی طرف رخ کر لیا۔ ذرا دیر بعد اسے لگا جیسے اس کا موبائل بج رہا ہو۔ اس نے سامنے پڑا موبائل اٹھایا۔ مگر وہ اسی طرح خاموش تھا۔ مگر موبائل بجنے کی آواز ابھی بھی آ رہی تھی۔ شانے اچکا کر اپنا موبائل وہیں ڈالنے کے بعد اس نے گاڑی قدرے ایک سائیڈ پر روکی۔

موبائل بجنے کی آواز پچھلی نشست سے آرہی تھی یعنی کسی کا موبائل وہاں دھرا تھا مگر اٹھانا یاد نہیں رہا تھا۔

ریان نے پیچھے مڑ کر متلاشی نظروں سے دیکھا تو پیچھے مسلسل بجتا موبائل فون اس کی نظر میں آگیا۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ موبائل فون کس کا تھا ہاں مگر اسکرین پر مسلسل جگمگاتا عمر کا نام بتا رہا تھا کہ گھر ہی کے کسی فرد کا تھا۔

گہری سانس بھرتے ہوئے ریان نے کال ریسیو کرتے ہوئے موبائل کان سے لگایا۔

"بس روشین سکندر حیات۔ بہت ہوا۔ تم نے اپنی سی کر لی اب میں اپنی کروں گا۔ شادی سے پہلے ہوٹل میں میرے ساتھ ایک گھنٹہ گزارنا تمہیں ذلت لگ رہا تھا۔ مگر اب میں جو ذلت تمہارے لیے چھوڑے جا رہا ہوں اسے مٹانے کے لیے تمہاری پوری ایک زندگی بھی ناکافی ہے۔ سنبھال کے رکھو اپنی اس عزت کو اللہ اور اس کے کسی خاص بندے کے لیے۔ تم جیسوں کے نصیب ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔ گڈ بائے فار ایور۔"

وہ بات نہیں کر رہا بلکہ پھنکار رہا تھا۔ اس کے لب و لہجے سے ہزاروں اژدھوں کا ساز ہر ٹپک کر ریان کی سماعتوں کو زہریلا بنا رہا تھا۔

بزی ٹون آرہی تھی مگر مارے دکھ اور بے یقینی کے ریان کو موبائل کان سے ہٹانے کا خیال تک نہ تھا۔ جو کچھ عمر نے ابھی کہا اور جو اس کے ذہن نے سمجھا اگر وہ واقعی ویسے تھا پھر تو ایک قیامت صغریٰ ان لوگوں کی منتظر تھی۔

اس کا ذہن سنسنا رہا تھا۔

تو یہ پس منظر ہے روشین کی اچانک بیماری کا۔ وہ نازک سی لڑکی واقعی یہ ذلت کیسے سہار پاتی۔ اس قدر ذلت بھرا مطالبہ۔

ریان کو تو یقین ہی نہیں آرہا تھا۔ عمر نے انسانیت کا بھرم تو توڑا ہی تھا۔ مگر سکندر حیات سے خاندانی رشتے کو بھی پس پشت ڈال کر شیطانیت پر اترا ہوا تھا۔ وہ اچانک جھرجھری سی لے کر حواس میں لوٹا اپنا موبائل اٹھاتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کی

اور عادل کا نمبر پریس کرنے لگا۔

بارات آگئی ہے؟"" چھوٹتے ہی اس نے پوچھا۔ عادل کا جواب نفی میں تھا۔"

""کسی سے رابطہ کر کے پوچھتے تو سہی۔"

ریان نے محتاط لفظوں میں کہا تو وہ جھلانے لگا۔

""ابھی میں خود جارہا ہوں۔ کوئی بھی کال اٹینڈ نہیں کر رہا۔"

"...اوکے"

ریان نے فون آف کر کے ڈال دیا۔

یاخدا۔اس کے نازک دل وذہن کو اور کوئی جھٹکا نہ دینا۔

ریان نے اچٹتی نگاہ روشین کے موبائل فون پر ڈالی اور اسے اپنی جیب میں ڈال لیا۔ وہ پارلر سے اسی گاڑی میں میرج ہال تک گئی تھی شاید نیچے اترتے ہوئے موبائل کا دھیان نہیں کر پائی تھی۔

☆☆☆☆

دونوں طرف کے مہمان رشتہ داروں ہی پر مشتمل تھے اور اب ادھر کے مہمانوں میں چہ مہ گوئیاں شروع ہو چکی تھیں۔ جو مہمان عمر حیات کی طرف سے شامل ہونے والے تھے ان میں سے کئی ایک نے ادھر سے شامل ہونے والے مہمان رشتہ داروں سے رابطہ کر کے بعض نے افسوس سے اور بعض نے چٹخارے لیتے ہوئے یہ خبر دی کہ بارات تیار ہے اور عین وقت پر دولہا اپنے سامان سمیت غائب تھا۔

اور اب سبھی بہانے بہانے سے سکندر حیات کو پوچھ رہے تھے۔ جن کی رنگت زرد پڑ رہی تھی اور اس ٹھنڈ میں بھی پیشانی عرق آلود تھی۔ کس کو کیا کہتے جب خود ہی کسی بات اور حالات کی خبر نہ تھی۔

مگر جو خبر عادل لے کے آیا اسے سن کے تو وہ ڈھے ہی گئے۔

"...عادل"

انہوں نے بے یقینی سے بیٹے کو دیکھا تو اس نے باپ کو یکلخت بوڑھے ہوتے دیکھ کر کسی خوف میں گھرتے ہوئے اپنے جوان بازوئوں کا سہارا دیا۔

چچا جان نے بتایا ہے کہ وہ کسی کو بتائے بغیر سامان لے کر گھر سے نکل گیا تھا اور پھر فون کال کر کے بتایا کہ اس کی"
امریکہ کی فلائٹ ہے اور یہ کہ وہ بارات لے کر نہیں جائے گا۔

وہ دکھ میں گھرے ٹوٹے ہوئے لہجے میں آہستگی سے بتا رہا تھا۔

"...اوہ خدایا"

سکندر حیات کے لبوں سے سسکی برآمد ہوئی۔

بہت کچھ عادل کے ہونٹوں تک آ کے لوٹ رہا تھا۔ مگر وہ ایک بھی لفظ کہہ کے باپ کی جان نہیں لے سکتا تھا سو انہیں ایک طرف آرام سے بٹھانے لگا۔

مجھے روشین کے پاس لے چلو۔ میرا دل گھبرا رہا ہے۔ معافی مانگوں میں اس سے اپنے ناکردہ گناہوں کی... اس کی ماں"
"کے قدموں میں گر جائوں۔

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

وہاں موجود تقریباً سبھی رشتہ داروں کو حقیقت کا جلد یا بدیر پتا لگ چکا تھا اور اب عمر حیات اور اس کی فیملی کے لیے لعن طعن کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

ایسے میں تمکین تیزی سے مردانے میں داخل ہوئی تو عادل اس کی جانب بڑھا۔

"...عادی"

وہ اپنے محبوب شوہر کو ضبط کے دہانے پر دیکھ کر بے چین ہو اٹھی۔

"... فکر مت کریں"

"بارات نہیں آ رہی تمکین۔"

عادل کا دل پھٹنے کو تھا۔ عمر سے ہزار ہا نفرت سہی مگر وہ یوں عین وقت پر پیٹھ میں چھری گھونپے گا یہ بھی کسی کے وہم و گمان میں نہیں تھا۔

"بارات آگئی ہے عادی اور دولہا بھی۔"

تمکین کی آنسوئوں بھری آنکھیں میرج ہال کے داخلی دروازے پر تھیں' اور لہجہ جوشیلا۔

عادل نے بے اختیار ادھر دیکھا۔

پھولوں کی پتیوں سے بھرے دو شاپرز اٹھائے متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھتا ریان عزیز۔

تمکین کی بات سمجھ کر اس کا دل ایک دم سے ہلکا پھلکا ہو گیا۔

"یہ تو مجھے یاد ہی نہیں تھا۔"

عادل کا قہقہہ اتنا بے اختیار تھا کہ کئی گردنوں نے مڑ کر تاسف سے دلہن کے بھائی کے پاگل پن کو دیکھا۔

افراتفری کا عالم ایک دم سے جیسے ختم ہو گیا۔

آسیہ بیگم کے ساتھ تمکین برائیڈل روم میں داخل ہوئی تو نئی خبر کے ساتھ۔

بارات آگئی ہے۔ بلکہ نکاح خواں آرہے ہیں اس لیے دلہن سے عرض ہے کہ اب آنکھیں پٹپٹانا بند کرے اور سر جھکا"

"کے اچھی بچیوں کی طرح بیٹھ جائے۔

فرحین بھی بہت جوش میں تھی اور آسیہ بیگم بے حد مطمئن اور فرحان۔ انہوں نے روشین کو گلے لگا کے اس کی روشن پیشانی چوم کر نئی زندگی کی کئی دعائیں دیں۔

نکاح خواں کے ساتھ گواہ بھی تھے اور عادل بھی۔

ادھر روشین جیسے ابھی بھی بے یقینی کا شکار۔

عمر حیات۔ میں تو تمہیں انسانیت کی ہر کیٹگری سے باہر نکال چکی تھی مگر شاید خدا نے تمہیں نیک راہ دکھا ہی دی۔

وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ گہری سانس لیتی خود کو ریلیکس کرنے لگی۔

وہ تو جب اس کے کانوں نے دولہا کا نام سنا تب کئی ثانیوں کے لیے ساکت رہ جانے کے بعد اسے سارا معاملہ سمجھ میں آیا۔

''تو ایک اور امتحان۔''

نکاح کی قبولیت کے بعد سائن کرتے ہوئے روشین کے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔

عادل اور فرحین کو ساتھ لے کر کھانے کے وقفے کے دوران تمکین جا کر نہ صرف ریان عزیز کے گھر کی ساری لائٹیں آن کروا کے آئی بلکہ جو دو شاپر زوہ پھولوں کی پتیوں کے بھر کے لایا تھا وہ بھی اس کے کمرے اور بستر پہ بکھیر آئی۔

''اور پھول چاہئیں عادی۔ گیٹ سے لے کر ان کے بیڈ روم تک کا راستہ بھر دیں۔''

تمکین بے حد و بے حساب خوش تھی۔

ادھر میرج ہال میں بھی فضا بالکل بدل چکی تھی۔ ہر کس و ناکس کو پتا چل چکا تھا کہ معاملہ کیا ہو گیا ہے اور سبھی دولہے کی اس تبدیلی پر خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔

اور دولہا ابھی تک سکتے و بے یقینی کی کیفیت میں تھا۔ نکاح نامے پر روشین سکندر کے سائن دیکھ لینے اور خود سائن کر

دینے کے بعد بھی۔

"یہ پہلا دولہا ہے جو مووی اور فوٹو سیشن کے دوران اتنی ٹینشن اور بے یقینی میں بیٹھا ہے۔"

ہال میں داخل ہوتی تمکین نے کھلکھلاتے ہوئے کہا تو' فرحین آنکھوں میں آنسو لئے تیزی سے اسٹیج کی طرف بڑھی۔

"تھینک یو مائی لو۔ مجھے فخر ہے کہ تم میری بیوی ہو۔"

عادل نے پیار سے تمکین کا ہاتھ دبایا تو وہ اترائی۔

"یہ تو ہے۔"

عادل کو اس کے انداز پر ہنسی آ گئی۔

وہ گھر جو کچھ دیر پہلے تک ویران پڑا تھا۔ اب وہاں تمام لائٹس آن تھیں۔ تمکین نے بلند آواز میں میوزک لگا دیا تھا۔

چوکیدار اور اس کی فیملی حیران سی آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے مووی لائٹس کی روشنی میں پھولوں کی روش پہ چل کے آتے دولہا دلہن کو دیکھ رہی تھی۔

تمکین نے کتنے ہی نوٹ ان دونوں پر سے وار کے چوکیدار کی بیوی کو پکڑائے تھے۔

وہ پتا نہیں کتنی ہمت کر کے چلتی ہوئی بیڈ روم تک پہنچی تھی۔

مووی میکر اور کیمرہ مین کو رخصت کر کے عادل نے تمکین کو چلنے کا اشارہ کیا۔

"آپ تو رک جاتیں۔"

تمکین نے جھک کے اس کی پیشانی چومی۔

"حمزہ کو امی کی گود میں سوتا چھوڑ آئی ہوں۔ جاگ گیا تو سب کو تگنی کا ناچ نچا دے گا۔

"بہانے۔"

روشین نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا تو وہ شوخ ہوئی۔

"ابھی تمہارا دولہا آ کے مجھے نکال باہر کرے گا۔ بلکہ کہنا چاہئے کہ تمہارا اچانک دولہا بلکہ اتفاقیہ دولہا روشین کو اتنے عرصے میں پہلی بار بے ساختہ ہنسی آئی تھی۔

وہ گیٹ بند کروا کے تمام دروازے لائٹس بند کرتا کمرے میں آیا تو وہ دھلے دھلائے منہ کے ساتھ سادہ سے کپڑوں میں ملبوس بیڈ پر ٹکی تولئے سے چہرہ خشک کر رہی تھی۔

ریان کھنکھار کر اندر داخل ہوا۔

روشین کے ہاتھ مدھم پڑ گئے۔ وہ چلتا ہوا اس کے عین سر پر جا کھڑا ہوا۔

روشین کے دل میں وسوسہ سا جاگا۔

سر اٹھا کے ڈرتے ڈرتے اسے دیکھا۔

"وہ... میں ان کپڑوں میں... مطلب وہ تمہارے لیے نہیں تھے۔"

وہ صفائی پیش کرنے کا ڈھنگ کھو بیٹھی۔ ریان نے جھک کر کلائی تھامتے ہوئے اسے اپنے مقابل کھڑا کیا۔

"میں بھی تمہیں اس لباس میں نہیں دیکھنا چاہتا تھا جو میرے نام کا نہیں تھا اور نہ ہی اس روپ میں۔"

روشین کا دل جیسے ہاتھوں پیروں میں دھڑکنے لگا۔ وہ نظروں کے راستے اسے دل میں جذب کر رہا تھا۔

"تمہیں کسی نے مجبور تو نہیں کیا۔"

وہ پھیکے لہجے میں پوچھنے لگی تھی کہ اس کی بات کاٹتے ہوئے ریان نے کہا۔

"ہاں کیا تھا نا، میں کہاں تیار بیٹھا تھا شادی کو۔"

روشین نے پلکیں اٹھائیں۔

ریان نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے سینے پر رکھا۔

"اس دل نے' اس دل نے مجبور کیا تھا۔ یقین مانو روشنی۔ میں تو مارے خوشی اور بے یقینی کے اگلا نکاح نامہ بھی سائن کیے دے رہا تھا وہ تو نکاں خواں نے احساس دلایا۔"

وہ بڑے مزے سے بولا تو روشین کی آنکھیں بھر آئیں۔

"میں نے کبھی تم سے اچھا سلوک نہیں کیا۔"

"تو اب کرنا۔ ساری زندگی پڑی ہے۔"

کُودا کوئی تیرے گھر میں یوں دھم سے نہ ہو گا

وہ کام کیا ہم نے جو رستم سے نہ ہو گا

وہ اس کی چاند ایسی پیشانی سے اپنی پیشانی ٹکراتے ہوئے شریر ہوا تھا۔

اور پھر بڑی چاہت سے اسے بانہوں میں بھر لیا۔

روشین رو دی کہ دل کا بوجھ بھی تو ہلکا کرنا تھا۔

"میں تمہارے قابل تو نہ تھی' مگر قسمت۔"

وہ کچھ نہیں بہت کچھ غلط کہنا چاہ رہی تھی۔ مگر ریان اسے سامنے کرتے ہوئے اس کے احمریں لبوں پر انگشتِ شہادت رکھتے ہوئے اسے روک گیا۔

"یہ میرے دل سے پوچھو۔ تم کیا ہو میرے لیے۔ تمہاری پاکبازی تمہاری باحیائی انعام ہیں میرے لیے روشین۔ اس دل نے تمہیں بہت اونچا مقام دیا ہے۔ بس ایک ریکویسٹ ہے تم سے..."

وہ کہتے ہوئے تھما اور اس کی مٹتے ہوئے کاجل سے بھری آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ پھر مسکراتے ہوئے بولا۔

"میرا بہت خیال رکھنا۔"

قلقل کرتی ہنسی سے کمرا گونجا تو ریان کو دل پر ابھی بہت جبر کرنا پڑا۔

"ہم پر تاعمر سجدۂ شکر واجب ہوا روشین۔"

اس نے کہا تو روشین سمجھ گئی۔

"میں بھی نوافل پڑھ کر اس بزرگ و برتر کا شکر ادا کرنا چاہتی ہوں جس نے مجھے عزت و آبرو سے رکھا اور میرے دل کی

''چاہت پوری کی۔

''اتنے ننھے منے سے اظہار کا شکریہ۔''

ریان نے وضو کی نیت سے واش روم کی طرف بڑھتے ہوئے جیب میں ہاتھ ڈالا تو ٹھٹک گیا۔

''یہ تمہارا موبائل ایک تو بے پرواہ بہت ہو۔ کسی دن ایسے ہی مجھے بھی کہیں نہ ڈال دو۔''

...موبائل اس کی طرف بڑھاتے ہوئے وہ شرارت سے کہہ رہا تھا۔ آگے ایک لفظ نہیں کہا

وہ تمام عمر روشین کو اس آگہی کا احساس نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔ جو اتفاقاً ہی اس کے کانوں میں پہنچ گئی تھی۔

وہ تو بس خوش تھا کہ ایک پاکیزہ سوچ سے مزین باکردار لڑکی اس کے مقدر میں لکھی گئی۔

روشین نے موبائل تھاما اور ریان نے اس کا ہاتھ۔

''...وضو''

روشین نے مسکراہٹ دباتے ہوئے اسے یاد کرایا۔ تو وہ ہنستا ہوا واش روم میں گھس گیا۔

روشین طمانیت بھری گہری سانس بھرتی خدا کے اس معجزے پر اس کی شکر گزار ہونے لگی۔

وہ نوافل ادا کرنے کے بعد اس کے پاس آ بیٹھا۔ روشین نے تسبیح ختم کر کے جھجکتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

'افراتفری میں بنایا گیا دولہا ہوں۔ منہ دکھائی میں ریان عزیز چلے گا؟''

وہ معصومیت بھری شرارت سے پوچھ رہا تھا۔

''...تمام عمر''

روشین نے جذب کے عالم میں کہا تو وہ اچھلا۔

''...پھر وہی نام''

روشین اس کی شرارت سمجھ کر ہنسنے لگی۔ پھر شرمیلی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

''...اب تو صرف ریان''

''اور میرے لیے صرف روشین۔ خدا کا انعام۔''

وہ بے حد چاہت سے بولا تو روشین طمانیت سے اس کی بانہوں میں سمٹ گئی۔

زندگی کی تند و تیز دھوپ میں وہ اس کے لیے رب العزّت نے گھنا سایہ بنا کے بھیجا تھا اور اب اس سائے تلے اسے اپنی ہنستی کھیلتی زندگی گزارنا تھی۔

انعام بہت شاندار اور تھکن سمیٹنے والا ہوتا ہے۔ روشین کو اس حقیقت کا اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ اپنی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہنے والوں کو وہ کبھی تنہا نہیں چھوڑتا۔

''میرے خدا تیرا شکر ہے۔''

اس کا رواں رواں شکر گزار تھا۔